

# صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

خلیقۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہایت مفصل و مبسوط تذکرہ  
حالات و سوانح، دینی و سیاسی خدمات، کارناموں و اخلاق و مکالمے جامع و تحقیقی کتاب

مترجم

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم ایے فاضل دیوبند  
پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی

ادارہ اسلامیات

لاہور — کراچی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ

عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

یہ کتاب، عقیدہ لائبریری

([www.aqeedeh.com](http://www.aqeedeh.com))

سے ڈائلوڈ کی گئی ہے۔

# صِدِّیقِ اکْبَرِ

رضی اللہ عنہ

خلیقۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہایت مفصل و مبسوط تذکرہ  
حالات و سوانح، دینی و سیاسی خدمات، کارناموں اور اخلاق و معارف پر جامع و تحقیقی کتاب

مترجم

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم ایے فاضل دیوبند

پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی

ادارۃ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی ○ لاہور

# صِدِّیقِ اکْبَرِ رضی اللہ عنہما

خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہایت مفصل و موجز تذکرہ  
حالات و سوانح، دینی و سیاسی خدمات، کارناموں اور اخلاق و مکام پر جامع و تحقیقی کتاب

مؤلف

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم ایے فاضل دیوبند

پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی

ادارۃ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی ○ لاہور

بار اول : جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ  
 باہتمام : اشرف برادران سلمہ الرحمن  
 ناشر : ادارۃ اسلامیات، لاہور  
 مطبع :  
 قیمت مجلد :

## فہرست مضامین صدیق اکبر رضی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۰	حضرت عائشہؓ کے ساتھ	۳۱	پہلے مسلمان کی بحث	۱۱	مقدمہ
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۳۲	ابتلاء و آزمائش	۱۸	احادیث سیرت صدیق رضی
	کانکاج،	۳۳	ہجرت حبشہ کا ارادہ		کے ماخذ کی حیثیت سے
۳۲	ہجرت مدینہ	۳۴	اسلام کے لیے ایسا وفد کار کا	۲۷	نام و نسب
"	مدینہ میں اسلام کی مقبولیت	۳۶	غلاموں پر قریش کے نظام	"	ابو قحافہ
"	قریش کا ناپاک منصوبہ	"	اور حضرت ابوبکر کی دلداری	۲۸	حضرت ابوبکر کی والدہ
۳۳	ہجرت نبویؐ کے لیے حکم	"	حضرت بلال حبشی	"	ولادت
	ربانی کا انتظار	۳۷	عامر بن فہیرہ	"	عتیق کہلانے کی وجہ
۳۴	حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت	"	حضرت ابولکلیہ	"	صدیق کہلانے کی وجہ
"	کی نیت سے تیاری	"	حضرت لبینہ	۲۹	تجارت
"	ہجرت کے لیے روانگی	"	حضرت زبیرہ	"	عہد جاہلیت میں بلند ترقی
۳۵	غار ثور میں پوشیدگی	۳۸	حضرت نہدیہ اور ام عباس	"	سلامتِ فطرت
۳۷	سراقہ بن جعشم کا واقعہ	۳۹	حضرت ابوبکر کے انفاق	۳۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
۵۰	مدینہ طیبہ میں	"	مال کی اہمیت	"	سے دوستی
	ابتدائی زندگی،	۴۰	قرآن مجید کا اعتراف	"	قبولِ اسلام

## ادارۃ اسلامیات پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

☆ دینا نیشنل مال روڈ، لاہور ☆ ادارہ اسلامیات، لاہور، پاکستان ☆ ارجن پبلنگ سوسائٹی ریزرو  
 فون: ۹۲۰۳۲۰۷۳۳۰۸۵ ۹۲۰۳۲۰۷۳۳۰۸۵ ۹۲۰۳۲۰۷۳۳۰۸۵ فیکس: ۹۲۰۳۲۰۷۳۳۰۸۵  
 پتہ: آرڈو بازار، کراچی ان ۷۷۲۲۰۱

ملنے کے پتے

ادارۃ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور

دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی ۱

ادارۃ المعارف، کورنگی کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم، کورنگی کراچی ۱۴

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۰	غزوة تبوک	۴۴	فرائض و واجبات	۱۳۸	کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
۵۱	سریہ بنو فزارہ	۴۵	خليفة کے لیے ضروری	۱۳۹	قولا و عملا کسی کے استخلاف
۵۲	امارت حج	۴۶	اوصاف و کمالات	۱۴۰	کی طرف اشارات کئے ہیں؟
۱۱۲	حجۃ الوداع نبوی	۴۷	خلافت کے لیے قربت	۱۴۱	حدیث قرطاس پر بحث
۱۱۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۴۸	رسول کی شرط،	۱۴۲	صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر
۵۳	کی وفات	۴۹	خلافت کے لیے قریشی ہونے	۱۴۳	کا مرتبہ و مقام
۱۱۵	تعمیر مسجد	۵۰	تعمیر فرض کا اعلان	۱۴۴	کارنامہ کے خلافت
۱۱۶	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی	۵۱	حضرت ابوبکر کا اندیشہ	۱۴۵	صحابہ کرام اور حضرت
۵۴	غزوات میں شرکت اور دیگر	۵۲	ان کے دلائل،	۱۴۶	ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گفتگو
۵۵	کارنامے قبل از خلافت،	۵۳	علامہ ابن قلدون کے دلائل پر بحث	۱۴۷	بجیش اُسامہ کی روانگی
۵۶	غزوة بدر	۵۴	علامہ ابن قلدون کے کلام میں	۱۴۸	مہم کی اہمیت
۶۰	غزوة اُحد	۵۵	تضاد -	۱۴۹	حضرت اُسامہ کا فوج کو
۶۳	غزوة خندق	۵۶	خليفة کے انتخاب کا طریقہ	۱۵۰	خطاب،
۶۴	غزوة بنی مصلط	۵۷	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر	۱۵۱	مہم کا نتیجہ اور فائدہ
۶۵	نزول آیت تیمم کے متعلق	۵۸	بیعت عامہ	۱۵۲	ایک بحث
۶۶	ایک بحث	۵۹	پہلا خطبہ	۱۵۳	ارتداد و بغاوت اور
۶۷	صلح حدیبیہ	۶۰	متخلفین	۱۵۴	اس کے اسباب
۶۸	غزوة خیبر	۶۱	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت	۱۵۵	مستشرقین کی رائے
۶۹	فتح مکہ	۶۲	حضرت زبیر بن عوام	۱۵۶	وفات نبوی کے وقت
۷۰	غزوة حنین	۶۳	ایک شبہ کا ازالہ	۱۵۷	عرب قبائل میں دو گروہ
۷۱	غزوة طائف	۶۴	خلافت	۱۵۸	اعراب
۷۲	غزوة موتہ	۶۵	خلافت کی تعریف	۱۵۹	سرخش و باغی قبائل
۷۳	غزوة ذات السلاسل	۶۶	خليفة کا منصب یا اس کے	۱۶۰	کس پر تھا۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۳	کے جنگی اقدامات	۱۶۳	بنو تمیم	۱۶۳	بنو حنیفہ
۱۸۴	صحابہ کرام اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ	۱۶۴	مضر	۱۶۴	اہل بخران
۱۸۵	وفود کی ناکام واپسی اور غیر	۱۶۵	اہل حضرموت	۱۶۵	بنو عامر
۱۸۶	مدینہ پر شب خون	۱۶۶	عبد بن حصین الفزارک	۱۶۶	عبد بن حصین الفزارک
۱۸۷	مدینہ پر حملہ کی تیاریاں	۱۶۷	عبد بن حصین الفزارک	۱۶۷	عبد بن حصین الفزارک
۱۸۸	عبس و زبیر کی غداری	۱۶۸	عبد بن حصین الفزارک	۱۶۸	عبد بن حصین الفزارک
۱۸۹	ذوالقعدة کو روانگی	۱۶۹	عبد بن حصین الفزارک	۱۶۹	عبد بن حصین الفزارک
۱۹۰	مدعیان نبوت اور	۱۷۰	عبد بن حصین الفزارک	۱۷۰	عبد بن حصین الفزارک
۱۹۱	مترددین صحیحہ ام جنگ	۱۷۱	عبد بن حصین الفزارک	۱۷۱	عبد بن حصین الفزارک
۱۹۲	اسلامی فوج کے گیارہ دستے	۱۷۲	عبد بن حصین الفزارک	۱۷۲	عبد بن حصین الفزارک
۱۹۳	عہد نامہ	۱۷۳	عبد بن حصین الفزارک	۱۷۳	عبد بن حصین الفزارک
۱۹۴	جنگ بدر	۱۷۴	عبد بن حصین الفزارک	۱۷۴	عبد بن حصین الفزارک
۱۹۵	حضرت خالد کو ہدایات	۱۷۵	عبد بن حصین الفزارک	۱۷۵	عبد بن حصین الفزارک
۱۹۶	بنو طے مسلمان ہوتے ہیں	۱۷۶	عبد بن حصین الفزارک	۱۷۶	عبد بن حصین الفزارک
۱۹۷	بنو عدیلہ مسلمان ہوتے ہیں	۱۷۷	عبد بن حصین الفزارک	۱۷۷	عبد بن حصین الفزارک
۱۹۸	طلیحہ سے جنگ	۱۷۸	عبد بن حصین الفزارک	۱۷۸	عبد بن حصین الفزارک
۱۹۹	طلیحہ کی شکست اور اس	۱۷۹	عبد بن حصین الفزارک	۱۷۹	عبد بن حصین الفزارک
۲۰۰	کا مسلمان ہونا،	۱۸۰	عبد بن حصین الفزارک	۱۸۰	عبد بن حصین الفزارک

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱۹	حضرت ابو بکر کا دستورِ حکومت ،	۲۸۵	حضرت خالد کی روانگی	۲۷۸	دو مسلمانوں کا سہواً قتل
"	مجلس شوریٰ	۲۸۶	معرکہ اجنادین	۲۷۹	جنگِ قرظ
"	ملکی نظم و نسق	۲۸۷	حضرت خالد کا حضرت ابو بکر صدیق کے نام	۲۸۰	حضرت خالد کا حج
۳۲۱	عہد دارانِ حکومت کا انتخاب ،	۲۸۸	ایک بحث	۲۸۱	فتوحاتِ شام
"	انتخاب کے معاملہ میں حضرت ابو بکرؓ کے اصول ،	۲۹۰	عراق میں بغاوت	۲۸۳	شام کی سرحد پر لشکر کا تعین
"	اقربا نوازی سے اجتناب	۲۹۳	عراق کے اسباب	۲۸۴	قیصر روم کی جنگی تیاری
۳۲۲	عمال کے تقریباً عالی ظرفی	۲۹۴	مغربی مصنفین کے نزدیک	۲۸۵	مشاورت
"	عمال حکومت کی دلجوئی اور ان کا احترام ،	۲۹۶	ان فتوحات کے اصل اسباب	۲۸۶	دعوتِ نامے
۳۲۳	انتخاب میں احتیاط	۲۹۷	فتوحات کے اصل اسباب	۲۸۷	قبائل کا جوش و خروش
"	آزمائشی تقریر	۲۹۹	مرض الموت اور وفا	۲۸۸	اور ان کی مدینہ میں آمد
۳۲۴	عمال کی معزولی	۳۰۰	جانثینی کے لیے مشورہ	۲۸۹	قیصر روم کے نام حضرت ابو بکر کی سفارت
۳۲۵	گورنروں کے فرائض	۳۰۱	حضرت عمرؓ کی نامزدگی	۲۹۰	قبائل کی بے قراری
"	عہدوں کی تقسیم	۳۰۲	حضرت عمرؓ کو وصی اور نصح	۲۹۱	اسلامی فوج کے عناصر
"	عہدہٴ قضا	۳۰۳	ذاتی معاملہ کی طرف توجہ	۲۹۲	ترکیبی
۳۲۸	ایک نکتہ	۳۰۵	تجہیز و تکفین کے متعلق	۲۹۳	افواج کی روانگی
"	وزارتِ عظمیٰ	۳۰۷	وصیت	۲۹۴	رومیوں سے پہلا مقابلہ
"	وزارتِ خزانہ	۳۰۸	صحابہ کرام میں صفِ ماتم	۲۹۵	اسلامی لشکر کے مختلف عناصر
۳۲۹	عہدہٴ کتابت	۳۱۳	حضرت علیؓ کا تعزیتی خطبہ	۲۹۶	قیصر روم کے لشکروں کی ترتیب
		۳۱۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بشارت ،	۲۹۷	اجتماعِ یرموک
		۳۱۳	نظامِ حکومت	۲۹۸	حضرت خالد بن ولید کی نامزدگی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۷	کنذہ و حضرت موت	۲۱۹	چند ضمنی مباحث	۱۹۹	بنو عامر کا اسلام
۲۳۹	حروبِ اشد و بغاوت پر ایک نظر ،	۲۲۰	حضرت ابو بکر کا ولایت اور کرنا	"	خالموں کو سخت سزا میں
۲۴۱	فتوحات	۲۲۱	شیخین کا اختلاف	۲۰۰	ام زمل کی فتنہ انگیزی
۲۴۸	عراق پر لشکر کشی	۲۲۳	مسیلہ اور اہل یمامہ جنگ	"	اور اس کا استیصال
۲۴۹	فوج کشی کی ابتداء	"	حضرت خالد کی نامزدگی	۲۰۱	قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک
۲۵۰	حضرت خالد کی نامزدگی	۲۲۴	ناسورانِ مہاجرین و انصار کی شرکت	"	سجاح اور مالک بن نمیرہ
"	حضرت خالد کو ہدایات	"	مجاہد کی گرفتاری	"	بنو تمیم کی اہمیت
۲۵۱	اہلۃ کی اہمیت	"	لشکر کی ترتیب	۲۰۲	مالک بن نویرہ کی بغاوت
"	جنگِ فزات السلاسل	۲۲۵	جنگ کا آغاز	"	سجاح کی آمد
۲۵۲	اہلۃ سے متعلق ایک بحث	"	مجاہدین کا جوش و خروش	۲۰۳	سجاح کی قبائل سے جنگ
۲۵۵	مذار کی جنگ	۲۲۶	مسلمانوں کا دوسرا حملہ	"	یمامہ پر حملہ کا ارادہ
۲۵۶	جنگِ دلجو	۲۲۷	مسیلہ کا قتل	۲۰۴	مسیلہ اور سجاح کا نکاح
۲۵۸	جنگِ اکتیس	۲۲۸	باقی قلعوں پر قبضہ	۲۰۵	بطاح میں حضرت خالد کا زوال
۲۵۹	حیرہ کی فتح	"	جنگِ یمامہ کی تاریخ	۲۰۶	مالک بن نویرہ کے واقعہ
۲۶۰	بنتِ بقیقہ کا افسانہ	"	صدقہ الموت کا وقوع	"	قتل پر ایک نظر ،
۲۶۲	حیرہ میں حضرت خالد کا طویل قیام ،	۲۲۹	جنگ کا اثر	"	واقعہ کی مختلف صورتیں
۲۶۳	واقعہٴ انبار	۲۳۰	بحرین	۲۰۸	واقعہ کی اصل صورت
۲۶۴	فتح عین التمر	۲۳۱	جنگِ بحرین کی اہمیت	۲۰۹	مالک بن نویرہ کا مختصر حال
۲۶۵	معرکہٴ دومۃ الجندل	۲۳۲	عمان و مہرہ	۲۱۱	مالک بن نویرہ کے اسلام کی شہادت ،
۲۶۷	عراق میں بغاوت	۲۳۳	یمن	۲۱۲	ایک اشکال اور اس کا جواب
		۲۳۴	مہم مین کی اہمیت	۲۱۴	ام تمیم سے نکاح

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۹	عمال کے نام احکام	۳۲۳	معاون پرنیس	۳۲۳	میں احتیاط،
	بھیجنے کا طریقہ		بعض اور آمدنیاں	۳۲۴	مجاہدین اسلام کی
	عہدہ اقاء		زکوٰۃ کی حیثیت اسٹیٹ		قدر اندازی،
	پولیس		ڈیوٹی کی ہے،	۳۵۷	سلمان جنگ کی فراہمی
	عمال کو ہدایات		حکومت کے مصارف	۳۲۶	امرئے فوج کو ہدایات
	تقویٰ و طہارت کی عام	۳۳۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم		فوجی مراکز کا معائنہ
	تاکید،		کے وعدوں کی تکمیل،		حضرت ابو بکر کے احکام و
	عمال و امراء سے احتساب		تقسیم میں مساوات	۳۲۷	ہدایات کا اثر
	معمولی غلیظوں سے انماض	۳۳۲	خمس، مال عنیت کی تقسیم		مغربی مصنفین کی رائے
	عمال کی تنخواہ	۳۳۵	ایک غلط روایت	۳۲۲	کسانوں کا خاص خیال
	حضرت ابو بکر کی تنخواہ	۳۳۶	غیر مسلموں کا سماج تحفظ		اہل دیہات کے ساتھ معاملہ
	مالی نظام	۳۳۷	جن چیزوں پر ٹیکس نہیں ہے؟	۳۲۳	فرائق محارب سے برتاؤ
	ریاست کے ذرائع		فوجی نظام	۳۵۱	صلح نامہ امیرہ
	آمدنی اور مصارف		شکر کے مختلف حصے	۳۵۲	تعزیرات و حدود
	عہد نبوت میں نظام مالی		شکر میں وعظ گو	۳۵۳	مجرم سے انماض
	زکوٰۃ کی شرح	۳۳۹	بنگ کے ہتھیار		عجرتناک سزا
	زمین پر محصول	۳۴۰	فوجی لباس		حد فوجی فوج
	لگان اجارہ		عورتیں بھی ساتھ ہوتی		حد سرقہ
	خراج		تعمیریں۔	۳۴۹	حد زنا
	جزیہ	۳۴۱	فوج کا معائنہ		ذاتی معاملہ میں مسامت
	فے اور غنیمت	۳۴۲	کمانڈر انچیف کا معاہدہ	۳۵۵	دینی خدمات
	جاگیر بخشی		فوج کے لیے انتخاب	۳۵۶	اصلاح عقائد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۹۹	علمی مفاد و کمالات	۳۸۲	عام سماجی حالت	۳۷۱	امر بالمعروف
۴۰۰	علم الانساب میں مہارت		اجتہاد و قیاس		بدعات پر تنبیہ
۴۰۱	ایام العرب		قیاس عہد نبوت میں		تبلیغ و اشاعت اسلام
۴۰۲	ذوق شعر و سخن	۳۸۵	استنباط احکام کے اصول	۳۷۲	جمع قرآن
۴۰۳	تقریر و خطابت		ثلاثہ	۳۷۳	ایک غلط روایت
۴۰۸	تحریر و کتابت	۳۸۶	اصل رابع یعنی قیاس	۳۷۴	جمع قرآن کی اصل حقیقت
۴۱۰	فن کتابت	۳۸۷	خیبر و فدک کا مسئلہ		ایک غلط فہمی کا ازالہ
	علم القرآن		اصل واقعہ	۳۷۵	ترتیب سور عہد نبوت میں
۴۱۳	حدیث	۳۸۸	حضرت ابو بکر کے فیصلہ	۳۷۶	صدیقی کا نامہ کی نوعیت
۴۱۴	خبر واحد کے متعلق اصول		کے وجوہ،	۳۷۸	حضرت ابو بکر کے تامل کی وجہ
	حضرت ابو بکر کی روایات		خالصہ رسول ہونے کا		حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان
	کی تعداد		مطلب،		کے جمع قرآن میں فرق
۴۱۷	فقہ	۳۹۰	خیبر و فدک کے مصارف	۳۸۰	صدیقی کا نامہ کی اہمیت
	تعبیر روایا	۳۹۱	حضرت فاطمہ زہرا کا طرز عمل		عہد صدیقی میں تمدنی حالت
۴۱۸	تصوف	۳۹۳	حضرت ابو بکر کی مجتہدانہ	۳۸۱	لباس
۴۲۰	عشق نبویؐ		بالغ نظری،	۳۸۲	غذا
	ادب و احترام نبویؐ	۳۹۵	حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ		ذرائع معاش
۴۲۲	ناموس نبویؐ کی حفاظت		کا اصرار،	۳۸۳	آزاد تجارت
	ورعیت	۳۹۶	کلامہ کی بحث		گھریلو دستکاری اور
۴۲۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۳۹۸	بچہ کس کو دیا جائے		آزاد پیشہ،
	کی طرف سے فرض کی ادائیگی،		فراست ایمانی	۳۸۴	عہد صدیقی میں وظائف نہ
	اہل بیت کے ساتھ محبت				ہونے کی وجہ



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۲	ازواج	۲۳۵	فضائل و مناقب	۲۲۳	مکارم و اخلاق
۲۲۳	اُمّ رومان رضی	"	مقام صدیقیت	۲۲۵	تقویٰ و طہارت
"	اسماء بنت عمیس رضی	۲۳۹	ادلیات	۲۲۶	خوفِ خدا
۲۲۴	جیبہ بنت خاریجہ رضی	۲۴۰	ذاتی حالات و سوانح	"	ندامت اور پشیمانی
"	اولاد	"	علیہ	۲۲۸	زہد و ورع
"	عبدالرحمن رضی	۲۴۱	لباس و غذا	۲۲۹	تواضع اور سادگی
۲۲۵	عبداللہ رضی	"	ذریعہ معاش	۲۳۰	خودداری
"	محمد بن ابی بکر رضی	"	روزینہ و خلافت	"	فقر و درویشی
۲۲۶	اسماء بنت ابی بکر رضی	"	خلیفہ ہونے کے بعد کے	"	انفاق فی سبیل اللہ
"	حضرت عائشہ رضی	"	معمولات	۲۳۱	شجاعت
۲۲۷	اُمّ کلثوم رضی	۲۴۲	عبادت	۲۳۲	حلم اور بردباری
"	انگوٹھی	"	حقوق العباد کا خیال	"	حُسنِ خلق
۲۲۸	تبصرہ	"	رقتِ قلب	۲۳۳	بمزاج
"	"	"	قسم کس طرح کھاتے تھے	"	احتسابِ نفس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مقدمہ

اسلام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرتبہ و مقام کیا ہے؟ اُس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس قول سے ہو سکتا ہے کہ۔

لقد قمنا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما کاننا بعد  
 علیہ وسلم مقاما ما کاننا نملک فیہ لو  
 لان اللہ من علینا ابی بکر  
 ذریعہ ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہم ہلاک ہو جاتے۔  
 خلفائے راشدین میں حضرت عمر فاروق کو زیادہ شہرت حاصل ہے لیکن حق یہ ہے کہ  
 اگر خلیفہ اول پورے عرب کو ایک اسلام کے علم کے نیچے لاکر جمع نہ کر دیتے تو حضرت عمر نے جو  
 عظیم کارنامے انجام دیئے ان کے لیے راہ ہموار نہیں ہو سکتی تھی۔

حضرت ابوبکر کی مدتِ خلافت دو برس اور تین مہینے کے قریب ہے لیکن اس قلیل  
 مدت میں بھی آپ نے جو کام کئے ہیں وہ نوعیت کے اعتبار سے نہایت عظیم الشان ہونے کے ساتھ اس  
 قدر چند در چند اور گونا گوں ہیں کہ مؤرخین متقدمین نے ان پر ضخیم مجلدات لکھی ہیں چنانچہ حافظ  
 ابن حجر نے اصابہ میں (جلد ۷ ص ۳۳۵) ابن عساکر کی نسبت لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ  
 تذکرہ میں ایک ضخیم کتاب لکھی تھی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں جہاں  
 عہد صدیقی کے واقعات لکھے ہیں اس موضوع پر خود اپنی ایک مستقل کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔

متقدمین نے اس سلسلہ میں جو کتابیں لکھی ہیں وہ دو قسم کی ہیں:-

- ۱۔ وہ کتابیں جو حضرت ابو بکر صدیق کے تذکرہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یعنی آپ کے تمام حالات و سوانح پر مشتمل ہیں۔
- ۲۔ وہ کتابیں جو عہد صدیقی کے بعض خاص خاص اور اہم واقعات مثلاً فتنہ ارتداد۔ مالک بن نویرہ کا واقعہ وغیرہ پر لکھی گئی ہیں۔
- ابن ندیم کی الفہرست، خطیب بغدادی اور ابن خلکان وغیرہما کے بیانات سے عہد صدیقی سے متعلق جن تالیفات کا سراغ ملتا ہے۔ ہم ذیل میں اس کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں۔

مصنف کا نام	سال وفات	تالیفات
ابو مخنف لوط بن سحبی	۱۶۰ھ	کتاب الردۃ (الفہرست ص ۱۳۶ مصری)
سیف بن عمر الاسدی التیمی	۱۶۰ھ	کتاب الردۃ (الفہرست ص ۱۳۷)
اسحق بن بشر	۲۰۶ھ	ابن ندیم نے اس کی کتاب الردۃ کا ذکر کیا ہے (الفہرست ص ۱۳۷) اس کے علاوہ اس کی ایک کتاب کا نام کتاب المبتدا بھی ہے (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۲۶ و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۸۶)
ابو عبد اللہ محمد بن عمر الواقفی	۲۰۷ھ	ابن ندیم نے عہد صدیقی سے متعلق ان کی کئی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام یہ ہیں (۱) کتاب الردۃ (۲) کتاب السقیفہ و بیعة ابی بکر (۳) کتاب سیرۃ ابی بکر و وفاتہ۔ (الفہرست ص ۱۴۲)
ابوالحسن علی بن محمد المدائنی	۲۱۵ھ	انہوں نے اس موضوع پر دو کتابیں لکھی تھیں، ایک کا نام کتاب الردۃ "اور دوسری کا "کتاب حجۃ ابی بکر الصدیق" تھا (الفہرست ص ۱۴۸)
ابواسحق اسماعیل بن عیسیٰ العطار	۲۳۲ھ	اسحق بن بشر کا شاگرد اور اس کی کتابوں کا راوی تھا تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۶۲ ابن ندیم نے اس کی کتاب الردۃ کا ذکر کیا ہے۔ (الفہرست ص ۱۵۹)
ابوزید ثیمیر بن موسیٰ ابن العفرائی	۲۳۲ھ	ابن خلکان نے اس کی کتاب الردۃ کا طویل اقتباس مالک بن

مصنف کا نام	سال وفات	تالیفات
ابو محمد احمد بن اعثم الکوفی	تاریخ وفات صحیح معلوم نہیں	اس کتاب کا نام "کتاب الفتح" ہے۔ اس کے ابتدائی حصے میں ارتداد عرب کی تاریخ پر مفصل بحث ہے۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ اصل عربی کی بہ نسبت زیادہ مشہور ہے۔
ابوریاش احمد بن ابی ہاشم القیسی۔	۳۳۹ھ	اس نے حضرت خالد بن الولید اور مالک بن نویرہ کے واقعات پر ایک مستقل رسالہ لکھا تھا (خزانة الادب ج ۲ ص ۲۳۶) خطیب بغدادی نے بھی اس سے ایک طویل عبارت نقل کی ہے یا قوت نے معجم الادب ج ۲ ص ۲۶ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

واقفی کی کتاب الردۃ کا نسخہ پٹن میں واقفی کو مؤرخین میں جو شہرت و اہمیت حاصل ہے اس کے پیش نظر نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس کی کتاب الردۃ کے متعلق ذرا تفصیل سے گفتگو کریں۔ اس کتاب کی نسبت ارباب علم کے حلقے میں مشہور ہے کہ اس کا واحد نسخہ کتب خانہ شریف باکی پور ہے جو عام طور پر خاندان لائبریری کے نام سے معروف ہے اس میں محفوظ ہے۔ چنانچہ خان بہادر عبدالمقتدر خان مرحوم کی فہرست میں زیر شمارہ ۱۰۲۲ (ج ۱ ص ۱۵۸) اس نسخہ کا مفصل حال مذکور ہے اور لوگوں نے اسی کو واقفی کی کتاب الردۃ کا نسخہ سمجھ رکھا ہے۔ لیکن اندرون کتاب صفحہ کے اوپر کتاب الردۃ کی بجائے ذیل کی سُرخ مکتبی ہے۔

هذا مما كان من اخبار اهل الردة من مسيلمة الكذاب و طليحة و كندة و بنى بكر بن وائل وغيرهم من القبائل۔

اس سرخی سے قیاس ہوتا ہے کہ زیر بحث نسخہ مستقل کتاب ہونے کی بجائے کسی بڑی کتاب کا ایک حصہ ہے۔ پھر کتاب کی سند پر غور کیا جائے تو اس قیاس کی مزید تائید ہوتی ہے اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ یہ کتاب دراصل واقدی کی کتاب الردہ کا نسخہ نہیں ہے اگرچہ اس میں واقدی کی روایات کا حصہ بھی ضرور شامل رہا ہے، یہ سند جس کا ہم نے ذکر کیا حسب ذیل ہے۔

روى ابو القاسم عبد الله بن حفص بن مهران البردعي اعزه الله تعالى قال حدثني ابو محمد احمد بن اعثم الكوفي قراءة عليه قال حدثني ابو جعفر بن عبد العزيز بن المبارك قال حدثني نعيم بن مزاحم النخعي قال حدثني محمد بن عمر بن الواقد الواقدي السلمي وحدثني ابراهيم بن عبد الله بن العلاء القرشي المديني قال حدثني احمد بن الحسين الكندي ونصير بن خالد الخوصي وابي حمزة القرشي من محمد بن اسحاق بن يسار المطلبی قال حدثني الزهري زيد بن رومان وصالح بن كيسان ويحيى بن عروة عن الزبير بن العوام ومعوذ بن لبید وعاصم بن عمر بن قتادة كل هذا يذكر انه لما قبض النبي صلى الله عليه وسلم شتمت اليهود والنصارى باهل الاسلام الخ

اس سند سے جن امور کا انکشاف ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ کتاب کا راوی ابو القاسم عبد اللہ البردعی ہے۔  
 ۲۔ راوی کو اس کتاب کی باقاعدہ اجازت احمد بن اعثم الکوفی سے حاصل ہے۔  
 ۳۔ اس کتاب میں جو روایتیں درج ہیں وہ احمد بن اعثم کو دو سلسلوں سے پہنچی ہیں پہلا سلسلہ ابو جعفر عبد العزیز بن المبارک کا ہے جو ایک واسطے سے محمد بن عمر الواقدی کا شاگرد ہے اور دوسرا سلسلہ ابراہیم بن عبد اللہ القرشی المدینی کا ہے جس میں واقدی کا کہیں ذکر نہیں۔ خان بہادر عبد المتقدر رحمتی نے اس سند کو ناقص نقل کیا ہے اور واقدی کے بعد کے سلسلہ کو حذف کر دیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف فہرست پر اعتماد کرنے والوں کو اس کتاب کے اصل مصنف کے بارے میں غور کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ حالانکہ پوری سند جب سامنے آتی ہے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس کتاب سے واقدی کا تعلق مؤلف ہونے کی حیثیت سے ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کا مؤلف لے کذا فی الاصل ۱۷

جس شخص کو قرار دیا جاسکتا ہے وہ دراصل ابو محمد احمد بن اعثم الکوفی ہے جس نے واقدی اور دوسرے متقدمین کی روایات کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے اور اپنے روایتی سلسلوں کو یکجا کتاب میں درج کر دیا ہے۔

افسوس ہے کہ کتاب الفتوح کا عربی نسخہ ہمارے علم میں کہیں نہیں ہے۔ اور اب اس کا فارسی ترجمہ ہی ملتا ہے جو کسی زمانہ میں بمبئی سے شائع ہوا تھا اور اب وہ بھی نایاب ہے۔ التبعہ اس کے قلمی نسخے عام طور پر کتب خانوں میں مل جاتے ہیں۔ اس وقت ایشیا ٹیک سوسائٹی کے دو قلمی نسخے ہمارے پیش نظر ہیں۔ ان دونوں نسخوں کی مدد سے ابن اعثم کی کتاب اور واقدی کی طرف منسوب کتاب الردہ دونوں کے سیاق و سباق کا مقابلہ کیجئے تو ان میں اصل اور ترجمہ کے ناگزیر فرق کے علاوہ کوئی بنیادی فرق نظر نہیں آئیگا۔ ہم ذیل میں کتاب الردہ کی فصول کے متوازی کتاب الفتوح کی سرخیاں درج کرتے ہیں۔ اس سے ہمارا دعویٰ ثابت ہوگا۔

فصول کتاب الردہ الواقدی نسخہ پختہ	اوراق	فصول کتاب الفتوح لابن اعثم فارسی نسخہ کلکتہ اوراق
۱۔ اخبار سقیفہ بنی ساعده	۲۵	۱۔ اخبار سقیفہ بنی ساعده
۲۔ ذکر اخبار الردہ	۶۵	۲۔ ذکر اخبار اہل ردہ
۳۔ ذکر خروج اسامہ بن زید	۷۵	۳۔ قصہ رفتن اسامہ بشام
۴۔ ذکر فجاءہ بن عبد یالیل	۱۰۵	۴۔ ذکر فجاءہ بن عبد یالیل اسلمی
۵۔ خبر مالک بن النویرہ ومسلمة الکذاب	۱۶۵	۵۔ الف۔ ذکر رفتن خالد بن الولید جنگ الک (ب) قصہ مسیلمہ جنگ الک ابن الولید با ادا وقتاد
۶۔ ذکر ارتداد اہل البحرین	۲۵۵	۶۔ ذکر مرتد شدن اہل بحرین
۷۔ ذکر ارتداد ارض حضر موت من کندہ وغیرھا	۲۶۵	۷۔ قصہ مرتد شدن حضر موت و کندہ
۸۔ بندۂ نبی ذکر المثنی بن حارثہ الشیبانی وهو اول الفتوح بعد قتال اهل الرقة ۴۰۵-۴۰۶		۸۔ ذکر فتح کربلا مرتد شدن اہل جماعت در بلاد ردم و فرس مسلمانان را مہر شد ۳۹۵-۳۹۶

کتاب الردہ کی آخری فصل خان بہادر مرحوم کی مرتبہ فہرست میں اسی طرح ہے لیکن اصل نسخہ میں پوری عبارت یہ ہے۔

نبذة في ذكر المثنى بن حارثة الشيباني وهو اقل الفتوح بعد  
قال اهل الردة وهو ايضا من رواية الاعثم الكوفي -

جیسا کہ گزرجا پہے شروع سند سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واقدی کی کتاب دراصل ابن اعثم کی روایات کا مجموعہ ہے جو واقدی کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی ابن اعثم کو پہنچی تھیں اب کتاب کی آخری فصل کے کشیدہ الفاظ سے بھی اس کی تائید ہو جاتی ہے کہ یہ نسخہ واقدی کی کتاب الردہ یا تنہا اس کی روایات کا مجموعہ نہیں ہے۔ البتہ اس قدر ضرور مسلم ہے کہ اس نسخہ میں واقدی کی ان روایات کا ضروری حصہ بھی شامل ہے جس سے واقدی کی اصل کتاب الردہ خالی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس امر واقعی کی بنیاد پر زیر بحث نسخہ کو واقدی کی کتاب الردہ کا نسخہ سمجھ لینا قطعاً درست نہیں۔

واقدی کی کتاب الردہ اور کتاب الفتح لابن اعثم کی عبارتوں کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت اور نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ لیکن بہر حال اصل اور ترجمہ میں ناگزیر فرق ہوتا ہے اس کے علاوہ قلمی نسخوں کے جملہ اختلافی اسباب و علل کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ بد قسمتی سے کتاب الردہ کا یہ واحد نسخہ جدید المخطوط ہونے کے ساتھ نقص و فتور سے بھی پر ہے اور دوسری طرف ابن اعثم کی کتاب الفتح کے پیش نظر نسخے بھی کچھ اسی قسم کے ہیں۔ اب آپ عبارتوں کا تقابلی مطالعہ کیجئے۔

(نسخہ کتاب الردہ کی عبارتیں) (فتوح ابن اعثم کی فارسی عبارتیں)

۱۔ لما قبض النبي صلى الله عليه وسلم	بے دیناں وضعیف یقیناں
شمتت اليهود والنصارى باهل	از ہر طرف در گفتگو و جستجو
الاسلام وظهر النفاق في المدينة	آمدند و فرصت جو یاں از کمین
ممن كان يخفيه قبل ذلك وماج	حدو جائے غرض بیرون جہتند
الناس واضطربوا و اقبل مالك	دو بہر جائے مجلسے دو بہر گوشہ
بن التيهان الانصارى متى وقف	محفظے پدید آمد۔ در مجمعے کہ وجوہ
على قومه فقال يا معشر الانصار	مہاجر و انصار حاضر بود

انصتوا واسمعوا مقالتي وتفهموا  
ما القيه اليكم اعلما انه قد شمتت  
اليهود والنصارى بموت نبينا  
محمد صلى الله عليه وسلم

وقد ظهرت حسيكة اهل  
الردة وعظما المصاب علينا  
ان مسيلمة الكذاب بارض  
اليمامة يردد ويبرق و  
قد تعلمون انه يدعى النبوة  
في حياة نبينا محمد صلى الله عليه  
وسلم۔ والآن قد بلغني ان  
طلحة بن خويلد الاسدي  
ايضا قد ادعى النبوة ببلاد  
بجند (اس کے بعد ابن التيهان کے بارہ  
شعر درج ہیں جو فتوح ابن اعثم میں بھی  
موجود ہیں۔)

ابو الهيثم التيهان برخواست  
دبر صباين فتور وحادثه  
شعرے فصیح برخواند کہ ترجمہ  
آن اینست . . . . .  
و در حوادث با عليه الصلوة  
والسلام کفار کہ گردن  
فرو شکستہ بودند امروز  
سر بر آوردند و سینہا پر کینہ  
گردند خصوصاً این سہ طائفہ  
یکے جہودان دوم ترسیان  
سوم منافقان و انہیں جماعت  
مسئلہ کذاب می جو شد و جوشن  
مخاربت و مقاتلت می پوشد و  
بقدر امکان بدست و زبان  
می گوشد و طلیحہ بن خویلد  
کاسہ او می لید۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر حضرت علی کی بیعت کی بحث میں آخری الفاظ یہ ہیں۔

قال فانصرف علي الى منزله قلم  
يباع حتى توفيت فاطمة ثم بايع  
بعدهم وسبعين ليلة من  
وفاتها وقيل الى بعد ستة  
اشهر والله اعلم اسي ذلك كان  
فهذا الكرمك الله ما كان من

علی بیعت ناکردہ از مجلس بازگشت  
جماعتے گویند کہ از وفات فاطمہ  
بدونیم ماہ بیعت کرد و از عائشہ  
روایت کنند کہ بعد از شش ماہ  
بیعت کرد۔ باقی داد اللہ اعلم  
و انہیں جاسخن بسیارست کہ در افض

سقیقة بنی ساعدة و هذا رواية  
العلماء و لما را دن اکتب ههنا  
شیئا من زیادات الرافضة فیقع  
هذا الکتاب فی بد غیرک فتسب  
انت الی امر من الامور والله یقینک  
(ورق ۶ ن)

۳۔ کتاب الردہ کے آخری الفاظ یہ ہیں :-

قال کان خالد بن الولید  
کلما افتتح موضعاً من  
العراق اخرج من غنائمه  
لخمس فیوجه به الی المدینة  
الی ابی بکر الصدیق ویقسم  
باقی المغنم فی اصحابه  
قال الی ان تحرکت الروم  
بارض الشام فنرجع الان الی  
ذکر فتوح الشام بعون الله  
وکرمه انشاء الله تعالیٰ -

(ورق ۳۳ ب)

احادیث سیرت الصدیق کے عمدتاً یا عمدتاً لقی کے لیے ماخذ اصولاً دو ہیں۔  
ماخذ کی حیثیت سے ایک کتب حدیث اور دوسرے تاریخ و سیرت کی کتابیں۔ ان میں  
ظاہر ہے اول نمبر کتب حدیث کا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی اسی کو مقدم رکھا ہے اور جہاں تک  
ہم احادیث صحیحہ سے مدد حاصل کر سکتے تھے اس میں کوتاہی نہیں کی ہے۔ لیکن اس موقع پر  
یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جن احادیث میں کوئی تاریخی واقعہ بیان کیا گیا ہے ان کی

وغیر انہما بر سبیل غلو و مبالغہ گویند  
وانرا یرا دن جز تعرض  
تہمت فائدہ نہ بیند  
خدائے تعالیٰ نویسنہ و خوانندہ  
را از آنچہ خلاف رضائے  
اوست نگاہ دارد -

وہر موضع کہ مسلم شدے  
خمس از غنائم آن بیرون  
کردے و نزدیک صدیق  
فرستادے و باقی بر لشکر  
بر قضیت شرع غنیمت  
کردے و ہم بریں روزگارے  
گزشت و لشکر  
بر ہر طرفے گماشت  
ذکر در حرکت آمدن  
لشکر روم در ولایت  
شام آن

نوعیت اور حیثیت ان احادیث سے کسی قدر مختلف ہے جن میں کوئی شرعی حکم یا اس سلسلہ میں آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا عمل بیان کیا گیا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تمام صحابہ اپنے طبائع،  
رجحانات اور مزاج کے اعتبار سے یکساں نہیں تھے، اس بنا پر بعض معاملات میں ان کا باہم دیگر  
مختلف الرائے ہونا ضروری تھا۔ اور اس اختلاف کے باعث کبھی لب و لہجہ میں تلخی یا شکوہ و  
شکایت کا موقع بھی پیدا ہو جاتا تھا۔ اس قسم کی احادیث کو دیکھ کر ایک نکتہ رس محقق مجوس  
کر سکتا ہے کہ روایت میں کتنی بات درست ہے اور کتنی بات محض باہمی اختلاف کے  
باعث روایت میں جگہ پا گئی ہے۔

اس بنا پر اس نوع کی احادیث سے استدلال کرتے وقت ایک صاحب تحقیق کا فرض ہے  
کہ اصول روایت کے علاوہ درایت کے ان اصول کو بھی پیش نظر رکھے۔

۱۔ واقعہ کا جو اصل راوی ہے اس کے تعلقات صاحب واقعہ یعنی جس کے متعلق وہ واقعہ بیان کیا  
گیا ہے اُس کے ساتھ کس قسم کے تھے۔

۲۔ جو واقعہ اُس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کیا اُس کے مسلمہ اوصاف و کمالات کے پیش نظر اس  
واقعہ کا صدور اُس سے ہو سکتا تھا۔

۳۔ نفس واقعہ کی نوعیت کیا ہے؟ صاحب واقعہ کی شخصیت سے قطع نظر کیا وہ واقعہ اس ہول  
میں پیش بھی آ سکتا تھا۔

۴۔ اگر واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو طبعاً اس پر جو نتائج مرتب ہونے چاہئیں وہ ہوئے یا نہیں بہر  
حال ایک تاریخی واقعہ کے نقد و برج کے جو اصول ہیں ان کا اطلاق اس واقعہ پر بھی ہونا چاہئے جو کسی  
صحیح حدیث میں مذکور ہو۔ اگرچہ وہ روایت صحیحہ میں ہی ہو۔ کیونکہ روای یا رواۃ کے ہمہ وجوہ  
نقد اور معتبر ہونے کے باوجود یہ ممکن ہے کہ راوی کو اس کے متعلق اشتباہ پیش آ گیا ہو اور اس لیے  
اس واقعہ کو اپنی دانست میں سچا سمجھ کر ہی نقل کر دیا ہو۔ مورخ کا فرض یہ ہے کہ وہ کسی واقعہ کو  
محض اس بنا پر قبول نہ کرے کہ حدیث کی کتاب میں وہ مندرج ہے بلکہ اُسے اصول نقد و برج کی  
کسوٹی پر پرکھے، اس سلسلہ کی جملہ روایات کو پیش نظر رکھے اور پھر اس باب میں کسی قطعی فیصلہ  
بجک پہنچنے کی کوشش کرے۔

ہم نے کسی واقعہ کے لیے حدیث سے استدلال کرتے وقت انہیں اصول کو پیش نظر رکھنا  
مثلاً حضرت ابوبکر صدیق سے حضرت علی کی بیعت کے سلسلہ میں محدثین اور مورخین سب میں عام  
طور پر یہ مشہور ہے کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد جب کہ حضرت ابوبکر کی خلافت  
پر چھ ماہ گزر چکے تھے، بیعت کی، اس خیال کی اصل بنیاد صحیح بخاری کی وہ روایت ہے  
جو حضرت عائشہ سے منقول ہے۔ لیکن اس سے قطع نظر کہ یہ روایت صحیح بخاری میں ہے۔  
اس روایت کو دیکھ کر ایک محقق کے ذہن میں قدرتی طور پر حسب ذیل سوالات پیدا  
ہوتے ہیں۔

- ۱- حضرت عائشہ اور حضرت علی کے تعلقات کس قسم کے تھے؟
- ۲- کیا حضرت ابوبکر کی بیعت عامہ کے وقت حضرت عائشہ خود موجود تھیں؟
- ۳- حضرت علی کا بیعت نہ کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس کا چرچا اور شہرہ عام ہونا چاہیے تھا۔  
تو پھر کیا حضرت عائشہ کے علاوہ چند اور صحابہ سے بھی یہ روایت منقول ہے؟
- ۴- تاخیر بیعت کا جو سبب روایت میں بیان کیا گیا ہے یعنی یہ کہ خلافت کے معاملہ میں اُن  
سے مشورہ نہیں لیا گیا۔ کیا یہ جویر حضرت علی کی بے نفس اور پاکیزہ پاک طینت شخصیت کے  
ساتھ مطابقت رکھتی ہے؟
- ۵- حضرت علی کا بیعت نہ کرنا مسلمانوں کی اجتماعیت کے لیے سب سے بڑا حادثہ ہو سکتا تھا تو کیا  
اُس وقت جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی فوراً اسلام کی مخالفت کا طوفان امنڈ  
پڑا تھا۔ حضرت علی بھیسی عظیم المرتبت شخصیت یہ کبھی گوارا کر سکتی تھی کہ ان کے کسی فعل  
سے مسلمانوں کی اجتماعی وحدت میں کسی قسم کا کوئی رخنہ پیدا ہو۔

۶- حضرت ابوبکر صدیق کا اسلام میں جو مرتبہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پر جو اعتماد و  
اعتقاد تھا جس کے باعث آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کی طرف قولا و عملاً اپنا رجحان  
ظاہر فرمایا تھا۔ حضرت علی سے زیادہ ان سب سے اور کون واقف ہو سکتا تھا اس بنا پر  
کیا حضرت علی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ بایں ہمہ وہ بیعت عامہ کے وقت سب مسلمانوں  
سے الگ رہیں۔ حضرت ابوبکر تو ابوبکر! حضرت علی کا کیر کڑ تو یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت

عثمان کی بیعت خلافت کے وقت بھی عام مسلمانوں سے الگ نہیں رہے اور اپنے لیے کوئی  
دعوئی یا مطالبہ نہیں کیا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

۷- اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت علی نے واقعی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی تو اس کا صاف مطلب  
یہ ہے کہ اس مدت میں جو اہم واقعات و حوادث پیش آئے اور جو درحقیقت اسلام کے لیے  
زندگی اور موت کا سوال تھے حضرت علی ان سب سے تعلق رہے اور انہوں نے حضرت ابوبکر کے ساتھ  
کوئی تعاون اور اشتراک عمل نہیں کیا تو کیا واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے؟

۸- اچھا اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے بیعت نہیں کی تو کیا حضرت ابوبکر اس کو گوگو کی  
صورت کو برداشت کر کے اسلامی وحدت کی دیوار میں یہ ایک رخنہ کھلا رہنے دے سکتے  
تھے؟ کیونکہ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علی کا بیعت نہ کرنا ان کو کم از کم ہنوا شرم کی  
حمایت و نصرت سے محروم کر دیتا ہے۔

۹- کیا صحیح بخاری کی اس روایت کے بالمقابل کچھ اور روایات ایسی ہیں جو اگرچہ صحیح بخاری  
میں نہیں لیکن اور کتب حدیث میں ہوں اور ان سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت علی نے بیعت  
عامہ کے دن ہی حضرت ابوبکر سے بیعت کی تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ صحیحین کا مرتبہ کتب حدیث میں سب سے اونچا ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ حکم  
بحیثیت مجموعی اور اکثر کے اعتبار سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ صحیحین کی ہر روایت  
دوسری کتب حدیث کی ہر روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ وجود قبول اگر غیر صحیحین کی روایت  
کے ساتھ زیادہ ہوں تو بیشک اس کو ترجیح ہونی چاہیے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی صحیحین کی اُن چند احادیث کا جن پر بعض ائمہ حدیث  
نے کلام کیا ہے۔ تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فان هذه المواضع متنازع في  
صحتها فاحصل لها من التلقي ما  
حصل لمعظم الكتاب وقد تعرض  
لذلك ابن الصلاح في قوله الامواضع  
پس یہ مقامات ایسے ہیں کہ ان کی صحت میں  
اختلاف ہے کیونکہ کتاب صحیح بخاری کے ایک بڑے جز  
کو اس طرح قبول کیا ہے (ان کی صحت پر اتفاق کیا گیا)  
تو قبول نہیں کیا اور ابن الصلاح نے یہ کیر کڑ کہا

یسیرۃ انتقدہا علیہ الدارقطنی وغیرہ وقال فی مقدمۃ شرح مسلم لہ ما اخذ علیہ مما یعنی علی البخاری ومسلم وقدح فیہ معتمد من الحفاظ فہو مستثنی مما ذکرناہ لعدم الاجماع علی تلیقیہ بالقبول۔  
(مقدمہ فتح الباری مطبوعہ مصر ۱۳۰۳ھ ص ۲۴۲)

چند مقامات کو چھو کر جن پر دارقطنی وغیرہ نے تنقید کی ہے؟  
اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور انہوں نے اپنی شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ہم نے جو دعویٰ کیا ہے کہ صحیحین کو تلقی بالقبول حاصل ہے تو اس سے بخاری اور مسلم کی روایات مستثنیٰ ہیں جن پر گرفت کی گئی ہے اور جن میں کسی لائق اعتماد حافظ حدیث نے قدح کی ہے کیونکہ ان روایات کے تلقی بالقبول پر اجماع نہیں ہے۔

اگر ہمارے مؤرخین روایات کا ان اصول کے ماتحت جائزہ لیں تو غالب یہ ہے کہ بعض کبار صحابہ تاریخ میں جو چند ایسی باتیں منسوب ہو گئی ہیں جو ان کی شایان شان نہیں ہیں ان سب کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ حضرت علی کی بیعت کی بحث میں قارئین دیکھیں گے کہ صحیح بخاری کی روایت کو ہم نے ملاحظہ الاعتبار یا موضوع نہیں کہا ہے بلکہ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اس کی جو تاویل کی ہے اور اس طرح انہوں نے اس روایت میں اور اس کی مخالف دوسری روایات میں جو تطبیق دی ہے ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس قسم کے مواقع پر محتاط طریقہ ہی ہے۔ البتہ جہاں تاویل کی گنجائش ہی نہ ہو وہاں نقد و جرح کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

احادیث کے بعد دوسرا نمبر کتب تاریخ کا ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں کسی روایت کو صرف اس بنا پر قبول نہیں کیا کہ وہ کسی مستقدم مورخ کی روایت ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی مؤرخ مستقدم ہونے کے باوجود کسی خاص معاملہ میں کوئی عصبیت رکھتا ہو یا وہ روایات کو نقد و جرح کے بغیر یوں ہی جمع کر دینے کا عادی ہو۔ اور اس کے برخلاف دوسرا مؤرخ ہو اگرچہ عہد کے اعتبار سے پہلے سے متاثر ہو لیکن اس کی بر نسبت زیادہ نقاد اور محتاط ہو۔ تو ظاہر ہے اس صورت میں اس کی روایت زیادہ معتبر اور لائق اعتماد ہوگی۔ قارئین کتاب میں جا بجا اس کی مثالیں دیکھیں گے۔

اردو زبان میں مولانا شبلی کی کتاب ”الفاروق“ جو خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے سوانح حیات اور آپ کے کارناموں کا محققانہ تذکرہ ہے۔ اردو زبان کے ادب میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اور جب تک یہ کتاب موجود ہے مولانا کا نام روشن رہے گا۔ اگرچہ ترتیب اور اہمیت کے

اعتبار سے مولانا کو پہلے حضرت ابو بکر صدیق کا تذکرہ لکھنا چاہئے تھا لیکن حضرت عمر کے دور میں جو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں اور پھر وہ سالہ مدت خلافت میں آپ نے سیاسی نظم و نسق، اجتماعی و تمدنی، اقتصادی اور سماجی مسائل کے حل کے سلسلہ میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ان سب کے پیش نظر مولانا نے ہیروز آف اسلام کی تاریخ کا جو پر و گرام بنایا تھا اس کے لیے سب سے زیادہ کشش حضرت عمر کے تذکرہ میں ہی تھی اور مولانا نئی نسل کو اسلام کی تاریخ سے متاثر کرنے کا جو جذبہ رکھتے تھے خلفائے راشدین میں اس جذبہ کی تکمیل کا سامان غالباً سب سے زیادہ الفاروق سے ہی ہو سکتا تھا۔

مولانا کی وفات کے بعد اردو میں متعدد اہل علم نے حضرت ابو بکر صدیق کا بھی تذکرہ لکھا۔ چنانچہ حاجی معین الدین احمد صاحب ندوی مرحوم نے ”خلفائے راشدین“ میں اور پھر انہیں کے ہم نام مولانا شاہ معین احمد صاحب ندوی نے تاریخ اسلام کی جلد اول میں خلیفہ اول کے حالات و سوانح اور آپ کے کارنامے لکھے یہ دونوں کتابیں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ تذکرہ ضمنی تھا اس لیے مکمل اور مفصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ بعض حضرات نے خاص حضرت ابو بکر پر ہی جو کتابیں لکھی ہیں ان میں سے جو کتابیں ہماری نظر سے گزری ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ”سیرت المصداق“ از مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی مرحوم  
اصل کتاب اردو میں تھی۔ بعد میں ڈاکٹر سید معین الحق نے اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی کر دیا تھا جس کو شیخ محمد اشرف لاہوری نے شائع کیا۔

۲۔ ”العقیق“ کے نام سے بھی ایک بزرگ نے ایک کتاب لکھی تھی۔

۳۔ چند سال ہوئے عطا محی الدین صاحب ملک نے انگریزی زبان میں ”ابوبکر“ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جو لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

۴۔ ابھی حال میں مصر کے مشہور فاضل محمد حسین ہیکل کے قلم سے بھی ایک کتاب .....  
”المصداق ابوبکر“ کے نام سے نکلی ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ بھی

پھپھ چکا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ "الفضل للمتقدم" کے مطابق ان سب حضرات کو خاکسار راقم الحروف پر شرف تقدم و فضیلت سبقت حاصل ہے لیکن با این ہمہ سیرت صدیق اکبرؐ پر ایک ایسی کتاب کی ضرورت باقی تھی جس میں تمام حالات و واقعات مستند حوالوں کے ساتھ درج ہوں۔ جن میں روایات کو یوں ہی بچوں کا تون قبول نہ کر لیا گیا ہو بلکہ علمی اصول تنقید کی روشنی میں ان پر بحث و گفتگو ہو۔ جس میں حضرت ابو بکر کے روحانی اور مادی دونوں قسم کے فضائل و کمالات یکساں طور پر اُجاگر کئے گئے ہوں سیرت صدیقؐ کے سلسلہ میں جو بعض روایات مشہور چلی آرہی ہیں ان کی تحقیق و تیسرے کی گئی ہو۔ اور اس ذیل میں جو بعض اہم مسائل پیدا ہوئے ان کا صحیح حل پیش کیا گیا ہو اور جس میں حضرت ابو بکر سے متعلق تیرہ نئی واقعات کا حتی الوسع استفہام کیا گیا ہو۔ یہ کتاب جو آپ کے پیش نظر ہے اسی ضرورت کی تکمیل کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ لیکن یہ ضرورت کس حد تک پوری ہوئی؟ اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی کریں گے۔

وَاجِدُوا عَوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سعید احمد اکبر آبادی

کلکتہ ۲۳ ستمبر ۱۹۵۷ء

## مقدمہ طبع دوم

صدیق اکبرؐ کا پہلا اڈیشن شائع ہوا تو خدا کا شکر ہے انڈیا پاک کے علمی اور اسلامی حلقوں میں اُس کا پُر تپاک خیر مقدم کیا گیا۔ اخبارات و رسائل میں اُس پر طویل تبصرے ہوئے۔ اہل علم نے خطوط کے ذریعہ اور زبانی بھی مصنف کی حوصلہ افزائی کی۔ بعض اکابر مشائخ نے اپنی خاص مجلسوں میں اسے حرفاً و آدباً پڑھا کر سنا اور دعائیں دیں۔ علاوہ ازیں یورپ کے بعض اسلامیات کے اساتذہ نے اس کا مطالعہ کر کے داد لکھی اور بعض مباحث سے خاص طور پر استفادہ کا اعتراف کیا۔ لیکن کچھ مصنف کے سبقت قلم سے اور کچھ تصحیح کا پورا اہتمام نہ ہو سکنے کے باعث کتاب میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں راقم الحروف کو جب ان کا علم ہوا تو سخت ندامت ہوئی اور ان کو نوٹ کر لیا کہ دوسرے اڈیشن میں تصحیح کر دی جائے گی۔ پھر میں نے مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی کو جن سے بڑھ کر فن حدیث و اسماء الرجال کا محقق و مبصر میرے نزدیک آج تک انڈیا پاک میں کوئی عالم نہیں ہے۔ دیرینہ نیاز مندی کی بنا پر خط لکھا کہ "اگر آپ صدیق اکبر کو ایک مرتبہ ملاحظہ فرمائیں اور اس میں جو غلطیاں ہیں ان کی نشاندہی فرمادیں تو مجھے اطمینان ہو جائے۔ مولانا نے ازراہ شفقت بزرگانہ اس درخواست کو بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور کتاب کا ایک ایک لفظ پڑھ کر غلطیوں سے مطلع فرمایا۔ میں نے نظر ثانی میں مولانا کے خط سے مکمل استفادہ کیا ہے اور اس غیر معمولی توجہ اور زحمت فرمائی کے لیے صمیم قلب سے شکر گزار ہوں۔



اس کے علاوہ مولانا سید فضل اللہ شاہ صاحب سابق صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن اور مولانا سجاد حسین صاحب کراچی صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی۔ ان دونوں حضرات کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بہ طور خود صدیق اکبر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور غلطیوں کی نشاندہی کر کے مجھ اُن سے مطلع کیا۔ ان میں سے اکثر و بیشتر غلطیاں وہ تھیں جنہیں میں خود نظر ثانی کے وقت اپنی یادداشت میں لکھ چکا تھا۔ پھر بعض مقامات ایسے بھی تھے جن میں میں ان حضرات کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکا۔ تاہم تھوڑا بہت استفادہ میں نے ان حضرات کی تحریروں سے بھی کیا ہے اس لیے یہ حضرات بھی میرے دلی شکر یہ کے مستحق ہیں

فجزاهم اللہ سعنی احسن الجزاء۔

کوئی انسانی کام نہ مکمل ہوتا ہے اور نہ احتمالِ خطا و نسیان سے بالکل محفوظ اس لیے یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ کتاب کے اس دوسرے ادیشن میں اب کوئی غلطی باقی نہیں رہی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ پہلے ادیشن میں جن غلطیوں کا علم ہوا، ان کی تصحیح اس دوسرے ادیشن میں خاص اہتمام اور توجہ سے کر دی گئی ہے۔

وَاللَّهُ هُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التَّكْلَانِ۔

## سعید احمد اکبر آبادی

علی گڑھ۔ ۲۹ اپریل ۱۹۶۱ء

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام | عبداللہ نام۔ ابو بکر کنیت اور عتیق و صدیق لقب تھا۔ والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی، والدہ ماجدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت ام الخیر تھی۔ خاندانی رشتہ سے اپنے شوہر کی چچا زاد بہن بھی تھیں لہ

نسب | حضرت ابو بکر قریشی کی ایک شاخ تیم سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کی طرف سے شجرہ نسب یہ ہے عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرثد بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ اور والدہ کا نسب نامہ یہ ہے۔ سلمیٰ بنت ضحیر بن عمرو بن کعب ل

ابو قحافہ | حضرت ابو بکر کے والد ابو قحافہ مکہ کے معزز لوگوں میں سے تھے اور کافی عمر سید تھے ان کی تین اولادیں تھیں، ایک ابو بکر۔ اور دو لڑکیاں۔ جن کے نام ام فروة اور قریبہ ہیں۔ ام فروہ کا نکاح پہلے قبیلہ ازد کے ایک شخص سے ہوا تھا جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر ان کا نکاح عقیم الداری سے ہوا۔ جو پہلے عیسائی تھا۔ پھر ۹ھ میں مدینہ آکر مسلمان ہوا۔ حضرت ام فروہ نے جب اسلام قبول کر لیا تو میان بیوی میں تفریق ہو گئی اور اس کے بعد ان کا نکاح اشعث بن قیس سے ہو گیا۔ جن کا ذکر آگے آئے گا۔ حضرت ابو بکر کی دوسری بہن قریبہ کی شادی حضرت قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری سے ہوئی تھی جو بلند پایہ صحابی اور اپنے عہد کے بڑے مدبر اور شجاع تھے۔ صحیح بخاری میں ان کا تذکرہ ہے۔ اسلام کی دعوت کا چرچا ہوا اور حضرت ابو بکر نے اس کو لبیک کہا تو ابو قحافہ اس کو جوانی کی ایک ایچ سمجھتے تھے چنانچہ عبداللہ (غالباً عبداللہ بن مسعود) کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے ارادہ سے جب غار ثور چلے گئے تو میں آپ کی خبر معلوم کرنے کی غرض سے ابو بکر کے گھر آیا ابو قحافہ موجود تھے۔ مجھ کو دیکھتے ہی غصہ میں بھرے ہوئے عصا بدست باہر نکل آئے اور بگڑ کر بولے ”یہ بھی انہیں لونڈوں میں سے ہے۔ جنہوں نے میرے بیٹے (ابو بکر) کو بگاڑ دیا ہے“

فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت ابو بکر اپنے والد ابو قحافہ کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس وقت تک ان کے سزاوار دائرہ ہی کے بال بگل کی طرح بالکل سپید ہو چکے تھے۔ رحمت عالم نے دیکھا تو حضرت ابو بکر سے فرمایا ”تم نے ان کو کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس جاتا“ آپ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! وہ خود بگلر آپ کے پاس آتے یہ ان کے لیے اس سے بہتر تھا کہ آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے“ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور ان کو مشرف باسلام کیا۔ انہوں نے بڑی طویل عمر پائی۔ سلسلہ میں ۹۷ برس کی عمر میں وفات ہوئی اس طرح ابو قحافہ پہلے شخص ہیں جو ایک خلیفہ کے وارث ہوئے۔

**حضرت ابو بکر کی والدہ** حضرت ام ایمن سلمی بنت صحز اپنے شوہر سے بھی پہلے اسلام لے آئی تھیں ان کے اسلام کا پورا واقعہ آگے آتا ہے۔ انہوں نے بھی طویل عمر پائی۔ حضرت ابو بکر کے بعد لیکن ابو قحافہ سے پہلے وفات ہوئی۔

**ولادت** حضرت ابو بکر کی ولادت عام قبل کے ڈھائی برس بعد ہوئی۔ یعنی سن ہجری کے آغاز سے سچاس برس چھ مہینے قبل۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم و بیش تین برس چھوٹے تھے اس حساب سے ۱۷ھ آپ کا سن پیدائش قرار پاتا ہے۔

**عتیق کہلانے کی وجہ** اطبری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو بکر تین بھائی تھے اور ان کے نام عتیق، معتق، اور عتیق تھے لیکن اصل یہ ہے کہ عتیق نام نہیں بلکہ لقب تھا ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا ”انت عتیق اللہ من النار تم اللہ کی طرف سے دوزخ سے آزاد ہو“ اسی وقت سے ان کا لقب عتیق پڑ گیا۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ سے بھی صاف تصریح ہے کہ عتیق آپ کا لقب ہی تھا۔

**صدیق کہلانے کی وجہ** آپ کا دوسرا لقب صدیق تھا۔ بعض لوگ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے اسلام سب سے پہلے قبول کیا تھا لیکن جیسا کہ حضرت ابو بکر کی روایت ہے۔

لہ الاصابہ ج ۲ ص ۵۴ ۵۵ لہ الاصابہ ج ۲ حرف الخاء المعجمة ص ۴۲۹ ۴۳۰ ترمذی ج ۲ ص ۲۱۴ ۲۱۵ طبری ج ۲ ص ۶۱۵۔

اس کی زیادہ صحیح وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں جو بریل امین سے پوچھا کہ میری قوم میں اس واقعہ کی تصدیق کون کرے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ”ابو بکر“ آپ کی تصدیق کریں گے وہ صدیق ہیں۔

**تجارت** قریش اگرچہ عزت و منصب اور مرتبہ و مقام کے اعتبار سے نہایت بلند و سرفراز تھے۔ لیکن آزاد ذریعہ معاش اختیار کرنے کو برانہیں جانتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں معمولی سے معمولی کام کرنے میں بھی ان کو عارضی آتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر سوداگری کرتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص تیر بناتے تھے۔ عثمان بن عفان برانسی کا پیشہ کرتے تھے۔ عمرو بن العاص قصاب تھے اور حدیبیہ کے حضرت علی دوسروں کے لیے کنویں سے پانی بھر کر اپنی معاش پیدا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر عہد جاہلیت میں بڑے پیمانہ پر کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں شام اور یمن کے متعدد سفر بھی کئے تھے۔ پہلا سفر اٹھارہ برس کی عمر میں کیا جس کا تذکرہ الاصابہ اور اسد الغابہ میں ہے۔

**عہد جاہلیت میں بلند مرتبہ** عرب قبائل میں باقاعدہ کوئی بادشاہ نہیں ہوتا تھا۔ قریش سب ممتاز تھے اس لیے اس قبیلہ کی مختلف شاخوں نے مختلف خدمات اپنے ذمہ لے رکھی تھیں حضرت ابو بکر عقل و فہم۔ اصابت رائے اور علم و بردباری میں مشہور تھے اس لیے اُشفاق کی خدمت ان کی پروردگی تھی یعنی اگر کوئی واقعہ قتل ہو جاتا تھا تو قاتل سے دیت یا خون بہا لینے کا معاملہ حضرت ابو بکر سے متعلق ہوتا تھا۔ اگر آپ قاتل کی طرف سے ضامن جاتے تو اس کا اعتبار ہوتا تھا۔ کسی اور کی ضمانت معجز نہیں تھی۔ علم الانساب والاخبار کے ماہر تھے۔ ایک روایت ہے کہ شعر بھی کہتے تھے مگر اسلام کے بعد شعر گوئی ترک کر دی تھی۔ ابن سعد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرثیہ میں آپ کے کچھ شعر نقل کئے ہیں۔

**سلامت فطرت** حضرت ابو بکر کی فطرت شروع سے ہی سلیم تھی چنانچہ آپ کو اسلام سے پہلے بھی بت پرستی سے نفرت تھی اور شراب نوشی کو برا جانتے تھے۔ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ابو نعیم کے حوالے سے حضرت عائشہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ۔

لقد حرّم ابو بکر الخمر ابو بکر نے عہد جاہلیت میں بھی شراب

لہ طبقات ابن سعد تذکرہ ابو بکر

علیٰ نفسہ فی الجاہلیۃ اپنے اوپر حرام کر رکھی تھی۔  
 آپ کا مزاج اور افتاد طبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم سے کس درجہ مشابہ  
 اور قرین تھا؟ اس کی دلیل اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ ایک موقع پر  
 ابن اللہ غنہ نے آپ کے وہی اوصاف و کمالات بیان کئے ہیں جو حضرت خدیجہ نے پہلی وحی کے نزول  
 کے موقع پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی اہم عمری کے ساتھ اسی ہم طبعی اور مزاجی توافق کا نتیجہ  
 تھا کہ آپ میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دوستی تھی۔ حافظ ابن حجر نے میمون بن مہران کا قول نقل کیا  
 ہے کہ ابو بکر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھرا راہب کے واقعہ کے بعد سے ہی ایمان لے آئے تھے اس  
 سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً حضرت ابو بکر بھی سفر شام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اس کے  
 علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ میں نکاح کی جو گفتگو ہوئی تھی اس میں بھی حضرت  
 ابو بکر واسطہ تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر دونوں کے  
 دوستانہ تعلقات دیرینہ تھے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ نبوت سے صرف ایک سال پہلے دونوں  
 میں دوستی ہوئی۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اسلام کے بعد یہ تعلق اس قدر گہرا ہو گیا کہ حضرت  
 عائشہ فرماتی ہیں ”ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر  
 صبح و شام نہ آئے ہوں۔“

قبول اسلام حضرت ابو بکر کے قبول اسلام سے متعلق اسد الغابہ میں مختلف روایات نقل کی  
 گئی ہیں جن میں سے بعض دو راز کار اور بعید از قیاس ہیں۔ صحیح بات اس قدر ہے کہ آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر اس وقت تجارت کی غرض سے  
 یمن گئے ہوئے تھے جب واپس آئے تو سرداران قریش نے گئے۔ حضرت ابو بکر نے پوچھا ”کوئی نئی بات؟“  
 ان لوگوں نے کہا ہاں ایک نئی بات یہ ہے کہ ابو طالب کا یتیم بچہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ ”یہ سن  
 کہ حضرت ابو بکر کا دل تڑپ اٹھا۔ سرداران قریش رخصت ہو گئے تو سیدھے قدم نبوی میں  
 حاضر ہوئے۔ ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعثت کے بارے میں سوال کیا اور اسی جلسہ  
 لہ الاصابہ ج ۲ حرف العین ص ۳۳۵ ۷ صحیح بخاری مطبوعہ مطبع مجتہبی ج ۱ ص ۵۵۲

میں مشرف باسلام ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے جس کسی کے  
 سامنے اسلام پیش کیا اس نے تھوڑی بہت جھجک ضرور محسوس کی لیکن جب ابو بکر کے سامنے  
 اسلام پیش کیا تو انہوں نے جھجک کے بغیر اس کو قبول کر لیا۔

پہلے مسلمان کی بحث سب سے پہلا مسلمان کون ہے؟ اس میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض میں  
 حضرت علی اور بعض میں زید بن حارثہ کو یہ شرف دیا گیا ہے۔ محدثین نے تطبیق اس طرح دی ہے کہ  
 مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر و عورتوں میں حضرت خدیجہ بچوں میں حضرت علی اور غلاموں  
 میں حضرت زید بن حارثہ سب پہلے اسلام لائے چنانچہ عمار بن یاسر کا بیان ہے کہ میں نے جب  
 پہلی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس وقت آپ کے ساتھ صرف پانچ غلام دو عورتیں  
 اور ایک ابو بکر تھے۔ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں ان پانچ غلاموں اور دو عورتوں  
 کے نام یہ بتائے ہیں۔

بلا۔ زید بن حارثہ۔ عامر بن فہیرہ۔ ابو لکبہ۔ یاسر خدیجہ رضی اللہ عنہما والدہ عمار بن  
 یاسر لیکن ابھی ایک اشکال یہ باقی رہتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کا دعویٰ اپنے متعلق یہ  
 ہے کہ جس روز میں نے اسلام قبول کیا اس روز کوئی بھی اسلام نہیں لایا تھا اور میں سات  
 دن اس طرح رہا کہ میں تین مسلمانوں میں سے ایک تھا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت  
 سعد کا اسلام حضرت ابو بکر کے اسلام پر بھی مقدم ہے۔

علامہ کرمانی نے اس اشکال کا جواب اس طرح دیا ہے کہ ممکن ہے حضرت ابو بکر اسی  
 دن صبح کو اسلام لائے ہوں اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے شام کو اسلام قبول کیا ہو اور ان کو  
 حضرت ابو بکر کے اسلام لانے کی اطلاع نہ ہو۔

بہر حال ہمارے نزدیک صبح و شام کا فرق کوئی چیز نہیں ہے ممکن ہے کہ اس اعتبار  
 سے حضرت سعد کو یا کسی اور کو بھی حضرت ابو بکر پر تقدم حاصل ہو۔ کما تاہم حضرت ابو بکر کے فخر  
 کے لیے یہی کیا گیا ہے کہ خود ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے چون و چرا اسلام قبول کرنے کی واہمی  
 لہ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۶ ص ۱۷ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴ ص ۲۵ حاشیہ نمبر ۷ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴ ص ۲۵ یہاں یہ بھی یاد  
 رکھنا چاہئے کہ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ خود سعد بن ابی وقاص حضرت ابو بکر کی ترغیب و تحریک پر اسلام لائے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر دونوں میں کسی بات پر ان بن ہو گئی ہے اور اس سے حضرت ابو بکر کو رنج پہنچا ہے تو آپ نے غصہ کے لب دلوں میں فرمایا اللہ نے مجھ کو تم لوگوں کی طرف مبعوث کیا مگر تم نے مجھ کو جھٹلایا اور ابو بکر نے تصدیق کی اور اپنے نفس اور مال کے ساتھ میری علم گساری کی تو کیا تم پھر بھی میرے ساتھی (ابو بکر) کو میری خاطر نہ چھوڑو گے؟ یعنی ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ گے راوی کا بیان ہے کہ حضور نے یہ جملہ دو مرتبہ فرمایا۔

**ابتلاء و آزمائش** | حضرت ابو بکر نے اسلام کی پہلی صدائے توحید پر ہی لبیک کہا تھا جبکہ مکہ کی پوری سرزمین اس دعوت ربانی کی مخالفت اور اس کے داعی و حامی کی دشمنی کے نعروں سے گونج اٹھی تھی چند غلاموں اور عورتوں کے مسلمان ہو جانے سے دشمنوں کو کیا خطرہ ہو سکتا تھا حضرت ابو بکر ایسی بااثر اور ذی دجا ہمت شخصیت بھی جب اس دین حق اور اس کے داعی کی حمایت و نصرت کے لیے سامنے آگئی تو اب مخالفوں اور دشمنوں کا جتنا بھی غیظ و غضب حضرت ابو بکر پر ہوتا کم تھا۔

شیخ المحب الطبری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ جب (ابتداء اسلام میں) مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۳۹ مسلمان ہو گئے تو ابو بکر نے امر کیا کہ اپنے آپ کو ظاہر کیا جائے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم ابھی تھوڑے ہیں۔ حضرت ابو بکر نے پھر امر کیا اور آنحضرت نے پھر انکار فرمایا یہاں تک کہ آنحضرت آمادہ ہو گئے اب جتنے مسلمان تھے مسجد میں آکر بیٹھ گئے۔ ابو بکر خطبہ دینے کھڑے ہوئے۔ آنحضرت بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں مشرکوں کو خبر ہو گئی انہوں نے مسجد میں گھس کر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کو نہایت ظالمانہ طریقہ پر زور و کوب کرنا شروع کیا عتبہ بن ربیعہ ایک نہایت ظالم و شقی شخص تھا وہ حضرت ابو بکر کی طرف متوجہ ہوا اور آپ کو اس بیدردی کے ساتھ مارنا شروع کیا کہ ناک چیلپی ہو کر چہرہ سے مل گئی۔ بنو تمیم کو جو حضرت ابو بکر کا قبیلہ تھا خیر ہوئی تو دوڑے ہوئے مسجد میں آئے اور مشرکوں کو وہاں سے ہٹا کر حضرت ابو بکر کو ان کے گھر لے گئے۔ ان لوگوں کو اب حضرت ابو بکر کی موت میں کوئی شک نہیں تھا۔ ابو بکر بے ہوش پڑے ہوئے تھے تھوڑی دیر میں ان کو ہوش آیا اور بنو تمیم اور ان کے والد ابو جحاف نے ان سے بات کرنی

چاہی تو انہوں نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ بنو تمیم کو اس پر غصہ آ گیا اور وہ ان کو ملامت کرتے ہوئے چلے گئے اب حضرت ابو بکر نے اپنی والدہ ام الخیر سے یہی سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ مگر ان کو بھی پتہ نہیں تھا۔ آخر حضرت عمر کی بہن ام جمیل آئیں اور ان سے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخیر و عافیت ہیں اور دارالرقم میں ہیں تو اطمینان ہوا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ میں اس وقت تک کچھ کھاؤں گا پیوں گا نہیں جب تک خود حل نہ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ لوں گا میں نے اس کی قسم کھالی ہے چنانچہ اسی حالت میں حضرت ابو بکر ام جمیل اور اپنی والدہ ام الخیر کے سہارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چہرہ انور دیکھتے ہی گر پڑے اور اسے بوسہ دیا ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کی یہ حالت دیکھی تو آپ کا بھی دل بھرا آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ اور حضرت ابو بکر کی والدہ ام الخیر نے بھی اسی دن اسلام قبول کیا۔

**ہجرت حبش کا ارادہ** | انصار قریش کے ظلم و ستم کا پارہ ہرگز نہ تھا جب بجائے گھٹنے کے بڑھتا ہی ہا اور حالت یہ ہو گئی کہ جان نثاران اسلام بر ملا خدا کا نام بھی نہیں لے سکتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبش کی ہجرت کا حکم دیا لہ حضرت ابو بکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی گوارا نہیں کر سکتے تھے لیکن چونکہ یہ ہجرت مصائب و شدائد سے بچنے کے لئے نہیں بلکہ آزادی لہ الریاض النفرہ فی مناقب العشرہ ج ۱ ص ۲۶ لہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہجرت کا یہ حکم اس لیے نہیں تھا کہ سرفروشان اسلام میں قریش کے مظالم سہنے کی طاقت نہیں رہی تھی بلکہ اس میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ اس بہانہ اسلام کی دعوت دوسرے ملکوں میں پھیلے گی اور غالباً اسی وجہ سے مہاجرین کی فہرست میں ان ناموران قریش کے نام نظر آتے ہیں جو اپنی شخصیت، طرز گفتگو اور عقل و فہم سے اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کر سکتے تھے۔ دوسری حکمت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سبق دینا تھا کہ مسلمانوں پر اگر کہیں اس قدر ظلم کیا جائے کہ ان کو خدا کا نام لینے تک کی اجازت نہ ہو تو پھر بھی مسلمانوں کو وہیں نہ پڑا رہنا چاہئے بلکہ وہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسری محفوظ جگہ میں اپنی تنظیم کمنی اور قوت بڑھانی چاہئے۔

کے ساتھ عبادت الہی کرنے کی غرض سے تھی اس بنا پر حضرت ابو بکر نے بھی حبش کی ہجرت کا ارادہ کر لیا لیکن ابھی برک الغادہ جو مکہ سے یمن کی جانب پانچ دن کی مسافت پر ہے وہاں پہنچے ہی تھے کہ ابن الدغنے سے جو قبیلہ قارہ کا سردار تھا ملاقات ہو گئی۔ ابن الدغنے نے پوچھا ”کہل کا ارادہ ہے؟“ حضرت ابو بکر نے کہا ”میرے قوم نے مجھ کو نکال دیا ہے تو اب چاہتا ہوں کہ سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں“ ابن الدغنے بولا ”تمہارے جیسے شخص کو کیسے شہر بدر کیا جاسکتا ہے۔ تم غریبوں کی مالی امداد کرتے ہو صلہ رحمی کرتے ہو۔ اباہجول کا سہارا ہو اور حق کی طرف سے حوادث کا مقابلہ کرتے ہو۔ چلو میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں وہاں تم خدا کی عبادت کرنا چنانچہ ابن الدغنے حضرت ابو بکر کو اپنے ساتھ لایا اور حضرت ابو بکر کے جو اوصاف سننے اور بیان کئے ہیں انہیں کا حوالہ دیکر کہا کہ کیا غضب ہے تم ایسے شخص کو شہر میں رہنے نہیں دیتے۔ قریش نے کہا کہ اگر وہ چھپ کر عبادت کریں تو ہم ان سے تعرض نہیں کریں گے۔ وہ یہاں رہیں تم نے جو ان کو پناہ دی ہے وہ ہمیں اس شرط پر منظور ہے۔ اس عہد کے مطابق حضرت ابو بکر کچھ دنوں تک تو پوسیدہ طور پر ہی عبادت کرتے رہے لیکن آخر نہ رہا گیا۔ اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی یہاں نماز پڑھتے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور روتے تھے ایک تو کلام الہی اور پھر حضرت ابو بکر کی درد آفریں دائرہ انگیز آواز جب قرآن کی تلاوت کرتے تو قریش کی عورتیں اور نوجوان ارد گرد جمع ہو جاتے اور اثر پذیر ہوتے، قریش نے ابن الدغنے سے شکایت کی کہ ابو بکر معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں ان سے کہو کہ اگر ان کو تمہاری پناہ میں رہنا ہے تو معاہدہ کے مطابق عبادت اور تلاوت چھپ کر کریں اور اگر وہ اس پر رضامند نہ ہوں تو تمہاری پناہ سے دست کش ہو جائیں ابن الدغنے نے حضرت ابو بکر سے یہی بات کہی تو آپ نے فرمایا ”مجھ کو تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں اب میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔“

اسلام کیلئے ایثار و فداکاری | یہ دور یہ و ان اسلام کے لیے نہایت پر آشوب اور ہند  
لہ یہ بنو ہون بن خزیمہ بن کنانہ کا قبیلہ ہے تیر اندازی میں مزب المثل تھا کہتے ہیں انصف القادہ  
من داما ہا یعنی جس نے قبیلہ قارہ کے ساتھ تیر اندازی میں مقابلہ کیا اس نے اس کے ساتھ انصاف  
کا۔ النہایہ لابن الاثیر و تاج العروس ج ۳ ص ۵۱۰۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۲۔ ۵۵۳

درجہ صبر آزما تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آپ کے جان نثاروں کو اس قدر شدید تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں کہ آج ان کے تصور سے بھی جسم پر لرزہ طاری ہوتا ہے۔ لیکن اسلام وہ نشہ نہیں تھا جس کو جسمانی تکلیفوں کی ترشی تار سکتی حضرت ابو بکر کو اپنی تو چنداں فکر نہیں تھی اس بات کا البتہ برابر دھیان رکھتے تھے کہ حضور سرور عالم کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے جب کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش آیا فوراً موقع پر پہنچ جاتے اور آپ کی مدد کرتے چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں تقریر کر رہے تھے کہ مشرکین آپ پر پل پڑے اور اس قدر گستاخی کی کہ آپ بیہوش ہو گئے حضرت ابو بکر نے بڑھ کر کہا ”کم بختو! کیا تم صرف اس لیے ان کو قتل کر دو گے کہ یہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں لہ

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط ادھر آنکلا۔ اس نے اپنی چادر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر اس کو اس طرح بل دیا کہ سردار دو عالم کا دم گھٹنے لگا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر بھی پہنچ گئے عقبہ کو کاندھوں کے بل دھکا دیکر وہاں سے ہٹایا اور بولے ”ارے ظالمو! کیا تم اس کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے لہ

مسند بزار میں حضرت علی سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قریش نے آپ کو گھیر رکھا تھا کوئی آپ کو پکڑ کر کھینچتا کوئی دھکا دیتا اور سب یہ کہتے جاتے تھے کہ تو وہ ہی ہے جس نے سب خداؤں کو ملا کر ایک کر دیا ہے حضرت علی کا بیان ہے کہ یہ منظر اس قدر بھیانک تھا کہ ہم میں سے کسی کو اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ البتہ ہاں ابو بکر آگے بڑھے اور انہوں نے قریشیوں میں سے کسی کو مارا نہیں کسی کو دھکا دیا کسی کو پیچھے ہٹایا یہ سب کچھ کرتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ ”بد بختو! کیا تم اس کو قتل کر دو گے جو اللہ کو اپنا رب کہتے ہیں“ راوی کا بیان ہے کہ یہ کہہ کر حضرت علی نے اپنی چادر اٹھائی اور رونے لگے۔ یہاں تک کہ داڑھی تر ہو گئی۔ اسی حالت میں لوگوں سے پوچھا اچھا بتاؤ! آل فرعون کا مومن اچھا تھا یا ابو بکر؟ لوگ خاموش رہے آپ نے دریافت

فرمایا گیا تم مجھ کو جواب نہیں دو گے؟ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بخدا! ابوبکر کا ایک لمحہ آل فرعون کے مومن جیسے شخص کے ہزاروں لمحوں سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ یہ شخص ایمان پوشیدہ رکھتا تھا اور ابوبکر اپنے ایمان کا اعلان کرتے تھے۔

غلاموں پر قریش کے مظالم اور دعوت اسلام کے اس پر آشوب دور میں حضرت ابوبکر صدیق حضرت ابوبکر کی داد رسی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست اور قوت بازو تھے جنہوں نے زندگی کا ہر سانس دعوت ربانی کی نشر و اشاعت اور اس کے استحکام و تقویت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ایک طرف وہ ناموران قریش کو، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کھینچ کھینچ کر اسلام کی طرف لاتے تھے اور دوسری جانب ان غریب و بے کس غلاموں کی داد رسی اور نکلو خلاصی اپنے مال سے کرتے تھے جو دعوت حق کو قبول کرنے کے جرم میں قریش کے ظلم و ستم کا سب سے بڑا نشانہ تھے۔ ہم نے ان غلاموں کے حالات ”غلامان اسلام“ میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ ذیل میں ان کے نام مع مختصر تعارف کے لکھتے ہیں۔

**حضرت بلال حبشی** اسلام کے سب سے پہلے مؤذن میں اور کیا عجب بات ہے کہ ارباب سیر انہیں کے متعلق لکھتے ہیں اول من اظہر الاسلام، یہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا، نسلاً حبشی اور اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ اُمیہ ٹھیک دوپہر کے وقت جبکہ عرب کی زمین آگ کا توابن جاتی تھی۔ حضرت بلال کو اسی توپے پر لٹا دیتا اور پھر پتھر کی ایک چٹان سینہ پر رکھتا کہ جنبش نہ کر سکیں۔ اور ان سے کہتا کہ اسلام سے توبہ کرو ورنہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جائے گا لیکن باایں ہمہ حضرت بلال فرماتے ”الحد احد“ خدا ایک ہے ایک ہے اب یہ شقی آپ کے گلے میں ایک رسی باندھ کر چھو کروں کے حوالہ کرتا جو اس حالت میں ان کو شہر میں گشت کراتے پھرتے لیکن اس عالم درد و کرب میں بھی زبان پر نعرہ تھا تو یہی ”احد احد“ حضرت ابوبکر صدیق نے جب یہ مظالم دیکھے تو امیہ بن خلف سے حضرت بلال کو خرید کر اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔ حضرت عمر فاروق فرمایا کرتے تھے ”ابوبکر سیدنا و اعترق سیدنا“ ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار کو آزاد کیا۔

**عمر بن فہیرہ** طفیل بن عبد اللہ جو حضرت عائشہ کے اخیانی (ماں شریک) بھائی تھے ان کے غلام تھے۔ حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت مصعب بن عمیر کے ساتھ عمر بن فہیرہ نے بھی اسلام قبول کیا اور ان کو بھی سخت شدائد و مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ اسلام پر مضبوطی اور استقلال کے ساتھ جمے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو ان حالات کا علم ہوا تو ان کو بھی خرید کر آزاد کیا ان کا ذکر آگے ہجرت مدینہ کے سلسلہ میں بھی آئے گا۔

**حضرت ابو فکیہ** قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے۔ صفوان بن امیہ کے غلام تھے اسلام کی صدائے کفر شکن مکہ میں بلند ہی ہوئی تھی کہ حضرت بلال اور حضرت مصیب کی طرح فوراً مسلمان ہو گئے ان پر سخت مظالم کئے جاتے تھے۔ صفوان آتش نیر و دپہر میں تپتے ہوئے ریت پر منہ کے بل اوندھا لٹا دیتا اور پھر کمر پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کر سکیں۔ حضرت ابو فکیہ تاب نہ آ کر بھونکنا ہو جاتے۔ اس بد بخت کو پھر بھی رحم نہ آتا۔ اسی حالت میں پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ان کو گھسیٹتا پھر ایک دن صفوان نے حضرت ابو فکیہ کو گرم ریت پر ڈال کر ان کو اس پیرجمی دبلے دردی سے مارا کہ ان کے سر جلنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی۔ اتنے میں حضرت ابوبکر کا اُدھر سے گزر ہوا حضرت ابو فکیہ کو اس حالت میں دیکھ کر بیاختہ جمی امد آیا۔ فوراً ان کو خرید اور آزاد کر دیا۔

**حضرت لبیدنا** حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھرانہ کی باندی تھیں۔ ابھی حضرت عمر اسلام نہیں لائے تھے کہ یہ شرف باسلام ہو چکی تھیں حضرت عمر کی درشت مزاجی مشہور ہے۔ اس غریب کو اس بیدردی سے مارتے تھے کہ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے۔ ”میں فلا دم لے لوں تو پھر ماروں گا لیکن حضرت لبیدنا نہایت استقلال و پامردی سے جواب دیتیں، ”اگر تم نے اسلام قبول نہیں کیا تو اللہ اس کا بدلہ لے گا۔“

**حضرت زبیرہ** یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھرانہ کی باندی تھیں۔ اسلام سے قبل حضرت عمر ان کو بھی بہت ستاتے اور پریشان کرتے تھے۔ ابو جہل نے ایک مرتبہ ان کو ایسا مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

حضرت لبیدنا اور حضرت زبیرہ کے لیے کیا یہ شرف کچھ کم ہے کہ ان کو حضرت عمر فاروق

لہ اسد الغابہ ج ۳ ص ۹۰ احباب تذکرہ حضرت ابو فکیہ سے استیعاب تذکرہ عمر بن الخطاب۔

ایسے اپنے آقا پر بھی قبول اسلام کے معاملہ میں تقدم حاصل ہے۔ حضرت ابوبکر کو ان غلاموں کے مصائب و شدائد کا علم ہوا تو ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ہمدیہ اور ام علیس ایہ دونوں بھی کینز ہیں جنہیں قبول اسلام کے جرم میں ان پر بھی سخت جبر و تشدد کیا جاتا تھا۔ آخر صدیقی جو دو کرم کے دستِ غریب نواز نے ان ستم رسیدوں کو بھی غلامی سے نجات دلائی۔

طبرانی نے حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے جن غلاموں اور کینزوں کو اپنے روپیہ سے خرید کر آزاد کیا ان کی تعداد سات ہے لیکن ہمارے خیال میں اس خاص معاملہ میں حضرت ابوبکر کو عام شہرت حاصل تھی وہ اس بات کی دلیل ہے کہ کل تعداد سات ہمیں زیادہ ہوگی۔ لیکن چونکہ اور دوسرے غلاموں اور باندیوں کو یہ شہرت حاصل نہیں ہو سکی اس بنا پر وہ شمار میں نہیں آئے۔

حضرت ابوبکر کی یہ فیاضیاں خالصتہً لوجہ اللہ تھیں ایک مرتبہ ان کے والد ابو قحافہ نے کہا ابوبکر تم زیادہ تر عورتوں اور ان میں بھی بوڑھیوں کو خرید کر آزاد کرتے ہو۔ بھلا یہ تمہارے کس کام آئیں گی۔ اگر ان کے بجائے تم تندہ دست و توانا غلام مردوں کو خرید کر آزاد کرو تو کبھی وقت پڑنے پر وہ تمہاری مدد بھی کر سکتے ہیں۔

حضرت ابوبکر نے کہا ابا! میں تو یہ سب کچھ انعامِ خداوندی حاصل کرنے کے لئے کرتا ہوں۔

اسلام جس نے آگے چل کر اقوامِ عالم کی تاریخ کے دفتر الٹ دیئے اس کے سبب پہلے علمبردارِ حامی اور جان نثار کون تھے، یہی چند غلام اور کینز جن میں سے کسی ایک پر درودہ احسان صدیقی تھے۔ رحمتِ عالم کو ان کی دل جوئی اس حد تک منظور تھی کہ لے اہا باوراسد الغابہ دونوں میں حضرت ابوبکر کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد تو سات ہی لکھی ہے لیکن ایک تو ان سات غلاموں کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کو عذاب دیا جاتا تھا اور دوسرے یہ کہ دونوں کتابوں میں تعداد کے ایک چلنے کے باوجود ناموں میں اختلاف ہے، یہ دونوں باتیں بھی اس امر کا قرینہ ہیں کہ حضرت ابوبکر کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد سات سے زیادہ ہوگی۔ لے ابن جریر طبری ۱۲

اگر حضرت ابوبکر کی زبان سے بھی ان کے حق میں کوئی بات ایسی نکل جاتی جو ان کے لیے آزدگی کا باعث ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کو فوراً متنبہ فرمادیتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ابوسفیان (مسلمان ہونے سے پہلے) حضرت سلمان فارسی، حضرت بلال حبشی اور حضرت صہیب رومی کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ان تینوں نے اس کو دیکھ کر کہا "اللہ کی تلوار نے اس دشمنِ خدا کی گردن نہیں اڑائی" اس وقت حضرت ابوبکر بھی کہیں پاس ہی تھے۔ یہ سُن کر بولے "تم لوگ قریش کے بزرگ کی نسبت ایسا کہتے ہو؟" پھر جب ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا "ابوبکر" تم نے شاید ان غلاموں کو خفا کر دیا۔ اگر ایسا ہے تو گویا تم نے خدا کو ناراض کر دیا۔ حضرت ابوبکر یسُن کر فوراً پلٹے اور ان تینوں سے آکر کہا۔ "میرے پیارے بھائیو! کیا میں نے تم کو ناراض کر دیا ہے انہوں نے جواب دیا نہیں! ہم خفا نہیں ہیں۔" اسے بھائی اللہ تعالیٰ تمہاری محضرت فرمائے لے

حضرت ابوبکر کے انفاقِ اسلام اس وقت حد درجہ غریب اور بے برگ دنو تھا ایک مال کی اہمیت

طرف ان غلاموں کے استقلال اور ان کی پامردی نے مکہ کی سرزمین میں اسلام کے قدم جمائے تو دوسری جانب حضرت ابوبکر نے اللہ کی راہ میں دولت خرچ کر کے ان قدموں میں توانائی اور مضبوطی پیدا کی چنانچہ جیسا کہ تم نے بھی دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ان غلاموں کی دل جوئی اور دل دہی فرماتے تھے حضرت ابوبکر کے انفاقِ مال کی اہمیت کا بھی پاس گزارا نہ اعتراف کرتے تھے حدیث اور تاریخ دوسری کتابوں میں اس قسم کے متعدد مواقع کا ذکر ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔

ما نفعنی مال احد قط ما ابوبکر کے مال نے مجھ کو نفع پہنچایا

نفعنی مال ابی بکر لے ہے کسی اور کے مال نے اتنا نہیں پہنچایا

ایک دوسرے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ امانت و تشکر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

اللہ لیس من الناس أحدًا آمن عقی بے شبہ جان و مال کے لحاظ سے ابوبکر سے  
فی نفسه و مللہ من الی بکر۔ زیادہ مجھ پر کسی اور کا احسان نہیں ہے۔  
تو حضرت ابوبکر رونے لگے اور عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ جان اور مال کیا کسی اور کے

لیے بھی ہے۔ لے

قرآن مجید کا اعتراف | اسی بنا پر خود قرآن نے ان مخلصوں کو جو فتح مکہ سے قبل اپنے جان  
و مال سے اسلام کی مدد کرتے تھے (اور کوئی شبہ نہیں کہ ان میں حضرت ابوبکر کا نام سر فہرست  
ہے) ان لوگوں کے مقابلہ میں خاص عظمت و برتری کا مستحق قرار دیا ہے جو فتح مکہ کے بعد  
ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لَا يَسْتَوْجِبُ مَنكُم مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ  
وَقَاتَلَ أَوْلِيَاءَ أَكْثَرُ دَرَجَةٍ مِّنَ  
الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا۔

(سورۃ المحمّد)

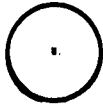
حضرت ابوبکر جب اسلام لائے تھے ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے لیکن جب  
مدینہ پہنچے ہیں تو صرف پانچ ہزار درہم رہ گئے تھے لے باقی سب کی سب اللہ کے راستہ میں  
خرچ کر دی۔

حضرت عائشہ کے ساتھ آنحضرت | قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن جن طریقوں  
صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح سے سارے تھے ان سب کے باوجود آپ کی زوجہ

محترمہ حضرت خدیجہ جو قریش کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور ابوطالب جو آپ کے چچا  
تھے اور قریش میں بڑی بااثر شخصیت رکھتے تھے ان دونوں کے وجود سے آپ کو بڑی قوت اور دل جمعی  
تھی لیکن سنہ نبوی میں چند روز کے آگے پیچھے سے دونوں کی وفات ہو گئی۔ طبعی طور پر  
ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ کا اس قدر غم ہوا کہ آپ اس سال کو عام الحزن  
یعنی غم کا سال کہتے تھے اور اکثر اس اور غمگین نظرتے تھے۔ اسی اثنا میں خولہ بنت حکیم نے

لے کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۶ ۵۷ اصحابہ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ج ۲ ص ۸۳۱

حضرت عائشہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی تحریک کی۔ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کو ایک خواب کے ذریعہ اس قرآن السعدین کی اطلاع پہلے ہی دی جا چکی تھی لے اس لئے  
آپ راضی ہو گئے۔ اب خولہ نے حضرت عائشہ کی والدہ ام رومان سے اس کا ذکر چھیڑا انہوں نے  
حضرت ابوبکر سے تذکرہ کیا۔ وہ بولے کہ میں جمیر بن مطعم کو زبان دے چکا ہوں۔ لیکن جب  
جمیر بن مطعم سے اس معاملہ میں بات چیت کی گئی تو اس نے انکار کر دیا۔ اب حضرت ابوبکر  
آزاد تھے چنانچہ آپ نے چار سو درہم پر حضرت عائشہ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے  
کر دیا۔ اس وقت صرف نکاح ہوا تھا اور حضرت عائشہ کی عمر چھ برس کی تھی۔ غرض کہ اس  
رشتہ تمصاہرت کے قائم ہو جانے سے حضرت ابوبکر صدیق کی قبائے شرف و مجد میں ایک اور  
حکمہ زرین کا اضافہ ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک ایسی رفیقہ حیات کا  
انتظام ہو گیا جو آگے چل کر اسلامی احکام و مسائل کی تشریح و توضیح اور دین حق کی تبلیغ  
و اشاعت میں آپ کی دست و بازو ثابت ہوئیں۔





## ہجرت مدینہ

مدینہ میں اسلام کی مقبولیت | اسلام کا جو آفتاب جہاں تاب مگر کے افق سے طلوع ہوا تھا اس کی کرنیں مدینہ کو منور کرنے لگی تھیں۔ یہاں سے مختلف قبیلوں کے لوگ جو ہر سال حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ آتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہنچ کر قرآن مجید کی آیتیں سنتے اور دین حق کی دعوت دیتے۔ اکثر موقعوں پر حضرت ابوبکر بھی ہمراہ ہوتے۔ یہ لوگ یہودیوں کے ساتھ اختلاف وارتباط رکھنے کی وجہ سے دین الہی کے تصور سے بے بہرہ نہیں تھے اور ساتھ ہی تورات کی پیش گوئی کے باعث ایک پیغمبر موعود کی بعثت کے منتظر تھے۔ اس بنا پر اب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کی زبان حق ترجمان سے قرآن مجید سنا تھا ان کو اسلام کی دعوت قبول کرنے میں زیادہ پس و پیش نہیں ہوا بلکہ انہوں نے جلدی اس لیے کی کہ کہیں مدینہ کے یہودی اس سعادت اندوزی میں ان پر سبقت نہ لے جائیں یہ حجاج خود مسلمان ہوتے تھے اور پھر چونکہ ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کے مطابق اپنے مبلغین بھی مدینہ میں بھیجے شروع کر دیئے تھے جو وہاں رہ کر دین حق کی نشر و اشاعت کا فرض انجام دے رہے تھے اس بنا پر اسلام جو خود اپنے وطن میں غریب الوطن تھا مدینہ کی سرزمین میں سرسبز و شاداب ہو رہا تھا اور وہاں روز بروز اس کی مقبولیت بڑھتی جا رہی تھی۔

قریش کا ناپاک منصوبہ | قریش نے جب دیکھا کہ اب تک انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں کو ستانے۔ ڈرانے اور پریشان کرنے کی جتنی بھی تدبیریں کی ہیں ان میں سے ایک تدبیر بھی کارگر نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ تین برس تک آل ہاشم شعب ابی طالب

میں محصور رہے اور اس مدت میں بھوک اور پیاس کی کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو انہوں نے اٹھائی نہ ہو مگر اس کا نتیجہ بھی کچھ نہیں نکلا۔ بلکہ اور الٹا اثر یہ ہو رہا ہے کہ اسلام مدینہ میں پھیل رہا ہے اور اپنی بڑی مضبوط کرتا جا رہا ہے تو اب ان لوگوں نے دارالندوہ میں جو ان کا دارالمشورہ تھا اپنا ایک اجتماع کیا اور باہم مشاورت کی کہ اب انہیں کیا کرنا چاہئے۔ اس اجتماع میں نامور زعمائے قریش شریک تھے۔ مختلف رائیں پیش ہوئیں آخر ابو جہل نے کہا: ”ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی چنا جائے اور سب لوگ ایک ساتھ مل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تلواروں سے حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیں، اس صورت میں ان کا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا اور آل ہاشم کے لیے ان کا اکیلے مقابلہ کرنا آسان نہ ہوگا۔“ اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

ہجرت نبوی کے لیے | ادھر مدینہ میں اسلام کی پذیرائی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم ربانی کا انتظار | نے اپنے اکثر جان نثاروں کو پہلے ہی مدینہ کی ہجرت کا حکم دے دیا تھا۔ اور اکثر صحابہ وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی مدینہ پہنچنے کی جلدی کر رہے تھے لیکن ان کی قسمت میں رفیق غار ثور ہونے کی سعادت لکھی تھی اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ٹال رہے تھے اور خود اپنے لیے حکم خداوندی کے منتظر تھے۔ آخر وہ وقت بھی آ گیا۔ ادھر دارالندوہ میں یہ قرارداد منظور ہو رہی تھی کہ رحمت عالم کے وجود مسعود سے عالم کو محروم کر دیا جائے اور ادھر رب السموات والارض نے اپنے حبیب پاک کو یہاں سے ہجرت کر جانے کا حکم دیا اور اعلان کر دیا ”الْمَنْصُورُ وَهُوَ فَهْدٌ نَصْرَهُ اللَّهُ“ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہیں کرتے تو نہ کرو اللہ ان کی مدد کرے گا۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ کی زبانی یہ پوری داستان بڑی تفصیل سے سنائی ہے۔ چونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ عظمت و توکل علی اللہ اور حضرت ابوبکر صدیق کی ذات اقدس کے ساتھ غیر معمولی محبت اور شفقت اور ساتھ ہی حسن انتظام۔ نفاست پسندی اور لطافت طبع پر روشنی پڑتی ہے اس لیے ہم اس کو بوجہ نقل کرتے ہیں۔ اصل روایت میں کہیں دوسری روایت سے مدد لے کر اضافہ بھی کر دیا گیا ہے تاکہ پورا واقعہ ایک ہی جگہ آجائے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عائشہ اگرچہ

اس وقت کم سن تھیں لیکن ظاہر ہے ان کی یہ روایت گویا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکر صدیق کی روایت ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

حضرت ابوبکر کی ہجرت "جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مجھ کو کی نیت سے تیاری تم لوگوں کا مقام ہجرت دکھادیا گیا ہے اور وہ ایسا اور ایسا ہے تو بہت سے لوگوں نے مدینہ جانا شروع کر دیا یہاں تک کہ جو مسلمان حبش چلے گئے تھے انہوں نے بھی وہاں سے واپس آکر مدینہ کا رخ کیا۔ حضرت ابوبکر نے بھی تیاری کرنی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ ابھی ذرا ٹھہرو" میں امید کرتا ہوں کہ مجھ کو عنقریب اجازت ملے گی۔

ابوبکر بولے "میرا باپ آپ پر قربان کیا آپ کو اس کی امید ہے؟ ارشاد ہوا "ہاں" یہ سن کر حضرت ابوبکر نے طے کر لیا کہ بس اب وہ حضور پر نور کے ساتھ ہی چلیں گے، ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں ان کو چار مہینے پہلے سے بھول کی پتیاں کھلانا شروع کر دیں تاکہ سفر ہجرت میں کام آئیں ہجرت کے لیے روانگی اچھا مہینے اسی طرح گزر گئے ایک دن دوپہر کا وقت تھا ہم سب لوگ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر سے کہا "وہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر ڈھانکے ہوئے تشریف لارہے ہیں۔" یہ وقت تو حضور کے یہاں آنے کا نہیں ہے، حضرت ابوبکر نے سرکارِ دو عالم کو دیکھا تو بولے "میرے ماں باپ آپ پر قربان! اس ناوقت آپ ضرور کسی اہم کام کے لیے تشریف لارہے ہیں۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ ہی گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت مانگی اجازت دیکھی تو آپ گھر میں داخل ہوئے اور حضرت ابوبکر سے فرمایا "جو لوگ اس وقت تمہارے پاس ہیں ان کو ہٹا دو" حضرت ابوبکر نے جواب دیا "حضور! یہاں آپ کا غیر کون ہے" اب آپ نے فرمایا "مجھ کو ہجرت کا حکم مل گیا ہے۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا "تو میں بھی ساتھ چلوں گا؟" ارشاد ہوا "ہاں" اب حضرت ابوبکر نے کہا "تو آپ میری ان دو اونٹنیوں میں سے کوئی ایک اونٹنی لے لیجئے" ارشاد ہوا۔ اچھا! مگر قیمت لے پنا سچا امام بخاری نے باب مناقب الہاجرین و فضائلہم کے ماتحت واقعات ہجرت سے متعلق خود حضرت ابوبکر کی بیان کردہ ایک طویل روایت نقل کی ہے ہم نے یہ روایت اور حضرت عائشہ کی بیان کردہ روایات جو امام بخاری نے باب ہجرت النبی واصحابہ الی المدینہ کے ماتحت بیان کی ہے ان دونوں کو ملا کر ہجرت کی روایت اور مرتب کی ہے۔

کے ساتھ "لے

اب جلد ہی جلدی سفر کی تیاری ہونے لگی۔ کئی دن کی راہ تھی اس کے لیے کھانا پکا کر ناشتہ دان (سُفولہ) میں رکھا گیا۔ ناشتہ دان کے منہ پر باندھنے کے لیے کچھ نہیں تھا حضرت ابوبکر کے حکم سے ان کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء نے اپنے نطاق یعنی کمر بند (پٹکے) کے دو ٹکڑے کئے اور اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا۔ اسی بنا پر ان کو ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔

غارِ ثور میں پوشیدگی اور ہمدانندہ کی قرارداد کے مطابق قریش کے لوگوں نے جو قتل کے ارادے سے آئے تھے سر شام ہو چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ قریش زنان خانہ میں گھسنا بہت معیوب سمجھتے تھے اس لیے اس تاک میں تھے کہ حضور باہر نکلنے لائیں گے تو یہ اپنا منصوبہ پورا کریں گے حضور کے پاس بہت سے لوگوں کی امانتیں نہیں ان کی واپسی کا انتظام کرنا ضروری تھا۔ اس لیے وہ سب حضرت علی کے سپرد کیے اور رات کا ایک حصہ گزر جانے کے بعد جب ان محاصرین کی پلک جھپک گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے نکل کر حضرت ابوبکر کے گھر پہنچے۔ اور وہاں سے دونوں نے مکہ کو الوداع کہا اور واپس ہو گئے۔ مکہ سے تین میل بجانب جنوب ایک پہاڑ ہے جس کا نام ثور ہے یہاں پہنچے اور ایک غار میں ردپوش ہو کر بیٹھ گئے۔ غار میں تین شب قیام رہا۔ حضرت ابوبکر کے ہاں جزائے عبد اللہ جو فوان گھر نہایت فنی اور سمجھ دار تھے وہ شب غار میں بسر کرتے تھے اور علی الصبح صراحتاً لے غور کر دین معاملہ کی انتہا ہے کہ اس نازک وقت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر ایسے جان نثار اونٹنی کو ہفت میں قبول کر لینے کے لیے تیار نہیں اور ادھر حسن اور علیہ اللغات کی حدیث ہے کہ حضرت ابوبکر کو قیمت لینے میں انکار نہیں۔ پناچہ واقعہ کے بیان کے مطابق اونٹنی کی قیمت آٹھ سو درہم تھی مکہ نطاق کے معنی پٹکے ہیں اور عرب میں عام دستور تھا کہ عورتیں پٹکے باندھتی تھیں تعجب ہے کہ مولانا عبداللہ العلامی نے کیونکر نطاق کا ترجمہ دوپٹہ، لکھدیا ہے (دیکھو تجربہ طبقات ابن سعد جز ۵ ص ۵) حالانکہ دوپٹے کے لیے عربی میں خضار کا لفظ بولا جاتا ہے مکہ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت علی علیہ السلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے خروج من مکہ کا ذکر ہے۔ لیکن واقعہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر کے مکان کی پشت میں جو کھڑکی تھی یہ خروج اس سے ہوا تھا۔ ہم نے دونوں بیانات کو جمع کر دیا ہے

مگر اگر قریش سے کھل مل جاتے تھے یہاں قریش میں باہم جو مشورہ یا منصوبہ ہوتا اسے محفوظ کر لیتے اور جب اندھیرا ہو جاتا پھر غارتور ہو چکے دو دنوں کو اس سے بائبر کر دیتے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن ابی بکر گھر سے کھانا بھی لاتے تھے۔ عامر بن فہیرہ حضرت ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ رات گئے بکری چرا کر لاتے اور رفیقان غارتور دو دنوں اس پر گزارہ کرتے۔ منہ اندھیرے عامر بن فہیرہ نکل جاتے اور شام ہونے پر واپس آجاتے تینوں دن ہی معمول رہا۔

ادھر صبح کے وقت قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ نکلنے کی خبر ہوئی تو انہیں اپنے منصوبے کی ناکامی کا بے حد افسوس ہوا اور بڑے جزبہ ہونے چاروں طرف آپ کی تلاش میں آدمی دوڑائے یہاں تک کہ ایک مرتبہ غار کے دہانہ تک پہنچ گئے ان کی آہٹ پاکر حضرت ابوبکر کو بڑی شتریش ہوئی اور عرض کیا "محضور! یہ لوگ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہم انکو نظر آجائیں گے۔ سرکارِ دو عالم نے فرمایا۔

ما ظنک یا ابابکر بائین اللہ تالہما لے ابوبکر! ان دو کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جنکا تیرا ساتھی اللہ ہو۔

عبد اللہ بن ارقط جو عبد بن عدی کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور مسلمان نہیں ہوا تھا۔ مگر اس کی امانت و دیانت پر اعتماد تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی رہنمائی کے لیے اس کو اجرت پر مقرر کر لیا تھا اور دو دنوں اونٹنیاں اس کے حوالہ کر دینے کے بعد اس سے یہ بات طے کر لی تھی کہ وہ تین شب گزارنے کے بعد صبح کو اونٹنیاں لے کر غارتور میں پہنچ جائیگا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور عامر بن فہیرہ۔ عبد اللہ بن ارقط کی رہنمائی میں روانہ ہوئے۔

ایک دن اور ایک رات مسلسل چلنے کے بعد دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ بہت تیز ہو گئی تو حضرت ابوبکر نے چاروں طرف نظر دوڑائی کہ کہیں کوئی سایہ ملے تو وہاں ٹھہر کر اتفاق سے ایک چٹان نظر آئی اس کے نیچے سایہ تھا۔ حضرت ابوبکر نے اس جگہ کو چھوڑا کیا۔ فرش بچھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استراحت فرمانے کی درخواست کی۔ حضورؐ لیٹے ہوئے اب حضرت ابوبکر یہ دیکھنے نکلے کہ کہیں کوئی شخص تعاقب میں تو نہیں آ رہا ہے یہ تلاش میں

ادھر ادھر پھیری رہے تھے کہ ایک چرواہا نظر آیا جو سایہ کی جستجو میں اسی چٹان کی طرف اپنی بکریاں ہانکے چلا آ رہا تھا۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا "تم کون ہو؟" اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا جس کو حضرت ابوبکر پہچانتے تھے اور کہا کہ میں اُس کا نوکر ہوں۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا "تیری بکریوں میں دودھ ہے؟ وہ بولا "ہاں" پھر دریافت کیا "کیا تو ہمارے لیے دودھ دو دھوے گا؟" اُس نے کہا "جی ہاں"

اب لڑکے نے حضرت ابوبکر کی فرمائش پر دودھ دوہنے کے لیے ایک بکری کو اپنے قابو میں کیا تو حضرت ابوبکر نے انرا حوالہ نفاست پسندی و حسبِ نبویؐ کہا کہ میں نے ان تھنوں کو عنبر سے تو پاک و صاف کر لے اُس کے بعد خود اس سے کہا کہ تیرے ہاتھ خدا کو دہیں ان کو بھی جھاڑو اور ساتھ ہی اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر بتایا کہ اس طرح۔ لڑکے نے جب ایسا کر لیا تو اس نے دودھ دوھا۔ حضرت ابوبکر خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک چمڑہ کا برتن لیکر آئے تھے۔ دودھ اس میں انڈیلا برتن پر کڑا بانڈھا۔ اور اُسے لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کچھ نیند لیکر بیدار ہو چکے تھے۔ عرض کیا "محضور! دودھ پی لیں

آپ نے درخواست قبول فرمائی تو حضرت ابوبکر کے دل کی باچھیں کھل گئیں۔ اب حضرت ابو بکر نے کہا "یا رسول اللہ! چلنے کا وقت ہو گیا ہے" ارشاد ہوا "بہت بہتر" اچھا نچرا یہاں سے روانگی شروع ہو گئی۔

سراقرن بن جحشم کا واقعہ ادھر ادھر تلاش کے بعد جب آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ کا کہیں پہنچے چلا تو قریش نے چاروں طرف قاصد روانہ کر کے اعلان کر دیا کہ جو کوئی شخص آنحضرتؐ یا حضرت ابوبکرؓ کو قتل کر لیا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو فی کس ایک خون بہا (موازنٹ) کے برابر انعام دیا جائے گا۔ سراقرن بن جحشم جو بنو مدلج سے تعلق رکھتا تھا اس نے یہ اعلان سنا تو ایک شخص کے آپتہ بتانے پر وہ گھوڑے پر بیٹھا اور نیزہ ہاتھ میں لے ان دو دنوں کی تلاش میں نکل پڑا۔ گھوڑا دوڑاتا ہوا چلا آ رہا تھا کہ گھوڑے کی ٹھوک لگی اور گر پڑا۔ اب اس نے ترکش سے فال کے طور پر تیر نکالنے کے مجھ کو تعاقب کرنا چاہیے یا نہیں جواب مرضی کے مطابق نہیں نکلا۔ مگر لاش برسی بلا ہے وہ پھر دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور بالکل ہی قریب

پہنسیں گیا حضرت ابو بکر نے اُسے دیکھا تو گھبرا کر بولے "یا رسول اللہ! یہ ہماری طلب میں آگیا۔  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (تو یہ اے گھبراؤ نہیں! اللہ بے شک ہمارے ساتھ ہے۔)

خود سراقہ کا جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ بیان ہے کہ میں ان دونوں کے استقدر قریب  
پہنسیں گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بڑھنے کی آواز سن رہا تھا اور پھر وہ یہ  
بھی کہتا ہے کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ آنحضرت ۱۲ التفات نہیں کر رہے تھے لیکن حضرت  
ابو بکر (فرط اضطراب میں) ادھر ادھر دیکھتے ہوئے چلتے تھے اب گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں  
گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ نیچے گر پڑا۔ گھوڑے پر چنچا چلا یا گھوڑا چاہتا تھا  
کہ اٹھے مگر وہ زمین سے اپنے پاؤں نہیں نکال سکا۔ اس مرتبہ سراقہ نے پھر فال لی اور وہی  
جواب ملا تو سمجھ گیا یہ کوئی اور ہی معاملہ ہے اب اُس نے امان طلب کی۔ نبی و صدیق  
کا یہ قافلہ ٹھہر گیا۔ امان پا کر سراقہ پھر سوار ہوا اور یہاں پہنچ کر اس نے قریش کے اعلان  
اور نبی جتجو کی روئیداد سنائی کھانے پینے کا جو سامان اپنے ساتھ لایا تھا وہ پیش کیا  
اور اپنے لیے ایک پٹانہ امن کا خواستگار ہوا۔ عامر بن فہیرہ نے چوڑھ کے ایک ٹکڑے پر  
پر وازہ لکھ کر اس کے حوالے کیا۔

اتفاق سے حضرت زبیر مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ کے ساتھ شام سے آرہے تھے  
یہاں انکی ملاقات اُن حضرت لکھ ہوئی حضرت زبیر نے چند بیش قیمت سفید کپڑے  
آنحضرت ۱۲ اور حضرت ابو بکر کی خدمت میں پیش کئے۔ یہ بیش کش اس بے سرو سامانی  
کے عالم میں بہت غنیمت تھی۔ ابن سعد نے حضرت زبیر کی بجائے طلحہ بن عبید اللہ کا  
نام لکھا ہے ممکن ہے یہ دونوں واقعے الگ الگ ہوں یا طلحہ بن عبید اللہ خود حضرت  
زبیر کے شریک تجارت ہوں۔ اب قافلہ پھر روانہ ہوا۔ آنحضرت ۱۲ اگرچہ ہمیں حضرت ابو بکر  
لکھ یہ الفاظ آنحضرت ۱۲ نے غارتور میں بھی کہے تھے جیسا کہ قرآن میں صاف طور پر مذکور ہے

اس لیے روایات میں ان دونوں موقعوں کیلئے یہ الفاظ ملتے ہیں البتہ قرآن نے صرف  
واقعہ غارتور کا ذکر کیا ہے اور سراقہ کے واقعہ سے ساکت ہے۔

سے بڑے تھے۔ لیکن صورتِ تمکل سے نسبتاً کم عمر اور جوان اور حضرت ابو بکر بڑھے نظر  
آتے تھے۔ تجارت کی تقریب سے چونکہ حضرت ابو بکر کا باہر آنا جانا رہتا تھا۔ اسلئے  
راستہ میں اُن کے شناسا ملتے جاتے تھے۔ ان میں سے جو کوئی ان سے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتا کہ یہ کون ہے؟ وہ تو یہ  
واہم کی زبان میں جواب دیتے۔ "یہ میرے راہنما ہیں" لکھ

## مدینہ طیبہ میں ابتدائی زندگی

کو کبہ نبوی کا اکبر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی خبر مدینہ میں پہنچ چکی تھی اور مدینہ میں داخلہ یہاں آپ کی آمد آمد کا غلغلہ بلند تھا۔ انصار کا بچہ بچہ ہمہ تن چشم شوق بنا ہوا تھا۔ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بالائی آبادی ہے جس کو حورہ یا قبا کہتے ہیں دیوان گان جمال محمدی صبح سویرے یہاں پہنچ جاتے اور گردن اٹھا اٹھا کر دیکھتے کہ کو کبہ نبوی کے راستے کی اڑتی ہوئی گرد نظر آجائے تو چشم انتظار کے لیے اسکو توتیا بنا کر رکھ لیں۔ دوپہر کو جب دھوپ تیز ہو جاتی تو حسرت و افسوس کے ساتھ گھر واپس لوٹ جاتے، روز کا یہی معمول تھا، ایک دن اسی طرح گھر واپس آچکے تھے کہ ایک بیہوش لڑکے کی ٹیلہ پر سے دیکھ رہا تھا اچانک اس کی نگاہ آنحضرتؐ اور آپ کے رفقاء پر پڑی جو سفید لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اس سے ضبط نہ ہو سکا اور بیساختہ لپکارا "لو اے عرب کے لوگو! جن کا تم کو انتظار تھا وہ آگئے۔ انصار نے سنا تو جوشِ مرت میں قابو سے باہر ہو گئے اور ہتھیار سج سجا استقبال کے لیے آگے بڑھے حورہ کی پشت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ یہاں عمر بن عوف کا ایک ممتاز خاندان آباد تھا۔ شہنشاہِ دو عالم نے سب سے پہلے اس کو سی میزبانی کا شرف عطا فرمایا۔ آنحضرتؐ تو سواری سے اتر کر خاموش بیٹھ گئے حضرت ابو بکر لوگوں سے بات چیت کیلئے کھڑے رہے انصار کے جن لوگوں نے اب تک اس حضرتؐ کو نہیں دیکھا تھا وہ اتنے تھے تو حضرت ابو بکر کو ہی پیغمبرِ آخر الزمان سمجھ کر سلام کرتے تھے۔ اتنے میں دھوپ ذرا تیز..... ہو گئی تو حضرت ابو بکر صدیق

آنحضرتؐ پر اپنی چادر کا سایہ کر کے کھڑے ہو گئے اس سے ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ دراصل ان کا گوہر مقصود کون ہے۔ لے

امام بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرتؐ کا قبائلی قیام چودہ دن رہا یہیں آپ نے وہ مسجد تعمیر کی جس کا ذکر قرآن مجید میں "لَمَسْجِدَ وَاَسَسَ عَلٰی التَّقْوٰی" کے عنوان سے ہے۔

دو رو مدینہ کی تاریخ [حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق آنحضرتؐ دو شنبہ کے دن مکہ سے روانہ ہو کر تین دن غارِ ثور میں رہے اور پانچ شنبہ کو یہاں سے روانہ ہوئے امام بخاری نے دو رو قبا کا دن دو شنبہ اور مہینہ ربیع الاول کا بتایا ہے لیکن تاریخ میں اختلاف ہے کسی نے پہلی یاد دوسری کسی نے سات۔ کسی نے بارہ کسی نے تیرہ اور کسی نے پندرہ تاریخ لکھی ہے لے لیکن یہ ظاہر ہے کہ امام بخاری کی روایت کے مطابق اگر دن دو شنبہ کا متعین ہو جائے جیسا کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ جدید حساب سے بھی یہی دن ٹپھتا ہے سہ تو ان مذکورہ بالا تاریخوں میں سے کوئی ایک تاریخ بھی درست نہیں ہو سکتی۔ پروفیسر فلپ سٹی نے سن عیسوی کے لحاظ سے ۲۲ ستمبر ۶۱۲ء تاریخ لکھی ہے لے

قبائلی دو ہفتہ قیام کے بعد آپ اور حضرت ابو بکر شہر مدینہ کے لیے روانہ ہوئے اور حضرت ابو ایوب انصاری کو شرفِ میزبانی عطا فرمایا۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق نے مدینہ کے قرب و جوار میں مسج نام ایک جگہ ہے وہاں صلاح بن زید بن ابی زبیر کے پاس قیام کیا اور یہیں تجارت کا کاروبار پھر شروع کر دیا۔ بعد میں خارجی کی طبی حبیہ سے نکاح بھی کر لیا اور ایک مستقل مکان میں رہنے لگے۔ چند روز کے بعد حضرت ابو بکر کی بیوی ام رومان۔ انکے صاحبزادہ حضرت عبداللہ اور صاحبزادیاں حضرت اسماء اور حضرت عائشہ بھی مدینہ پہنچ گئے حضرت ابو بکر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد

لے بخاری ج ۱ ص ۵۵۹ لے حاشیہ ص ۵۵۵ صبح بخاری ج ۱ ص ۵۵۵ سیرۃ النبی ج ۱

ص ۲۷۷ حاشیہ نبر ۲ لے عربوں کی تاریخ چوتھا اڈیشن ص ۱۱۴

چھ ماہ تک اسی جگہ رہتے رہے لے  
مدینہ کی آب و ہوا کی عدم ایہاں پہنچنے کے کچھ دنوں کے بعد حضرت ابو بکر شہید  
مواقت اور دعاء نبویؐ آپ ولرزہ میں مبتلا ہو گئے حضرت عائشہ اس حالت میں  
باپ کی مزاج پر سہی کرنے آئیں تو یہ شعر ورد زبان تھا۔

مکل امریٰ مہمتہ فی اہلہ واطول ادنیٰ امن شر الخ لعلہ  
ہر شخص اپنے بال بچوں میں داد عیش و طرب دیتا ہے حالانکہ موت اسکے جو تہ کے تسمہ بھی زیادہ قریب  
حضرت عائشہ گہرا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور آپ کا حال عرض کیا۔ آپ نے  
بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ "اے اللہ تو مدینہ کو بھی ہمارے نزدیک ایسا ہی محبوب بنا دے جیسا  
کہ مکہ تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں کی آب و ہوا کو صحت بخش کر دے اور یہاں کے ناپ  
قول میں برکت عطا فرما اور بخار کو یہاں سے منتقل فرما لے

انہیں دنوں میں ایک مرتبہ حضرت عائشہ کو بخار آ گیا تو حضرت ابو بکر بڑے پریشان ہوئے  
میں آتے جیار بیٹی کو پیار کرتے اور پوچھتے "بیٹا! تم اب کیسی ہو؟" سلسلہ  
حضرت ابو بکر حضرت عائشہ کے علاوہ اور مہاجرین کو بھی مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں  
آئی تھی۔ آنحضرتؐ کی دعاء کا اثر یہ ہوا کہ آج مدینہ طیبہ پورے حجاز میں آب و ہوا کے  
لحاظ سے بہترین جگہ ہے۔

عقد مواخات مہاجرین جو عرض اللہ کے راستہ میں اپنا وطن گھر بار سب کچھ چھوڑ  
کر گئے تھے مدینہ میں بے خانہ تھے۔ ٹھہرنے کا ٹھکانا تو کسی کا بھی نہ تھا۔ بہت سے تہید  
دبے سائمان بھی تھے اہل مدینہ جو بعد میں انصار کہلائے انہوں نے ان راہِ حق کے  
بڑے پیہوں کی مہانداری جس فیاضی اور عالی حوصلگی کے ساتھ کی ہے وہ تاریخ کا  
مشہور واقعہ ہے ان حضرت نے مدینہ پہنچ کر مہاجرین اور انصار دونوں میں  
باہمی مواخات کا رشتہ قائم کیا۔ یعنی ایک کو دوسرے کا بھائی بنا دیا یہ بھائی سگے  
بھائیوں سے بھی بڑھ چڑھ کر تھے۔ انصار نے یہاں تک کیا کہ ایک انصاری اپنے

بھائی مہاجر کو اپنے گھر لے آگئے اور اپنی تمام جائیداد و املاک کا جائزہ دینے کے بعد بولے  
"اب میری ہر چیز آدمی میری ہے اور آدمی تمہاری۔ یہاں تک کہ دو بیویاں تمہیں تو  
بولے کہ ایک کو طلاق دیتا ہوں تم اس سے عدت کے بعد نکاح کر لینا۔ مہاجر بھائی نے جواب  
دیا۔ "آپ کی جائیداد و املاک اور بیویاں آپ کو مبارک! مجھ کو ان میں سے کچھ نہ کاہنہم غرض  
کہ اس عقد مواخات کے تحت مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو گیا۔

عقد مواخات قائم کرتے وقت آنحضرتؐ طرفین کی حیثیت کا لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت  
عمر فاروق کو عتب بن مالک جو قبیلہ بنو سالم کے سردار تھے۔ ان کا بھائی قرار دیا اور حضرت  
ابو بکر صدیق کو حضرت خارجہ بن زید انصاری جو مدینہ سے قریب ایک مقام سخ میں قیام  
رکھتے تھے اور تجارت پیشہ تھے ان کا بھائی بنا لیا

تعمیر مسجد مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ضروری تھا کہ ایک مسجد تعمیر کی جاتی تاکہ سب مسلمان ایک  
ساتھ جمع ہو کر عبادت خداوندی بجالاتے اور جہاں اور دوسرے اہم دینی اور اجتماعی امور  
کا بھی فیصلہ ہوتا۔ اس مقصد کیلئے آنحضرتؐ نے زمین کا جو ٹکڑا منتخب کیا وہ پہل اور سہیل  
نام کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھا یہ بچے سعد بن زرارہ کی سرپرستی میں تھے۔ آنحضرتؐ  
نے اس قطعہ زمین کا معاملہ کیا تو دونوں نے کہا "یہ آپ کی نذر ہے۔ اے اللہ کے رسولؐ  
لیکن آپ نے نذر قبول کرنے سے انکار فرمایا اور آخر قیام اس کو خرید کر لیا لے قطعہ زمین  
کی یہ قیمت جو بعض روایات کے مطابق دس دینار تھی۔ اس کے ادا کرنے کی سعادت بھی  
حضرت ابو بکر صدیق کو حاصل ہوئی۔ آپ نے صرف قیمت ہی ادا نہیں کی بلکہ جب سرور  
دو عالم خود مزدوروں کی طرح تعمیر مسجد کے کام میں شریک تھے اور ایٹیں اٹھا اٹھا کر دے  
رہے تھے تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ رفیق غار تو اس میں آپ کا شریک نہ بھرتا لے

حضرت عائشہ کی خصمت پہلے گذر چکا ہے کہ آنحضرتؐ کا نکاح حضرت عائشہ کے ساتھ  
نکر میں ہو چکا تھا اب مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت ابو بکر نے آنحضرتؐ سے خود خصمتی  
کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا "میرے پاس مہر ادا کرنے کو نہیں ہے" حضرت ابو بکر نے

مہر کی رقم خدمت اقدس میں حاضر کر دی گئی اور اصرار حضرت ام رومان نے حضرت عائشہ کو پہلا دھلا اور نہایت سادہ طرز تعمیر پر دلہن بنا کر صرم نبوی میں داخل کر دیا۔ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر خود ان کے بیان کے مطابق نو سال تھی گئی۔

## غزوات میں شرکت اور

### دوسرے کارنامے قبل از خلافت

مکہ کی زندگی مصائب و آلام کا مرقع تھی حلقہ بگوشان اسلام عبادتِ خداوندی کھیل بندوں کی بجائے لایا جاسکتے انہیں سانس لینا بھی مشکل تھا۔ طرح طرح کی اذیتیں دیکھتی تھیں۔ قسم قسم کے بھیانک اور درد انگیز مظالم کیے جاتے تھے لیکن بہر حال آنحضرتؐ کو انہیں مصائب و آلام کی بھٹی سے گزار کر گندن بنانا تھا۔ اور ان سے تزکیہ نفس۔ تطہیر قلب اور مسلمانوں کو ایمان میں مستحکم اور عمل میں پختہ کار بنانے کا کام لینا تھا۔ اس بنا پر اس دور میں صرف کامل العقیدہ و اطاعت۔ صبر و تسلیم اور ضبط نفس جیسے اوصاف و کمالات درکار تھیں۔ و جہ سے کہ قرآن مجید میں جتنی مکی سورتیں ہیں ان میں جگہ جگہ استعانت بالعباد والصلوة اور مصائب کے وقت رجوع الی اللہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

لیکن اب مدینہ طیبہ پہنچ کر وہ وقت آیا جب اسلام کی پہلی اسٹیٹ قائم ہو رہی تھی اس اسٹیٹ کے ماتحت مسلمانوں کو دشمنوں سے جنگ کرنی تھی۔ اپنی مندرجہ قوتوں کی شیرازہ بندی کرنی تھی۔ غیر قوموں کے ساتھ معاہدے کرنے تھے اور خود اپنی اجتماعی اور قومی تنظیم کا ایک دستور مرتب کرنا تھا اور چونکہ حضرت ابو بکرؓ تمام معاملات میں آنحضرتؐ کے دست راست تھے اس بنا پر اب موقع تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے دوسرے اوصاف و کمالات یعنی اصابتِ رائے، حسن تدبیر، دور بینی اور دانشِ ہدی بھی بروئے کار آئیں۔

چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد سے آنحضرتؐ کی وفات تک جتنے غزوات ہوئے۔ ہمیں پیش آئیں اور اہم معاملات و مسائل سامنے آئے ان سب میں حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کے ساتھ برابر شریک رہے۔ گو حیثیتیں مختلف تھیں۔ مثلاً میدانِ رزم میں وہ ایک

نہایت دلیر سپاہی نظر آتے ہیں اور مشورہ کے وقت ایک اعلیٰ درجہ کے مشیر اور وزیر  
باتدبیر ناموافق حالات میں پتھر کی چٹان کی طرح مضبوط اور سازگار حالات میں نہایت  
حلیم و باوقار یہی دو گونہ اوصاف و کمالات ہیں جن کے اجتماع کے باعث مسرت و طیبہ  
منشک و کواٹ کے بیان کے مطابق حضرت ابو بکر جہاں ایک طرف اونچے درجہ کے فرماں  
بردار و مطیع تھے ساتھ ہی ایک بلند پایہ لیڈر اور قائد بھی لے

غزوہ بدر آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ کی ہجرت نے قریش کی آتش غیظ و غضب  
کو اور مشتعل کر دیا تھا وہ صاف دیکھ رہے تھے کہ مدینہ طیبہ میں ایک ایسی طاقت پیدا  
ہو رہی ہے جو سارے عرب پر مستولی ہو جائیگی۔ اور ان کا اقتدار ختم کر دیگی۔ اس  
بنی پر اس طاقت کو ختم کرنے کے لیے جو کچھ بھی وہ کر سکتے تھے اس کے کرنے میں انہوں  
نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مدینہ کے ان لوگوں کو جو ان کے زیر اثر تھے برابر اکٹھے رہتے  
تھے کہ آنحضرتؐ کو وہاں سے نکال دیں۔ مدینہ کے قرب و جوار میں جو آبادیاں تھیں وہاں  
اپنی ٹولیاں بھیجتے رہتے تھے کہ اسلام کی دعوت سے جو لوگ متاثر ہو رہے ہیں وہ  
پریشان ہوں۔ آنحضرتؐ بھی ان کے توڑ میں چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بھیجتے رہتے تھے۔  
جن کو رباب سیر کی اصطلاح میں سراپا کہا جاتا ہے۔

لیکن قریش کو جلد ہی یقین ہو گیا کہ اس طرح کی چھوڑی حرکتوں سے کام نہیں چلے گا  
اس بنی پر اب انہوں نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملے کرنے کا منصوبہ  
باندھا۔ لیکن اس منصوبے کو عمل میں لانے کے لیے سب سے مقدم ضرورت سراپا کے  
فراہمی کی تھی۔ اس لیے انہوں نے ترکیب یہ کی کہ ابوسفیان (حضرت امیر معاویہ کے والد  
جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) کی سرکردگی میں ایک عظیم الشان تجارتی قافلہ شام بھیجا  
تا کہ اس سے جو آمدنی ہو اس سے دین حق کے مٹانے کا کام کیا جائے۔ اور ہر مایہ کے  
فراہمی کی یہ تدبیر کی گئی تھی اور ادھر مکہ میں جو انان و خبر دآز یا یا ان قریش مدینہ پر حملہ  
کرنے کے جوش میں فوجی تیاریاں کر رہے تھے۔

لے ان ایکلو پڈیا آف اسلام جدید ایڈیشن ج ۱ ص ۱۱۰

ابوسفیان شام میں اپنا مقصد حاصل کر لینے کے بعد جب مکہ کیلئے واپس روانہ ہوا ہے تو اس  
تذکرہ واقعات کے ساتھ کہ حسب روایات اس کے جلد میں ایک ہزار اونٹ تھے جن پر یکایک ہزار  
دینار لدے ہوئے تھے اور قافلہ چالیس یا ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ عظیم منافع تجارت درحقیقت گولہ بارود کا ایک میگزین تھا جو صرف  
اس غرض کے لئے فراہم کیا گیا تھا کہ اس سے اسلام اداس کے جان نثاروں کو برباد و ملامت  
کیا جائیگا اس بنا پر اس وقت آنحضرتؐ کیلئے صرف جائز ہی نہیں بلکہ سیاسی اعتبار سے نہایت  
ضروری تھا کہ اس وقت سامان کو مکہ تک نہ پہنچنے دیا جائے لے

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔

انما خرج رسول الله ﷺ من مكة  
على قریش (باب غزوة بدر)

آنحضرتؐ قریش کے قافلہ کے  
ارادے سے نکلے۔

فوجی قریش کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ..... ساز و سامان لیکر تھ لیس تو بیٹھے ہی تھے  
فوراً مکہ سے روانہ ہو گئے۔ ادھر آنحضرتؐ اپنے تین سوتیرہ جانبازوں کے ساتھ ۱۲ رمضان  
۲ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور ۱۰ رمضان کو مقام بدر کے قریب پہنچ کر خمیر زدن ہو گئے۔

لے سخت عجب اور حیرت کی بات ہے کہ اتنی سادہ حقیقت مولانا شبلی کی سمجھ میں نہیں آئی اور انہوں نے سیرت النبی جلد  
اول میں غزوہ بدر پر ایک نہایت مبسوط و مفصل گفتگو کر کے تمام محدثین و ارباب ہیر کے خلاف اس واقعہ کی تفسیر  
کی ہے۔ آج کل کی مہذب دنیا میں کیا نہیں ہوتا؟ فرقہ گاروں کے لیے رسل در سائل اور رسد کے ذرائع بند کر دیئے جاتے  
ہیں ماحقادی نام کہ بندی کی جاتی ہے۔ تجارتی منڈیوں پر ہم باری کر کے انہیں برباد کیا جاتا ہے۔ مالی سے لدے  
ہوئے جہاد جہاں کہیں مل جاتے ہیں ان کو لوٹ لیا جاتا ہے۔ قریش نے جب ہجرت کے بعد بھی ہچھا انہیں چھوڑا  
اور وہ ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری پوری قوت اور بڑے زہد و شہر سے کر رہے تھے اور یہ قافلہ تجارت اسی کا  
مقدمہ ایجنٹ تھا قرآن حالات میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہم بین الاقوامی قافلہ جنگ کے رد سے  
بالکل درست اور حق بجانب تھی اور مکہ کی شہ نہیں کہ یہ آپ کی سیاسی سیدار مغربی اور مغربی قریش کی روشن  
دلیل ہے۔





قتل کر دینا چاہیے لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ "یہ سب اپنے ہی عزیز و قریب ہیں ان کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ ہونا چاہیے اس بنا پر زرفدیہ لیکر ان کو رہا کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے رلے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ لہ اس موقع پر یہ جتنا دینا بھی ضروری ہے کہ عام تاریخوں میں اور بعض روایات میں بھی مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رلے کے مطابق آنحضرتؐ کا امیران بدر کو زرفدیہ لے کر آنا اور دینا اور انہیں قتل نہ کرنا بارگاہِ انزوی میں پسندیدہ نہیں ہوا اور اس پر یہ آیت بہ طور عتاب نازل ہوئی۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا  
أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (انفال)

اگر خدا کا لکھا پہلے سے موجود نہ ہوتا تو جو  
کچھ تم نے لیا اس پر تم کو بڑا عذاب ہوتا،

اس میں شک نہیں کہ یہ آیت عتاب الہی پر دلالت کرتی ہے لیکن عتاب کا اصل سبب قیدیوں کو قتل نہ کرنا اور زرفدیہ لیکر ان کو رہا کر دینا نہیں بلکہ مالِ غنیمت کے لوٹنے میں معروف ہو جانا ہے۔ درنحالیکہ اب تک مالِ غنیمت سے متعلق احکام نہیں آئے تھے۔ چنانچہ اہم مسلم نے اس واقعہ سے متعلق حضرت عمر فاروقؓ کی جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ صاف الفاظ ہیں۔

فانزل الله عن وجهي ما كان لبي ان يكون  
له اسرا حتى يتبين في الارض الى قوله  
فلكوا مما علمتكم فلا طيبا فاحل الله  
الغنيمة لكم (اب الامداد بالملائكة في بدر)

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آیت کا گان لبتی ان يكون  
له اسرا حتى يتبين في الارض الى قوله  
فلكوا مما علمتكم فلا طيبا فاحل الله  
الغنيمة لكم ان لوگوں کے لیے حلال کر دیا۔

غزوہ احد سلمہ بدر کی شکست نے قریش کو اور برا فروختہ کر دیا۔ اور اب انہوں نے اس شکست کا بدلہ لینے کی تیاریاں بہت بڑی سیانہ پر شروع کیں۔ شاعروں نے اپنی آتش بیانی سے آس پاس کے تمام قبیلوں میں آگ لگا دی اور ادھر ادھر تفرق

لہ صحیح مسلم باب الامداد بالملائكة في غزوة بدر و اباة الغنائم سلمہ مدینہ منورہ کے شمالی جانب تقریباً تین میل (ایک فرسخ) کی مسافت پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔

نے مقتولین بدر کا نوحہ کر کے قریش کے ایک ایک نوجوان کو جوشِ انتقام سے اس طرح بھول پڑ دیا کہ ہر شخص کی زبان پر اللہ انشا تھا۔ ابو سفیان کی سرکردگی میں جو کاروان تجارت شام سے واپس آیا تھا اس کا عظیم منافع اگرچہ تقسیم کر دیا گیا تھا لیکن بطور امانت محفوظ تھا۔ عورتوں کی ایک بڑی جمعیت کا ساتھ ہونا اس کی دلیل تھا کہ اس مرتبہ قریش یہ طے کر کے چلے تھے کہ یا وہ اپنے مقتولین بدر کا انتقام لیں گے اور یا وہیں میدانِ جنگ میں لڑ لڑ کر ختم ہو جائیں گے حضرت عباسؓ جو اگرچہ اسلام لے آئے تھے لیکن جاسوسی کے خیال میں مکہ ہی واپس آگئے تھے انہوں نے ایک تیز رو قاصد کے ذریعہ آنحضرتؐ کو قریش کی ان تیاریوں کی اطلاع کر دی اپنے اس خبر کی تصدیق اور مفصل حالات سے آگاہی حاصل کرنے کی غرض سے انس اور مولس دو آدمیوں کو بھیجا تو انہوں نے خبر دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے اس قدر قریب آ گیا ہے کہ ان کے گھوڑوں نے عرضیں چراگاہ کو صاف کر دیا۔ قریش جبلِ احد پر خمیر ڈالے پڑے تھے آنحضرتؐ سات سو جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے اور احد کی پشت پر پہنچ کر صفیں آراستہ کیں جب عام جنگ شروع ہوئی تو حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابو جہل اسے بھگڑا سے لڑے کہ دشمن کی فوج میں گھس کر اعلیٰ صفیں الٹ دیں۔ قریش کے علمبردار ایک ایک بڑھتے تھے اور مرستانِ بادۂ توحید کی ضرب کاری سے خاک کا ڈھیر ہو جاتے تھے۔ آخر فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمان یہ دیکھ کر مالِ غنیمت کے جمع کرنے میں لگ گئے قریش کا ایک دستہ جو کوہ احد پر تھا اس نے میدانِ خالی دیکھ کر عقب سے اس زور کا حملہ کیا کہ اب جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ یہ وقت اسلام کیلئے بے حد نازک تھا اسلامی فوج کے بڑے بڑے سردار ماؤں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ عام افراتفری میں خود مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں پر پڑ رہی تھیں دشمنوں نے خراڑا دی کہ سردیہ عالم شہید ہو گئے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ صیغہ شیر بدیشہ شجاعت کا دل چھوٹ گیا۔ لیکن آنحضرتؐ میدانِ جنگ کے ایک گوشہ میں اپنے چند جاں بازوں کے ساتھ کھڑے تھے جن میں ایک حضرت ابو بکرؓ بھی تھے قریش

کا دستہ تیر ہزار ہا تھا۔ آنحضرتؐ گردن اٹھا اٹھا کر دیکھتے تو حضرت ابو طلحہؓ فرماتے "آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ گردن نہ اٹھائیں۔ دشمن تیر ہزار ہے ہیں۔ میرا سینہ ان کا نشانہ بننے کیلئے حاضر ہے سہلے اسی حالت میں آپ مجروح ہو گئے۔ تو آپ کے جانتار پہاڑ پر لے آئے یہاں ابو سفیانؓ بھی پہنچ گیا اور اُس نے پکار کر پوچھا "لوگو! کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ کوئی جواب نہیں ملا تو اس نے پھر دہلیز کیا ابو بکرؓ ہیں؟ اُس کا بھی جواب نہ ملا تو اس نے حضرت عمرؓ کا نام لیا لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قریش بھی آنحضرتؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو ہی مسلمانوں کا لیدر تسلیم کرتے تھے۔

مسلمانوں کو جب معلوم ہو گیا کہ آنحضرتؐ زندہ ہیں۔ تو ان کا حوصلہ بندھا اور انہوں نے اپنی مشترکاتوں کو سمیٹ کر پھر اس جوش و خروش کے ساتھ جنگ کی کہ بہادران قریش کے چھکے چھڑا دیئے اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اُن حضرتؐ نے دریافت کیا ان کا تعاقب کون کرے گا۔ "شتر صحابہ نے اپنے نام پیش کئے۔ امام بخاری نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زبیرؓ کے ناموں کی تصریح کی ہے لہٰذا

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرتؐ نے جو جنگیں کی ہیں ارباب سیر کی اصطلاح میں وہ دو قسم کی ہیں ایک کو غزوہ کہتے ہیں اور دوسری کا نام سریہ ہے عام طور پر ان میں فرق یہ ہے کہ غزوہ اسے کہتے ہیں جس میں آنحضرتؐ نے بذاتِ خود شرکت فرمائی ہو اور سریہ جس کے معنی ٹولی یا گروہ کے ہیں۔ اسے کہتے ہیں جس میں آپ بنفس نفیس شریک نہ ہوئے ہوں۔

حضرت ابو بکرؓ چونکہ آنحضرتؐ کے دست راست اور مشیر خاص تھے اس بنا پر آپ عموماً سرایا کی مہم پر نہیں بھیجے جاتے تھے اور مدینہ میں آنحضرتؐ کے پاس رہ کر ہی ان کا بندوبست اور انتظام کرتے تھے چنانچہ حضرت حذیفہؓ

سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ اطراف و اکناف میں لوگوں کے فرائض و سنن کی تعلیم دینے کی غرض سے اپنے آدمی بھیجوں جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کو بھیجا کرتے تھے کسی نے عرض کیا "آپ ابو بکرؓ اور عمرؓ کو کیوں نہیں بھیجتے۔ ارشاد ہوا "میں ان دونوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا یہ دین کے کان اور آنکھیں ہیں لہٰذا

غزوہ خندق اپنا ہجرت کا ایک قافلہ ہجرت جو مدینہ سے نکل کر خیر آباد تھا اس کے رؤساء قریش۔ بنو غطفان۔ بنو سلیم اور بنو اشجد وغیرہ قبائل میں گھوم پھر کر اسلام کے خلاف ایک عظیم جنگ پر ان کو آمادہ کر دیا اور دس ہزار کا ایک لشکر حبرہ مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ آنحضرتؐ نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکل کر خندق کھودی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے یہ واقعہ ماہ ذوالقعدہ ۵ھ میں پیش آیا۔ اس غزوہ میں بھی ایک دستہ فوج کی کمان حضرت ابو بکرؓ کے سپرد تھی، حضرت شاہ ولی اللہؒ الہمدی لکھتے ہیں کہ جس مقام پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دستہ کو لے کر پڑاؤ ڈالا تھا وہاں مسجد صدیق کے نام سے اب تک ایک مسجد ہے جو اسی واقعہ کی یادگار ہے۔ لہٰذا

غزوہ بنی مصلح اس سنی میں غزوہ بنی مصلح جس کو غزوہ المرسیع بھی کہتے ہیں پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حارث بن ہزار جو بنو مصلح کا سردار تھا۔ اُس نے اپنے قبیلہ میں گھوم پھر کر آنحضرتؐ کے ساتھ جنگ کرنے کا بڑا شدید جذبہ پیدا کر دیا تھا اور اپنے ساتھ جو عرب اس کو مل سکتے تھے ان کو بھی ملا لیا تھا آنحضرتؐ کو ان حالات کا علم ہوا تو بریدہ بن الحصیب الماسلمی کو تفتیش کے لیے روانہ فرمایا۔

بریدہ خود حارث سے ملے اور گفتگو کی اور حارث جنگ کی جو تیدیاں کر رہا تھا اس کی اطلاع دی۔ آنحضرتؐ یہ سن کر مسلمانوں کا ایک لشکر اپنے ساتھ

لے کر روانہ ہوئے تو حضرت ابو بکر اس غزوہ میں بھی آپ کے ہمراہ تھے اور ہاجرین کا علم آپ کے ہی ہاتھ میں تھا۔ مقام مرسیع پہنچ کر جنگ ہوئی۔ کچھ دیر تک دونوں جانب سے تیر اندازی ہوتی رہی آخر آنحضرتؐ کے حکم سے مسلمانوں نے اپنی تمام طاقت کجا جمع کر کے اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

یہی وہ غزوہ ہے جس سے واپسی پر وہ واقعہ پیش آیا جو حدیث انک کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو یہاں بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ البتہ اس واقعہ کی یہ خصوصیت لائق ذکر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۗ (الایم) تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے پستان طرازی کی فرما کر ان لوگوں کی پردہ دری کی ہے جو خود یا بالواسطہ اس واقعہ میں ملوث ہو گئے تھے اور جیسا کہ خود اس آیت میں ہے یہ شر غالباً اسی لیے پیدا کیا گیا تھا کہ اس بہانے سے کتاب الہی کو جگر گوشہ حضرت ابو بکر صدیق کی عصمت و عصمت پر مہر تصدیق ثبت کرنے کا موقع میرا جائے و کفیٰ بہ فخرًا۔

اس کے علاوہ حدیث انک میں جو لوگ ملوث تھے ان میں ایک شخص مسطح بن اثاثہ بھی تھا حضرت ابو بکر اس شخص کی مالی امداد کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب یہ انک کا واقعہ پیش آیا تو آپ نے اس کی امداد سے دست کشی اختیار کر لی۔ پروردگار عالم کو صدیق اکبر کی ادا پسند نہیں آئی اور وَلَا يَأْتِلُ أُولُو الْقُرْبَىٰ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ فَمَا كَرِهُوا تَبْيِیْهُنَّ كَمَا كَرِهُوا تَبْيِیْهُنَّ حضرت ابو بکر کو بڑی مذمت ہوئی اور آپ نے مسطح کی مالی سرپرستی پھر شروع کر دی۔

زحل آیت تیمم کے متعلق ایک مباحثہ اس موقع پر تبیہ کر دینا ضروری ہے کہ حدیث انک میں جس طرح حضرت عائشہ کے بارے گم ہونے اور اسکی تلاش کا تذکرہ ہے ٹھیک اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی ہے جو امام بخاری نے ادلائم التیمم میں اور پھر باب مناقب

المہاجرین و فضاہلہم میں روایت کیا ہے یہ واقعہ خود حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں گئے ہوئے تھے جب ہم مقام بیدلاکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے (یا ذات الجیش) یہ بھی ایک مقام کا نام ہے) میں پہنچے تو میرا ہار گم ہو گیا۔ اس کو تلاش کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈال دیا۔ اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی وہاں ٹھہر گئے اس جگہ پانی نہیں ہنیں تھا اور نہ ہمارے قافلے میں کسی کے پاس تھا اس بنا پر ابو بکر آئے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر میری ران میں رکھے ہوئے سو رہے تھے ابو بکر نے آتے ہی مجھ سے کہا کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور لوگوں کو ایسے مقام پر رکھا دیا ہے جہاں پانی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ابو بکر غنصہ میں بھرے ہوئے تھے ایسے جو ان کی زبان پر آیا مجھے کہتے رہے اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ سے میری مکر پر کچوکے بھی مارتے رہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے اچٹ جانے کے ڈر سے ذرا حرکت نہیں کی اور چپ چاپ بیٹھی رہی آخر صبح کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھڑے اور پانی نہیں ملا تو تیمم کی آیت نازل ہوئی اور سب لوگوں نے تیمم کیا اس پر اسید بن الحضیر نے کہا لے آل ابی بکر یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے حضرت فرماتی ہیں کہ اب ہم نے اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار ہوئی تھی تو دیکھا کہ ہار اس کے ہی نیچے پڑا ہوا تھا۔

حافظ ابن حجر نے ابن سعد ابن حبان اور ابن عبد البر سے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی ہیں اور تیمم کا حکم غزوہ بنی مصطلق میں نازل ہوا تھا۔ یہ حال تو حدیث میں لکھا ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں غزوہ بنی مصطلق سے واپس ہوتے ہوئے آنحضرتؐ نے صحابہ کے ساتھ حضرت عائشہ کے گم شدہ ہار کی تلاش میں قیام فرمایا تھا اور یہیں آیت تیمم نازل ہوئی تھی۔

لیکن اگر دونوں واقعوں کو ایک مان لیا جائے تو بڑا اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ غزوہ بنی مصطلق کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ تلاش کرنے کیلئے حضرت عائشہ تن تنہا رہ گئی تھیں اور پورا قافلہ بہت آگے چلا گیا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے بد زبانوں کو ہمت طرانی کا بہانہ ملا۔ اسکے برخلاف آیت تیمم والے واقعہ کی روئداد سے ثابت ہوتا ہے کہ ہار کی تلاش کیلئے حضرت عائشہ تن تنہا نہیں رہی تھیں بلکہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی اسی مقام پر فرزند ہو گئے تھے اور اسکے علاوہ غزوہ بنی مصطلق کے واقعہ میں کسی بے آب مقام کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور تیمم والی آیت میں ایسے مقام کا تذکرہ موجود ہے جہاں پانی دور دور تک نہیں تھا۔ پس اگر دونوں واقعے ایک ہی تھے تو پھر روایتوں کے اس اختلاف کو رفع کرنے کی صورت کیا ہوگی۔ اسکے علاوہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ طبری کے تلمیذین انک کا ذکر مفصل ملتا ہے لیکن اسکے ضمن میں آیت تیمم کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔ پھر صحیحین کی روایات سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ تیمم کا حکم غزوہ المرسیع میں نازل ہوا۔

اس سب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دراصل حضرت عائشہ کے ہار گم ہونے کا واقعہ دوم مرتبہ پیش آیا ہے اور مذکورہ بالا دونوں واقعات ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں جو مختلف اوقات میں پیش آئے۔ اسکی تائید آیت تیمم والے واقعہ میں حضرت اسید بن الحفیر کے اس فقرہ سے بھی ہوتی ہے کہ "لے آل ابی بکر یہ پہلی پہلی ہی برکت نہیں ہے کہ تمہاری شان میں یا تمہاری وجہ سے قرآن کا کوئی حکم نازل ہو" علاوہ انہیں حافظ ابن قیم نے معجم طرانی کے حوالہ سے خود عائشہ کی جو ایک روایت نقل کی ہے اس سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ روایت یہ ہے۔

عن عائشہ قالت ولما کان من امر عقدی ما کان قال اهل الافک ما قالوا اغتوجت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوة اخراوی فسقط ایمنی

حضرت عائشہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ پہلے میرے ہار کا جو معاملہ ہوا اور اس پر اہل افک نے جو کچھ کہا وہ تو کہا ہی تھا ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ میں ایک اور غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے

عقدی حتی حبس للتماسہ الناس ولقیث من ابی بکر ماشلو وقال یا بنیثہ فی کل سفر تکونین عناء و بلاء و لیس مع الناس ماء فانزل اللہ البرخمة فی التیمم لہ

ہمارا گئی اور اس سفر میں بھی میرا ہار گر پڑا جس کو تلاش کرنے کی وجہ سے لوگوں کو کھڑکنا پڑا۔ اور اس وجہ سے ابوبکر کے جی میں کچھ آیا میں اس سے دو چار ہوئی اور ابوبکر نے کہا۔

اس روایت میں حضرت ابوبکر کا بڑا بڑا حضرت عائشہ سے یہ فرمانا کہ بیٹی! تم ہر سفر میں مصیبت میں جاتی ہو۔ اس بات کا کھلا قرینہ ہے کہ یہ سفر جس میں آیت تیمم کا نزول ہوا غزوہ بنی مصطلق جس میں واقعہ انک پیش آیا اسکے علاوہ ہے چنانچہ علاوہ ابن قیم معجم طرانی کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ولہذا یدل علی ان قصة العقد التي نزل التیمم لاجلها بعد هذه الغزوة و هو الظاهر و لكن فیہا كانت قصة الافک بسبب فقد العقد و التماسہ فالنیس علی بعضهم احد القصتین بالآخری لہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہار کا واقعہ جسکی وجہ سے تیمم کا حکم نازل ہوا اس غزوہ (بنی مصطلق) کے بعد پیش آیا ہے اور یہیں ظاہر ہے لیکن چونکہ اس غزوہ میں ہار کی گم شدگی اور اسکی تلاش کی وجہ سے انک کا واقعہ پیش آیا تھا اسلئے بعض کے نزدیک دونوں واقعے خلاصہ طور پر

حافظ ابن حجر۔ ابن سعد۔ ابن حبان اور ابن عبد البر کا مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "ہمارے بعض شیوخ نے اس کو مستبعد جانا ہے کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی ہوں کیوں کہ مرسیع قدیر اور ساحل کے درمیان مکہ کے نواح میں ہے اور یہ واقعہ خیبر کے اطراف میں پیش آیا ہے۔ کیونکہ اس واقعہ میں پیدا یا ذات الجیش کا ذکر ہے اور یہ دونوں مقامات جیسا کہ امام نووی نے یقین کیا ساتھ لکھا ہے مدینہ اور خیبر کے درمیان میں واقع ہے۔ لہ

پھر اس بحث کے آخر میں امام بخاری کے متعلق بھی یہی لکھتے ہیں کہ ان کا رجحان بھی تعذیب و افرہ کی طرف معلوم ہوتا ہے۔

لیکن تعجب ہے کہ ان سب وجوہ کے باوجود حافظ ابن حجر کی اپنی رائے اسکے

خلاف ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

وما تقدم من اتحاد القصة فهو اظهر <sup>۱</sup> اور قصہ کے ایک ہونا بوندہ اور پرہیزگار اور زیادہ ظاہر ہے

صلح حدیبیہ <sup>۲</sup> صلح حدیبیہ کا جو واقعہ ماہ ذی قعدہ ۶۱۰ھ میں پیش آیا۔ اسلام کی تاریخ کا نہایت اہم اور عظیم الشان واقعہ ہے جس پر آگے چل کر بڑے دور رس نتائج مرتب ہوئے، چنانچہ قرآن مجید میں اس کو فتح مبین (إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا) فرمایا گیا ہے اس بنا پر یہ کیونکر ممکن تھا کہ صدیق اکبر اس میں شریک نہ ہوتے۔

اصل میں یہ ہے کہ آنحضرتؐ جو وہ سولہ روایت دیگر پندرہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ مقام ذوالخليفة میں پہونچ کر جہاں مدینہ کا مینقا یعنی احرام باندھنے کی جگہ ہے۔ اپنے احرام باندھا۔ امد ایک خزاہی شخص کو جاسوسی کی غرض سے پہلے سے روانہ کر دیا۔ غدیر الا شطاط جو حدیبیہ کے سلسلے میں ہے آپ وہاں پہنچے ہی تھے کہ جاسوس مل گیا۔ اس نے بتایا کہ قریش آپ کو دیارت بیت اللہ نہیں کرنے دیں گے اور انہوں نے آپ کے ساتھ جنگ کرنے کی پوری تیاری کر لی ہے۔ آنحضرتؐ نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے حضرت ابو جبر نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ تو بیت اللہ کی زیارت کے لیے نکلے ہیں آپ نہ کسی کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لیے آپ بیت اللہ کا رخ کیجئے۔ اگر ان لوگوں میں سے کسی نے ہم کو روکا اور مزاحم ہوا تو ہم اس سے جنگ کریں گے۔ ان حضرتؐ نے یہ سن کر فرمایا "توبسم اللہ جلیو" <sup>۳</sup>

۶۹

اب آنحضرتؐ روانہ ہوئے اور مقام حدیبیہ میں فروکش ہو کر فریض بن وراق اور الخواص کی معرفت قریش کو کہلا بھیجا کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں بلکہ مقصد صرف عمرہ کرنا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ مصالحت کر لو۔ ورنہ خدا کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اس وقت تک لڑو نہ لگا جب تک کہ میری گردن تن سے جدا نہ ہو جائے۔

مسئل جنگوں اور ان میں پیہم شکستوں کے باعث قریش کے دم خم پہلے ہی ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ کچھ حصے بیس کے بعد انہوں نے منظور کر لیا اور مصالحت کی گفتگو کرنے کیلئے عروہ بن مسعود کو جو قریش کا تجربہ کار اور نہایت چالاک شخص تھا اپنا نمائندہ بنا کر روانہ کیا۔ آنحضرتؐ نے عروہ سے بھی وہی فرمایا جو مذکورہ بالا کے ذریعہ پہلے کہلا بھیجا تھا عروہ بولا "اے محمد (صلعم) اگر آپ نے جنگ کی اور قریش کا خاتمہ کر دیا تو آپ نے کیا اپنے سے پہلے بھی کسی ایسے شخص کا نام سنا ہے جس نے خود اپنی قوم کا قلع قمع کر دیا ہو۔ اگر جنگ کا نتیجہ دوسرا ہو (یعنی آپ کو شکست ہوئی) تو میں آپ کے ساتھیوں میں ایسے سب سے آدمی دیکھتا ہوں جو آپ کو تہمتا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہونگے۔ حضرتؐ ابو بکر بڑے حلیم اور بردباد تھے۔ لیکن عروہ کی زبان سے یہ سن کر کہ ہم ہو گئے اور بولے "بد معاش! کیا ہم لوگ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں؟ عروہ نے یہ توڑ دیکھ کر پوچھا "یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا "ابوبکر! اب عروہ نے حضرت ابو بکر سے مخاطب ہو کر کہا "قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تمہارا بھو چلیمان نہ ہوتا جس کا بدلہ میں اب تک نہیں چکا سکا ہوں تو میں تم کو جواب دیتا" اے آخر معاہدہ کی بات حیت شروع ہوئی۔ اور جب عہد نامہ لکھا جانے لگا تو اسکی بعض دفعات جو قریش کی طرف سے پیش کی گئی تھیں مسلمانوں کے لیے بڑی ہی صبر آزمائی تھیں چنانچہ فاروق اعظم سے نہ ہا گیا اور انہوں نے آنحضرتؐ سے شدت جذبات میں ایسے لب و لہجہ میں گفتگو کی جس کا ملال آخر دم تک ان کے دل سے نہیں نکلا۔

اسی حالت میں وہ حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور بولے کہ بھلا قریش سے دس کھنڈے کیوں کر ہو سکتی ہے۔ لیکن صدیق اکبر نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ اچھو کچھ کرتے ہیں۔ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں۔ یقیناً اسی میں بھلائی ہوگی اللہ انکو کبھی ہلاک نہ کرے گا۔ اسکے بعد آیت فتح نازل ہوئی اور حضرت عمر کو بھی تسکین و طمانیت ہو گئی۔

**غزوہ خیبر** ۳ھ کے اواخر یا شہد کے شروع میں غزوہ خیبر کا اہم معرکہ پیش آیا۔ خیبر عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا جو متعدد مضبوط قلعوں پر مشتمل تھا۔ ایک قلعہ جبکہ نام قموص تھا عرب کے مشہور پہلوان مرحب کے زیر سرکردگی تھا۔ آنحضرتؐ نے جب مختلف قلعوں کی فتح کرنے کی غرض سے متعدد دستے متعین کیے۔ اور ہر دستہ کا جہاد ایک امیر مقرر کیا تو قلعہ قموص کی سرانجام دہی حضرت ابوبکر کے پردہ پا لیکن اسکو فتح کرنے کی سعادت حضرت شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہما کے لئے مقدر ہو چکی تھی

اسی لئے اولاً حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر دونوں اس مہم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ۳ھ فتح مکہ ۱ھ میں فتح مکہ کی مہم پیش آئی یہ اسلامی تاریخ کا نہایت عظیم الشان واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کے بعد جب ابوسفیان قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے مدینہ منورہ آیا اور تجدید معاہدہ کی درخواست پیش کی تو اس معاملہ میں اس نے پہلے ابوبکر کو اپنا سفارشی بنا نا چاہا لیکن جب انہوں نے صفا انکار کر دیا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا تو پھر وہ حضرت عمر کے پاس گیا بہر حال معاہدہ کی تجدید نہیں ہو سکی اور آنحضرتؐ نے ہزار جانتاروں کے ساتھ قریش پر چڑھائی کر کے مکہ فتح کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے مکہ میں داخل ہو کر عورتوں کو دیکھا کہ دو بیٹوں سے گھوڑوں کے منہ پر ٹھانچے مار رہی ہیں تو آپ نے حضرت ابوبکر کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور پوچھا "ابوبکر تم کو حسان بن ثابت کے وہ شعر یاد ہیں جنہیں انہوں نے اس منظر کو ذکر کیا ہے؟" حضرت ابوبکر کو یہ شعر یاد تھے فوراً پڑھ کر سنا دیئے۔

غزوہ حنین جنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔

عرب کا مشہور بازار ذوالحجاء اسی کے پاس لگتا ہے۔

مکہ مکرمہ کی فتح اور قریش کے مغلوب ہونے کے باعث دوسرے قبائل کا بھی زور ٹوٹ گیا اور انہوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ لیکن ہوازن اور ثقیف یہ دو قبیلے جو فونن سپہ گری و جنگ جوئی کے میدان کے شہ سوار تھے۔ اسلام کی عداوت میں اور سخت ہو گئے اور انہوں نے بڑے زور سے دوبارہ حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ آل حضرتؐ کو اسکی اطلاع ہوئی اور بعد میں اپنا جاسوس بھیجا کہ آپ نے اسکی تصدیق بھی کر لی تو صحابہ کرام کو اطلاع ہوئی جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ چنانچہ ماہ شول ۳ھ میں یعنی فتح مکہ کے فوراً بعد ہی اسلامی فوج نے جس کی تعداد بارہ ہزار تھی حنین کی طرف پیش قدمی کی۔

جنگ شروع ہوئی تو پہلے محرم میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ لیکن وہ مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہوازن جو نامور قدر انداز تھے انہوں نے تیس برس سے شروع کر دیئے تھے جس سے اسلامی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور آنحضرتؐ چند جانتاروں کے ساتھ تنہا رہ گئے۔ ان میں سے طبری نے ہتھیار چھوڑ دیئے۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق کا نام سرفہرست ہے۔

آخر کار آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر انصار اور مہاجرین جو منتشر ہو گئے تھے پھر جمع ہوئے اور اس مرتبہ انہوں نے جم کر اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کی صفیں اٹ گئیں اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

اب مال غنیمت جمع ہونا شروع ہوا تو آنحضرتؐ نے اعلان کیا کہ **مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَكْبَةٌ** (جو شخص کسی کا قاتل ہوگا۔ مقتول کا سامان اسکو وغیرہ جو جنگ کے وقت اسکے ساتھ ہوں) اسی کو ملے گا۔ حضرت ابوقحادہ نے ایک مشرک کو جو بڑا مہادار اور طاقت ور تھا قتل کیا۔ اب شہادت کی ضرورت ہوئی لیکن کوئی شاہد نہیں ملا تو انہوں نے اصل واقعہ آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ ایک شخص بولا "ہاں"

یہ اقتادہ آج بکھتے ہیں اور جس شخص کو انہوں نے قتل کیا ہے اس کا متروکہ (سلب) میرے پاس ہے۔ اب یہ آپ مجھ کو ہی دیدیجئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ پاس ہی بیٹھے تھے۔ یہ سن کر بولے "نہیں قسم اللہ کی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آنحضرتؐ قریش کے ایک بوجو کو یعنی ایسے بزدل آدمی کو جس نے جنگ میں حصہ نہیں لیا ہے (مقتول کا سامان دیدیں اور اللہ کے اس شیر کو زندیں جس نے اللہ اور رسول کی خاطر جنگ کی ہے)۔ (اور اُس شخص کو قتل کیا ہے) آنحضرتؐ نے فرمایا "ابو بکر بیچ کہتے ہیں" چنانچہ وہ سامان ابقادہ کو ہی دیدیا گیا۔

غزوہ طائف حنین کی شکست خورہ فتح طائف میں جو ایک نہایت محفوظ مقام تھا۔ قلعہ سبزہ بوکر بیٹھ گئے۔ آنحضرتؐ حنین کے اموال غنیمت وغیرہ کو مقام جبرائیل میں چھوڑ کر طائف کیلئے روانہ ہوئے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اہل قلعہ بڑے سادہ و سمان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے قلعہ سے اس زور کی تیرباری کی کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا اور قلعہ سبزہ ہو سکا۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کسی نے مجھ کو ایک لبالب پیالہ نذر کیا ہے لیکن ایک مرغن نے اس میں ٹھونگ مار دی اور جو کچھ پیالہ میں تھا گر پڑا۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا "اس خواب سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس محاصرہ میں کامیابی نہیں ہوگی، ارشاد ٹھوہا ہاں! میں بھی یہی سمجھتا ہوں لہ چنانچہ محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

اسی محاصرہ میں حضرت ابو بکر صدیق کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ ایسے زخمی ہوئے کہ حضرت ابو بکر کے عہد خلافت کے ابتدائی دنوں میں یہی زخم ان کی موت کا سبب ہوا۔

غزوہ موتہ موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقاء سے قریب ہے۔ یہاں کی لے صبح بخاری باب غزوہ حنین لکھ طری ۲۰ ص ۲۵۵ مطبوعہ مطبعۃ الاستقامتہ بالقاہرہ ۱۳۸۵ھ کتاب میں غلط ہے۔ آنحضرتؐ کا جواب دانا لاری ذالک چھپ گیا ہے جس کے معنی "میں ایسا نہیں سمجھتا" میں حالانکہ درحقیقت یہ لاری نہیں بلکہ لاری ہے جس کے معنی تاکید کے ساتھ اثبات کے ہیں چنانچہ سیاق سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اسکو اس طرح برٹھلایا۔ دیکھو اذالہ الخفا ج ۲ ص ۱۶ لکھ اصابت لکھ عبداللہ بن ابی بکر الصدیق

تلواریں مشہور ہیں بلقاء کا رئیس ایک عرب شرمیل بن عمرو تھا جو مذہباً عیسائی اور قیصر روم (ہرقل) کے ماتحت تھا۔ اس نے آنحضرتؐ کے ایک نامہ بر حضرت سارث بن عمرو کو قتل کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے قصاص لینے کے لیئے ایک فرج روانہ کی جس میں اکابر مہاجرین و انصار شامل تھے لیکن اس لشکر کا امیر آپنے حضرت زید بن حارثہ کو نامزد کیا جو آزاد کردہ غلام تھے۔ بعض لوگوں نے اس پر نکتہ چینی کی۔ آنحضرتؐ نے یہ سننا تو سخت ناگوار نہیں ہوئے۔ انہیں اکابر مہاجرین میں حضرت ابو بکر بھی تھے لیکن کیا مجال کہ انکے تیور پر ایک شکن بھی پڑی ہو بلکہ اطاعت و انقیاد کا یہ عالم تھا جیسا کہ اپنے موقع پر بیان ہوگا کہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپ نے پہلا کام یہی کیا کہ حضرت زید کے صاحبزادہ حضرت اسامہ کو جو غلام زادہ بھی تھے اور کم عمر بھی۔ امیر لشکر بنا کر شام کی مہم پر روانہ کیا۔ اسلام کی مسادات کا یہ بھی ایک عجیب روح پرور مظاہر ہے کہ حضرت سلمہ بن الاکوع نے ایک مرتبہ فرمایا۔ میں نے آنحضرتؐ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی ہے علاوہ ان کے نواد مہموں میں شریک ہوا ہوں۔ ان میں ہمارا امیر لشکر بھی حضرت ابو بکر ہوتے تھے اور کبھی حضرت اسامہ لے یہ غزوہ موتہ بھی ۸ھ میں ہوا تھا لیکن فتح مکہ حنین اور طائف سے پہلے۔ لیکن چونکہ اس غزوہ کا رشتہ غزوہ بدرک سے ملتا ہے جو ۳ھ میں ہوا تھا اس بنا پر ہم نے اس کا ذکر مؤخر کر دیا ہے۔

غزوہ ذات السلاسل ذات السلاسل شام کا ایک علاقہ ہے جہاں قبیلہ افضاعہ کے لوگ رہتے تھے۔ آنحضرتؐ نے عمرو بن کعب الغضاری کی نیر سرگردگی پذیرہ آدمیوں کا ایک دستہ ان لوگوں کو دعوت اسلام دینے کے لیئے بھیجا تھا انہوں نے سب لوگوں کو قتل کر دیا تھا عمرو بن کعب سلامت بچے۔ اور مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرتؐ نے ان لوگوں کی سرزنش کیلئے ماہ جمادی الآخر ۸ھ میں تین سو ۳ صحابہ کی ایک جماعت حضرت عمرو بن العاص کی ہمارت میں روانہ کی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ تین سو آدمی کم ہیں تو آپ نے دو سو مہاجرین و انصار کا ایک دستہ



حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اس دستہ میں حضرت ابو بکر بھی شامل تھے (طبری ج ۲ ص ۳۱۵)

غزوہ تبوک اعزہ مودتہ میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ یہاں تک کہ آنحضرت ص کے محبوب ترین غلام حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر طیار جو حضرت علی مرتضیٰ کے سگے بھائی اور آنحضرت کے محبوب تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ جو مشہور انصاری تھے۔ یہ سب یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تھے چنانچہ جب اسلامی لشکر واپس آیا ہے تو مدینہ منورہ پورا ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ اس بنا پر عرب اور شام کی درمیانی سرحد پر جو عرب قبائل آباد تھے اور جو عیسائی ہونے کے ساتھ قیصر روم کے زیر اثر تھے انکا حوصلہ بڑھا اور قیصر روم نے مزید حوصلہ افزائی کر کے ان میں اور جرات پیدا کر دی۔ آنحضرت ص کو یہ الملاعات پہنچیں تو آپ نے ایک فوج گراں ترتیب دی۔ اور ماہ رجب ۶ھ میں اسکو خود لیکر تبوک پہنچے جو مدینہ اور دمشق کے درمیان مدینہ سے چودہ منزل کی مسافت پر ایک مشہور مقام ہے۔

اکابر مہاجرین و انصار کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق بھی اس غزوہ میں شریک تھے لیکن آپ کی شرکت کا نمایاں اور امتیازی وصف یہ تھا کہ چونکہ یہ سال خشک سالی اور عام مالی تنگدستی و زبوں حالی کا تھا۔ جس کی وجہ سے جیسا کہ فتح الباری میں ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری اس لشکر کو جیش العسرة اور ابن عقیل اس کو غزوۃ العسرة کہتے ہیں۔ اس بنا پر آنحضرت ص نے صحابہ کرام سے چندہ کی بڑی زور پائی کی۔ اس کے جواب میں حضرت عثمان غنی نے اس فیاضی سے کام لیا کہ سب سے آگے نکل گئے لے لیکن اس کے باوجود جو بزرگ حضرت ابو بکر صدیق کو حاصل ہوا وہ کسی کو نہ ہوسکا حضرت عمر بن الخطاب کا بیان ہے کہ آنحضرت ص لے تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۱۰۔ ابن عساکر کا بیان ہے کہ اس لشکر جہاد کی تیاری اور اس کے ساز و سامان پر جتنا خرچ ہوا تھا حضرت عثمان نے اس کا ایک تھائی خرچ اپنے ذمہ لیا تھا۔ اس کے بعد کوئی ضرورت لشکر کی ایسی نہیں تھی جو برومی نہ ہوگی ہو۔ آنحضرت ص نے فرط مسرت میں ارشاد فرمایا کہ اب اس کے بعد عثمان جو بھی کریں ان کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ ما یضر عثمان ما فعل بعد۔

نے جب چندہ کی اپیل کی تو اس وقت میرے پاس کافی مال تھا میں اس کا نصف لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر میں کسی دن ابو بکر پر بازی لیا سکتا ہوں تو وہ دن آج کا ہی ہے لیکن جب ابو بکر آئے تو جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب اٹھا لے حضور نے پوچھا "ابو بکر! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ انہوں نے عرض کیا "بس! میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے" حضرت عمر فرماتے ہیں "اب مجھ کو یقین ہو گیا کہ میں حضرت ابو بکر سے کبھی سعادت نہیں لے جا سکتا لے ابن عساکر نے حضرت ابو بکر کے اس چندہ کی مقدار چار ہزار درہم بتائی ہے لے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ اس غزوہ میں حضرت ابو بکر کی شرکت کی مندرجہ ذیل خصوصیات بھی ہیں۔

۱۔ اسلامی فوج کا جائزہ لینے اور اس کی امانت کی خدمت آپ کے سپرد تھی۔  
۲۔ اثناء سفر میں آنحضرت ص نے چند لوگوں کے ساتھ ایک جگہ شب باشی کی اور شکر سے دور ہو گئے اس حالت میں زبان مبارک سے ارشاد فرمایا "اگر شکر صدیق اور فاروق کی پیروی کریگا تو راہ یاب ہوگا۔

اخر جہد مسلم وقصہ آل طوہلے دارد لے

سر یہ بفرزادہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں عام طور پر مراد پوچھی جاتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق ان میں شریک نہیں ہوتے تھے اور آنحضرت ص کے پاس ہی مدینہ میں قیام فرماتے تھے۔ لیکن یہ کلیہ نہیں ہے بعض سرایا جو کسی حیثیت سے اہم ہوتے تھے۔ حضرت ابو بکر کی سرکردگی میں جاتے تھے۔ چنانچہ ۳ھ میں بفرزادہ قبیلہ کی طرف جو سر یہ گیا تھا عام روایت تو یہ ہے کہ حضرت ابن عمار شکر کی امارت میں گیا تھا لیکن سلمہ بن الاکوع سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر اس کے امیر تھے اور کامیاب واپس آئے تھے۔ قیدیوں میں بفرزادہ قبیلہ کی ایک عورت بھی تھی جو بہت

لے جامع ترمذی باب مناقب ابی بکر صدیق و ابو داؤد و کتاب الزکوٰۃ

لے تاریخ ابن عساکر جلد اول ص ۱۱۰ لے ادالۃ الحفا مقصد دوم ص ۱۴۔ ۱۵

خوبصورت تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو سلم بن المکرم کو دے دیا تھا لیکن مدینہ پہنچنے پر آنحضرتؐ نے اس عورت کو سلم سے مانگ لیا تھا۔ اور جو مسلمان مکہ میں قیدی تھے انکے فدیہ میں ان کو مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ بنو فزارہ نہایت سرکش تھے اس سے پہلے حضرت زید بن حارثہ اور انکے ساتھیوں کے ساتھ نہایت برا معاملہ کر چکے تھے۔ یہ سر یہ ان کی سرکوبی کرنے کے لیے لگیا تھا سلم

اسی سال شعبان کے مہینہ میں بنو کلاب کی سرزنش کیلئے ایک سر یہ بھی لگیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کے بھی امیر تھے۔ سلم

امارتِ حج ۸ مکہ مکرمہ ۸ھ میں فتح ہوا لیکن چونکہ اس کے بعد ہی عزدہ حنین و طائف کی مہم پیش آگئی تھی اس بنا پر اس سال حج خالص اسلامی طریقہ پر ادا نہیں ہو سکا تھا ۹ھ میں سب سے پہلا موقع تھا کہ کعبۃ اللہ کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے بالکل پاک و صاف کر دیا جائے اور ارکانِ حج سنتِ ابراہیمیؑ کے مطابق ادا ہوں چنانچہ اس سال ذی قعدہ کے آخر یا ذی الحجہ کے اوائل میں آنحضرتؐ نے تین سو ۱۱۰ مسلمانوں کا ایک کاروان حج کیلئے روانہ فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ کے امیر کاروان یا امیر الحج تھے۔ کاروان کے ساتھ بیس اونٹ اور خود حضرت ابوبکرؓ کے اپنے پانچ اونٹ بھی قربانی کے لئے ساتھ تھے۔

حضرت ابوبکرؓ بھی مقامِ عرج تک پہنچے تھے کہ انہیں پیچھے سے آنحضرتؐ کی ناقہ بدمعاش کے ببلانے کی آواز آئی۔ کان تو اس مرکوب حبیب کی آواز سے آشنا تھے ہی فرار ہوجان گئے۔ مڑ کر دیکھا تو حضرت علیؓ ناقہ پر سوار چلے آ رہے ہیں حضرت ابوبکرؓ کو خیال گذرا کہ شاید مدینہ منورہ سے ان کی روانگی کے بعد کوئی وحشی آئی ہو اور اسکی وجہ سے آنحضرتؐ نے امارتِ حج سے متعلق اپنا پہلا فیصلہ بدل دیا ہو۔ اسلئے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ امیر ہو کر آئے ہیں یا قاصد بن کر؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ قاصد ہو کر، سورہ برات کی چالیس آیتیں میں جن کے ساتھ سلم

لے بطری ۲۷ ص ۲۸۸ و صبح مسلم باب التفضیل و ذمہ المسلمین؛ لاساری سلمہ نہ قانی ۲۸۱ ص ۲۸۱

آنحضرتؐ نے مجھ کو بھیجا ہے تاکہ میں حج کے موقع پر ان کا اعلان کر دوں۔ سلم  
اب سب لوگ روانہ ہوئے۔ حج کا زمانہ آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے یوم ترویہ (۸ ذی الحجہ) یوم عذہ (۹ ذی الحجہ) اور یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ) تینوں دن امیر حج کی حیثیت سے خطبہ پڑھا اور حضرت علیؓ نے سورہ براتہ کی آیتوں کا اعلان عام کیا۔ منادی کو نواہوں میں حضرت ابوبکرؓ یہ بھی تھے۔ جو اس زور سے منادی کرتے پھرتے تھے کہ گلابیٹھ بیٹھ بیٹھ جاتا تھا۔ اعلان عام کے الفاظ یہ تھے۔

اس سال کے بعد نہ تو کوئی مشرک حج کرے گا اور نہ کوئی برہنہ ہو کر طواف کریگا حجۃ الوداع بنوری ماہ ذی قعدہ سنہ ۸ھ میں آنحضرتؐ حج کیلئے تشریف لے گئے جس کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اس سفر میں ہمراہ تھے اور خصوصیت یہ تھی کہ آنحضرتؐ کا سامان سفر حضرت ابوبکرؓ کی اونٹنی پر ہی بار تھا۔ حضرت اسماءؓ اس سفر کا تذکرہ کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ ہم سب آنحضرتؐ کے ساتھ حج کرنے جا رہے تھے اور ایک ہی اونٹ تھا جس پر حضورؐ اور ہم سب کا سامان لدا ہوا تھا۔ مقامِ عرج میں پہنچے تو حضورؐ سواری سے اتر کر بیٹھ گئے حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھیں اور میں اپنے والد کے پہلو میں تھی جس اونٹ پر سامان بار تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے ایک ملازم کی تحویل میں تھا کافی انتظار کے بعد جب یہ ملازم منزل پر پہنچا تو حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا، اونٹ کیا ہوا؟ وہ بولا

لے بطری ۲۷ ص ۲۸۲ پر ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ مقام ذوالحلیفہ سے خود واپس ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور دریافت کیا کہ کیا میرے متعلق کوئی وحشی آئی ہے۔ ارشاد ہوا کہ نہیں لیکن جس چیز (سورہ برات کی وہ ابتدائی آیات جن میں فرمایا گیا ہے کہ جن مشرکوں کے ساتھ معاہدہ ہے اور انہوں نے نقصن عہد بھی نہیں کیلئے کہو چار مہینے کی مہلت دیا گیا ہے اسکے بعد انکو مکہ میں رہنے اور طواف کرنا کی اجازت نہیں دی جائیگی) کی تبلیغ ضروری ہو تو یا تو میں خود اسکی تبلیغ کر دوں گا یا میری کوئی اپنا کر لیا کرے ابوبکرؓ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو۔ درالحالیکم تم میرے رفیق خار ہوا دو جن کے لیے سے ساتھی ہو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا لیکن ہنسنا۔ بارسوا الہم انکے لئے حضرت ابوبکرؓ کو جہودت علیٰ نقیبہ علیہ السلام

گذشتہ شب میں کم ہو گیا۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا: "ایک ہی اونٹ تھا وہ بھی تو نے کم کر دیا" اور یہ کہہ کر اسے مارنا شروع کر دیا۔ آنحضرتؐ یہ دیکھ کر مسکراتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ ذرا اُس محرم (یعنی حج کا احرام باندھنے والا) کو تو دیکھو کیا کر رہا ہے! آنحضرتؐ نے صرف اسی قدر فرمایا اور وہ بھی مسکراتے ہوئے اور حضرت ابو بکر کو مارنے سے منع نہیں فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرب شدید نہیں تھی اور حضرت ابو بکر نے یوں ہی معمولی طریقہ پر دو چار طمانچے لگا دیئے ہوں گے۔

# آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَيِّتُونَ

تکمیل فرض کا اعلان | حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرتؐ نے ایک نہایت عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلامی دستور حیات کے نہایت اہم اصولوں پر روشنی ڈالی تھی اور انہیں سختی سے عمل پر ابھرنے کی تاکید کی تھی یہ گویا نبوت کے فرض کی تکمیل کا اعلان تھا۔ چنانچہ خطبہ کے آخر میں آپؐ نے دریافت فرمایا۔

”کیا میں نے خدا کے احکام تم تک پہنچا دیئے ہیں؟“ سب نے یک زبان ہو کر کیا ”بیشک“ آپؐ نے فرمایا: ”اللَّهُمَّ اشْهَدْ“، اے اللہ تو گواہ رہ لے اسی دن عرفات میں یہ آیت اُترتی لے

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَمَمْتُ عَلَيْكُمْ لِعَمَلِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا (نائدہ) تمہارے دین کے اعتبار سے اسلام کو پسند کیا ہے

حضرت ابو بکر کا اندیشہ | مدینہ طیبہ واپس آکر آنحضرتؐ نے ایک خطبہ دیا جس میں یہ بھی ارشاد فرمایا ”اللہ نے ایک بندہ کو دنیا میں اور اس چیز میں جو اللہ کے پاس ہے اختیار دیا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لے۔ اس بندہ نے کا عند اللہ یعنی قرب خداوندی کو اختیار کر لیا۔“

حضرت ابو بکر بیٹے ہی رونے لگے۔ صحابہ کرام کو سخت حیرت ہوئی کہ اس میں رونے کی کیا بات تھی؟ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ جو کہ محرم امر اور نبوت اور دین شناس کلام رسالت تھے فرما سمجھ گئے تھے کہ یہ بندہ خود آنحضرتؐ کی ذات مبارک ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی دنیا سے رحلت کا وقت قریب آپہونچا ہے۔

آغازِ مرض | چنانچہ اس واقعہ کے چند روز بعد ہی ایک دن آنحضرتؐ جنت البقیع سے تشریف لائے تو آپ کے سر میں شدید درد تھا۔ گھر میں داخل ہو کر حضرت عائشہ کو دیکھا کہ اتفاق سے وہ بھی دردِ سر کے مارے کرا رہی ہیں۔ لیکن اس حالت میں بھی آپ ہر بیوی کے ہاں باری باری سے جلتے رہے۔ آخر حضرت میمونہ کی باری کے دن تکلیف زیادہ شدید ہو گئی تو ازواجِ مطہرات نے حضورؐ کا ایما پا کر آپ کو حضرت عائشہ کے جوہ میں ہی قیام فرمانے کی اجازت دیدی۔ لیکن اس وقت تک ضعف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ آپ یہاں تشریف لائے تو اس طرح کہ سر پر پیٹی بندھی ہوئی تھی چلا جاتا نہیں تھا۔ اور دو شخص حضرت فضل بن عباس اور حضرت علیؓ آپ کو تھامے ہوئے تھے۔ لے

حضرت ابو بکر کو | جب تک آمد و رفت کی طاقت رہی آپ مسجد میں نماز پڑھانے اہمیت صلوٰۃ کا حکم | تشریف لاتے رہے۔ لیکن جب اس سے بھی معذوری ہو گئی تو حضرت عائشہ سے فرمایا "ابو بکر سے کہو نماز پڑھائیں" حضرت عائشہ نے عرض کیا "ابو بکر دین القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو فرطِ گریہ سے ان کی آواز کسی کو سنائی نہ دے گی۔ اس لیے بکر کو حکم کیجئے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ ساتھ ہی حضرت عائشہ کے کہنے پر حضرت حفصہ نے بھی اپنے والد حضرت عمرؓ کی سفارش کی لیکن آنحضرتؐ نے کوئی عذر قبول نہیں فرمایا اور پھر اصرار کے ساتھ حکم دیا کہ ابو بکر سے ہی کہو نماز پڑھائیں اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے بکر کو فرمایا تم انہیں عورتوں میں سے ہو جنہوں نے یوسف کو جکلی دیا تھا۔" حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے یہ سن کر کہا "بھلا مجھ کو تمہاری طرف سے کوئی خیر کیوں پہنچنے لگا؟"

اس حکم کے مطابق حضرت ابو بکر تین دن تک نماز پڑھاتے رہے۔ آخر ایک دن آنحضرتؐ کو کچھ آفاقہ محسوس ہوا۔ حجرہ سے باہر نکل کر خود تشریف لائے حضرت ابو بکر نماز شروع کر چکے تھے حضور کو دیکھ پیچھے ہٹنے لگے۔ آنحضرتؐ نے اشارہ سے منع فرمایا اور خود حضرت ابو بکر کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اب حضرت ابو بکر آنحضرتؐ کی اور دوسرے نمازی حضرت ابو بکر کی اقتدار کر رہے تھے۔

ایک روز حسب معمول نماز پڑھانے کے لیے حضرت ابو بکر آگے بڑھ رہے تھے کہ دفعۃً حجرہ نبوی کا پردہ اٹھا اور حضورؐ پر نور کا رونے مبارک والو ظاہر ہوا۔ شمعِ صلیت کے پروانوں کی خوشی کی حد نہ رہی۔ حضرت ابو بکر پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور انہوں نے نماز پڑھانی شروع کر دی حضور باہر تشریف لانا چاہتے تھے لیکن ایسا کرنا ممکن نہ ہو سکا۔ پھر واپس اندر چلے گئے اور پردہ گرالیا۔ لے حافظ عماد دین ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ آخری نماز جو حضرت ابو بکر نے پڑھانی نماز فجر تھی لے

وصالِ نبوی | صحابہ کرام جن کے دل محبوبِ انس و جان کی شدید علاقت کے باعث مڑھلے ہوئے تھے۔ رونے منور کی جھلک دیکھ کر خوشی سے شگفتہ ہو گئے لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ یہ آخری جلوہ عام اور آفتابِ لب بام تھا لے

حضرت ابو بکر نماز سے فارغ ہو کر حضرت عائشہ کے حجرہ میں آئے۔ چونکہ حضورؐ کو قدرے آفاقہ تھا اور درد کی شدت میں کمی محسوس ہوتی تھی اس لیے حضرت عائشہ سے اجازت لیکر مقامِ سخن چلے گئے جہاں ان کی بیوی حبیبہ بنت سارحہ رہتی تھیں

لے یہ صحیح بخاری کی روایت ہے ابن سعد نے فضیل بن عمر والظہیری

سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو بکر نے آنحضرتؐ کی حیات میں تین مرتبہ نماز پڑھائی۔

لیکن اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن سعد خود ہی فرماتے ہیں کہ ان تین نمازوں سے وہ نمازیں مراد ہیں جن میں آنحضرتؐ نے خود حضرت ابو بکر کی اقتدار کی تھی۔ روزیوں تو انہوں نے سترہ مرتبہ نماز پڑھائی

یہاں جب چاشت چڑھی تو سرور کائنات رحلت گزائے عالم جاودانی ہو کر رفیق  
اصلی سے جا ملے سالم بن عبید کے ذریعہ حضرت ابو بکر کو اس حادثہ فاجعہ کی خبر پہنچی تو  
فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ آئے۔ یہاں مسجد نبوی میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ آپ  
نے کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ سیدھے گھر میں تشریف لائے جہاں آنحضرتؐ ایک مینی  
نقش و نگار کی چادر اوڑھے استراحت فرماتے تھے جسداہر کے قریب کھڑے ہو کر رخ  
ردشن سے چادر اٹھائی اس پر جھکے بوسہ دیا اور پھر آپ کو خطاب کر کے اس  
طرح گویا ہوئے۔

بابی انت واجی طبت حیاً ومیتاً  
والذی نفسی مبدہ لایذیفک  
اللہ الموتین ابداً اما  
الموتۃ التی کتب اللہ  
علیک فقد متھا

میرے ماں اور باپ دونوں آپ پر فدا ہوں  
آپ زندگی میں بھی پاک و صاف رہے اور  
اب موت کے بعد بھی پاک و صاف ہیں۔  
جس کے ہاتھ میں میری جانی ہے اسی قسم کہ  
اور آپ کو ہرگز دو موتیں نہیں دیکھا وہ موت  
جو اللہ نے آپ کیلئے مقدر کی تھی وہ تو آپ کو آہی گئی۔

اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے تو یہاں عجیب کھرام مچا ہوا تھا۔  
حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے قسم کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ رسول اللہؐ کی وفات ہوئی  
ہوئی جیسا کہ خود ان کا بیان ہے انہیں بتا دیا ہی نہیں ہوئی تھی کہ حضور کی  
وفات ہو بھی سکتی ہے حضرت ابو بکر نے انہیں سمجھایا اور کہا کہ بیٹھ جاؤ گروہ نہ مانے  
پھر کہا مگر وہ اب بھی نہیں مانے۔ آخر حضرت ابو بکر نے فرمایا "سے قسم کھانے والے  
ذرا ٹھہر اور جلدی نہ کر" حضرت عمرؓ اب بیٹھ گئے تو آپ نے تقریر شروع کی پہلے  
اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا۔

الَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا  
فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ  
جو شخص محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پوجا کرتا تھا وہ سن  
لے کہ بدشگورؐ کی موت واقع ہو گئی۔ مگر ہاں  
جو شخص اللہ کی بندگی کرتا ہے

يَعْبُدُ اللَّهَ فَلَنْ يَكْفُرَ بِهِ  
تو بدشگور زندہ ہے اور اس کیلئے امرت نہیں ہے  
اس کے بعد آپ نے حسب ذیل آیات تلاوت کیں۔  
اِنَّكَ مَعِيتٌ وَاللَّهُ بِمِيتَاتِنَا  
اے محمدؐ آپ کو بھی موت آئی ہے اور بدشگور وہ بھی  
مرنے والے ہیں۔

(۲) وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ  
قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ  
أَلَمَلِكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ  
عَلَىٰ أَعْقَابِهِ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ شَيْئًا  
وَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ۔

اور محمدؐ نہیں مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے بھی اور  
رسول گذر چکے ہیں پس اگر ان کو موت آجائے یا قتل کر دینے  
جائیں تو کیا تم اپنی ایزدوں کے بل پیچھے کراؤ گے  
اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں  
پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو عظیم جزا دے گا۔

یہ سن کر لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے مگر ساتھ ہی ایسا محسوس ہوا کہ  
گویا یہ آخری آیت انہیں معلوم ہی نہیں تھی۔ اب حضرت ابو بکر نے اس کی تلاوت  
کی قرآن کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور اس قدر موثر و دل نشین ثابت ہوئی کہ  
ہر شخص اسکو ہی پڑھ رہا تھا۔

سقیفہ بنی ساعدہ یہاں آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور اوصاف  
منافقین کی ریشہ دوانی نے یہ گل کھلایا کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جو ان کا دارالجمہور  
یاد ارالذوق تھا جمع ہوئے اور آنحضرتؐ کے جانشین کی بحث چھیڑ دی۔ سعد بن عبادہ  
مشہور انصاری ہیں۔ غزوات میں انصار کا علم انہیں کے ہاتھ میں رہتا تھا انصار کا خیال  
تھا کہ خلیفہ رسولؐ ان کو ہونا چاہئے۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ تھے جو کہتے  
تھے کہ بجائے ایک امیر کے دو امیر ہوں۔ ایک انصار سے اور دوسرے ہماجرین سے  
ظاہر ہے کہ یہ دوسری شکل تو کسی طرح بھی قابل عمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اسکے قبول کر لینے

لے امام بخاری نے اس روایت کو جو حضرت عائشہ سے مروی ہے کچھ لفظوں کے رد و بدل اور کمی بیشی کے ساتھ  
اپنی صصح میں درج کیا ہے۔ ایک باب الدخول علی المیت بعد الموت اذا درج فی القافنہ تحت اور  
دوسرے باب مناقب المهاجرین وفضائلہم کے زیر عنوان۔ ہم نے دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

سے اسلامی وحدت کا شیرازہ ہمیشہ کے لیے منتشر ہو جاتا۔ اب رہی پہلی صورت تو اس میں اشکال یہ تھا کہ قریش جو عرب میں سب سے زیادہ بااقتدار تھے اور جن میں موروثی طور پر امارت و ریاست کے اوصاف و کمالات بہ نسبت دوسروں کے زیادہ پائے جاتے تھے یہاں تک کہ خود ان حضرتؑ نے الامۃ من قریش۔ امام تو قریش میں ہی پیدا ہوتے ہیں فرما کر قریش کی اس خصوصیت و امتیاز پر ہم تصدیق ثبت کر دی تھی۔ وہ امارت سے محروم ہو جاتے اور اس کا نقصان یقیناً اسلامی معاشرہ کو پہنچتا۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرتؐ کی اور اسلام کی انصاف نے جو خدمات انجام دی تھیں وہ بھی بہت عظیم الشان تھیں اور ان کے فضائل و مناقب کا باب بہت وسیع تھا۔ پھر مہاجرین میں بھی قریش کا ایک گروہ جس میں ابوسفیان تھے اپنے سلسلے کسی کو نظر میں نہیں لاتا تھا جہاں تک انصاف کا تعلق ہے ان میں بھی دو قبیلے تھے اوس اور خزرج ان میں باہمی برقاہت اور منافست مدت سے چلی آ رہی تھی اسلام قبول کرنے کے بعد یہ کم ضرور ہوئی تھی لیکن معدوم نہیں ہوئی اس بنا پر اسلام کی وحدت اجتماعی کیلئے یہ انتہائی نازک وقت تھا اور خلافت کے معاملہ کو کامیابی کے ساتھ حل کر لینے پر ہی اسکی بقا کا دار و مدار تھا۔ آخر اس عقدہ لاخیل کی گرہ کشائی بھی حضرت ابو بکر صدیق کے نام ہی سے ہوئی اور اسلام میں جو رخنہ اور فتنہ پیدا ہو رہا تھا اس کا سدباب ہو گیا۔

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق کو اس ہنگامہ آرائی کی اطلاع ہوئی تو سب کو چھوڑ چھاڑ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح جو امین ہذہ الامۃ کے لقب سے سرفراز تھے فتح ابوری ۷۷ء ۲۳ پر سند ابولعلی سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر حضرت عمرؓ اور سب آل بیت آنحضرتؐ کی تجویز و تکلیف میں معروف تھے کہ ایک شخص نے دیوار کے پیچھے سے حضرت عمرؓ کو آواز دیکر کہا کہ ذرا باہر آئیے فاروق اعظم نے جواب دیا "چلو سٹو" ہم آنحضرتؐ کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم کو فرصت نہیں۔ اب یہ شخص بولا "ارے دیکھئے بڑا غضب ہو گیا۔ انصاف سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں آپ ذرا چل کر ان کی خبر لیجئے۔" قبل اس کے کہ وہ کوئی ایسی چیز کھڑی کر دیں جو جنگ کا باعث ہو" یہ سن کر حضرت عمرؓ صدیق اکبر سے کہا چلیا اور وہ روانہ ہو گئے۔

تھے ان کو ساتھ لیکر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے یہاں دیکھا کہ عجیب ہنگامہ اور شور و غل برپا ہے جب یہ تینوں بیٹھ گئے تو انصار کا ایک خطیب کھڑا ہوا اور اس نے کہنا شروع کیا ہم اللہ کے انصاف اور اسلام کے لشکر ہیں اور اے مہاجرین تم ہمارے نبی کے ساتھی (رہط) ہو۔ لیکن اب تم ہم سے برگشتہ ہو گئے ہو اور جو ہمارا مقام ہے اس سے ہم کو الگ کرنا چاہتے ہو؟

یہ تقریر ختم ہوئی تو حضرت عمرؓ نے بولنا چاہا لیکن حضرت ابو بکر صدیق نے انہیں روک دیا اور خود کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس کا ہر لفظ فصاحت و بلاغت کی جان تھا خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں اس موقع کیلئے ایک بہت اچھی تقریر سوچ سناج کے اور پہلے سے اس کو اپنے دماغ میں تیار کر کے گیا تھا اور خیال تھا کہ ابو بکر ایسی تقریر نہیں کر سکیں گے۔ لیکن جب ابو بکر خود کھڑے ہوئے تو انہوں نے وہ باتیں فی البدیہہ اور انتہائی بلاغت کے ساتھ کہہ ڈالیں جنکو میں غزوہ فکر کے بعد اپنے دماغ میں جہاں کہے لگتا تھا حضرت ابو بکر کی تقریر | حضرت ابو بکر صدیق نے حمد و صلوة کے بعد اپنی تقریر میں پہلے تو مہاجرین

کے فضائل اسلام کے لئے ان کی غیر معمولی قربانی اور آنحضرتؐ کے ساتھ رشتہ و قرابت کا ذکر کیا اور اس کے بعد فرمایا "اے انصاف تم جو کچھ اپنے متعلق کہتے ہو بے شک تم اس کے اہل ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرتؐ کے ساتھ بھی تم کو بڑا گہرا تعلق تھا۔ آپ کی بعض معزز ازواج مطہرات تم ہی میں سے تھیں لہذا عرب اس معاملہ میں سوائے قبیلہ قریش کے ساتھ اور کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ لو ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو

لہ ابن جریر طبری ج ۲ ص ۲۵۷۔ طبری نے سقیفہ بنی ساعدہ کے اس جلسہ کی اور اس میں جو تقریریں ہوئیں ان سب کی تفصیل روداد و قلم بند کی ہے۔ لیکن ہم نے غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر دیا ہے لہذا صحیح بخاری جلد دوم ص ۹۹ امام بخاری نے یہ ساری داستان خود حضرت عمرؓ فاروق کی زبانی سنائی ہے حضرت ابو بکر نے خلافت کے لئے جب حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا تو خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میرے لئے یہ حد درجہ ناگوار بات تھی خدا کی قسم! ابیر کسی گناہ کے میری گردن اڑادی جاتی یہ بات میرے لئے (باقی برص ۷۷)

اس پر شور و شغب زیادہ بڑھنے لگا اور انصار کی طرف سے جناب بن منذر نے سخت کلامی کی تو حضرت عمر نے پیش قدمی کر کے حضرت ابو بکر سے کہا کہ نہیں! ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کیونکہ آپ ہم سے بہتر ہیں ہمارے سردار ہیں اور آنحضرتؐ سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتے تھے۔ یہ کہہ کر حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور بیعت کی حضرت عمر کا بیت کرنا تھا کہ مہاجرین اور انصار سب نے ہاتھ بڑھا دیئے۔ ابن اسحاق کی ایک روایت ہے کہ بشیر بن الانصاری نے حضرت عمر سے بھی پہلے بیعت کی تھی لہٰذا یکن دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ اس قدر ہجوم کے موقع پر اول تو اس کا ٹھیک پتہ چلنا مشکل ہے کہ کس نے بیعت کی اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر مہاجرین میں سے پہلے بیعت کرنے والے ہوں اور حضرت بشیر بن سعد نے انصار میں سب سے پہلے بیعت کی ہو۔

سقیفہ بنی ساعدہ کے ہنگامہ سے فارغ ہو کر کاشانہ اقدس پر حاضر ہوئے اور آنحضرتؐ کی تدفین میں شریک ہوئے۔ یہاں صحابہ کرام میں اختلاف تھا کہ کہاں دفن کیا جائے حضرت ابو بکر نے فرمایا میں نے رسول اللہؐ سے ایک حدیث سنی ہے جس کو میں نہیں بھولوں اور وہ یہ ہے کہ

ما قبض اللہ نبیاً الا فی الموضع الذی اللہ کسی نبی کی مرگ اسی جگہ قبض کرتا ہے جہاں

یحب ان یدفن فیہ

اس کو دفن ہونا محبوب ہوتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا "ادفونہ فی موضع فرأشہ" تم لوگ بھی رسول اللہؐ

(بقیہ صفحہ) بہت آسان تھا۔ یہ نسبت اسکے کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر بنتا جس میں کہ ابو بکر موجود ہوں حضرت ابو بکر نے دوسرا نام حضرت البرصیدۃ بن الجراح کا پیش کیا تھا۔ ان کے متعلق ابن سعد نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب بعض لوگوں نے ان سے بیعت کرنی چاہی تو انہوں نے فرمایا تم لوگ میرے پاس آتے ہو حالانکہ تم میں ثالث ثلاثہ (ثالثت غار ثور کی طرف اشارہ ہے) یعنی حضرت ابو بکر موجود ہیں۔ (ابن سعد تذکرہ حضرت ابو بکر) صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۸ باب مناقب المہاجرین) صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۸ و جلد دوم ص ۱۰۹ باب رجم العلی من الزنا اذا احدثت لہ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۷

کو آپ کی اسی خواب گاہ میں دفن کر دینا چنانچہ ایسا ہی ہوا لہٰذا بیعت عامہ سقیفہ بنی ساعدہ میں تو چند لوگوں نے بیعت کی تھی۔ آنحضرتؐ کی وفات کے دوسرے دن یعنی بروز شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۲۸ مئی ۶۳۲ء مسجد نبوی میں بیعت عامہ کا انتظام کیا گیا۔ سب مسلمان جمع ہوئے پہلے حضرت عمر فاروق نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا۔ اور فرمایا کہ "میں امید کرتا تھا کہ رسول اللہؐ ہم لوگوں کے بعد تک زندہ رہیں گے۔ لیکن اب اگر محمدؐ وفات پا گئے ہیں تو خیر! اللہ نے تمہارے سامنے ایک ایسا نور رکھ دیا ہے جس سے تم وہی ہدایت حاصل کر سکتے ہو جو رسول اللہؐ سے حاصل کرتے تھے بلکہ شبہ ابو بکر رسول اللہؐ کے ساتھی اور غار کے رفیق ہیں۔ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہتر تم لوگوں کے معاملات کی سربراہی کیلئے وہ ہی ہیں۔ پس کھڑے ہو اور ان سے بیعت کرو" حضرت عمر تقریباً فارغ ہوئے تو حضرت ابو بکر نے جو خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ بولے "اب منبر پر تشریف لائیے۔ لیکن صدیق اکبر کو جنبش نہ ہوئی آخر جب کسی مرتبہ کہا تو آپ منبر پر چڑھے اور مسلمانوں نے آپ سے بیعت کی لہٰذا یہ بیعت عامہ تھی۔

پہلا خطبہ اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کی نسبت ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ ایسا خطبہ پھر کبھی کسی کی زبان سے سنتے ہیں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور درود و سلام کے بعد فرمایا۔

اما بعد ایہا الناس فانی قد ولیت علیکم  
لوگوں! میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں، حالانکہ میری  
ولست بخیر کہ فان احسنت فاعینونی  
تم سے بہتر نہیں ہوں پس اگر میں اچھا کروں تو تم  
وان اسأتفقو موئی۔ الصدق  
میری مدد کرو۔ امداد اگر برا کروں تو مجھ کو سیدھا  
امانۃ والکذب خیانتہ۔ والضعف  
کردار سچائی ایک امانت ہے۔ اور جھوٹ  
منکم قوی عندی حتی اریم علیہ  
خیانت ہے۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے  
ان نشاء اللہ والقوی فیکم ضعیف  
نزدیک قوی ہے۔ چنانچہ میں اس کا شکوہ دور  
حتی آخذ منہ الحق ان شاء اللہ  
کردوں گا۔ اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے

لہ شامی ترمذی مطبوعہ کان پور ص ۲۰ لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۷۱ باب الاستخلاف

لا یدع قوم الجہاد فی سبیل اللہ  
الاضر بہم اللہ بالذل ولایشیع  
قوم قط الفاحشۃ الا عمہم اللہ  
بالبلاء - اطیعونی ما اطعت اللہ  
ورسولہ فاذا اعصیت اللہ ورسولہ  
فلا طاعة لی علیکم قوموا الی  
صلوتکہ - رحمکم اللہ لہ

نزویک کمزور ہے۔ چنانچہ اس سے حق لوں  
کا جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے۔ اللہ اس پر  
ذلت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں  
بری باتیں عام ہو جاتی ہیں، اللہ ان پر مصیبت  
کو مستولی کر دیتا ہے جب تک میں اللہ اور اس کے  
رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور  
جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں  
تو تم میری کوئی اطاعت فرض نہیں ہے۔ اچھا  
اب جاؤ نماز پڑھو۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔

## متخلصین

سیر و تاریخ کی کتابوں میں بعض ایسی شخصیتوں کے نام بھی ملتے ہیں جن کی  
نسبت مورخین عام طور پر لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو بکر سے اس دن بیعت  
نہیں کی تھی ان میں سب سے اہم نام حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کلبہ ہے ان  
کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت زبیر بن العلوام اور مشہور انصاری حضرت سعد بن  
عبادہ کے نام ہیں۔ اگرچہ یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے جو دین کے لیے بنیاد کی  
حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ مورخین نے اس  
کو چند ان اہمیت نہیں دی اور وہ اس پر سرسری کلام کے آگے بڑھ جاتے  
ہیں۔ ہم ان تینوں بزرگوں میں سے ہر ایک کی نسبت الگ الگ کلام کرتے ہیں۔

لے البدایہ و النہایہ ج ۵ ص ۲۴۸ -

## حضرت علی کی بیعت

حضرت علی کی نسبت عام خیال یہ ہے کہ آپ نے چھ ماہ یعنی حضرت فاطمہ کی  
وفات تک خلیفہ اول سے بیعت نہیں کی اور ناراض ہوئے گھر میں بیٹھے رہے۔ آخر  
جب حضرت فاطمہ بھی رہ گزائے عالم آخرت ہو گئیں تو آپ نے اور آپ کے ساتھی بنی  
ہاشم نے جو حضرت علی کے مکان میں مقیم تھے حضرت ابو بکر کو مکان میں بلایا۔ یہاں  
حضرت علی اور حضرت ابو بکر دونوں میں گفتگو ہوئی۔ شکوے شکایت ہوئے اور آخر  
جب صلح صفائی ہو گئی تو حضرت علی نے بیعت کی۔ مسلمانوں کو جب یہ خبر ملی تو  
بڑے خوش ہوئے۔

عام مورخین اور ارباب سیر کی اس روایت کا سرچشمہ دراصل صحیح بخاری کی روایت  
ذیل ہے۔

عن عائشۃ ان فاطمہ بنت النبی صلی  
اللہ علیہ وسلم ارسلت الی ابی بکر  
تسئلہ میراثہا من رسول اللہ صلی  
علیہ وسلم مما افاء اللہ علیہ  
بالمدينة وفداً وما بقی من خمس  
خیبر فقال ابو بکر ان رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم قال -  
لا نورث ما ترکنا صدقة النمايا کل  
ال محمد فی هذا المال والی  
واللہ لا اؤخذ شیئاً من صدقة

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ فاطمہ نے ابو بکر  
کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ بیڑے جو اللہ نے رسول  
اللہ کو مدینہ میں دی تھیں اور تمک ان خیبر کے  
لہ کا جو کچھ بچا ہوا ہے ان میں سے جو میری  
میراث ہے وہ مجھ کو دیکھو۔ حضرت ابو بکر  
نے جواب دیا کہ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ جلا  
کوئی وارث نہیں جو کچھ ہم چھوڑ جائیں  
گئے وہ صدقہ ہو گا۔ اور آل محمد بھی اسی میں سے  
کھائیں گے قسم ہے اللہ کی آنحضرت  
کا صدقہ آپ کی زندگی میں جس حالت پر تھا۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 عن حالها التي كان عليها في عهد  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 ولا عملن فيها بما عمل به رسول  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 فالجی ابوبکر ان یدفع الی فاطمة  
 منها شیئاً فوجدت فاطمة علی  
 الی بکر فی ذلک فهجرتہ فلم تکلمه  
 حتی توفیت وعاشت بعد النبی  
 صلی اللہ علیہ وسلم ستة أشهر  
 فلما توفیت دفنھا زوجھا علی کبلاً  
 ولم یؤذن بها ابوبکر و صلی علیھا  
 وكان نعی وجہ حياة فاطمة فلما  
 توفیت استنکر علی وجوه الناس  
 مصالحة الی بکر ومبايعته ولم  
 یکن یبالی بک ان تلك الاشهر فارسل  
 الی ابی بکر ان اتاوا لایاتنا احدٌ  
 معک کراهیة لیحضر عمر فقال  
 عمر لا والله لا تدخل علیهم وحدک  
 فقال ابوبکر وما عسیتهم ان  
 یفعلوه بی واللہ لاینبہم فدخل  
 علیهم ابوبکر فشهد علی فقال  
 انا قد عرفت ما فعلتک وما اعطاک

میں اس میں کوئی تیز نہیں کروں گا۔ اور میں  
 اُس سے متعلق وہی عمل کروں گا جو آنحضرتؐ  
 نے کیا تھا۔ یہ کہہ کر ابوبکر نے فاطمہ کو ان چیزوں  
 میں سے کوئی بھی چیز دینے سے انکار کر دیا اس  
 پر فاطمہ ابوبکر سے ناراض ہو گئیں، ماہوں نے ان کو  
 چھوڑ دیا اور وفات پانے تک ان سے کلام  
 نہیں کیا۔ فاطمہ آنحضرتؐ کے بعد چھ مہینے  
 زندہ رہیں جب ان کی وفات ہوئی۔ تو  
 انکے شہر علی نے رات ہی کو انہیں دفن کر  
 دیا اور ابوبکر اس کی خبر نہیں کی اور علی نے  
 ان کی نماز پڑھی، فاطمہ کی زندگی میں علی کا  
 بڑا دکھ تھا لیکن جب فاطمہ کی وفات ہو گئی  
 تو علی نے محسوس کیا کہ اب لوگوں کے دلوں میں  
 وہ پہلی سی بات نہیں رہی اس لیے انہوں نے  
 ابوبکر سے صلح کر لینی اور ان سے بیعت کرنی  
 چاہی اور انہوں نے ان مہینوں میں بیعت  
 نہیں کی تھی چنانچہ علی نے ابوبکر کو گھر بلایا اور  
 ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ آپ کے ساتھ  
 کوئی اور نہ آئے۔ کیونکہ وہ اس بات کو پسند  
 نہیں کرتے تھے کہ ان کے ساتھ عمر آئیں۔ عمر نے  
 ابوبکر کو مشورہ دیا کہ وہ تہانہ جا میں، ابوبکر  
 نے کہا کہ مجھ کو ان (بندہ ہاشم) سے یہ امید  
 نہیں کہ وہ میرے ساتھ آید لہذا معاملہ

اللہ ولم نفس علی خیر اساقہ  
 اللہ الیک ولكنک استبدت  
 علینا بالامر وکتا نزی لقرا بتنا  
 من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 لفضیلاً حتی افاضت عینا الی بکر  
 فلما تکلم ابوبکر قال والذی نفسی  
 بیدہ لتقرا بة رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم احب الی ان اصل من  
 قرابتی واما الذی شجر بینی و بینک  
 من هذه الاموال فانی لوال فیھا  
 عن الخیر و لو اترک اموالاً رأیت  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 یصنعہ فیھا الا لصنعة فقال  
 علی لابی بکر موعدک العشیة  
 للبیعة۔ فلما صلی ابوبکر اظہر  
 رقی علی اظہر فتشهد و ذکر شان  
 علی و تخلفہ عن البیعة و عذرہ  
 بالذی اعتذر الیہ ثم استغفر و  
 تشهد علی فعظم حق الی بکر و حدث  
 انه لم یعملہ علی الذی صنع  
 نفاسۃ علی الی بکر و لا الکافر  
 للذی فضلہ اللہ بہ و لکننا  
 کنا نزی لنا فی هذا لالفضیلاً

کریں گے۔ بخدا میں اُن کے پاس مزدور جاؤں  
 گا۔ چنانچہ ابوبکر اُن کے پاس آئے تو علی نے  
 کلمہ تشہد پڑھا اور پھر کہا کہ ہم آپ کے فضل کو  
 اور جو کچھ اللہ نے آپ کو دیا ہے اُس کو پہنچاتے  
 ہیں اور جو چیز (اختلاف) اللہ نے آپ کو بخشی ہے  
 ہم اس میں آپ کی ریس نہیں کرتے لیکن ہاں آپ نے  
 خداوند کا معاملہ خود ہی سطر کر لیا۔ حالانکہ  
 آنحضرتؐ کے ساتھ قرابت کی وجہ سے ہم بھی  
 اس میں اپنا حصہ سمجھتے تھے ابوبکر یہ سن کر آ  
 بدیدہ ہو گئے پھر جب انہوں نے بونا شروع  
 کیا تو کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ  
 میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اپنے  
 اعزہ کے ساتھ صلہ رہی کروں رہا وہ اختلاف  
 جو میرے اور تمہارے درمیان اُن اموال کے  
 بارے میں رونما ہو گیا ہے تو میں نے خیر کرنے  
 میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور میں نے کوئی  
 ایسا کام جسکو رسول اللہ نے کیا ہو اس کو نہ  
 بغیر نہیں چھوڑا۔ یہ سن کر علی نے ابوبکر سے کہا  
 کہ اچھا آپ بیعت کیلئے دو پہر بعد آئیے پھر  
 جب ابوبکر نے ظہر کی نماز ادا کر لی تو انہوں  
 نے کلمہ تشہد پڑھا اور علی کا حال اور بیعت سے  
 انکی علیہ کی اور اسکا جو عذرہ انہوں نے بیان کیا تھا

واستبد علينا فوجيدنا في الفضا  
فسر بذا اللع المسلمون وقالوا  
اصبت وكان المسلمون الى  
علي قريبا حين راجح الامر  
بالمعروف له

وہ سب بیان کیا پھر استغفار پڑھا پھر اُسکے  
بعد علی نے تشہد پڑھا ابو بکر کے حق کی بڑائی بیان  
کی اور انہوں نے کہا کہ میں نے جو کہا تھا اُس  
کا سبب یہ نہیں تھا کہ میں ابو بکر پر حمد کرتا تھا  
اور اللہ نے ان پر جو انعامات کئے ہیں میں اُن  
کا منکر تھا۔ لیکن بات یہ ہے کہ ہم لوگ بھی  
خلافت کے معاملہ میں اپنا کچھ حق سمجھتے تھے  
ابو بکر نے اس میں ہماری بات ہی نہیں پوچھی  
اسی لئے ہمارے دل میں اسکا ملال تھا یہ سنکر سب  
مسلمان بہت غور ہوئے اور انہوں نے کہا  
”اے نبیؐ درست فرمایا اور مسلمان علی سے قریب  
ہونے کے باعث امر بالمعروف کی طرف لوٹ آئے۔“

اس کے علاوہ صحیح مسلم میں بھی امام زہری سے روایت ہے کہ کسی شخص نے  
ان سے بیان کیا کہ حضرت علی نے حضرت ابو بکر سے حضرت فاطمہ کی وفات کے وقت  
بیعت نہیں کی تو انہوں نے کہا کہ نہیں! حضرت علیؑ نے ان سے بیعت نہیں بلکہ بنو ہاشم میں سے  
کسی نے بھی نہیں کی لیکن حافظ ابن حجر نے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت  
ضعیف ہے کیونکہ زہری نے اسکی سند بیان نہیں کی ہے۔ بیہقی نے اس روایت  
کی جو درج ضعف بیان کی ہے اس کے علاوہ اس روایت کا یہ جز بھی تمام  
روایات کے خلاف ہے کہ بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی بیعت نہیں کی۔

اب رہ گئی صحیح بخاری کی روایت تو اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرت علی کا  
چھ ماہ تک بیعت نہ کرنا ایسی ایک بات ہے جو حضرت علی کی شان سے بھی  
بعید ہے اور حضرت ابو بکر کا اتنے دنوں تک اس پر صبر کرنا خود ابو بکر سے مستبعد ہے

لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۹ باب غزوة غیر لے فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۹

اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابو بکر کو صحابہ کرام میں جو بلند مرتبہ و  
مقام حاصل تھا آنحضرتؐ کو ان پر جو خصوصیت اعتماد و اعتبار تھا اور جس کی وجہ  
کے لئے مراحتہ و اشارہ (جس کا ذکر آگے آئے گا) حضرت ابو بکر کی خلافت کی طرف ایما فرمایا  
تھا حضرت علیؑ اس سے ناواقف نہیں ہو سکتے تھے، علاوہ بریں خود حضرت علیؑ  
درویشی و بے نفسی اور ولایت و انابت اللہ کے جس مرتبہ اعلیٰ و ارفع پر متمکن  
تھے وہ بھی کوئی پوشیدہ حقیقت نہیں ہے اس بنا پر یہ قطعاً ناممکن ہے کہ حضرت  
علیؑ حضرت ابو بکر کو مستحق خلافت یا خلیفہ برحق نہ سمجھتے ہوں چنانچہ صحیح بخاری کی  
اسی روایت میں حضرت علیؑ صحابہ کرام لفظوں میں حضرت ابو بکر کے فضائل و مناقب  
اور انکے استحقاق خلافت کا اعتراف کرتے ہیں اور یہ بھی برصراحت فرماتے ہیں کہ خلافت کے معاملہ  
میں حضرت ابو بکر کے ساتھ نہ کچھ اختلاف تھا اور نہ وہ اس پر انکے ساتھ کوئی منافست رکھتے تھے۔

بعض لوگوں نے اپنی پرانی عصبیت کی بنا پر اس وقت غیر ذمہ دارانہ گفتگو  
کر کے حضرت علیؑ کو مشتعل کرنا بھی چاہا تو آپ نے سختی کے ساتھ ان کو ڈانٹ  
دیا چنانچہ ایک مرتبہ ابوسفیان نے جو حضرت امیر معاویہ کے والد تھے حضرت علیؑ کو  
عار دلانی اور ان کو حضرت ابو بکر کی مخالفت پر برا لکھنے کرنے کی عرض سے کہا ”یہ  
دیکھئے! جو قریش میں گھٹیا درجہ کا قبیلہ ہے خلافت اس میں چلی گئی خدا کی قسم اگر آپ  
اُس کے خواہاں ہوں تو میں مدینہ کو سوار اور پاپیادہ فوج سے بھر دوں گا۔ حضرت علیؑ یہ سنتے ہی  
برہم ہو گئے۔ اور بگڑ کر فرمایا۔ اے ابوسفیان تم اسلام اور مسلمانوں کے پرانے دشمن ہو تم ایسی  
باتوں سے اسلام کو کون ضرر نہیں پہنچا سکتے تم نے ابو بکرؓ کی خلافت کا اہل پاپیادہ لے

لے ابن جریر طبری ج ۲ ص ۲۴۹۔ یہ روایت طبری کی ہے میں کنز العمال میں یہ واقعہ دو سندوں سے مذکور ہے جن میں سے ایک سند  
آخری راوی سوریہ میں فقہ ابویوسف کا ہے اس وقت مدینہ میں حاضر ہوئے لوگ وفد نبوی سے فارغ ہو کر آتے تھے اور وہ  
اور وہ حضرت علیؑ کے اصحاب خاص میں سے ہیں۔ دوسری سند کے آخری راوی حضرت علیؑ کے پوتے زین العابدین ہیں۔ ان  
دو روایتوں میں ابوسفیان کے الفاظ تو وہی ہیں جو طبری میں ہیں لیکن حضرت علیؑ کے جواب کے الفاظ بدلے ہوئے ہیں اور  
وہ یہ ہیں لو اللہ ما ارید ان تملواہ علیہ خیل ورجال و لولوا انارنا ینا ابابکر لذلک اھلاما خلیناہ و  
ایھا یا ابوسفیان ان المؤمنین قوم لھم لھم بعض متوا دون وان بعدت دیارھم و  
ایذانھم وان الفاضلین عششۃ بعضھم لبعض۔ کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ ص ۱۰۰-۱۰۱۔  
لے تاریخ یعقوبی جلد دوم ص ۲۰۰۔

ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ ابوسفیان نے حضرت علی سے کہا "السطيدك حتى ابياءك" اپنا ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں آپ سے بیعت کر لوں لیکن حضرت علی نے شدت کے ساتھ انکار فرمایا، اور ابوسفیان کو جھڑپک دیا۔

حضرت ابوبکر تو ابوبکر تھے حضرت علی کی شان تو یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے مقابلہ میں بھی اپنے لئے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور کبھی جہورامت سے اس معاملہ میں الگ نہیں ہوئے چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت علی سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت پر مسلمانوں میں اختلاف نہیں ہوا لیکن آپ کی خلافت پر وہ متفق نہیں ہیں۔ تو حضرت علی نے جواب دیا کہ ابوبکر و عمر میرے جیسے مسلمانوں پر والی تھے اور میں تم جیسے مسلمانوں کا والی ہوں۔

ان بیانات سے صاف ظاہر اور ثابت ہے کہ حضرت علی کو حضرت ابوبکر کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں تھا اور وہ اس معاملہ میں ان کے مخالف نہیں تھے البتہ ہاں جیسا کہ بخاری کی اسی روایت اور دوسری روایات میں ہے حضرت علی کو حضرت ابوبکر کی طرف سے ملامت ضرور تھا۔ جبکہ ایک وجہ تو یہ تھی کہ عین اس وقت جب کہ حضرت علی اور دوسرے آل بیت نبوی آنحضرت کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے حضرت ابوبکر سقیفہ بنو ساعدہ کی خبر سنتے ہی حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو ساتھ لیکر وہاں پہنچ گئے اور خلافت کا معاملہ طے کر آئے اور حضرت علی سے اس بارے میں کوئی مشاورت نہیں کی اس کے علاوہ دوسری وجہ حضرت فاطمہ کا حضرت ابوبکر کی طرف سے ٹکڑے خاطر تھا جو بر بنائے بشریت پیدا ہو گیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ حضرت علی کے ملامت کی یہ دونوں وجہیں محض ذاتی اور شخصی تھیں۔ اس بنا پر ان کا اثر یہ تو ہو سکتا تھا کہ حضرت علی اور حضرت ابوبکر کے تعلق باہمی میں وہ شکفتگی نہ ہو جو معاشرتی زندگی میں ہونی چاہئے تھی۔ لیکن چونکہ خلافت ایک قومی اور اجتماعی مسئلہ تھا اس بنا پر اس ذاتی رنجش کا نتیجہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت علی سرے سے بیعت

ہی نہ کرتے اور تفرق بین المسلمین کا سبب بنتے حضرت علی کی جہت پسندی اور رسوخا کے احترام کی کیفیت تو یہ تھی کہ حضرت ابوبکر نے اپنے مرض الموت میں حضرت عمر کا نام اپنی جانشینی کیلئے تجویز کیا تو اگر حضرت علی ذاتی طور پر اس سے متفق نہیں تھے چنانچہ انہوں نے اپنی اس را کا اظہار بھی کر دیا تھا لیکن انہوں نے حضرت عمر نامزد ہو ہی گئے تو پھر کوئی مخالفت نہیں کی اور سب مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ پس جب انکی یہ فطرت تھی تو پھر یہ کیوں ممکن ہو سکتا تھا کہ بیعت عامہ ہو جانے کے باوجود حضرت علی سب مسلمانوں سے الگ رہتے اور بیعت نہ کرتے۔

مازنی اور اشعری نے حضرت علی کے تخلص عن البیعة کا ایک عذر یہ بھی بیان کیا ہے کہ خلیفہ سے فرداً فرداً ہر مسلمان کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہے۔ ہزاروں مسلمان بیعت کر ہی چکے تھے اسلئے اگر حضرت علی نے بیعت نہیں کی تو اس کو مخالفت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن ہمارے نزدیک یہ عذر صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت علی اپنی ذات سے تنہا ایک شخص نہیں تھے بلکہ پوری ایک جماعت۔ ایک قوم اور ایک گروہ تھے، انکا بیعت نہ کرنا اسلئے وحدت کیلئے عظیم ترین رخنہ کا باعث ہو سکتا تھا اور اپنی اس حیثیت سے یقیناً وہ خود بھی بے خبر نہیں تھے۔

صحیح بخاری کی روایت پر ہم نے اشکال کی جو تقریر سطور بالا میں کی ہے وہ روایت کے اعتبار سے تھی یہ عوامی حیثیت سے تحقیق کی جائے تو معلوم ہو گا کہ اس روایت کے مقابلہ میں چند ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے چھ مہینے تک بیعت نہ کرنے کی تردید ہوتی ہے اس سلسلہ میں سب سے اہم وہ بات ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے لیکن ان دونوں کی شرط پر ہے اور اس لیے صحیح ہے۔ روایت یہ ہے۔

ان عبد الرحمن بن عوف کان مع عبد الرحمن بن عوف بھی عمر بن الخطاب کے ساتھ

لے فتح الباری ج ۷ ص ۲۸۸ و فیض الہدی ج ۷ ص ۴۲ ص ۱۲۲ لے جدال الدین بیروتی لے اتفاق میں ایک روایت نقل کی ہے جن کی انہوں نے تصحیح بھی کی ہے کہ حضرت علی نے آنحضرت کی وفات کے بعد ایک خط لکھا اور فرمایا کہ میں جیتے تک قرآن کو صبح نہیں کروں گا گھر سے نہیں نکلوں گا بعض حضرات نے اس صحیح قرآن کو حضرت علی کی طرف سے بیعت نہ کرنے کا عذر بنا لیا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر کسی عذر بھی تو عذر بار و بیعت نہ کیلئے بیعت کے واسطے آجائے قرآن کا ہم میں صلہ نہ کرنا ہو سکتا ہے

عمر بن الخطاب وان محمد بن مسلمة  
كسرسيف الزبير ثم قام ابو بكر فخطب  
الناس واعتذر اليهم وقال والله ما  
كنت حريصاً على الامارة يوماً ولا  
ليلة قط ولا كنت فيها راغباً ولا  
سألتها الله في سرٍ وعلانيةٍ ولكنني  
اشفقت من الفتنَةِ ومالي في  
الامارة من راحةٍ ولكن قد دت امرأ  
عظيمةً مالي به من طاقته ولا يد الا  
يتقوية الله عز وجل ورددت ان اقوي  
الناس عليها مكاني اليوم فقبل المهاجرون  
منه ما قال وما اعتذرت به  
قال علي والزبير ما غضبنا الا لانا قد  
اخرنا من المشاورة وانا نرى ابابكر  
احق الناس بها بعد رسول الله  
صلى الله عليه وسلم انه لصاحب  
الغار وثاني اثنين وانا نعلم بشرته  
وكبره ولقد امره رسول الله  
صلى الله عليه وسلم بالصلاة  
بالناس وهو حي -

(المستدرک جلد ۳ ص ۶۶)

تھے اور محمد بن مسلمہ نے زبیر کی عمارت توڑ دی تھی پھر ابو بکر  
کھڑے ہوئے انہوں نے خطبہ دیا اور حضرت سیدنا  
ہوئے کہا۔ اللہ کی قسم مجھ کو امامت کا لالچ کسی دن  
یا کسی مات بالکل بھی نہیں تھا اور نہ مجھ کو اس کی کوئی  
رغبت تھی اور نہ میں نے پریشیدہ طور پر یا علانیہ  
طور پر اس کا اللہ سے سوال کیا تھا۔ لیکن ہاں ایسی  
فتنہ سے ڈرتا تھا اور امداد میں میرے لینے کوئی  
راحت نہیں ہے۔ بلکہ میرے گلے میں ایک اتنے  
بڑے کام کا طوق ڈال دیا گیا ہے جس کی بجز  
ترقیق الہی کے مجھ میں طاقت نہیں ہے میں چاہتا  
تھا کہ کوئی مجھ سے زیادہ قوی آدمی آج میری جگہ  
ہرے۔ اب برونے جو کچھ کہا تھا مهاجرین نے اس کو  
قبول کر لیا۔ علی رضی اللہ عنہ اور زبیر نے کہا: ہم کو  
صرف اس بات پر غم تھا کہ مشورہ کے وقت  
ہمیں پس پشت ڈال دیا گیا۔ دوسرے ہم پر شیعہ صحابہ  
کے بعد امامت کا سب سے زیادہ مستحق ابو بکر ہی کہ  
مجھے تھے۔ وہ صاحب غار اور ثانی اثنين ہیں اور  
ہم انکے ترن امد غمخت کو جانتے ہیں اور رسول اللہ  
نے ان کو نماز پڑھانے کا حکم اپنی حیات میں ہی  
دیا تھا۔

بعید بات تھی کہ وہ صبر کر کے خاموش بیٹھے رہتے اور فتنہ کے اس دروازہ کو کھلا  
چھوڑ دیتے۔ چنانچہ اس ذیل میں ہم ایک اور روایت نقل کرتے ہیں جس سے بیعت  
کے معاملہ میں حضرت ابو بکر اور حضرت علی دونوں کے طرز عمل پر ایک ساتھ روشنی  
پڑتی ہے۔ یہ روایت حضرت ابو سعید الخدری کا ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ  
کے ابتدائی اجزاء بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فلما تعد ابو بكر على المنبر نظر في  
وجوه القوم فلم ير علياً فقال عنه  
فقام ناس من الانصار فاتوا به فقال  
ابو بكر ابن عم رسول الله صلى الله  
عليه وسلم وختنه اردت ان  
لشق عصا المسلمين فقال لا تشرى  
يا خليفه رسول الله عليه وسلم  
فبايعه لهذا حديث صحيح على شرط  
الشيخين ولم يجز جاه له

جب ابو بکر منبر پر بیٹھے گئے تو انہوں نے لوگوں  
پر ایک نظر ڈالی اور جب علی کو نہیں دیکھا تو ان  
کی نسبت پوچھا اس پر کچھ انصاری کھڑے ہوئے  
اور جا کر علی کو لے آئے۔ اب ابو بکر نے ان سے کہا  
کہ آپ رسول اللہ کے چچا زاد بھائی اور داماد  
بھی ہیں کیا آپ مسلمانوں میں بھڑٹ ڈالنا چاہتے  
ہیں علی نے کہا اے خلیفہ! رسول اللہ کی امامت  
نہ کیجیے اس کے بعد علی نے ابو بکر سے بیعت کر لی  
امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرط  
شعین پر ہے اور انہوں نے صحیحین میں اس کو درج  
نہیں کیا ہے۔

ابن سعد میں حضرت حن سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی نے  
فرمایا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہم نے خلافت  
کے معاملہ میں غور و خوض کیا۔ اور ہم نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
نے ابو بکر کو نماز میں آئے کر دیا تھا۔ اس بنا پر ہم اپنی دنیا کے واسطے اس  
شخص سے راضی ہو گئے۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین

اب ایک اور پہلو سے غور کرو تو معلوم ہو گا کہ بالفرض حضرت علی بیعت نہ کرتے  
تو حضرت ابو بکر ان معاملات میں جس قدر سخت تھے اس کے پیش نظر ان سے یہ بالکل

کے لئے راضی ہوئے تھے۔ اب ہم نے بھی ابوبکر کو آگے کر دیا یعنی بالاتفاق انہیں خلیفہ بنا دیا۔

اب ان تمام روایات کو سامنے رکھوان سب پر یک جا ننگہ ڈالو حضرت ابوبکر اور حضرت علی دونوں کی جلالتِ شان اور ان حضرت کے ساتھ ان کا قرب و اختصاص۔ پھر نفسِ خلافت کی اہمیت اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اس وقت تبلیغ و اشاعت اور استحکامِ اسلام کے لئے باہمی اتفاق و اتحاد کی سخت ضرورت ان سب کو بھی پیش نظر رکھو اور بتاؤ کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ صاف نظر آتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ بیعت کی ہے۔ پہلی بیعت بیعتِ خلافت ہے جو آنحضرتؐ کی وفات کے دوسرے ہی دن مسجدِ نبوی میں بیعتِ عامہ کے موقع پر کی گئی۔ اور دوسری بیعت بیعتِ رضا ہے جو آپ نے حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد کی ہے۔ اس بیعت کا مقصد آپس میں صلحِ مضائقہ کرنا اور باہمی تعلقات کو پھر از سر نو خوشگوار کر لینا تھا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر حضرت ابوسعید الخدری کی روایت جو مستدرک کے حوالہ سے اوپر لکھی ہے اور جس سے حضرت علی کا پہلے ہی موقع پر بیعت کر لینا ثابت ہوتا ہے اس کو اصح بتاتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں۔

وجسم غیرہ بانہ با یعد بیعةً  
ثانیۃً مؤكدةً للاولی الازالة  
ماکان وقع بسبب المیثاق  
تقدم علی هذا قول الزهری  
له یبایعه علی فی تلك الايام  
علی ارادة الازالة له

اور دوسرے لوگوں نے دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے پہلی ہی بیعت کو موکد کرنے کی نیت سے دوسری بیعت کی تھی تاکہ میراث کی وجہ سے جو تکتہ پیدا ہو گیا تھا وہ جاتا رہے۔ اس قول کی بنا پر زہری جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے بیعت نہیں کی تھی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کے ساتھ

والحضور عندہ وما شبه ذلك  
فان فی النقطاع مثله عن مثله ما  
یوهو من لا یرف باطن الامرانہ  
بسبب عدم الرضا بخلافته فاطلق  
من اطلق ذلك وبسبب ذلك  
اظهر علی الطبیعة التي بعد موت  
فاطمة علیها السلام لا زالت  
هذه الشبهة له

اٹھتے بیٹھتے اور ان کے پاس آتے جاتے نہیں تھے۔ کیونکہ جو شخص حقیقتِ حال سے واقف نہیں تھا وہ حضرت علی جیسے شخص کو حضرت ابوبکر جیسی شخصیت سے کنارہ کش دیکھ کر یہی سمجھتا تھا کہ حضرت علی کا یہ طرزِ عمل اس بنا پر ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کی خلافت سے راضی نہیں ہیں۔ پس جس نے بیعت کی نفی کی ہے اسی دہم اور غلط فہمی کی وجہ سے کی ہے اور حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد حضرت علی جو بیعت کی تھی وہ حقیقت اسی غلط فہمی کو سدھارنے کیلئے کی تھی۔

تاریخ اسلام کے نہایت مشہور محقق اور نقاد حافظ عماد الدین ابن کثیر المعروف بحکمہ حضرت ابوسعید الخدری کی مذکورہ بالا روایت اور اسی مضمون کی دوسری روایات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وهذا لائق بعلی رضی اللہ عنہ والذی  
یدل علیہ الاشار من شہودہ معہ  
الصلوة وخروجه مع الی ذی  
القصد بعد موت رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کما سنورده  
وبذلہ لہ النصیحة والمشہورة  
بن یدیدہ

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شایانِ شان ہیں تھا اور اس پر دوسرے آثار بھی دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت علی کا حضرت ابوبکر کے ساتھ نمازوں میں شریک ہونا دو القصد کے مرکز میں جس کا بیان آگے آ گیا۔ اور جو آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد پیش آیا تھا حضرت علی کا حضرت ابوبکر کے ساتھ رہنا اور ان کو مشورہ دینا اور نصیحت کرنا۔

اس کے بعد حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد بیعت کرنے کی روایت کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں۔

لہ نفع اباری ج ۱ ص ۴۹ لہ البیہ دینا بیہ ج ۲ ص ۳۰۲۔ اس عبارت میں حضرت علی کا جس ذوالقصد کہ ہم میں حضرت ابوبکر کی جو شرکت کا ذکر ہے اس کا تذکرہ اپنے موقع پر آئندہ آئے گا اسے وہاں دیکھنا چاہیے

واما ما یاتی من مبايعته ایاہ بعد موت  
فاطمة و قد ماتت بعد ایہا علیہ السلام  
بسنتۃ اشہر۔ فذالک معمول علی  
انہا بیعتہ ثانیۃ ازالۃ ما کان قد  
وقع من وحشۃ بسبب الکلام فی اللیث  
حضرت علی کا تکرار طبع جیسا کہ ہم نے پہلے کہلے ہے اپنی جگہ مسلم لیکن اس کا اثر یہ  
ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ خالص دین کے معاملہ میں حضرت علی کی طرف سے کسی طرح  
کی مداخلت صادر ہوتی۔ امام قریبی فرماتے ہیں۔ حضرت علی اور حضرت ابوبکر کے درمیان  
جو شکر ربی ہوئی اور بعد میں حضرت علی نے اس کے لیے جو معذرت خواہی کی جو شخص بھی  
اس پوری داستان پر غور و خوض کرے گا اس کو اس میں کوئی شبہ نہیں رہے گا کہ دونوں  
میں سے ہر ایک کو دوسرے کے فضل و کمال کا اعتراف تھا اور دونوں میں ایک دوسرے  
کی محبت اور احترام تھا۔ اگرچہ بشری طبیعت کبھی کبھی غالب آجاتی تھی۔ لیکن دیانت  
اسکو رد کرتی تھی لہ

جہاں تک حضرت عائشہ کی روایت کا تعلق ہے جو صحیح بخاری میں ہے یہ نکتہ  
بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عائشہ نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا آغاز اس  
وقت ہوتا ہے جبکہ حضرت فاطمہ نے میراث کا مطالبہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ ٹھیکہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے یا بیعت عامہ کے دن نہیں ہوا ہو گا۔ بلکہ چند روز کے بعد  
جبکہ حضرت ابوبکر بحیثیت خلیفہ اول کے معاملات و امور خلافت کو باقاعدہ انجام  
دینے لگے ہوں گے۔ اس بنا پر عین بیعت عامہ کے دن حضرت فاطمہ کی رنجش کے باعث  
حضرت علی کا بیعت سے الگ رہنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا کیونکہ وجہ رنجش ابوبکر  
پیدا ہی نہیں ہوئی تھی اس میں شبہ نہیں کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کے ساتھ گفتگو کے  
وقت اپنی رنجش کی وجہ میراث کے معاملہ کو نہیں بتاتے بلکہ اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق خصوصی کے باعث اس کو اپنا حق سمجھتے تھے کہ خلافت کا  
معاملہ کرتے وقت حضرت ابوبکر حضرت علی کو بھی اپنے اعمتہ میں لیتے اور جس طرح  
انہوں نے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ کو اس موقع پر اپنے ساتھ رکھا تھا حضرت  
علی کو بھی اپنے ساتھ رکھتے۔ اور ان کی غیر موجودگی میں بالا ہی بالا سقیفہ بنی ساعدہ  
میں خلیفہ کے انتخاب کا مرحلہ طے نہ کرتے۔ اس سے آپ کو پتہ چل سکتا ہے کہ اس  
میں حضرت ابوبکر کا کتنا قصور تھا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ حضرت علی کی کشیدگی کی اصل وجہ  
حضرت فاطمہ کا ہی تکرار طبع تھا۔ لیکن جب حضرت ابوبکر نے میراث کے متعلق آنحضرت  
کا ارشاد گرامی پڑھ کر سنا دیا تو اب حضرت علی کے لیے گنجائش نہ تھی کہ وہ میراث کے  
معاملہ کو اپنی رنجش کا سبب قرار دیں۔ اس بنا پر جب صلح صفائی کا وقت آیا تو حضرت علی  
نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ صرف امر خلافت کے بارہ میں ان کی بات نہ  
پوچھنے کا لکھ لیا۔ یہ وہی بات ہے جس کو ارباب معانی کی زبان میں نکتہ بعد از قوی کہتے  
پھر یہ بھی دیکھو کہ حضرت عائشہ حضرت علی کے بیعت نہ کرنے کو "وما کان بایعہ"  
وغیرہ صاف لفظوں سے بیان نہیں فرماتیں جیسا کہ امام زہری کی روایت میں ہے  
بلکہ "ولو لیکن بیایع تلتک الاشہر" جیسے غیر واضح لفظوں میں بیان فرماتی ہیں تو کیا  
اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عائشہ دراصل فرمانا یہ چاہتی ہیں کہ حضرت علی نے بیعت  
تو کر لی تھی۔ لیکن چونکہ اس کے بعد ہی رنجش پیدا ہو گئی اور اسکی وجہ سے وہ کنارہ کش ہو کر  
بیٹھ گئے۔ اسلئے ان کا بیعت کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔ انہوں نے رسمی طور پر  
اگرچہ بیعت کر لی تھی مگر عملاً ایسا تھا کہ گویا بیعت کی نہیں تھی۔ اسکے علاوہ بطری کی  
مندرجہ ذیل دور روایتیں بھی دیکھو۔

قال عمرو بن حرث نے سعید بن زید سے پوچھا کہ  
اشہدت وفاة رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم قال لعنہ قال فتی بولیع  
ابوبکر قال یوم مات رسول اللہ کرہوا  
کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے  
وقت مرجو تھے۔ انہوں نے فرمایا ہاں پھر پوچھا  
کہ ابوبکر سے بیعت کب کی گئی؟ تو بولے کہ چونکہ

ان سبقوا بعض یوم ویسوا فی جماعۃ  
 قال فخالف علیہ احدٌ قال لا الا  
 مرتدا و من قد کان یرتد لو  
 لان اللہ عزوجل ینفذہم من  
 الا نصار قال فهل قعد احد  
 من المہاجرین قال لا تاہم  
 اہل ہجرۃ علی بیعتہ من عند  
 ان یدعوہم لہ  
 بھی کہنے بیعت سے پہلے ہی کی تھی۔ سید بن زینہ کہا کہ نہیں، مہاجرین تو دعوت بیعت کے  
 بغیر ہی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔

اس روایت میں تو عام مہاجرین کی بیعت کا تذکرہ ہے جن میں خود حضرت  
 علی بھی شامل تھے۔ لیکن جہاں تک خاص حضرت علی کی ذات کا تعلق ہے اس کا ذکر  
 بھی ایک اور روایت میں ہے اور اس قدر وضاحت و صراحت کے ساتھ کہ اس سے  
 زیادہ ممکن نہیں۔

حدثنا عبد اللہ بن سعید

قال اخبرنی عمی قال اخبرنی

سیف عن عبد العزیز بن

سیاہ عن جبیب بن الجی

ثابت قال کان علی فی بیتہ

اذا اُتی فقیل لہ قد جلس

ابو بکر للبیعة فخرج ف

قیص ما علیہ ازارٌ و لا

لہ طبری ج ۲ ص ۲۴۷

رداءٌ عجلاً گراہیتۃ ان یبطئ  
 عنہا حتی یابعہ لثوہ جلس  
 الیہ وبعث الی ثوبہ فاتاہ  
 نجدلہ و لزم  
 مجلسہ لہ -  
 تھی کہ وہ بیعت میں پیچھے رہ جانے کو پسند  
 نہیں کرتے تھے چنانچہ انہوں نے ابو بکر سے بیعت  
 کی پھر ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے  
 منگوائے جب وہ آئے تو انہوں نے کپڑے  
 پہنے اور ابو بکر کی مجلس میں بیٹھ رہے۔

اس پوری بحث سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت علی صدیق اکبر  
 سے بیعت کے معاملہ میں عام مسلمانوں سے بڑا لگ رہے اور نہ پیچھے رہے لیکن لگے  
 چل کر جو سیاسی اختلافات پیدا ہوئے ان کا اثر روایات پر بھی پڑا اور اس کی وجہ سے  
 ایک واقعہ کچھ تھا اور اختلاف تعبیر و اداسے کچھ سے کچھ ہو گیا۔

حضرت زبیر بن عوام حضرت علی کے بعد دو سر نام حضرت زبیر کا ہے جو اس بحث میں  
 لائق ذکر ہے۔ حضرت زبیر آنحضرتؐ اور حضرت علی کے پھوپھی زاد بھائی تھے انکی والدہ  
 عبدالمطلب کی بیٹی صفیہ تھیں۔ آپؐ یا بارہ برس کے تھے کہ اسلام لائے جن دس  
 صحابہ کو انکی زندگی میں ہی جنت کی خوش خبری دی گئی ان میں ایک حضرت زبیر بھی  
 ہیں، ان کا لقب حواری رسول اللہؐ تھا جو خود حضورؐ نے ان کو عطا فرمایا تھا لہ  
 روایت ہے کہ حضرت زبیر نے حضرت ابو بکر کی بیعت کا حال سنا تو تلوار میان سے  
 باہر نکال لی اور بولے لا اعمدۃ حتی یشایع علیؓ، میں اس وقت میان میں نہیں  
 رکھوں گا جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جائیگی۔ حضرت زبیر کی یہی تلوار تھی جس  
 کو محمد بن مسلمہ نے توڑ دیا تھا۔

لیکن مستدرک حاکم کی وہ روایت جو حضرت علی کی بحث میں گزر چکی ہے۔ اسی میں  
 حضرت زبیر کا بھی ذکر ہے صفحہ ۱۸۷ پر دیکھو تو معلوم ہو گا کہ جب حضرت ابو بکر نے  
 تقریر کی اور فرمایا کہ میں ہرگز خلافت کا متمنی نہیں تھا لیکن البتہ اس سے ڈرتا تھا

کہ کہیں مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑ جائے تو حضرت علی اور حضرت زبیر دونوں کھڑے ہوئے اور بولے کہ ہم کو اس بات کا رنج ضرور تھا کہ خلافت کے معاملہ میں جو مجلس مشاورت ہوئی اس میں ہم کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ ورنہ ہماری رائے میں ابوبکر تمام لوگوں میں خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں لہ

اس کے بعد جلد سوم ص ۶۱ پر جو روایت ہے اس میں جہاں حضرت علی کا ذکر ہے حضرت زبیر کا بھی ہے۔ حضرت ابوبکر نے بیعتِ عامہ کے دن حضرت زبیر کو نہیں دیکھا تو پوچھا کہاں ہیں؟ جب لوگ جا کر ان کو لے آئے تو حضرت ابوبکر نے انکو خطاب کر کے فرمایا "آپ آنحضرت کے حواری ہیں تو کیا پھر بھی آپ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں؟" حضرت زبیر نے اس کے جواب میں پہلے تو وہی کہا جو حضرت علی نے کہا تھا اور اس کے بعد فرمایا کہ "اے خلیفہ در رسول! اب ملامت نہ کیجیے۔ پھر جہاں حضرت علی نے بیعت کی حضرت زبیر نے بھی کر لی۔"

حضرت سعد بن عبادہ مدینہ کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ امام بخاری کے بیان کے مطابق انہوں نے غزوہ بدر میں بھی شرکت کی تھی اگرچہ بعض دوسری روایتوں سے اسکی تردید ہوتی ہے۔ بہر حال اس میں شہر نہیں کہ کہا رہا جس سے ہیں جن غزوات میں یہ شریک ہوئے انصار کا علم انہیں کے ہاتھ میں رہا۔ اس بنا پر انصار کے اور خصوصاً خزرج کے سردار سمجھے جاتے تھے۔ بیحد سخی اور فیاض تھے لیکن متعدد واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ مزاح میں کسی قدر تشدد تھا اور اپنی رائے پر انہیں امر اور بھی ہوتا تھا۔ سفینہ بنو ساعدہ کی مجلس میں انصار نے انہیں کو خلیفہ بنا نا چاہا تھا اور انہوں نے انصار کے فضائل و مناقب پر ایک بڑی پر جوش اور دلولہ انگیز تقریر کی تھی لیکن جب حضرت ابوبکر منتخب ہو گئے تو ان میں (سعد بن عبادہ میں) اور حضرت عمر میں بڑی تلخ اور گرم گفتگو ہوئی جس کی تفصیل طبری میں موجود ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ خلافت صدیقی میں ہی ملک شام میں جا کر آباد ہو گئے تھے اور

لے مستدرک حاکم ج ۳ ص ۶۱ کتاب ہذا ص ۶ کتاب ہذا ص

میں مقام حوران میں ۱۵ھ میں وفات پائی سفینہ بنی ساعدہ میں ان میں اور حضرت عمر میں جو سخت کلامی ہوئی تھی اور پھر وہ شام چلے گئے۔ اس سے مؤرخین نے قیاس کیا ہے انہوں نے حضرت ابوبکر سے بیعت نہیں کی تھی۔ اور تو اور خود حافظ ابن حجر کو مخالف نظر ہو گیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

وقصۃ فی تخلفہ عن بیعتہ ابی بکر مشہورہ لہ  
ابوبکر سے ان کی بیعت نہ کرنے کا قصہ مشہور ہے۔

ابو محمد نے کلبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے سعد بن عبادہ کے پاس شام آدمی بھیجا اور تاکید کی کہ جس طرح بھی ممکن ہو ان کو بیعت کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ اس شخص نے شام پہنچ کر مقام حوران میں ایک باغ میں سعد بن عبادہ سے ملاقات کی اور انکو بیعت کرنے کی دعوت دی، انہوں نے کہا: "میں ایک قریشی سے کبھی بیعت نہیں کیوں گا۔ اس شخص نے کہا "تو میں آپ سے جنگ کروں گا" سعد بن عبادہ بولے اگے تم مجھ سے جنگ کرو۔ وہ بولا "کیا امت جس پر اتفاق کر چکی ہے آپ اس سے باہر ہیں گے؟" انہوں نے جواب دیا۔ ہاں میں بیعت کے معاملہ میں تو امت سے الگ ہی رہوں گا" اس پر اس شخص نے تیر مار کر سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا۔" لہ

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ محض انسانہ ہی ہے اصل یہ ہی ہے کہ حضرت زبیر اور حضرت علی کی طرح حضرت سعد بن عبادہ نے بھی بیعت کر لی تھی۔ طبری میں جابر سے روایت ہے کہ ایک دن سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ اسے گروہ مہاجرین تم سے میری امارت پر حسد کیا اور اسے ابوبکر آپ نے اور میری قوم نے مجھ کو بیعت پر مجبور کر دیا۔ اس پر مہاجرین نے جواب دیا کہ اگر ہم آپ کو افراق پر مجبور کرتے مگر آپ اتحاد کی حمایت کرتے تو آپ کیلئے بڑی کج نیش ہوئی (یعنی آپ حق پر ہوتے) لیکن ہم نے تو آپ کو اتحاد پر مجبور کیا ہے اسلئے اس پر معذرت خواہی کی ضرورت نہیں ہے، اسکے بعد ان سے کہا گیا۔ لکن نزعت یداً من طاعة او فوقت اگر آپ طاعت سے دست کش کرتے یا جانت میں





# خلافت

بیعت عامہ کے بعد حضرت ابوبکر بالکل بجا اور حق طور پر خلیفہ منتخب ہو گئے۔ لیکن خلافت صدیق کی تاریخ اور اس کے کارناموں کی تفصیل بیان کرنے سے قبل ضروری ہے کہ خلافت کی تعریف، اس کا مرتبہ و مقام اور اس کیلئے جن اوصاف و کمالات کی ضرورت ہے ان سب پر کلام کیا جائے اور ساتھ ہی آنحضرت نے حضرت ابوبکر کی خلافت کی طرف قولاً و عملاً جو اشارے کئے تھے ان کا بھی ذکر کیا جائے۔

خلافت کی تعریف | خلیفہ کا لفظ خلافت سے مشتق ہے۔ خلافت کے لغوی معنی نیا بیٹ جانشینی اور کسی کی قائم مقامی کے ہیں، خلیفہ کو خلیفہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت کا قائم مقام نائب اور جانشین ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ خلیفہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کرتا ہے۔ اور ان کا استدلال آیات ذیل سے ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۗ  
وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْخَلَائِفَ  
الْأَرْضِينَ -

یاد کرو اس وقت کہ جب تم کو میرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنا دوں گا اور وہ خدا ہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔

حضرت داؤد کو خطاب کر کے ارشاد ہوا۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ  
لِئَلَّا تُذَكَّرَ بِهِنَّ الْبَنَاتُ كَذَمِّنَ فِي خَلِيفَةٍ بِنَايَا  
اس بنا پر ان علماء کے نزدیک ایک خلیفہ کو اگر خلیفہ اللہ کہہ کر پکارا جائے تو جائز ہے لیکن جب وہ علماء اس کو ناجائز اور کسی کو خلیفہ اللہ کہہ کر پکارنے والے کو فاسق اور فاجر

کہتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ قائم مقامی کسی غائب کی ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ پھر اس کی نیابت کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت ابوبکر صدیق کو یا خلیفۃ اللہ کہہ کر خطاب کیا تو آپ نے فرمایا۔

” میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں بلکہ رسول اللہ کا خلیفہ ہوں لہ

خلیفہ کا منصب اور اس کے | چونکہ ایک خلیفہ رسول اللہ کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے اس بنا پر پہلے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ آپ کا منصب کیا فرائض و واجبات تھا اور آپ کے فرائض و واجبات کیا تھے؟

آنحضرت کے ذمہ جو فرائض تھے اصولی طور پر وہ دو قسم کے تھے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ احکام و ہدایات لینا اور ان کو امت تک پہنچانا۔ ۲۔ امت کے لئے ایک ایسا مرکزِ اطاعت فرمان برداری بنا کر خواہ کسی قسم کا کوئی معاملہ ہو معاہدے سے متعلق ہو یا معاش سے، مادی زندگی سے اس کا تعلق ہو یا روحانی کوئی سیاسی امر ہو یا سماجی، کوئی اخلاقی مسئلہ ہو یا اقتصادی ہر ایک میں آپ کا قول ایک آخری اور قطعی حکم کا مرتبہ رکھتا ہے جس سے انحراف و سرٹائی جائز نہیں تھی۔ قرآن مجید کا اعلان ہے۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ط  
جس کی چیز سے تم کو روکیں نہ رک جاؤ۔

ظاہر ہے کہ پہلا فرض صرف آنحضرت کی ذاتِ باریکات کے ساتھ مخصوص تھا۔ آپ خاتم النبیین تھے جب آپ کی وفات ہوئی تو وحی کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اور اب کسی شخص کو بھی یہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

البتہ ہاں دوسرا فرض وہ برابر قائم ہے اور قائم رہے گا۔ آنحضرت کی جب وفات ہوئی تو ایسے وقت آگئے کہ اللہ کے ارشاد کے مطابق شریعت کی تکمیل ہو چکی تھی۔ احکام و مسائل کی قانونی تنقیحات متعین ہو چکی تھیں اور اب آپ کے

بعد والوں کا یہ فرض تھا کہ وہ اس قانون کی روشنی میں امت کی رہنمائی کریں پھر اس دوسرے فرض کے دو پہلو ہیں۔ ایک احکام الہی کی تبلیغ و اشاعت اور دوسرے ان احکام کا اجرا اور ان کی تنقید تبلیغ و اشاعت ہر صحابی کا فرض تھا۔ لیکن احکام کی تنقید اور ان کا اجرا بغیر سیاسی طاقت و اقتدار کے ممکن نہیں تھا۔ پس اس سیاست کا جس کو ہم سیاست شرعیہ بھی کہہ سکتے ہیں جو مرکز ہو گا وہی خلیفہ یا امام کہلائے گا۔

ایک خلیفہ اپنے عہد میں پوری امت کا مرکز اطاعت ہوتا ہے اور اسکو مسلمانوں پر روحانی اور جسمانی سیاسی اور اخلاقی ہر قسم کا اقتدار حاصل ہوتا ہے جو کہ اس کی حیثیت قانون کی شارح اور احکام کو نافذ کرنے والے کی ہوتی ہے۔ اس بنا پر اس کا ہر قول و فعل فیصل اور اس کا ہر حکم واجب الاتباع ہوتا ہے۔ اس سے بغاوت کرنا یا اس کی نافرمانی ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ خود آنحضرتؐ کی چنانچہ قرآن میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ جن "اولوالاہر" کی اطاعت کا حکم ہے ان سے مراد وہی لوگ ہیں جو منصب خلافت پر سرفراز ہوں۔

صحیح بخاری میں آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔

من اطاعنی فقد اطاع اللہ	جو شخص میری اطاعت کرتا ہے اس نے
ومن عصانی فقد عصی اللہ	اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی
ومن اطاع امیرہ فقد اطاعنی	اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس شخص نے میرے
ومن عصی امیرہ فقد عصانی	امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی۔ اور میرے
	امیر کی جس نافرمانی کی اُس نے خود میری نافرمانی کی۔

(کتاب الاحکام)

لہٰذا یہ واضح رہنا چاہیے کہ خلیفہ کی حیثیت صرف قانون شریعت کے شارح کی ہے۔ خود قانون ساز کی نہیں ہے۔ قانون وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر کر دیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی خلیفہ اسلامی شریعت کے مستقر قانون (معروف) کے خلاف کوئی حکم دے تو چونکہ اس نے یہ کام اپنے حدود سے تجاوز نہ کر لیا ہے۔ اس بنا پر اسکی اطاعت کا حکم نہیں ہے۔ صحیح حدیث میں ہے لاطاعة الا للہ و لارسلہ۔

اس حدیث میں لفظ امیر سے بھی خلیفہ مراد ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے جس باب کے ماتحت اس روایت کو نقل کیا ہے اس کا ترجمہ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ مقرر کیا ہے۔

خلیفہ کیلئے ضروری چیز کہ سولے وحی الہی کے اور تمام پیغمبرانہ فرائض کی انجام دہی خلیفہ اوصاف و کمالات کے ذمہ ہوتی ہے اس بنا پر ظاہر ہے اسکو ان روحانی جسمانی اور اخلاقی کمالات و فضائل سے متصف ہونا چاہئے جن سے ایک پیغمبر متصف ہوتا ہے اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ ان کمالات کے ساتھ اس کا درجہ انصاف وہ نہیں ہو سکتا جو ایک پیغمبر کا ہو گا کیونکہ اصل بہر حال اصل ہے اور فرع بہر حال فرع۔ تاہم ان پیغمبرانہ اوصاف و صفات کا عکس اس کے اندر ضرور ہونا چاہئے۔

اسی حقیقت کا تجزیہ و تحلیل کر کے علمائے خلافت و امامت کے شرائط کا تعین اپنے اپنے مذاق کے مطابق کیا ہے۔ علامہ ابن خلدون کے نزدیک اس منصب جلیل و عظیم کے لیے چار شرطیں ہیں۔

(۱) علم: جب تک خلیفہ کو احکام و مسائل شریعت اور ان کے مناجع و ماخذ کا علم نہ ہوگا۔ وہ احکام خداوندی کا اجرا کیونکر کر سکتا ہے۔ علاوہ برین علامہ کی رائے میں صرف عالم ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس کو صاحب اجتہاد بھی ہونا چاہئے۔ کیونکہ تقلید نقص ہے اور امامت چاہتی ہے کہ اوصاف و احوال میں کمال ہو۔

(۲) عدالت: چونکہ خلافت ایک منصب دینی ہے اس بنا پر خلیفہ میں عدالت یعنی راست بازاری اور نیکو کاری کا ملکہ راسخ ہونا ضروری ہے۔ اگر خلیفہ ممنوعات و محرمات شرعیہ کا ارتکاب کرتا ہے تو عدالت بالاتفاق ختم ہو جائیگی۔ البتہ اعتقادی بدعتوں میں مبتلا ہونے کی صورت میں اختلاف ہے۔

(۳) کفایت: اس سے یہ مراد ہے کہ خلیفہ میں حدود شرعیہ کو قائم کرنے، مملکت اسلامی کی حدود کی حفاظت اور دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے جس سمجھ بوجھ حسن تدبیر عزم و ہمت اور استقلال و جفاکشی کی ضرورت ہے۔ یہ سب اس میں پائے جائیں۔

۴۴) سلامت جو اس دماغنا جس کی وجہ سے اس کی کسی رائے اور عمل پر کوئی بڑا اثر نہ پڑے یعنی خلیفہ کو آنکھ ناک کان ہاتھ پادیں غرض ہر جسمانی عضو و جارحہ کے اعتبار سے تندرست و توانا اور صحیح و سلامت ہونا چاہئے۔ اسی طرح باطنی قوتوں یعنی ذہانت و فطانت جس تذبذب اور اعتدال مزاج و طبیعت کے زیور سے بھی آراستہ ہونا چاہئے۔ لے

امام ابوالحسن المادری المتوفی ۴۵۷ھ نے انہیں اوصاف و شروط کو ذرا پھیلا کر لکھا ہے تو نسب کو چھوڑ کر جس کی محبت آگے آئی ہے چھل کر دیا ہے لے  
مذکورہ بالا اوصاف و شروط تو وہ ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے ان کے علاوہ ایک اہم بحث یہ ہے کہ کیا خلیفہ کے لئے نسب کی بھی شرط ہے؟ اور اگر ہے تو کیا اسکو خاندان نبوت میں سے ہونا چاہئے۔ یا صرف قریشی ہونے کی شرط ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی سیاسی اعتبار سے کچھ ایسی صورت حالات پھوگی کہ یہ مسئلہ نہایت اہم بن گیا۔ مدینہ و حقیقت بات بالکل واضح اوصاف ہے۔

خلافت کے لئے نزات اجماعاً ایک خلافت کیلئے قرابت رسول کی شرط کا تعلق ہے تو ہر رسول کی شرط شخص جس نے اسلام کا اور آنحضرت کی میرت کا مطالعہ کیا ہے جانتا ہے کہ آپ نے اپنے خاندان والوں کے ساتھ مرتبہ و منصب و راحت و آسائش یا دولت و ثروت کے اعتبار سے کبھی کوئی امتیازی سلوک نہیں برتا۔

آپ کو حضرت فاطمہ زہرا کے ساتھ جو محبت تھی اہل بیت میں کسی کے ساتھ نہیں تھی اور پھر حضرت علی ابن عم بھی تھے اور چہیتی بیٹی کے شوہر بھی، ایک شہنشاہ کونین اگر چاہتا تو ان دونوں کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن جس ذات قدسی صفات نے کونین کی شہنشاہی کے باوجود فقر کو اپنے لئے فخر کہا ہو۔

اس سے اس کے سوا اور کیا توقع ہو سکتی تھی کہ جب اُس کی جگر گوشہ (حضرت فاطمہ) نے شکایت کی کہ جبکی چلاتے چلاتے ہاتھ میں گٹے پڑ گئے ہیں۔ تو کسی غلام یا باندی کا انتظام کرنے کی بجائے ایک تسبیح بتا دی۔

پھر جو کلمہ سلام اِنْ اَکْرَمْتُمْکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْفَاکُمْ (اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز و سچی جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے) کی حقیقت کو دنیا میں ثابت اور قائم کرنا چاہتا تھا اس بنا پر رنگ و نسل اور حسب و نسب کے امتیازات کا خاتمہ کرنا اس کے لئے ضروری تھا آنحضرت نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کا نکاح ایک غلام زید بن حارثہ سے کر کے اور پھر حضرت زید کی طلاق کے بعد خود ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرما کر اسلام کی اس تعلیم کیلئے ایک نمونہ قائم کر دیا تھا، اس بنا پر یہ کہہ کر مایوس کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت نے خلافت کے معاملہ میں اپنے خاندان کی تخصیص کی ہو۔

صرف یہ نہیں کہ آپ نے اس معاملہ میں کوئی تصریح ہی نہیں کی۔ بلکہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر آنحضرت سے آل بیت میں سے کسی کی خلافت کے بارہ میں دریافت کیا جاتا تو آپ نفی میں جواب دیتے۔ چنانچہ حضور کے مرض و وفات میں ایک مرتبہ حضرت عباس حضرت علی سے ملے۔ تو کہا کہ مجھ کو آنا تو قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ اس مرض سے جاں بر نہیں ہوں گے۔ تو ذرا آپ سے دریافت کر لو کہ کیا آپ کے بعد خلافت ہم کو یعنی جو ہاشم کو ملے گی۔ اگر ایسا ہو گا تو حضور بیان فرمادیں گے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ میں ہرگز آپ سے دریافت نہیں کروں گا۔ کیونکہ اگر آپ نے اس وقت انکار فرمادیا تو پھر کبھی ہم کو خلافت کی توقع نہیں ہو سکتی۔ لے

علاوہ ازیں خلافت ایک عالم گیر دینی منصب ہے اور خلیفہ کو پورے عالم اسلام

میں اپنے روحانی اور جسمانی و اخلاقی کمالات و اوصاف کے اعتبار سے بلند تر ہونا چاہئے پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ اس کو کسی ایک خاص خاندان کے ساتھ خواہ وہ اپنے بانی اور مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کی وجہ سے کتنا ہی موقر و ممتاز اور سرفراز و بلند مرتبہ مخصوص کر دیا جاتا۔ ایسا کر دینا اسلامی نظام حکومت کی جہودی اپرٹ کے مترادف خلاف تھا اور اس سے اسلام ایسا عملی مذہب یا پائیت کی شکل اختیار کر لیتا۔

اہل بیت میں سے اگر آنحضرتؐ کی کو خلافت کے لئے نامزد فرماتے تو وہ حضرت علیؑ کے سوا دوسرا کون ہو سکتا تھا۔ جامعہ خلافت فاتح خیر کے قامتِ مرزوں پر راست آتا تھا اور وہ بجا طور پر اس کے مستحق بھی تھے لیکن آنحضرتؐ نے ایسا نہیں کیا۔ جس کا اعتراف خود حضرت علیؑ اور نبوہاشمؑ کو بھی تھا کیوں؟ اس میں دو مصلحتیں تھیں۔

۱۔ آنحضرتؐ یہ سمجھتے تھے کہ اگرچہ آپؐ حضرت علیؑ کا استخلاف ان کے ذاتی اوصاف و کمالات کی بنا پر کریں گے لیکن مسلمانوں کو اس سے یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ خلافت خاندانِ نبوت میں محدود ہو گئی اور یہ چیز قطعاً اسلام کی اصل روح اور اس کی تعلیمات کے خلاف تھی۔ پھر

۲۔ اس بات کی کون ضمانت لے سکتا تھا کہ خاندانِ نبوت میں ہمیشہ اسد اللہ الغالب ہی پیدا ہوتے رہیں گے۔

۱۔ آنحضرتؐ نے اپنی جہنم دُور میں سے دیکھ لیا تھا کہ آپؐ کی وفات کے بعد ہی فتنہ و فساد اور کفر و ارتداد کا ایک عظیم طوفان اُمنڈنے والا ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نہ فقط جلالِ فاروقی کافی ہو سکتا ہے اور نہ صرف شجاعتِ حمیدی بلکہ دلبری کے ساتھ قاہری، جوش کے ساتھ ہوش اور نرمی کے ساتھ گرمی مل کر ہی اس نہر کا تریاق ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر فاروق کے جاہ و جلالِ رعیب و داب اور طاقت و قوت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کا نام خلافت کے لئے پیش کیا اور فرمایا کہ تم مجھ سے زیادہ قوی ہو تو فاروقی اعظم نے جواب میں کس قدر بیخ فقرہ ارشاد فرمایا۔

”ان قوتی لک مع فضلک“ میری ساری قوت تو آپؐ کیلئے ہی وقف ہے اور آپؐ میں تو فضل بھی ہے۔ خلافت کے لئے اسی سلسلہ میں ایک اہم بحث یہ ہو گئی تھی کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونے کی شرط ہے؟ قریشی ہونے کی شرط اس مسئلہ کا تعلق دراصل علم الفقہ سے ہے اور وہ علم الکلام کے دائرہ بحث میں نہیں آتا۔ لیکن جیسا کہ ہم نے شروع میں کہا ہے۔ چونکہ اس مسئلہ کو غیر معمولی اہمیت دیدی گئی اس بنا پر اس کی حیثیت بجائے جزائی مسئلہ ہونے کے اصولی مسئلہ کی ہو گئی ہے اور اسی وجہ سے اسکو عملائے کلام نے فقہ کے دائرہ سے نکال کر علم الکلام کے مباحث میں شامل کر لیا ہے۔

۱۔ اور دوسری نے خلافت کیلئے جو شرط معتبرہ گنوائی ہیں ان میں ساتویں شرط قریشیت بیان کی ہے اور اس کو متفق علیہ کہا ہے لہٰذا علامہ ابن خلدون نے بھی اس شرط کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کو مختلف فیہ کہتے ہیں۔

واختلف فی شرطی خامس وهو  
النسب القریشی لہ

۲۔ اور پانچویں شرط یعنی قریشی نسب ہونا  
میں اختلاف کیا گیا ہے۔

۱۔ اور صحیح بھی یہی ہے چنانچہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک خلیفہ کے لئے قریشی ہونا ضروری نہیں ہے حضرت الاستاذ مولانا السید محمد الازہار الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ

لہٰذا ابن سعد بحوالہ الصواعق المحرقة ص ۷۷ حضرت ابو بکرؓ کی زمی اور وقت قلب کا یہ عالم تھا کہ حضرت فاطمہؓ کو مکان پر اپنی کبیرہ خاطر کی کاغذ فرماتی ہیں اور آنحضرتؐ ان کے ساتھ جو محبت تھی اسکا حوالہ دیتی ہیں تو یہ مسافر تو رہنے لگتے ہیں اور چکی بندھ جاتی ہے۔ حضرت علیؑ کو طرف سے اپنے لہلہ کا انہار کرتے ہیں قریشیانی پر بل نہیں پڑتا بلکہ جالبی کہ عذرت پیش کر رہے ہیں۔ سدا بن عبادہ کے ساتھ حضرت عمرؓ تلخ کلامی کرتے ہیں تو انکو روک رہے ہیں لیکن ساتھ ہی تمہارے عالم یہ ہے کہ ماضیوں نلوک سے متال کرنے کے بارہ میں ناروق اعظم فرانس و پیش کرتے ہیں تو حضرت ابو بکرؓ کو طعنہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں اجبار فی الجاہلیۃ ونحوں فی الاسلام واہ کیا خوب اسلام سے پہلے آپؐ بڑے سخت اور متشدد تھے مگر اب اسلام کے عہد میں یہ کمزوری لہٰذا احکام السلطانیہ میں ہم لہٰذا تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۱۱۱۔

نقل کرتے ہیں کہ۔

انہالیست بشرط عند اہامنا۔ قریش ہمارے امام صاحب کے نزدیک امامت کیلئے شرط ہیں  
اس کے بعد تھویر المختار فی المناقضات علی رد المختار کے حوالہ سے فرماتے ہیں  
کہ امام ابو یوسف کی رائے بھی یہی ہے لے

ابن خلدون کی رائے | ابن خلدون نے اگرچہ اس کو مختلف فیہ بتایا ہے لیکن وہ خود  
اور ان کے دلائل | اس شرط کی حمایت میں ہیں اور خلافت و امامت کے لئے اس  
کو لازمی قرار دیتے ہیں۔

موصوف نے اس سلسلہ میں جو دلائل پیش کئے ہیں اگر ان کو ترتیب وار بیان  
کیا جائے تو وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ آنحضرت کا ارشاد ہے "الائمة من قریش"

۲۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار نے حضرت سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا کر فیصلہ کر لیا تھا  
لیکن جب ابو بکر صدیق نے ان کو آنحضرت کا مذکورہ بالا ارشاد گرامی یاد دلایا تو  
سب خاموش ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ اس وقت کسی  
نے بھی حضرت ابو بکر کی تردید نہیں کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا قریشیت  
کی شرط پر اجماع تھا اور وہ سب ارشاد نبوی الائمة من قریش سے واقف تھے  
۳۔ صحیح حدیث میں ہے کہ یہ امر یعنی خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "اسی طرح کی دلیلیں کثرت سے وہ ہیں۔ لیکن جب  
قریش کے حالات مکرور ہو گئے اور راحت پسندی و امام طلبی میں پڑ جانے کی  
وجہ سے انکی عصیبت (خاندانی خصوصیت) پارہ پارہ ہو گئی تو وہ خلافت کا جو جھگڑا  
کے قابل نہیں رہے۔ ان پر عجمی غالب آگئے اور وہی ارباب حل و عقد بن گئے۔  
اس سے اکثر محققین کو اشتباہ پیدا ہو گیا اور وہ اس سے قریشیت  
کی شرط کے ہی منکر ہو گئے لے

علامہ ابن خلدون غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ابن خلدون کی تینوں دلیلوں میں سے  
کے دلائل پر بحث کوئی ایک دلیل بھی ایسی نہیں ہے جس پر کوئی اعتراض یا اشکال وارد نہ  
ہوتا ہو۔ سب سے زیادہ مؤثر اور قوی پہلی دلیل ہے اس پر چند وجوہ سے اشکال  
وارد ہوتا ہے۔

(الف) الائمة من قریش کا مطلب کیا ہے؟ یعنی یہ انشا ہے یا خبر۔  
(ب) اگر خبر ہے اور اس کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت سے رہے ہیں کہ امت میں  
جو امام پیدا ہونگے وہ قریش میں سے ہی ہونگے تو ظاہر ہے کہ یہ خبر صادق نہیں ہے  
تاریخ اسلام میں سب نہ سہی وقتاً فوقتاً ایسے خلفاء ضرور پیدا ہوئے رہے  
ہیں جو اہمیت دین کا فرض ادا کرتے تھے اور جبرئیل الطامت کے جامع تھے  
لیکن قریشی نہیں تھے۔

(ج) اگر انشا ہے اور مراد یہ ہے کہ حضور حکم دے رہے ہیں کہ جو امام منتخب کیا  
جائے اس کے لئے قریشی ہونا ضروری ہے تو پھر ان روایات کا کیا جواب ہو گا جن  
میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایک عبد حبشی بھی تمہارا امام ہو تو اس کی اطاعت کرو۔

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا  
وان استعمل علیکم عبد حبشی کان  
مراسدہ زبیدیہ لہ  
انس بن مالک سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ  
رسول اللہ نے فرمایا۔ تم سمع و اطاعت سے  
کام لو اگرچہ تمہارا امام ایک حبشی غلام ہو جس  
کا سر ایک شمش کے دانہ کی طرح نظر آتا ہو۔  
یعنی بد صورت و کم ہونے والا ہو۔

ایک غیر قریشی کی امامت اگر منعقد ہی نہیں ہو سکتی تو پھر اس کی اطاعت  
کا حکم کیسا؟ یہ واضح رہنا چاہئے کہ امام بخاری نے اسی روایت کو کتاب الصلوٰۃ میں  
لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶ کتاب الاحکام کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ حدیث میں استعمال  
کا لفظ ہے۔ نہ کہ استخلف کا کیونکہ امام بخاری نے اس روایت کو جس باب کے ماتحت درج کیا ہے  
اسکا ترجمہ الصبح والطاعة للام مالم تکن معصیۃ ہے اس سے معلوم ہوا کہ استعمال سے مراد استخلاف ہے۔

باب امامۃ العباد الطولی، کے ماتحت بھی درج کیا ہے جس سے مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جب ایک عبد کو امامت کبریٰ کا مقام حاصل ہو سکتا ہے تو وہ امامت صغریٰ یعنی نماز میں امام بننے کا اہل کیوں نہیں ہوگا؟

علاوہ انہیں صحیح بخاری میں ہے۔

ان هذا الامر في قرين  
لا ينادي ليلاً احد الا لآل  
الله على وجهه ما قاموا  
الدين له

اب فرض کرو۔ اس حدیث کے مطابق اور جیسا کہ خود تاریخ سے ثابت ہے ایک ایسا وقت آگیا جبکہ قریش اقامت دین کے قابل نہیں رہے تو اب سوال یہ ہے کہ چونکہ منصب امام پوری امت پر فرض کفایہ ہے اس لئے ایسی صورت میں امام کا انتخاب کیونکر کیا جانے کا جو قریشی ہے وہ اقامت دین سے عاجز ہے اور جو اقامت دین کر سکتا ہے وہ بد قسمتی سے قریشی نہیں۔ ان دونوں میں کس کو امام بنایا جائے؟ اگر قریشی کو ہی تو پھر ما اقاموا الدین کا مطلب کیا ہوا، اور اگر غیر قریشی کو تو پھر ظاہر ہے کہ الامۃ من قریشی النشا کے لئے نہیں ہوا اور اس سے مراد ہرگز یہ نہیں ہوئی کہ امام و خلیفہ کے لئے قریشی النسب ہونا ضروری ہے۔

سالم حضرت ابو حذیفہ کے غلام تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت مجھ خوش الحانی سے کرتے تھے جب پیام کی جنگ میں شہید ہوئے تو لوگ کہتے تھے۔ ذہب ربع القرآن تھے حضرت عمر فاروق کو ان کے ساتھ بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ لو کان سالم حیا لولیتہ اگر سالم زندہ ہوتے تو میں ان کو امیر بناتا۔ حضرت عمر خود اجلۃ قریش میں سے تھے اور حضرت ابو بکر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جب حدیث الامۃ من قریشیہ پر بھی تھی تو اس وقت وہ خود بھی تھے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت

لے کتاب الاحکام باب الامرن قریش

لے المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۲۲۶

عمر فاروق کا ایک غلام کی نسبت یہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر حدیث زیر بحث کا مطلب یہ ہرگز نہیں سمجھتے تھے کہ امام کا قریشی ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر امامت کا انعقاد ہو ہی نہیں سکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ اچھا! جب الامۃ من قریشیہ النشا ہے اور نہ خبر تو پھر آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ جس طرح ہر خاندان کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ہوتی ہے اور عام بول چال میں اس خصوصیت کو اس خاندان کے لوگوں میں محدود کر کے بولتے ہیں۔ مثلاً ہم یوں کہیں کہ علما، تو دیوبندیوں یا فرنگی محلیوں میں ہوتے ہیں تو اس کا مطلب نہیں ہوتا کہ علما دیوبند اور فرنگی محل کے علاوہ کہیں اور پیدا ہی نہیں ہوتے۔ اسی طرح آنحضرت کا منشا یہ ہے کہ امامت کے لئے جن اوصاف و کمالات کی ضرورت ہے مثلاً۔ تدبیر، شجاعت، شہامت، قیادت کی صلاحیت یہ سب قریش میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ اوصاف قریش کے علاوہ کسی اور خاندان یا قبیلہ کے کسی شخص میں پائے ہی نہیں جاسکتے۔ بہر حال مدار امامت وہ اوصاف و کمالات ہونے جو قریش کا طغرانے امتیاز تھے، نہ کہ خود قریشی النسب ہونا۔

علامہ ابن خلدون کے عجیب بات ہے کہ علامہ ابن خلدون جنہوں نے شرط قریشیت کا نام تصناد کی بڑی پر زور حمایت کی ہے اسی بحث میں جب اس شرط کی حکمت پر گفتگو کرتے ہیں تو ایسی تقریر کرتے جاتے ہیں جس سے شرط قریشیت کی نفی ہوتی ہے اور اگرچہ یہ بیانیہ بدلا ہوا ہے لیکن اس تقریر کا حاصل بھی وہ ہی نکلتا ہے جو ہم نے ابھی حدیث زیر بحث کی توجیہ میں لکھا ہے۔ چونکہ اس تقریر میں بعض بڑی اہم باتیں بھی قلم سے نکل گئی ہیں اسلئے کسی قدر طویل ہو جانے کے باوجود ہم اسی کو مجتبہ نقل کرتے ہیں لکھتے ہیں۔

”اب ہم امامت و خلافت میں نسب (قریشیت) کی شرط کی حکمت پر کلام کرتے ہیں۔ تاکہ ان مذاہب میں جو جتنی ہے وہ ظاہر ہو جائے اور ہم کہتے ہیں کہ تمام احکام شریعہ کے مقاصد بھی ہوتے ہیں اور ان کی حکمتیں بھی ہوتی ہیں جہاں تک قریشی النسب ہونے کی شرط کا تعلق ہے تو اس میں شارع کی حکمت صرف اس قدر ہی نہیں ہے۔“

کہ اس ذریعہ سے آنحضرتؐ کی قرابت سے برکت و سعادت حاصل کی جائے۔ اگرچہ یہ برکت بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن تبرک مقاصد شریعیہ میں سے نہیں ہے۔ جب ہم غور و فکر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نسب کی شرط لگانے میں حکمت اور مقصدِ شارع یہ ہے کہ اس ذریعہ سے امت میں استحکام اور مضبوطی رہے اور ان میں آپس میں گروہ بندی اور تفرق و تشتت پیدا نہ ہونے پائے۔ کیونکہ قریشی مضر سے زیادہ طاقت و سطوت اور دبدب و رعب رکھتے تھے اور پورا عرب ان کی سیادت و عظمت کو تسلیم کرتا تھا۔ اس کے برعکس قبائل مضر میں یہ بات نہیں تھی اس لیے اگر خلافت غیر قریشی میں چلی جاتی تو پھوٹ پڑ جاتی اور وحدت کلمہ باقی نہیں رہتی ابن اسحق نے بھی کتاب السیر وغیرہ میں یہی لکھا ہے پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ قریشیت کی شرط وقع تنازع اور اتحاد کلمہ کی بقا کی غرض سے ہے اور ہم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شارع اپنے احکام کسی گروہ - زمانہ یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں کرتا ہے تو اس سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ قریشیت کی شرط کا دراصل مفہوم وہ ہی ہے جو کفایت کا ہے۔ اسی بنا پر جو شخص بھی مسلمانوں کا والی یا امام ہو اس کیلئے ہم نے اس بات کی شرط لگائی ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت یا ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہو جس کی سیادت اور عظمت مسلم ہو۔ اور مسلمانوں میں جس کو اعتبار و وقار حاصل ہو، جیسا کہ قریش کو عرب میں حاصل تھا۔

اس تقریر کے اخیر فقروں کو غور سے پڑھو اور بتاؤ کہ کیا اس کا حاصل اور مطلب ٹھیک ٹھیک وہی ہیں جسے جو ہم نے اوپر لکھا ہے یعنی آنحضرتؐ نے قریش کو بطور تمثیلیت لیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ امام اپنے زمانہ میں ایک ایسی بااقتدار جماعت کا فرد ہو جیسا کہ قریشی عہد نبوت و خلافت میں تھے تاکہ اس میں امامت کے اوصاف و کمالات بدرجہ اتم پائے جا سکیں تو گویا اصل مقصد وہ اوصاف و کمالات ہیں جن کے مظہر اس زمانہ

لے کفایت کی تعریف اس بحث کے شروع میں ہی گزر چکی ہے اسے پھر دیکھ لیا جائے۔ تاریخ

میں قریش تھے نہ کہ محض نسبتاً قریشی ہونا۔ فستان مابینہما۔  
سطور بالا میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے الامتہ من قریشی سے جو استدلال کیا تھا اور صحابہ اکرام اس پر خاموش رہے تھے اس وقت اس سے ان کی مراد کیا تھی؟ بے شبہاً ان کا مطلب صرف اس قدر تھا کہ اس وقت کی سوسائٹی میں اور ان حالات میں قریشی کو ہی یہ مرتبہ و مقام حاصل تھا کہ منبرا امامت پر متمکن ہوں۔ غیر قریشی کے امام بننے سے ملت اسلامی میں استحکام اور اجتماعیت کا قیام ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت ابو بکر نے جو تقریر کی تھی اس میں آپ نے فرمایا تھا۔

وان العرب لا تعرف هذا الامر  
الا لهذا الحجی من قریش لہ  
وامرت سے آشنا ہی نہیں ہیں۔  
اور کون کہہ سکتا ہے کہ جب خود قریش میں ابو بکر و عمر اور عثمان و علی جیسی شخصیتیں موجود ہوں تو پھر وہاں کسی اور کو بھی امامت و خلافت کا استحقاق ہو سکتا ہے؟

اب رہی یہ بات کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی۔  
”تداول تو یہ ارشاد مطلقاً نہیں ہے بلکہ ”ماعدلوا“ یا ”ما قالوا اللدین“ کی قید کے ساتھ ہے اور اس قید کیساتھ اس کا جو مطلب ہوا وہ ظاہر ہی ہے اس کے علاوہ ہر چیز کا بقا اس کے اوصاف و خصائص کی بنا پر ہوتا ہے ارشاد گرامی کا منشا یہ ہے کہ جب تک قریش قریش رہیں گے یعنی اپنے امتیاز و اوصاف پر قائم رہیں گے۔ ان میں خلافت رہے گی اور کوئی شائبہ نہیں کہ اگر قریش میں ابو بکر و عمر برابر پیدا ہوتے رہتے تو پھر کسی کی مجال تھی کہ ان سے خلافت سلب کر سکتا۔

خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ اس سلسلہ میں دوسرا اہم مسئلہ انتخاب خلیفہ کا ہے اس کے لیے کیا طریقہ ہونا چاہئے۔ قرآن مجید میں یا حدیث میں صراحت کیساتھ اس بارہ میں لے ابن جریر طبری ج ۲ ص ۲۴۴ ان الفاظ کیساتھ ساتھ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر اوصی میں سے کوئی خلیفہ ہوا تو خرنج دالے نہیں ہائیں گے اور اگر خرنج میں کسی ہوا تو اس میں نہیں ہائیں گے۔



کوئی حکم نہیں البتہ چند اشارات ہیں جن سے خلفائے راشدین کے تعامل کی روشنی میں کچھ اصول مستنبط کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے۔

أَمْ كَفَرَ بَشُورَىٰ بَلَدِكُمْ مَسْلَمَانِ كَمَا مَعَالِمَ بَاهِمِي مَشْرُورَهٗ سَطَهٗ مَوَا  
اس معلوم ہوا کہ شخصی استبداد اور حکم کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں جب خود  
آنحضرت ﷺ کو حکم و مشاورتھُفِي الْأَمْوَرِ مَشْرُورَهٗ كَرْنَهٗ اور دوسروں سے استعراج  
کا حکم ہے تو پھر کسی اور کا کیا ذکر؟

اب رہی یہ بات کہ استعراج و استصواب آج کل کی جمہوریتوں کے قانون و دستور کے مطابق مملکت کے ہر بالغ مرد سے کیا جائے جس کو *Adult Male* کہا جاتا ہے یا صرف اربابِ حل و عقد سے جن کی حیثیت آج کل کی آئینی اصلاح میں نمائندگان اسمبلی یا ممبران پارلیمنٹ کی ہوتی ہے اس معاملہ میں قرآن نے پہلی صورت یعنی بالغوں کے حق رائے و ہندگی کو تسلیم نہیں کیا ہے اور دوسری صورت کا اثبات کیا ہے اور صاف کہا ہے۔

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ  
وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ  
کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے برابر ہیں۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا۔

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ  
اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھو۔

اسلام حقانیت و صداقت کا مذہب ہے۔ ہر چیز کو اس کی اصل ماہیت و نوعیت کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور عوام فریب لفاظی و اصطلاحات کا طلسم نہیں باندھتا۔ اس بنا پر وہ اس بات کا قائل نہیں کہ ایک جاہل، کندہ، ناتراش اور شریر و فتنہ پرور انسان کو بھی دوٹو دینے کا ایسا ہی حق ہے جیسا کہ ایک صاحب علم و فہم اور متقی و صالح کو ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اربابِ حل و عقد کا تعین کیونکر کیا جائیگا؟ ہمارے زمانہ میں میں لوگ عوام سے چھوٹے سچے وعدے کر کے اور چند نمائشی کارنامے انجام دے کر دوٹو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس طرح اسمبلی کونسل یا میونسپل بورڈ کے

منتخب ہو جاتے ہیں وہی قوم کے نمائندے اور اس کے اربابِ حل و عقد سمجھے جاتے ہیں لیکن اسلام ان لوگوں کو اربابِ حل و عقد سمجھتا ہے جو قوم میں اپنے فہم و تدبیر عمل صالح اور بلند کردگی و جب سے عوام کے مرجع اور ان کے معتمد علیہ ہوں۔ انہوں نے اپنے لئے قوم سے کوئی دوٹو نہ مانگا ہو۔ اور دوٹو حاصل کرنے کیلئے اپنے کارناموں یا آئندہ کے منصوبوں کی کوئی طویل فہرست نہ شائع کی ہو لیکن اس کے باوجود ملت اسلامیہ نے انکی ذہنی اور عملی سر بلندیوں سے متاثر ہو کر خود ان کو اپنا امام یا ایڈر تسلیم کر لیا ہوسا قرآن مجید میں جن لوگوں سے مشورہ کرنے کا حکم ہے وہ یہی لوگ ہیں۔

ان اصولی اشارات کے علاوہ خاص خلیفہ کے انتخاب سے متعلق قرآن وحدیث میں کسی مخصوص نظام یا طریقہ کا حکم نہیں دیا گیا اسی بنا پر حضرت عمر بن تین چیزوں کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اگر آنحضرت ﷺ ان کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا اور مابینہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ ان میں سے ایک خلافت بھی ہے۔ اسی طرح ایک موقع پر جب لوگوں نے آپ سے جانشینی کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ میں کسی کو نامزد کروں یا نہ کروں میرے لئے دونوں راستے موجود ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کسی کو نامزد نہیں کیا لیکن ابو بکر نے مجھ کو نامزد کیا تھا۔ حضرت عمر کے اس قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں ان کے ذہن میں کوئی قطع حکم نہیں تھا اور اسکو مسلمانوں اور ان کے اربابِ حل و عقد کی رائے پر ہی چھوڑ دیا گیا ہے کہ موقع اور محل کے مناسب جو طریقہ پسندیدہ ہوا اختیار کر لیں، چنانچہ چاروں خلفاء میں سے ہر ایک کا انتخاب ایک جدا گانہ طریقہ پر ہوا۔ ہم ذیل میں اس کی تفصیل درج کرتے ہیں۔

۱) حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب ایک انتخابی مجلس مشاورت میں ہوا جس میں سب انصار اور اکابر مہاجرین موجود تھے حضرت ابوبکر نے جب اپنی تقریر سے انصار کو مطمئن کر دیا اور ان سے یہ تسلیم کر لیا کہ خلیفہ کوئی قریش میں ہی سے ہونا چاہئے تو پھر آپ حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے نام پیش کئے، اتنے میں حضرت عمر نے بیعت کیلئے حضرت ابوبکر کی طرف ہاتھ بڑھا دیئے حضرت عمر کا پیش قدمی کرنا تھا کہ

الضار ومہاجرین ٹوٹ پڑے اور حضرت ابو بکر خلیفہ منتخب ہوئے  
 حضرت ابو بکر کا یہ انتخاب اگرچہ انتخاب عام تھا یا کم از کم کثرت آراء سے ہوا تھا  
 لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک فوری کارروائی تھی۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا  
 کہ جب کوئی شخص چاہے حضرت عمر کی طرح اچانک کسی کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر  
 سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں کسی نے کہا کہ امیر المؤمنین (عمر فاروق) کا  
 انتقال ہو گیا تو میں فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔ چونکہ بغیر کسی مشورہ کے  
 محض شخصی پسند پر کسی کو خلیفہ مان لینا اسلام کی تعلیم کے خلاف تھا اس پر جب حضرت عمر  
 کو اس شخص کا یقین پہنچا تو آپ سخت غضب ناک ہوئے اور حضرت ابو بکر کی بیعت  
 کو ایک استثنائی مثال قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

فلا یغترن امرء ان یقول النفا  
 کانت بیعة ابی بکر فلتة  
 ونمت الا وانها قد کذبت کذالک  
 ولكن اللہ وقی شرہا۔  
 جلد بازی کے شر سے محفوظ رکھا۔

اس کے بعد فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ یہ بیعت اچانک اور دفعۃً سہی لیکن  
 آخر بیعت تھی کس کے ہاتھوں پر؟ صدیق اکبر کے ہاتھ پر اجن سے زیادہ مستحق  
 خلافت کوئی اور دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

ولیس منکم من تقطع الاعناق  
 الیہ مثل ابی بکر  
 اور تم میں ابو بکر جیسا کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس  
 کے پاس دو دو وارے لوگ سفر کر کے آتے۔

حضرت ابو بکر کی بیعت کا یہ واقعہ جو ایک استثنائی حیثیت رکھتا تھا اگر حضرت  
 ابو بکر کا واقعہ نہ ہوتا تو خود حضرت عمر کے نزدیک ایک عظیم شراذمِ فقہ کا باعث ہو سکتا  
 تھا، اسی بنا پر بطور اصول کے حضرت عمر نے بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا کہ مسلمانوں کے  
 باہمی مشورہ کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر لینا اس شخص کو خلیفہ نہیں بنا  
 دیتا ہے۔

من یایح رجلاً عن غیر مشورۃ  
 من المسلمین فلا یبالیح ہو لہ  
 جس شخص نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی سے  
 بیعت کی تو اس سے وہ شخص خلیفہ نہیں بن گیا۔  
 پہلے دن حضرت ابو بکر کا انتخاب ایک خاص مجلس میں ہوا اور اگرچہ اچانک ہوا لیکن  
 اس وقت کی سب سے پارٹیوں کے نمائندہ طبقے کی موجودگی میں ہوا اور بلا مقابلہ ہوا  
 اسکے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعتِ عامہ ہوئی اور ایک لائق ذکر شخص بھی ایسا  
 نہیں رہا جس نے بیعت نہ کی ہو یا کم از کم اس انتخاب کی مخالفت میں آواز بلند کی ہو۔  
 اس سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کا انتخاب اور پھر بیعت کے ذریعہ تمام مسلمانوں کا اس  
 انتخاب پر اپنی رضامندی کا عملاً اظہار ضروری ہے۔

۱) خلیفہ رسول کے بعد خلیفہ دوم کا انتخاب اس طرح ہوا کہ اگرچہ حضرت ابو بکر کو اس  
 کا یقین تھا کہ حضرت عمر سے بڑھ کر دوسرا کوئی شخص ان کی جانشین کے لئے موزوں  
 نہیں ہو سکتا تاہم اس معاملہ میں انہوں نے ابا بکر صحابہ سے مشورہ کیا اور بکثرت  
 و تمحیص کے بعد آخر حضرت عمر کے حق میں عہد نامہِ خلافت لکھوایا اور اپنے غلام کو دیا  
 کہ مجمع عام میں جا کر سنا دے، پھر خود بالا خانہ پر پہنچ کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے  
 پوچھا کہ میں عمر کو نامزد کرتا ہوں تم لوگ اس کو پسند کرتے ہو؟ سب نے سمعنا اطعنا کہا۔  
 ۲) خلیفہ سوم حضرت عثمان کا انتخاب اس طرح ہوا کہ ایک نہ خم کاری کے بعد حضرت  
 عمر کو اپنے جانشین ہو سکنے کا یقین ہو گیا تو چھ ناموران قریش حضرت علی عثمان زبیر۔  
 طلحہ۔ سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کی ایک کونسل بنا دی اور  
 وصیت کی کہ چھ آدمی اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ فاروق اعظم کی وفات  
 کے بعد کونسل کا جلسہ ہوا۔ دو روز تک بحث ہوتی رہی۔ لیکن فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر  
 تیسرے دن حضرت عبدالرحمن بن عوف کی تجویز کے مطابق تین حضرات نے اپنے نام  
 واپس لے لئے اور اب خلافت بجائے چھ کے تین شخصوں میں داسر رہ گئی جن میں سے  
 ایک خود عبدالرحمن بن عوف بھی تھے۔ بعد میں انہوں نے بھی اپنا نام واپس لے لیا۔

لے دے کے صرف دورہ کئے ایک علی اودومرے عثمان ان دونوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو اپنا حکم تسلیم کر لیا۔ اب عبدالرحمن بن عوف اور سب صحابہ مسجد میں جمع ہوئے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ایک مؤثر تقریر کی اور پھر حضرت عثمان کی طرف بیعت کیلئے ہاتھ بڑھا دیئے۔ ان کے بعد حضرت علی نے بیعت کی آپ کا بیعت کرنا تھا کہ صحابہ ٹوٹ پڑے اور حضرت عثمان اتفاق آرا سے مسند آرائے خلافت ہو گئے۔

(۴) خلیفہ چہارم حضرت علی کا انتخاب نہایت ہنگامی حالات میں ہوا۔ حضرت عثمان کے شہید ہوتے ہی فتنہ و فساد کے دروازے کھل چکے تھے۔ طوائف الملوک نے اسلامی جمعیت و اتحاد کا شیرازہ پراگندہ کر دیا تھا۔ مدینہ میں خاک اڑنے لگی تھی صحابہ کرام جو اس وقت حیات تھے منتشر تھے۔ ان میں سے بہترے تو مدینہ سے باہر ادھر ادھر کے علاقوں میں تھے۔ قاتلین حضرت عثمان کی آئی تھی۔ مدینہ پر چھائے ہوئے منڈلاتے پھرتے تھے انہیں لوگوں نے حضرت علی کو خلیفہ بنا نا چاہا تو حضرت علی نے پہلے پہل انکار کیا لیکن آخر جب ان کا اصرار شدید ہوا تو اسلامی جمعیت کو مزید انتشار و پراگندگی سے بچانے کی غرض سے ہامی بھر لی اور آپ کی خلافت کا اعلان ہو گیا اور عام مسلمانوں کے علاوہ جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے حضرت طلحہ اور زبیر جن کی طرف سے اندیشہ ہو سکتا تھا انہوں نے بھی بیعت کر لی لیکن پھر بھی بہت سے لوگوں نے بیعت نہیں کی اور مدینہ سے نکل کر شام کی طرف چلے گئے۔ چونکہ یہ انتخاب ہنگامی تھا اور حضرت علی نے خلافت کی ذمہ داری صرف ایک قومی اور اجتماعی ضرورت سے قبول کی تھی اس بنا پر اس انتخاب کو بطور ایک شرعی اصل کے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ جہاں تک پہلے تینوں خلفاء کے انتخاب کا تعلق ہے اس سے امور ذیل صاف طور پر سمجھ میں آتے ہیں۔

(الف) خلیفہ کا انتخاب مجمع عام میں ہوا۔

(ب) چند رباہ رائے سے مشورہ کرنے کے بعد خلیفہ نے اپنی جانشینی کے لئے ایک شخص کو نامزد کیا۔ اور اس کو استصواب رائے عامہ کی خاطر عام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔

(ج) خلیفہ نے ایک کونسل مقرر کر دی کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کرے گی اور پھر اس کونسل کے فیصلہ کو استصواب رائے عامہ کی غرض سے مسلمانوں کے عام مجمع میں پیش کیا جائیگا۔ (د) کسی خلیفہ نے اپنے بیٹے کا توڑ کر اپنے کسی رشتہ دار کو نامزد نہیں کیا۔ اس معاملہ میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ حضرت علی حضرت عمر کے دست و بازو اور غایت معتمد علیہ تھے لیکن چونکہ بعض روایات کے مطابق حضرت ام کلثوم بنت علی سے نکاح کر لینے کے بعد دونوں میں رشتہ مصاہرت بھی قائم ہو گیا تھا اس بنا پر حضرت عمر نے چھ آدمیوں کی جو کونسل بنائی اس میں حضرت علی کا نام تو رکھا لیکن نامزد نہیں کیا حالانکہ اگر نامزدگی کی بات ہوتی تو حضرت علی سے زیادہ اور کون مستحق ہو سکتا تھا۔ (۵) آخری فیصلہ بہر حال جمہور کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک بیعت عامہ نہیں ہوگی کوئی شخص خلیفہ نہیں ہو سکے گا۔

## حضرت ابو بکر صدیقؓ کا استحقاقِ خلافت

یوں تو جتنے بھی صحابہ کرام تھے سب ہی فلکِ اسلام و ایمان کے مہر و ماہ تھے۔ اگرچہ ایک حکومت کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے اور وہ بھی ان حالات میں جو اس وقت درپیش تھے۔ دل اور دماغ کے جن اعلیٰ کمالات و ملکات کی ضرورت ہے۔ تمام صحابہ ان میں برابر اور مساوی حیثیت و مرتبہ کے نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن جو حضرت خلافت کے بجائے طور پر مستحق اور اہل تھے جیسے حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ عبدالرحمن بن عوفؓ اور زبیرؓ و سعدؓ رضی عنہم وہ بھی دو چار نہیں بڑی تعداد میں تھے۔ قرآن مجید نے جن لوگوں کی صلاحیت حکمرانی کی گواہی ان الفاظ میں دی تھی۔

الَّذِينَ أَنْزَلْنَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ خِزْيًا وَمَالًا  
وَالصَّلَاةَ وَالْزَّكَاةَ وَالْمَعْرُوفَ  
وَلَهُمْ عَيْنُ الْمُشْكِرِطِ (الحج)

وہ ظاہر ہے اگاد گاہ نہیں۔ ایک پورا گروہ ایک جماعت تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب صورت حال یہ تھی تو پھر آخر اس کی وجہ کیا تھی کہ ایک پیغمبر آخر الزمان کی براہِ راست خلافت و نیابتِ پیغمبری کے بعد جس سے بڑھ کر کوئی اور اعزاز نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حصہ میں ہی آئی۔ یہ سب کچھ محض بخت و اتفاق کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ ضروری ہے کہ اس کے اسباب و وجوہ ہوں۔ اس سلسلہ میں ہم کو موفیل پر غور کرنا چاہئے۔

صحابہ کرام میں سب سے زیادہ کس کے متعلق قرآن مجید کی آیات نازل ہوئی ہیں اور ان آیات سے اس کی شخصیت پر کیا روشنی پڑتی ہے۔

(۱) آنحضرتؐ کے ساتھ سب سے زیادہ کس کو رفاقت کا شرف حاصل رہا۔

(۲) سب سے زیادہ اداسناس و مزاج دان نبوت کرن تھا۔

(۳) آنحضرتؐ کو سب سے زیادہ اعتماد کس پر تھا۔

(۴) صحابہ کرام میں اُس کو کیا مرتبہ و مقام حاصل تھا۔

(۵) کیا آنحضرتؐ نے قولاً یا عملاً اس کی خلافت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۶) اُس نے اپنے کارناموں سے یہ حقیقت کہاں تک ثابت کی کہ وہی خلیفہ رسولؐ ہونے کا سب سے زیادہ مستحق تھا۔

اب ہم مذکورہ بالا تیقحات میں سے ہر ایک پر علی الترتیب کلام کرتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ واقعہ ہے کہ تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ یہ شرف اور

ذکر قرآن مجید میں سعادت حضرت ابو بکرؓ کو ہی حاصل ہے کہ قرآن نے آنحضرتؐ

کے ساتھ آپ کے حضور صی تعلق کر۔ آپ کے خاص خاص اعمال و افعال کو جن سے

اسلام کو بڑا فائدہ پہونچا اور آپ کے عہد خلافت کے بعض نہایت شاندار کارناموں

کو پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ان پر مدح کی ہے۔ اور

صرف اسی قدر نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کا قبل از بعثت جو دوستانہ

تعلق تھا اس کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے

حَتَّىٰ إِذْ بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً

یہاں تک کہ جب جوانی کو پہونچا اور چالیس برس کا ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان میں

نازل ہوئی ہے اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ بیس سال کے اور حضرت ابو بکرؓ

اٹھارہ برس کے تھے۔ دونوں تجارت کے سلسلہ میں شام جا رہے تھے۔ راستہ

میں ایک منزل پر قیام کیا۔ یہاں ایک بیری کا درخت تھا۔ حضورؐ اس درخت کے سائے

میں جا کر بیٹھ گئے اور ابو بکرؓ وہاں ایک راسب رہا تھا کچھ دین و مذہب کی باتیں پوچھنے کی

غرض سے اسکے پاس جا بیٹھے، راہب نے ابو بکرؓ سے حضورؓ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا

کہ یہ نوجوان جو درخت کے نیچے بیٹھا ہے کون ہے؟ وہ بولے "محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب" راہب نے کہا "خدا کی قسم! یہ نبی ہو گا۔ کیونکہ عیسیٰ بن مریم کے بعد سوائے محمدؐ سوال اللہ کے کوئی اور شخص اس درخت کے سایہ میں نہیں بیٹھ سکتا" راہب کی یہ بات ابو بکر کے دل میں ایسی بیٹھی کہ سفر ہو یا حضر کسی حالت میں بھی حضورؐ کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے چنانچہ جب آنحضرتؐ نے نبوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے ابو بکرؓ نے ہی اس کو قبول کیا اور اسلام لائے۔ اس وقت ابو بکرؓ کی عمر اڑتیس سال یعنی آنحضرتؐ سے دو برس کم تھی جب ابو بکرؓ چالیس برس کے ہوئے تو انہوں نے وہ دعا مانگی جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ (الآیۃ) لے

اسلام لانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اپنی دولت اللہ کے راستہ میں اور اسلام کی مدد کیلئے جس فیاضی اور بے جگرگی سے خرینج کی ہے قرآن اُس کی داد اس طرح دیتا ہے۔

لا يَسْتَوِيْ مَنْكُم مَّنِ افْتَقَ مِنْ قَبْلِ  
الْفَتْحِ وَقَاتِلْ اُولَئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً  
مَّنَ الَّذِيْنَ افْتَقَوْا مِنْ بَعْدِهِ  
تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے روپیہ  
خرینج کیا اور جہاد کیا تم میں سے کوئی ان کے برابر  
نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کا رتبہ بہت اونچا ہے۔  
برسبب اُن لوگوں کے جنہوں نے فتح مکہ بعد خرینج کیا  
(الحديد)

محمد بن فضیل کلبی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت ابو بکر صدیقؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس لئے کہ وہی سب سے پہلے اسلام لائے اور انہوں نے ہی سب سے پہلے اللہ کے راستہ میں اپنی دولت خرینج کی لہذا امام ابوالحسن الواحدی نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے ایک روایت نقل کی ہے اس سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے پاس حضرت ابو بکرؓ ایک عبا پہنے ہوئے بیٹھے تھے جو سید پر سے اُدھڑی ہوئی تھی اتنے میں جبریل امین آئے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ ابو بکرؓ کی عبا سینہ پر سے چاک ہو رہی ہے حضورؐ نے جواب دیا۔

لہذا اسباب النزول للواحدی ص ۲۸۳ مطبوعہ مصر لہذا انہذا ص ۲۸

ابو بکرؓ نے اپنی ساری دولت میرے اوپر فتح مکہ سے پہلے ہی خرینج کر دی" اب جبریل امین بولے "آپ اللہ کا سلام ابو بکرؓ کو پہنچا دیجئے اور ان سے پوچھئے کہ آپ اپنے اس فقر پر اللہ سے راضی ہیں یا ناراض؟ حضورؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے یہ دریافت کیا تو وہ رد نے لگے اور عرض کیا کہ کیا میں اپنے رب سے ناراض ہوں گا؟ نہیں بلکہ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ اپنے رب سے راضی ہوں" لہذا

اس آیت میں تو صرف دولت خرینج کرنے کا ذکر ہے ایک اور آیت میں اتفاق کے ساتھ دوسری صفات کا بھی ذکر ہے۔ ارشاد ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطَىٰ وَالتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ  
فَسَيُنسِئُهَا لِلْيُسُئِىٰ (وَاللَّذِلٰلِ) كالتصديق كى هم اُس كىلئے آسانىاں ہم پہنچائىں گئے۔

الواحدی نے اس آیت کے ذیل میں متعدد روایات نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا سبب نزول یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ غلام خرید کر آزاد کیا کرتے تھے یہ غلام اکثر ضعیف و ناتواں ہوتے تھے۔ ایک دن ان کے باپ ابو تمحاف نے کہا کہ بیٹا اگر تم کو غلام آزاد کرنے کا ایسا ہی شوق ہے تو پھر کھیل نوجوان غلام خرید کر آزاد کرو تا کہ وہ کسی وقت تمہارے کام بھی آئیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا ابابیریت تو ان غلاموں کے آزاد کرنے سے کچھ اور ہی ہے لہذا

حضرت ابو بکرؓ نے بلال حبشی کو خرید کر آزاد کیا تو مشرکین مکہ نے کہنا شروع کیا کہ ابو بکرؓ پر بلال کا کوئی احسان تھا۔ انہوں نے اس کا بدلہ چکایا ہے۔ قرآن نے اس کا بھی تردید کی اور اعلان کیا۔

وما لاحد عند من نعمت تجزىٰ ه الا اور ان (ابو بکرؓ پر کسی کا کوئی احسان نہیں تھا جس کا بدلہ  
ابتغاء كوجه ربه الا علىٰ ه ولسوف يرضىٰ ه چكایا گیا ہو۔ مجز رب علىٰ كى رضا جلىٰ كى اور یہ  
عقرب راضى ہوگا۔

حضرت ابو بکرؓ راتوں کو بیدار رہ کر جو عبادت الہی کرتے تھے اس کا ذکر قرآن میں

لہذا اسباب النزول ص ۲۰۳ لہذا اسباب النزول ص ۲۳۶ لہذا اسباب النزول ص ۲۶۹

اس طرح کیا گیا ہے۔ اَمَّنْ هُوَ قَانَتْ اِنَاۃَ اللَّيْلِ (زمر)

حضرت ابو بکر جب اسلام لائے اور آنحضرتؐ کی تصدیق کی تو عثمان طلحہ زبیر وغیرہم ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا آپ ایمان لے آئے ہیں؟ حضرت ابو بکر نے جواب اثبات میں دیا تو یہ سب بھی مسلمان ہو گئے۔ قرآن نے اس واقعہ کو بھی بیان کیا ہے جس سے حضرت ابو بکر کی مدح کا پہلو نکلتا ہے۔ ارشاد ہے لے

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ  
الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ط

جو قول سنتے ہیں اور اس اچھے قول کا اتباع کرتے ہیں ان متفرق واقعات و محامد کے علاوہ قرآن مجید میں حضرت ابو بکر کا سب سے

اہم تذکرہ وہ ہے جو غار ثور میں رفاقت سے متعلق ہے۔ فرمایا گیا۔

ثُمَّ اِنَّا اَشْنَيْنَا فِي الْغَارِ غَارِ ثَوْرٍ مِّنْ دُونِهَا اِنَّ كَادَ دُرُورًا

یہ آیت حضرت ابو بکر کی فضیلت مآبی کی اتنی بڑی اہم اور مستند دستاویز ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ چونکہ حضرت ابو بکر کی معیت و صحبت نبویؐ قرآن مجید میں مندرج ہے اس بنا پر اس کا منکر کا فر ہے، یہ صرف صدیق اکبر کی خصوصیت ہے۔ کسی اور صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے پھر حضرت ابو بکر کی آنحضرتؐ کے ساتھ رفاقت فی الغار کے عند اللہ و عند الناس مقبول ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ گہری دوستی کے لیے "یار غار" بطور استعارہ ہی بولا جانے لگا ہے۔

پھر جس طرح قرآن مجید میں بعض مواقع پر آنحضرتؐ کو تنبیہ کی گئی ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے آپؐ کی خدمت میں آئے اور آپ نے ان کی طرف زیادہ التفات نہیں فرمایا تو عَسَّ وَتَوَلَّى اَنۢ بَدَاۤءَ الْاَلْفَاۤءِ کی آیات نازل ہوئیں، ٹھیک اسی طرح کا معاملہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کیساتھ بھی ہے واقعہ انک میں حضرت ابو بکر نے مسطح بن اثاثہ کی مالی اعانت و امداد سے دست کشی اختیار کر لینے کا ارادہ کر لیا تھا تو قرآن میں ان لفظوں کے ساتھ تنبیہ کی گئی۔

وَلَا يَأْتَلِ اَوْ لَوْ اَفْضَلُ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ  
اَنۢ يُّؤْمَرُوْا اَوْ لِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ  
وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ  
وَالْيَعْقُوْبِ (النور) پارہ ۱۸

تم میں جو لوگ صاحب فضل و مقدرت ہیں وہ شہتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد کرنے کی قسم نہ کھائیں اور ان کو چاہئے کہ معاف کریں۔

حضرت ابو بکر نے آیت سن کر کہا تھا کہ قسم میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے اور عہد کیا کہ اب آئندہ برابر وہ مسطح کے کفیل رہیں گے۔ اگرچہ یہ تنبیہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر معمولی قرب و اختصاص کی دلیل ہے جس کو بے شبہ شخصیات حضرت ابو بکرؓ میں شمار کرنا چاہئے۔

پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت ابو بکر کے عہد خلافت کا جو سب سے بڑا اور عظیم الشان کام تھا ہے یعنی مرتدین عرب سے جنگ و قتال اس کا تذکرہ بھی قرآن میں کیا گیا ہے اور نہ صرف حضرت ابو بکر بلکہ وہ تمام صحابہ کرام جنہوں نے اس قتال میں حصہ لیا ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبوبیت کا طغرائے امتیاز عطا فرمایا ہے۔ لیکن چونکہ اس اہم اور عظیم الشان کارنامہ کی ابتدا و انتہا اور اس کی قیادت و زعامت کا سہرا صدیق اکبر کے ہی سر ہے اس بنا پر محبوبیت الہی کے اس تمغہ اعزاز میں حضرت ابو بکر کا حصہ بھی سب سے زیادہ ہوگا۔ ارشادِ ایزد بانی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سِيْرُوْا مَنكُم  
عَنْ دِيْنِهِمْ سَوْفَ يٰۤاْتِي اللّٰهُ  
بِقَوْمٍ يَّجْبَهُوْا وَيَجْبُوْنَہٗ  
اِذْ لَیۡ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعُوْذٌ بِحَدِّ  
عَلِ الْكَافِرِيْنَ يَجَاهِدُوْنَ  
فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخٰفُوْنَ  
لَوْمَةً لَّاۤ اِنَّہٗ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ  
يُوْتِيہٗ مَن يَّشَآءُ ط

اے ایمان والوں تم میں سے اگر کوئی شخص اپنی پیروی سے پھر جائے تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ تو مؤمنین پر لگے پھیلے ہیں۔ کافروں پر غالب اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑی رحمت

واللہ واسعٌ علیہ  
والا ہے۔ اور علم والا ہے۔

(پٹ ماٹھ ۸۶)

امام بیہقی نے حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے جب عرب مرتد ہو گئے تو انہوں نے اور ان کے رفقاء نے جہاد کیا اور آخر کار ان کو اسلام کی طرف لوٹا دیا۔ یونس بن بکر قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ یہ آیت ابوبکر کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے ہی مرتدین عرب سے قتال کیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ آنحضرت کے ساتھ سب سے زیادہ کسورِ فاقہ و ہراسی کا شرف حاصل ہوا ہے اور سب سے زیادہ آپ کا شریکِ جلوت و خلوت کون ہے؟ اس سوال کا جواب بھی ظاہر ہے، حضرت ابوبکرؓ اَدَلُّ مِنْ اِسْلَمِ“ ہیں پھر اسلام سے قبل بھی دونوں ساتھ اور بعض معاملات میں ایک دوسرے کے شریک و رفیق رہے ہی اسلام قبول کرنے کے بعد تو معیت و رفاقت کا یہ عالم رہا کہ حضرت ابوبکرؓ کو یا ایک دن کے لینے بھی آپ سے جہاز ہونے قیام گمہ کے زمانہ میں ملے لوگ صبر نہ کیا لیکن صدیق اکبرؓ نہ گئے۔ پھر ہجرتِ مدینہ کا وقت آیا تو بہت سے صحابہ جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں پہلے سے مدینہ پہنچ گئے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کی تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ اور اس طرح رفیقِ سفر و حضر رہے۔ غزوات کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جن غزوات میں حضورؐ تشریف لے جاتے تھے حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ ہوتے تھے۔ سرائیا میں لوگ کہتے تھے کہ ابوبکرؓ کو بھیجے تو حضورؐ فرماتے تھے..... کہ میں یہ میرے پاس رہیں گے۔ اور مجھ کو ان کی ضرورت ہے۔ اس طویل ترین رفاقت کے باعث ظاہر ہے جو تربیت اور تعلیم حضرت ابوبکرؓ کی ہو سکتی ہے اور کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ ادانشناس اور مزاج دان ہجرت اس قرب و اتصال، ہر وقت کی معیت و رفاقت اور پھر خود اپنی ذاتی استعداد و صلاحیت کے باعث جس درجہ کے ادانشناس و مزاج دان

نبوت صدیق اکبرؓ ہو سکتے تھے کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ واقعات کا متبع کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور آنحضرت ﷺ کا مزاج اور اندازِ طبیعت ایک ہی خمیر سے تیار ہوا تھا، عادات و خصائل، ادرا میاں و عواطف کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جتنے قریب حضورؐ اور صدیق اکبرؓ تھے کوئی اور نہیں تھا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں بجٹ صرف مزاج کی ہم رنگی سے ہے نہ کہ شریعت کے اصل احکام و مسائل سے چنانچہ پہلے ایک روایت گزر چکی ہے جس میں ابن الدغنی نے حضرت ابوبکرؓ کے اوصاف و کمالات ٹھیک ٹھیک وہی بیان کئے ہیں جو حضرت خدیجہؓ نے سرورِ کونین کے بیان کئے تھے اس کے علاوہ چند اور واقعات بھی ہیں جہاں سے اس پر مزید روشنی پڑے گی۔ عبداللہ بن ابی جوشہ ہر منافق تھا اس کا انتہال ہوا تو اس کا بیٹا عبداللہ آنحضرت ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اپنی قمیص مرحمت فرما دیجئے۔ تاکہ ابن ابی کو اس میں کفنا دیا جائے۔ حضورؐ نے قمیص عطا فرمادی اس کے بعد اس نے کہا کہ اب نماز بھی پڑھ دیجئے، رحمتِ عالم نے اس درخواست کو بھی شرفِ قبول عطا فرمایا لیکن آپ نماز کے ارادہ سے کھڑے ہو رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن پکڑ کر کھینچا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس شخص کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ آپ کو اللہ نے اس سے منع کیا ہے۔ ارشاد ہوا، اللہ نے ”اسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا اسْتَغْفِرْ لَهُمْ“ فرما کر مجھ کو اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ تتر تتر بھی استغفار کریں گے تو میں نہیں بخشوں گا۔ تو میں اب تر سے بھی زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا، حضرت عمرؓ نے کہا ”وہ تو منافق تھا، لیکن آپ نہ مانے اور نماز پڑھی۔ اس پر یہ آیت اتری۔

وَلَا تَنْصَلْ عَلَى الْخَدِّ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا  
وَلَا تَقْعُرْ عَلَى قَبْرِهِ لَه

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کی رائے اور منشا کے مطابق اس آیت کا نزول حضرت عمرؓ کی فضیلت و بزرگی کی دلیل ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے جو کچھ کیا تھا غایتِ شفقت

علی الخلیف اور رحمتہ للعالمین کے جذبہ سے کیا تھا جو آپ کے مزاج گرامی مرتبت کا ایک خاص جوہر تھا اور چونکہ اس وصف خاص میں حضرت عمر کو آپ کے ساتھ اس درجہ قرب و اختصاف نہیں تھا جتنا کہ حضرت ابو بکر کو تھا اس بنا پر حضرت کو آنحضرت کے اس فعل پر اچھینا ہوا لیکن صدیق اکبر کو کوئی حیرت نہیں ہوئی۔

اس طرح کا ایک موقع صلح حدیبیہ کے واقعہ میں پیش آیا تھا۔ ابو جندل بن عمرو کافروں نے بڑی بے رحمی سے مارا تھا جب انہوں نے صحابہ کرام کے حملے آنکر اپنے زخم دکھائے اور کہا کہ کیا آپ لوگ اس حالت میں بھی مجھ کو مارنے کو دینا چاہتے ہیں تو پورا مجمع تڑپ اٹھا۔ حضرت عمر میں برداشت کہاں تھی؟ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے "کیا آپ بیغیر برحق نہیں ہیں۔ اور اس طرح کے اور سوال و جواب کیے آخر جب یہاں تسلی نہ ہوئی تو حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور گفتگو وہی کی حضرت ابو بکر نے فرمایا۔

ایہا الرجل انہ رسول اللہ  
ولیس یعیسیٰ ربہ و ہونا صرک  
فاستمسک بغرزة فواللہ  
انہ علی الحق۔  
اے شخص! وہ بے شکر اللہ کے رسول ہیں  
اور اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے۔ خدا انکی  
مدد کرنے والا ہے۔ پس تم ان کے دامن کو  
پکڑ لو۔ تم اللہ کی وہ یقیناً حق پر ہیں۔

اب حضرت عمر نے کہا "کیا آپ آنحضرت ہم سے یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ ہم جلد ہی بیت اللہ آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ حضرت ابو بکر نے جواب دیا "ہاں کیونکہ اللہ نے حضورؐ کو یہ بھی فرما دیا ہے کہ تم اسی سال بیت اللہ پہنچو پھر گئے۔ اسی طرح تم پڑھ آئے ہو کہ آنحضرت کی وفات ہوئی تو اس حادثہ فاجعہ کی خبر سننے ہی حضرت عمر کا کیا حال ہوا تھا لیکن جب ابو بکر نے وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ (الایۃ) آیت پڑھی تو حضرت عمر کی یکایک آنکھ کھل گئی اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا اب تک انہوں نے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔

ان سب واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر آنحضرت کی تعلیم و تربیت کے سانچہ میں اس طرح ڈھل گئے تھے کہ فکر ذہن اور مزاج و طبیعت تک میں یکانگت اور مکمل مماثلت پیدا ہو گئی تھی اور اس بنا پر ادا شناسی نبوت میں کسی کو ان کے ساتھ دعویٰ ہم سری نہیں ہو سکتا تھا۔

آنحضرت کو سب سے زیادہ ایہی وجہ ہے کہ آنحضرت کو سب سے زیادہ اعتماد حضرت اعتماد کس پر تھا ابو بکر کی رائے پر تھا۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر دونوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ یکرہ فوق سماویہ  
ان یخطأ ابو بکر لہ  
اللہ تعالیٰ آسمان پر اس بات کو ناپسند  
کرتا ہے کہ ابو بکر خطا کریں۔

اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابو بکر آنحضرت کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ عمر و بن العاص سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے آنحضرت سے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا "عائشہ" پھر دریافت کیا مردوں میں؟ ارشاد ہوا "عائشہ کے باپ" لہ

ایک مرتبہ آنحضرت کی خدمت میں ایک عورت آئی۔ آپ نے فرمایا "پھر آنا" عورت بولی "اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں" آنحضرت نے جواب دیا۔ ان لم تجدینی فاتی ابا بکر لہ۔ اگر تو آئے اور مجھ کو نہ پائے تو ابو بکر کے پاس آ۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔  
لا یبقین فی المسجد باب ابی بکر لہ  
مسجد میں بچھنے بھی دروازے ہیں ان کو بند  
کر دیا جائے البتہ ہاں باب ابی بکر کھلا رہے۔  
ایک دفعہ ارشاد ہوا۔



لَوْ كُنْتُ مُتَخَدِّعًا مِمَّنْ مُؤْمِنًا خَلِيلًا  
لَا تَخَذُّتُ آبَا بَنِيكَ وَلَكِنَّ أَخِي وَ  
الرَّحِيمِ ابْنِي أُمَّتٍ مِّنْ سِوَى كُورِ بَنِي عَمَلٍ  
بَنَاتَا قَوْمِ الْبُؤْسِ بَنَاتَا. لَيْسَ وَهِيَ  
صَاحِبِيَّ - لَه

عزودہ بدر کے بیان میں گزر چکا ہے کہ میدان جنگ میں آنحضرتؐ کے خیمہ میں آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی تھے اور جب وہ عبدالرحمن سے جنگ کرنے کے لئے جاتے گئے تو ان حضرتؐ نے ان کو روکا اور فرمایا تم یہیں خیمہ میں رہ کر مجھ کو زیادہ فائدہ پہنچا سکتے ہو یعنی مشورہ وغیرہ کے سلسلہ میں۔

کیا آنحضرتؐ نے قولاً و عملاً کسی کے اگرچہ آنحضرتؐ نے کسی کو بھی مراحتہ اپنی جانشینی استخلاف کی طرف اشارات کئے ہیں کیلئے نامزد نہیں فرمایا لیکن اگر آپ کے قول و عمل سے یہ پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس باب میں آپ کا گوشہٴ چشم خاطر کس کی جانب تھا تو بے شبہ وہ خوش قسمت ذات اور شخصیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہی تھی۔ آنحضرتؐ کے دینی مناصب میں سب سے بڑا منصب امامتِ صلواتہ تھا جس کو امامتِ ظہری بھی کہتے ہیں۔ تم پر طحا آئے ہو کہ آنحضرتؐ نے یہ منصب مرضِ الوفا میں حضرت ابوبکرؓ ہی کو تفویض فرمایا تھا اور وہ بھی کس امر کے ساتھ حضرت عائشہؓ حضرت حفصہؓ کے اشارہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رقتِ قلب کا عند کرتی ہیں اور اپنے باپ کے بجائے حضرت عمر فاروقؓ کا نام تجویز کرتی ہیں۔ لیکن آپ ہیں کہ نہیں مانتے اور کوئی عذر نہیں سنتے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو ”صواحب یوسف“ کہتے ہیں اور پھر امر کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی ہی امامت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے آئے یہاں تک فرمایا کہ

لَا يَتَّبِعُنِي لِقَوْمٍ فِيهِمُ الْبُؤْسُ  
يَوْمَئِذٍ يَمَسُّنَ الْأُمِّيَّةَ

جس قوم میں ابوبکر ہوں اس کے لئے یہ مناسب نہیں کہ ابوبکر کے علاوہ کوئی اور شخص امامت صحابہ کرام کیلئے صرف یہ ایک اشارہ ہی کافی تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ

نے جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے استحقاقِ خلافت پر تقریر کی یا اس کا تذکرہ کیا ہے ان کے ”اول من اسلام“ ہونے کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کو امامتِ صلواتہ کا حکم دیا تھا۔

امامتِ صلواتہ کے بعد ایک اہم دینی منصب امامتِ حج ہے اور تم پر طحا آئے ہو کہ اس منصب میں بھی آنحضرتؐ کی حیات ہی میں آپ کی نیابت و جانشینی کا شرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہی حاصل ہوا تھا۔

علاوہ بریں متعدد روایات میں آنحضرتؐ نے اشارات قولاً بھی کئے ہیں ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: اگر تم ابوبکر کو امیر بناؤ گے تو ان کو امین پاؤ گے۔ لے کسی شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ اگر آنحضرتؐ کسی کو اپنا جانشین نامزد کرتے تو کس کرتے؟ فرمایا ابوبکرؓ ایک مرتبہ مرضِ الوفا میں آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ کا ایک بندہ ہے جس کو خدا نے اختیار دیا کہ دنیا یا دہ نعمتیں جو اللہ کے پاس ہیں ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لے تو اس بندہ نے اللہ کی نعمتوں کو اختیار کر لیا۔ حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ اس بندہ سے مراد خود آنحضرتؓ کی اپنی ذات ہے۔ اس لئے بیساختہ روئے لگے اور عرض کیا: ہم سب کی جانیں اور اولاد آپ پر قربان ہوں، آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ ابوبکرؓ کو فرمایا اور اس کے بعد صحابہ سے خطاب کر کے فرمایا: یہ مسجد کے جتنے دروازے ہیں سب بند کر دو البتہ ہاں ابوبکرؓ کے گھر کا دروازہ کھلا رہے دو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میری صحبت میں ان سے زیادہ کوئی افضل ہو۔ لے

یہ روایت ابھی اور گزر چکی ہے کہ ایک عورت کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا: ”اگر تم مجھ کو دنیا میں نہ پاؤ تو ابوبکرؓ کے پاس جانا۔“

آنحضرتؐ نے مرضِ الوفا میں ایک مرتبہ یہاں تک ارادہ کیا کہ صاف صاف حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی وصیت لکھ دیں لیکن آپ نے اس ارادہ کو عملی جامہ اس لئے نہیں پہنچایا کہ کس اس سے نامزدگی کی رسم جاری نہ ہو جائے اور جمہور اپنے

حق انتخاب سے محروم ہو جائیں صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے فرماتی ہیں  
قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں  
فی مرضہ ادعی لی ابابکر ابانک واخلک میں فرمایا کہ ذرا ابوبکر اپنے والد اور اپنے بھائی  
حتی الکتب کتابا غانی اخاف ان یقتنی کو میرے پاس بلا دو۔ تو میں ایک تحریر لکھ دوں  
متمین ویقول قابل انا اولی ویابی اللہ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کوئی تمنا کرے اور کہنے  
والہو مؤمنون الا ابابکر لہ والا کہے کہ میں زیادہ بہتر ہوں حالانکہ اللہ اور  
مؤمنوں کے نزدیک ابوبکر کے سوا کوئی دوسرا بہتر نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جموعات کے دن (یعنی وفات سے تین دن پہلے)  
آنحضرتؐ کی درد کی تکلیف شدید ہو گئی۔ فرمایا تم میرے پاس آؤ۔ میں تمہارے لیے ایک  
ایسی تحریر لکھ دوں کہ پھر کبھی تم گمراہ نہ ہو اور جھگڑانہ کرو، لوگوں کو تعجب ہوا کہ آج  
حضرت کیسی بات کر رہے ہیں۔ انہوں نے دوبارہ حاضر ہو کر معلوم کرنا چاہا کہ اصل  
مطلب حضورؐ کا کیا تھا؟ اب آپ نے فرمایا کہ اچھا! اب مجھ کو تم میری حالت میں چھوڑ  
دو۔ اُس کے بعد آپ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ ایک یہ کہ مشرکوں کو جزیرۃ  
العرب سے نکال دو۔ دوسری یہ کہ وفد سے جس طرح کا معاملہ میں کرتا تھا تم بھی وہی  
معاملہ کرو۔ رہی تیسری وصیت تو وہ آپ نے قصداً بیان نہیں کی یا راوی یعنی  
عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ میں اس کو بھول گیا ہوں۔ لے

حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت دوسری جگہ ان لفظوں کے ساتھ ہے  
”جب آنحضرتؐ کو درد کی تکلیف شدید ہوئی تو ارشاد فرمایا ”تم میرے پاس کتاب  
لاؤ۔ تاکہ میں ایک کتاب لکھ دوں اور تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو۔ عمر نے کہا کہ نبی کریمؐ  
پر درد کا غلبہ ہے اور ہم لوگوں کے پاس اللہ کی کتاب ہے ہی وہ ہمارے لئے  
کانی ہے اس پر بڑا اختلاف اور شور و غل ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا ”اچھا تم  
یہاں سے ہٹو۔ تم کو میرے سامنے جھگڑا نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس  
لے جہ ۲ ص ۲۴۲ باب فضائل ابی بکر لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۸ باب مرضی النبیؐ ووفاتہ“

کو اس وقت حضورؐ کی وصیت کے قلم بند نہ ہونے کا بڑا افسوس ہوا جب کبھی وہ اس  
روایت کو بیان کرتے تھے اس افسوس کا اظہار کرتے تھے، لے  
اگرچہ ان روایتوں سے یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کے اختلاف کے باعث کچھ لکھنے  
لکھانے کا معاملہ اس وقت رفت و گزشت ہو گیا۔ لیکن محدثین نے قیاس آرائیوں  
کی ہیں کہ آخر وہ چیز کیا تھی جو حضورؐ قلم بند کرنا چاہتے تھے۔ بعض محدثین کا خیال  
ہے کہ وہ کتاب الاحکام کی کوئی چیز ہوگی۔ اور بعضوں کے نزدیک آپ خلافت  
کے بارہ میں وصیت کرنا اور خلفاء کے اسما، گرامی لکھنا چاہتے تھے لے

ہمارے نزدیک مذکورہ بالا دوسرا خیال زیادہ قرین قیاس ہے اور اغلب یہ ہے  
کہ آنحضرتؐ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی ہی وصیت فرمانا چاہتے  
تھے چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہ کی جو روایت تم ابھی پڑھ آئے  
ہو اس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے، یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے لے  
لیکن چونکہ راوی کو الفاظ میں شک پیدا ہو گیا ہے اس لئے روایت کے ساتھ ساتھ  
اپنا شک بھی ظاہر کرتا گیا ہے۔ بہر حال شروع کے الفاظ جو آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ  
کو خطاب کر کے ارشاد فرمائے یہ ہیں۔

لقد هممت اواردت ان اوسل میں نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بلا  
الی ابی بکر وابنتہ واعدہ بھیجوں اور خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دوں  
بہر حال صحیحین کی اس روایت کی روشنی میں قرین قیاس بھی ہے کہ آنحضرتؐ مرض  
الوفات میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی وصیت لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن صحابہ کرام میں جو  
اس وقت موجود تھے اس پر اختلاف ہو گیا کہ ایسے وقت میں جبکہ آپؐ کو درد کی شدید  
تکلیف تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے درد کی ایسی شدید تکلیف

لے باب کتابتہ العلم ج ۱ ص ۲۲ لے فتح الباری جلد اول ص ۱۸۶ لے جلد دوم ص ۸۴  
کتاب المرضی بخاری شریف

کسی شخص کو بھی نہیں دیکھی لے آپ کو لکھنے لکھانے کی زحمت دی جائے یا نہیں اس بنا پر آنحضرتؐ نے یہ ارادہ ہی ترک کر دیا۔

حدیث قرطاس پر بحث صحیح بخاری کی یہ روایت جو اوپر گزری حدیث قرطاس کہلاتی ہے۔ مولانا شبلی نے الفاروق میں اس پر بحث کر کے ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مولانا کے دلائل نہایت کمزور ہیں اور ان سے بگڑ ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

مولانا کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱) آنحضرتؐ کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں تبصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرتؐ نے دو شنبہ کے دن انتقال فرمایا اسلئے واقعہ کے بعد آنحضرتؐ چار دن تک زندہ رہے۔

۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرتؐ کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلاف حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں ہے۔

۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے۔ لیکن یہ حدیث باوجود اس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے بائیں ہر ہر عبد اللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

۵) عبد اللہ بن عباس کی عمر اس وقت ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبد اللہ بن عباس خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا۔

۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے جب کاغذ و قلم مانگا تو لوگوں نے

کہا کہ رسول اللہؐ پہلی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔ لے

اب ان دلائل کی حقیقت کیا ہے وہ سنئے۔

لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۲ لے الفاروق مطبوعہ مکتبہ المطابع لکھنؤ حصہ اول ص ۴۹-۵۰

(۱) نمبر ایک سے لیکر تین تک اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ مولانا نے ”بھڑ“ کے معنی نہدیان کے مراد لے رکھے ہیں اس سے قطعاً بحث نہیں کیے بغیر کہ نہدیان ہو سکتا ہے یا نہیں پہلیں بھڑ کے معنی انوکھی سی بات کہنے کے ہیں اصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے بیماری میں قلم کاغذ لانے کے متعلق اچانک جس انداز سے فرمایا صحابہ لو اس پر سخت حیرت و استعجاب دو دو جہوں سے ہوا ایک یہ کہ ان کو یہ خیال ہوا کہ کہیں خدا نخواستہ حضورؐ ہم سے جدا تو نہیں ہو رہے ہیں اور دوسری یہ کہ جب قرآن مجید اور سنت رسول اللہؐ دونوں ان کے پاس ہیں تو پھر اب، آنحضرتؐ کے بعد ان کے گمراہ ہونے کا کیا مطلب ہے۔ حضرت عمرؓ ہوں یا کوئی اور جس کسی نے بھی بھی کہا ہے اس سے اسی درد آمیز حیرت و تعجب کا اظہار کیا ہے چنانچہ ہم نے اس پر حدیث کا جو ترجمہ لکھا ہے اس میں بھڑ کا ترجمہ ”حضور کیسی باتیں کر رہے ہیں“ کیا ہے۔

(۲) نمبر (۳) کی بھی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ ایک واقعہ کو دیکھنے اور سننے والے ہزاروں ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود واقعہ کی روایت جو نمایاں شخصیت کے مالک ہوتے ہیں، انہیں کے حوالہ سے کی جاتی ہے۔ پھر اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ چونکہ مولانا شبلی کے بقول اس وقت صحابہ کثرت سے موجود تھے، اس بنا پر اگر عبد اللہ بن عباس کی روایت خلاف واقعہ ہوتی تو ضرور دوسرے صحابہ اس کی تردید کرتے۔ ان کا خاشا رہنا اس کی دلیل ہے کہ وہ روایت کو صحیح مانتے تھے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن عباس کی عمر ۱۳-۱۴ سال ضرور تھی لیکن وہ عاقل بالغ تھے۔ چنانچہ خود ان کا بیان ہے ”قبض رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم وانا منہ“ اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ کوئی شخص ختمی اسی وقت کہلاتا تھا جبکہ وہ بالغ ہوتا۔

(۴) مولانا کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ عبد اللہ بن عباس خود اس واقعہ کے وقت نہیں تھے۔ اس کے ثبوت میں حاشیہ میں نتجہ ابابہ کے حوالہ سے صرف اتنا

لے اصحابہ جلد دوم ص ۲۲۲ مطبوعہ مصطفیٰ محمد بصر

لکھتے ہیں کہ محدثین نے بدلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ (عبداللہ بن عباس) موجود تھے اس موقع پر مولانا کو عجیب مبالغہ پیش آیا ہے جس کو وہ دلائل قطعیہ فرماتے ہیں اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ حدیث کا ایک ٹکڑا مکر افخر جہ ابن عباس یقول ان الرزویۃ کل الرزویۃ بھی ہے اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس واقعہ مذکورہ کے بعد آنحضرت کے مکان سے نکلے تو اس وقت ان الرزویۃ کل الرزویۃ کہتے ہوئے نکلے اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عبداللہ جو کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے اس روایت کی راوی ہیں وہ تو اس واقعہ کے وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے پھر انہوں نے کیسے دیکھا کہ عبداللہ بن عباس یہ کہتے ہوئے نکلے تھے۔ اس کے جواب میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ آنحضرت کی وفات کے عصر بعد جب عبداللہ بن عباس نے عبداللہ سے یہ روایت بیان کی تو اس کے بعد عبداللہ بن عباس کے دل میں اس واقعہ کا صد مرتبہ تازہ ہو گیا اور اس بنا پر وہ "ان الرزویۃ کل الرزویۃ" کہتے ہوئے چلے گئے اسے بس بات اتنی تھی جس کو مولانا نے کیا سے کیا سمجھ لیا۔ حافظ ابن حجر کے اس بیان سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اصل واقعہ کے وقت خود عبداللہ بن عباس موجود ہی نہ تھے۔

اچھا! اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت عبداللہ بن عباس واقعہ کے وقت موجود نہ تھے تو اس سے روایت کی صحت پر کیا اثر پڑے گا؟ کیونکہ اس صورت میں روایت مرسل ہوگی اور باتفاق محدثین مرسل صحابہ مقبول و معتبر ہیں۔

(۵) مولانا نے (۷) میں پھر وہی نہ بیان والی بات دہرائی ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ نہ بیان کا یہاں کوئی ذکر مذکور ہی نہیں۔

مولانا اس روایت کو حضرت عمر کی شان کے خلاف بتاتے ہیں حالانکہ محدثین لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت عمر کی کتاب فضائل کا ایک روشن باب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ آپ جو کچھ لکھنا چاہتے تھے وہ منصب نبوت کی کوئی چیز نہیں تھی اس واقعہ کے۔ ابھی آپ تین

روز تک عالم ناموس میں رہے۔ اگر منصب نبوت کی کوئی چیز ہوتی تو ضرور لکھواتے یا ایتھا الرسول یبلغ ما أنزل الیک کے حکم آپ اس پر مامور تھے حضرت عمر نے اس کو محسوس کر لیا تھا اس بنا پر آنحضرت کے ساتھ غایت محبت و عشق اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی موجودگی میں اپنے اور دوسرے صحابہ پر یہ اعتماد کہ وہ راہ سے بے راہ نہیں ہونگے۔ ان وجوہ سے انہوں نے خیال کیا کہ حضور کو اس وقت درد کی شدید تکلیف ہے۔ اس حالت میں آپ کو لکھنے لکھانے کی کیوں تکلیف دی جائے۔

حدیث قرطاس کی یہ بحث ضمناً آگئی۔ بہر حال سطور بالا سے ثابت ہے کہ اگرچہ آنحضرت نے اپنی جائزینی سے متعلق کسی خاص شخص کے نام کی تصریح نہیں کی لیکن آپ کا گوشہ چشم التفات اور رجحان قلبی حضرت ابوبکر کی ہی طرف تھا۔

حضرت ابوبکر جو اس راز سے آگاہ تھے اسی وجہ سے اس منصب جلیل کا بارِ عظیم انگیز کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ورنہ وہ جس طبیعت کے انسان تھے ہرگز اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک قاصد محمد بن الزبیر کی معرفت حضرت جن بھری سے سوال کیا کہ کیا آنحضرت نے حضرت ابوبکر کو خلافت کیلئے نامزد کیا تھا؟ حسن بھری یہ سوال سنتے ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: "خدا کی قسم آنحضرت نے حضرت ابوبکر کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ورنہ وہ اس درجہ کے متقی اور اللہ کو جانتے والے تھے کہ ان کو اگر حکم نہ ہوتا تو وہ ہرگز مسلمانوں پر چھلانگ نہ لگاتے" یعنی جھٹ خلیفہ نہ بن جاتے) لے

صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر اس سلسلہ میں کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں تمام صحابہ کا مرتبہ و مقام کرام حضرت ابوبکر کے مرتبہ و مقام سے اچھی طرح باخبر تھے اور اسی کے مطابق آپ کا ادب و احترام کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ ہم آنحضرت کے عہد میں آپس میں ایک دوسرے کے مدارج و مراتب متعین کرتے تھے تو حضرت ابوبکر کو سب سے بہتر سمجھتے تھے لہٰذا ایک موقع پر آنحضرت نے اپنی وفات لے الامامہ تراسیاستہ ج ۱ ص ۲ لے صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۹ باب فضل ابی بکر عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے قریب آجانے کا اشارہ استعارہ کے پیرایہ میں کیا صحابہ میں سے کسی کا ذہن ادھر منتقل نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر فوراً سمجھ گئے اور رونے لگے صحابہ کو حیرت ہوئی کہ اس میں رونے کی کوئی نئی بات تھی۔ آخر حیرت ان کو بھی اصل حقیقت کا علم ہوا تو صاف لفظوں میں اعتراف کیا کہ وہ کان ابوبکر ہوا علمنا۔ لے

در بار نبوت کے شاعر خاص حضرت حسان بن ثابت کہتے ہیں۔

وثانی الثین فی الغار المنیف وقد طاف العدو به اذ سعد الجبلا  
اور مبارک غار کے رفیق ہیں اور جب وہ پہاڑ (احد) پر چڑھے تو دشمن نے ان کو گھیر لیا  
وکان حب رسول اللہ قد علموا من البریة لم یعدل به رجلاً  
اور رسول اللہ کے محبوب ہیں سب لوگ جانتے ہیں کہ پوری دنیا میں انکی برابر کوئی آدمی نہیں ہے  
آنحضرتؐ نے یہ اشعار سنے تو تبسم فرمایا۔ جس سے دندان مبارک نظر آنے لگے اور ارشاد مبارک ہوا لے حسان! تم نے سچ کہا وہ (ابوبکر) ایسے ہی ہیں۔ لے  
ہم نے حضرت ابوبکر کے براہ راست خلیفہ الرسول ہونے کے استحقاق پر بحث کرنے کیلئے جو سات معیار مقرر کئے تھے ان میں سے چھلا کا ذکر ہو چکا اور ان سے ثابت ہو گیا کہ اس معیار پر صدیق اکبر ہی پورے اترتے ہیں اور اس بنا پر کوئی شک نہیں کہ وہ ہی اس مرتبہ و مقام بلند کے مستحق تھے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ حضرت ابوبکر کے کارنامہ ہائے خلافت سے اس کی تصدیق کہاں تک ہوتی ہے کہ وہ ہی تمام صحابہ میں اعزاز کے ساتھ اولین مستحق تھے اس کا جواب آئندہ صفحات میں ملے گا۔

## کارنامہ ہائے خلافت

حضرت ابوبکر صدیق نے جس وقت عنانِ خلافت ہاتھ میں لی، یہ مسلمانوں کے لیے نیک نہایت ہی نازک اور بڑا صبر آزما وقت تھا۔ سب سے بڑا زخم جو ان کے قلب و جگر پر لگا تھا آنحضرتؐ کا حادثہ وفات تھا جس نے دنیا ان کی نگاہوں میں تیرہ و تندر کی تھی خود مدینہ میں منافقوں کا ایسا گروہ موجود تھا جو فتنہ انگیزی کے لئے موقع و بہانہ کی تلاش میں بیٹھا رہتا تھا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت اور مرتدین عن الاسلام کے فتنے نے خود آنحضرتؐ کی زندگی میں سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ اب وہ اس ایک چنگاری کو ہوا دیکر جہنم بنا دینے کا خواب دیکھنے لگے تھے۔ جن قبیلوں کو مدینہ کی سیادت کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتی تھی وہ کل پُرزے درست کرنے کی فکر کرنے لگے تھے۔ غرضیکہ وقتوں اور دشواریوں کا ایک پہاڑ تھا جو خلیفہ رسول اللہؐ کی آنکھوں کے سامنے کھڑا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ہی ہم مسلمانوں کو ایسے حالات سے سابلقہ طرہاً اگر اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ کو عطا فرما کر ہم پر احسان نہ کرتا تو ہم ہلاک ہو جاتے لے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

” رسول اللہؐ کی وفات ہوئی اور میرے باپ پر حوادث و مصائب ٹوٹ پڑے کہ اگر بڑے بڑے مضبوط پہاڑوں پر بھی نازل ہوتے تو انکو ریزہ ریزہ کر دیتے۔ ایک طرف مدینہ میں نفاق گھسا ہوا تھا اور دوسری جانب عرب مرتد ہونے لگے تھے۔ لے

ان سب اندرونی دوسریوں کے باوجود ایک اہم معاملہ یہ درپیش تھا کہ جیسا کہ گذر چکا ہے آنحضرتؐ نے اپنی حیات میں ہی اسامہ بن زید کی سرکردگی میں شام کی طرف ایک لشکر روانہ کیا تھا جو ابھی مقام جرف میں پہنچا تھا کہ حضورؐ کی شدید علالت کی خبر پہنچی اور وہ وہیں ٹھہر گیا۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ صحابہ کرام اور حضرت ابو بکرؓ کی گفتگو اب سوال یہ تھا کہ اس لشکر کو جس مہم پر بھیجا گیا تھا اس پر اسے جانے دیا جائے یا پہلے مرتدین کی سرکوبی کی جائے۔ جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی صحابہ کرام اس سے گھبرائے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ لے دے کے اب یہی مسلمان ہیں جو آپ کے سامنے ہیں اور آپ دیکھ رہے کہ عرب کا کیا حال ہے، وہ آپ سے ٹوٹتے جا رہے ہیں اس لیے مناسب نہیں ہے کہ آپ اس وقت مسلمانوں کو الگ الگ کریں لے لیکن وہ جو خلیفہ رسول تھا۔ وقت کے دریا میں ان اٹھ بھرتوں کی امواج حوادث سے کہیں سرا سیمہ ہو سکتا تھا۔ اس کے سامنے سب سے پہلا کام جو کرنے کا تھا اور ضروری تھا یہ ہی ہو سکتا تھا کہ رسول اللہؐ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جو مہم روانہ فرمائے تھے وہ تکمیل کو پہنچے اور ادھوری نہ رہے حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مدینہ اس طرح خالی ہو جائے کہ میں ہی اکیلا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھ کو بھنبھوڑ کھائیں میں اس وقت بھی اسامہؓ کو آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق اس مہم پر روانہ کروں گا" لے خلیفہ رسول کا یہ قطعی فیصلہ معلوم ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس لشکر میں سن رسیدہ اور تجربہ کار صحابہ شامل ہیں اور اسامہؓ فوجوان ہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ امیر لشکر کسی عمر آدمی کو بنا دیجئے حضرت ابو بکرؓ نے ہی غصہ میں قابو سے باہر ہو گئے اور فرمایا "اے خطاب کے بیٹے! رسول اللہؐ نے اسامہؓ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور اب تم کہتے ہو کہ ان کو معزول کر دوں حضرت عمرؓ یہ سن کر فاپس گئے اور لوگوں کو برا بھلا کہا کہ ان کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ صدیق رضی اللہ عنہما

لے ابن جریر طبری ج ۲ ص ۲۶۱ - لے طبری ج ۲ ص ۲۶۱ و تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۱۷

سے سخت سست سنا پڑا۔ لے

جیش اسامہ کی روانگی ابہر حال حضرت ابو بکرؓ نے اعلان عام کر دیا کہ جیش اسامہ میں جانے کے لئے جو لوگ نامزد کئے گئے تھے ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے۔ سب مقام جرف میں پہنچ جائیں اور خود وہاں پہنچ کر لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔ لشکر روانہ ہوا تو با پیادہ اس کی مشایعت کو چلے حضرت اسامہؓ جو گھوڑے پر سوار تھے بولے "یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں ورنہ میں بھی پیادہ ہوا جاتا ہوں" فرمایا "تم کو خدا کی قسم جو اترو۔ اور میں بھی مرکز سوار نہیں ہوں گا۔ کیا ہوا اگر اللہ کی راہ میں کچھ دیر کے لئے میرے پاؤں غبار آلود ہو گئے۔ غازی کے ہر ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں" اس کے بعد حضرت اسامہؓ سے فرمایا "اگر تم نامناسب نہ سمجھو تو عمرؓ کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ مجھ کو ان کے مشورہ کی ضرورت ہوگی" حضرت اسامہؓ اس پر بخوشی رضامند ہو گئے۔ اب حضرت ابو بکرؓ نے لشکر کو روک کر نہایت قیمتی ہدایات دیں جن کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔ اور لشکر روانہ ہو گیا لے

مہم کی اہمیت اس مہم کی اہمیت خاص طور پر اس وجہ سے تھی کہ جیسا کہ غزوہ موتہ کے بیان میں گذر چکا ہے عرب و شام کی سرحد کے ایک رئیس شرجیل بن عمرو نے اس کے قاصد حارث بن عمیر کو قتل کر دیا تھا اور آنحضرتؐ نے ان کا انتقام لینے کی عرض سے زید بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک فوج بھیجی تھی۔ لیکن اس فوج کو شدید نقصان پہنچا۔ حضرت زید بن حارثہ اور ان کے بعد کیے بعد دیگرے ان کے قائم مقام سب شہید ہو گئے اور فوج واپس ہو گئی۔ اسلامی لشکر کے اس حادثہ نے عرب و شام کی سرحدوں کے رُوسانے قبائل کو جو عیسائی تھے اس قدر ہمت دلا دی تھی کہ یہ لوگ اب مدینہ پر حملہ کرنے کا خواب دیکھنے لگے تھے اور خود مدینہ میں ان لوگوں کے حملہ کا اندیشہ اس قدر عام ہو گیا تھا کہ ایک مرتبہ (ایلا، کے واقعہ میں) عثمان بن مالک نے حضرت عمرؓ فردوق سے دفعہ "اگر کہا تھا کہ" غضب ہو گیا، تو حضرت عمرؓ نے گھبرا کر کہہ دیا "خیر تو ہے کیا لے طبری ج ۲ ص ۲۶۲ لے ایضاً لے صدیق اکبر ص ۵۔

عیسائی آگے، لے

آنحضرتؐ غزوہ تبوک کے نام سے جو ہم لیکر گئے تھے۔ اپنی دشمن اسلام قبائل کی سرکوبی کرنے اور حضرت زید بن حارثہؓ وغیرہ کا انتقام لینے کی غرض سے گئے تھے لیکن حالات ایسے پیش آگئے کہ آپؐ تبوک سے ہی پلٹ آئے۔ بہر حال ان قبائل کا زور ٹوٹنا ضروری تھا اور آپؐ یہ محسوس کرتے تھے کہ اس میں جتنے دیر ہوگی ان لوگوں کا حوصلہ بڑھیکا اسی بنا پر آپؐ نے اپنی ناسازی طبع کے باوجود حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں یشکر روانہ کر دیا تھا۔

حضرت ابو بکر عیث اسامہؓ کی اس اہمیت اور آنحضرتؐ کا جو مقصد تھا اس سے پوری طرح باخبر تھے اسی وجہ سے آپؐ نے جب لشکر کو الوداع کہا تو اور باتوں کے ساتھ امیر لشکر کو اس کی بھی تاکید کی کہ ”رسول اللہؐ نے تم کو جیسا حکم دیا تھا ویسا ہی کرنا اور وہاں دیکھو اس کی تعمیل میں ذرہ برابر کوئی کوتاہی نہ ہو،“ لے

آنحضرتؐ کا حکم کیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا تھا۔

ان یوطی الخیل تحفوم البلقاء والداروم  
من ارض فلسطين  
علاۃ ہیں اسلامی لشکر ان کو پامال کر کے آئے  
فلسطین کی سرزمین میں بلقا اور داروم کے جو  
ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں۔

وامرہ ان یوطی من ابل الزیت من مشارق  
الشام الامرض بالامر دن۔  
اردن کی زمین جو شام کی سرحدوں میں ابل الزیت  
کے علاقہ میں ہے اس کو پامال کریں۔

چنانچہ اب لشکر جو تین ہزار مہاجرین و انصار پر مشتمل تھا جن میں سے ایک ہزار سوار فوج تھی روانہ ہوا (آنحضرتؐ کی وفات کے انیس دن بعد) مدینہ کے شمال میں جہاں قبائل قضاعہ رہتے تھے وہاں پہنچا۔ یہاں سے روانہ ہو کر جب وادی القرئی پہنچا تو حضرت اسامہؓ نے پہلے سے دو جاسوس روانہ کر دئے۔ یہ جاسوس حالات کی تحقیقات کر کے واپس ہوتے ہوئے اپنی تک جو وادی القرئی سے دو دن

لے صحیح بخاری واقعہ ایلا، لے طبری ج ۲ ص ۴۶۲ و ابن عساکر ج ۱ ص ۱۲۲

کی مسافت پر ہے۔ پہنچے ہی تھے کہ اسامہؓ بھی مع فوج کے بہوش بخ گئے جاسوسوں نے حالات امید افزا بیان کئے تو حضرت اسامہؓ نے فوراً حملہ کی تیاری کرنے کا حکم دیا اور اس وقت فوج کو خطاب کر کے فرمایا۔

حضرت اسامہؓ کا اسے مجاہدین اسلام! حملہ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ دشمن اگر بھاگ پڑے فوج کو خطاب تو اس کا بیچپانہ کرنا۔ آپس میں متحد و متفق رہو۔ ہلکی آواز سے بولو۔ اللہ کو اپنے دلوں میں یاد کرو۔ اور تلواریں جب ایک مرتبہ نیام سے باہر نکال لو تو پھر جب تک تم اپنے دشمنوں کا جو تم پر ہتھیارا اٹھائے ہو تمہیں ہر قسم سے مر قلم نہ کرو۔ ان تلواروں کو نیام میں مت رکھو۔“

اس تقریر کے بعد حملہ شروع ہوا۔ دشمن مقاومت نہ کر سکا۔ اور مسلمانوں کی فتح کا اعلان ہو گیا۔ اس وقت حضرت اسامہؓ سجدہ نامی اسی گھوڑے پر سوار تھے جس پر ان کے والد حضرت زید بن حارثہؓ شہادت کے وقت سوار تھے چند مقامی لوگوں نے اس شخص کا بھی نشاندہی کی جس نے حضرت زید کو قتل کیا تھا۔ اسے امیر لشکر کے سامنے لایا گیا تو اس کے حکم سے اس شخص کی گردن اڑادی گئی اور اس طرح موتہ کا انتقام آج پورا ہوا۔

مقام اپنی میں ایک دن قیام کر کے حضرت اسامہؓ نے مال غنیمت اہل لشکر میں شرعی طور پر تقسیم کر دیا۔ اور دوسرے دن یہاں سے روانہ ہو کر وادی القرئی ہوتے ہوئے بخیریت و عافیت مدینہ پہنچ گئے اس پوری مہم میں ایک مسلمان کا بھی جانی نقصان نہیں ہوا۔ حضرت اسامہؓ نے وادی القرئی پہنچ کر مہم کی کامیابی اور اپنی واپسی کا اعلان دربار خلافت کو کر دیا۔ اس خبر سے مدینہ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ جب لشکر مدینہ میں داخل ہوا ہے تو حضرت ابو بکر اور دوسرے صحابہ کے علاوہ خواتین تک اس کے استقبال کیلئے موجود تھیں حضرت اسامہؓ مدینہ میں داخل ہوئے تو اس شان سے کہ اپنے باپ زید بن حارثہ کے گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے آگے آگے حضرت بریدہؓ پرچم اٹھائے چل رہے تھے یاد ہو گا کہ یہ وہی پرچم تھا جو آنحضرتؐ نے وفات سے چند روز پہلے اسامہؓ کو سپرد کیا تھا اور

جس کے متعلق جیشِ اسامہ کی روانگی کے الفاظوں کو جواب دیتے ہوئے حضرت ابو بکر نے کہا تھا کہ جس پرچم کو رسول اللہ ﷺ نے کھولا تھا میں اسے کس طرح پلٹ کر رکھ دوں اس منظر نے سب کو متحیر کر دیا لیکن کون بتا سکتا ہے کہ اس وقت اپنے محبوب آقاؐ کی آخری خواہش کو اس طرح اپنے ہاتھوں میں دیکھ کر خود صدیق اکبر سے قلبِ دگر پر کیا کیفیت گزری تھی غوشی میں حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ حال ہوا کہ تین مرتبہ انکی زبان سے نکل گیا کہ لا اِلهَ اِلاَّ هُوَ - اگر ابو بکر خلیفہ نہ ہوتے تو اللہ کی پوجا نہ ہوتی لے

مہم کا نتیجہ در فائدہ سیاسی اعتبار سے اس مہم کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قیصر روم پر جو اس وقت حمل میں تھا اس قدر اثر ہوا کہ اس نے ملک کے بطارقہ (بشپ پادری) کو جمع کیا اور کہا ”دیکھو یہ وہی لوگ ہیں جن سے میں تم کو خبردار کرتا تھا لیکن تم نہیں مانتے تھے تم ان عربوں کی ہمت و جرات دیکھتے ہو! ایک مہینہ کی مسافت پر آ کر تم پر چھا پہ مارتے ہیں اور صحیح سلامت اسی وقت واپس بھی چلے جاتے ہیں لہٰذا اس کے علاوہ عرب و شام کی سرحدوں پر جو قبائل آباد تھے اور جو آنحضرتؐ کی وفات کی خبر سن کر ہی علمِ بغاوت بلند کرنے پر آمادہ تھے ان کو یقین ہو گیا کہ اگر مدینہ میں مسلمانوں کی جمعیت بڑی مضبوط نہ ہوتی تو ان حالات میں یہ لشکر ہرگز مدینہ سے اتنی دور دراز مسافت پر نہیں بھیجا جاسکتا تھا اس خیال نے ان کے دلوں پر مسلمانوں کی قوت کی دھماک بٹھا دی اور وہ مرعوب ہو گئے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقابلہ نگار ڈبلیو ڈبلیو ڈبلیو لکھتا ہے کہ۔

پیغمبر اسلام نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ جب تک شام کی طرف ہمیں روانہ نہیں کی جائیں گی عرب قبائل پر امن نہیں رہ سکتے۔ ابو بکر اس کی سیاسی اہمیت سے واقف تھے۔ اسی وجہ سے باوجود شدید مخالفت اور سخت خطرات کے انہوں نے اسامہ کی زیرِ قیادت ایک بڑا لشکر شام روانہ کیا تھا، لے

ایک بحث عام طور پر مورخین لکھتے ہیں کہ اس مہم کی تکمیل میں چالیس دن صرف ہوئے لے جزئی طور پر یہ واقعہ تمام تاریخوں میں مذکور ہے لیکن ہم نے تمام تفصیلات تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۲۲ آ ۱۲۲ سے لی ہیں۔ لے ابن عساکر ج ۱ ص ۱۲۲ لے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جدید ڈیٹیشن ج ۱ ص ۱۱۰

بلکہ ابن عساکر نے تو ۳۵ دن کی بھی ایک روایت نقل کی ہے۔ لیکن تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں تاریخوں غلط ہیں اور اس کے وجہ حسب ذیل ہیں۔  
۱) آنحضرتؐ اسامہ جو کاروانی کی اس کا دائرہ بلقا تک جو شام کے جنوب عرب میں واقع ہے وسیع تھا اور مدینہ سے یہاں تک کی مسافت کسی حالت میں چھ سو سواٹھ پانچ سو میل سے کم نہیں ہے۔

(۲) جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ ہر قیل نے اس مہم کی خبر سن کر بطارقہ سے کہا کہ دیکھو یہ لوگ (عرب) ایک مہینہ کی مسافت پر آ کر چھا پہ مار گئے۔ ہر قیل کے اس قول کے بموجب آنے جانے میں کم از کم دو ماہ لگنے چاہئیں۔

(۳) یہ ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر نے یہ مہم ماہ ربیع الاول ۱۱ھ کے آخر میں روانہ کی تھی (۴) پھر یہ بھی ثابت ہے کہ طلحہ کے اسانے پر چند قبائل نے جن کا ذکر آگے آئے گامدینہ کا جو محاصرہ کیا اور وہاں لوٹ مار مچائی تھی۔ یہ واقعہ ماہ جمادی الاخریٰ میں پیش آیا تھا۔ اور اس وقت تک حضرت اسامہ یقیناً واپس نہیں آئے تھے۔ کیونکہ ان قبیلوں کا یہ حوصلہ ہوا ہی اس لئے تھا کہ ان کے وفد نے مدینہ سے واپس ہو کر ان کو اطلاع دی تھی کہ مسلمانوں کی تعداد مدینہ میں کم اور ان کی دفاعی طاقت کمزور ہے اس کے علاوہ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے تصریح بھی کی ہے کہ حضرت اسامہ اس واقعہ کے بعد آئے تھے۔

ثوقد ام اسامہ بن زید بعد  
ذالک بلالیال لے  
اس واقعہ (اعراب) کے چند روز بعد اسامہ  
واپس آئے۔

ماہ جمادی الاخریٰ جو البدایت والنهاية میں مذکور ہے اس سے اگر شروع  
ماہ بھی مانا جائے تو ربیع الثانی اور جمادی الاول پورے دو مہینے پھر بھی ہو جاتے  
ہیں۔

لے البدایت والنهاية ج ۶ ص ۲۰۵ لے البدایت والنهاية ج ۲ ص ۳۱۲

لے البدایت والنهاية ج ۶ ص ۲۰۴



ابن کثیر نے چالیس دن کی روایت نقل کر کے ایک قول ستر (۱۰) کا بھی نقل کیا ہے لہ ہمارے نزدیک یہ ہی قول زیادہ صحیح و قابل قبول ہے۔ اس کی تائید طبری کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

وکان فراعنه فی اربعین اور اسامہ کی فراغت چالیس دن میں ہوئی  
یوماً سووی مقامہ و تھی اور یہ دن ان کے قیام اور واپسی کے دنوں  
منقلبه راجعاً لہ کے علاوہ ہیں۔

چنانچہ اسلامیات کے فاضل اور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس لشکر کی مدت واپسی ستر دن ہی لکھی ہے۔

## ارتداد و بغاوت اور اسکے اسباب

آنحضرتؐ کا دنیا سے رخصت ہونا تھا کہ باشندائے مکہ و مدینہ پورے عرب میں یکایک ارتداد و بغاوت کا طوفان اس زور شور سے اٹھا کہ اسلام کی عمارت کے در و دیوار ہل گئے اور صحابہ کرام اس میں محصور ہو کر رہ گئے۔ ایک راوی کے بیان کے مطابق مسلمانوں کی اس وقت حالت اس بکری جیسی تھی جو کہ موسم سرما کی بارش والی رات میں گھڑی ہو لے بعض یورپین مصنفین نے عرب قبائل کی اس شورش و بغاوت سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اسلام بزدل و شیشیز اور بکیر پھیلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے باعث اسلام کی طاقت میں کچھ ضعف پیدا ہوا تھا کہ عرب نے علم بغاوت بلند کر دیا اور حضرت ابو بکر نے پھر ان کو تلوار کے زور سے اسلام میں داخل کر لیا۔ لہ اس اعتراض سے قطع نظر تاریخ کے ایک طالب علم کو یہ خیال ضرور ہو سکتا ہے کہ آخر اسلام جو ایک دین حق اور مذہب فطرت ہے اس کا یہ نشہ کیسا تھا کہ چڑھا اور فوراً ہی اتر گیا۔ اس خیال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مؤرخ اس قتنہ کو عام طور پر قتنہ ارتداد کے لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں اور ہم نے ان کی پیروی میں ”ارتداد“ کا ہی لفظ لکھا ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ارتداد نہیں تھا۔ اور جو لوگ مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرا ہوئے وہ زیادہ تر وہی لوگ تھے جنہوں نے اگرچہ اسلام کو تہی طریقہ پر کسی لالچ یا دباؤ سے قبول کر لیا تھا مگر قرآن کے لفظوں میں اسلام ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ اسی بنا پر بعض مستشرقین تو ان لوگوں

کوسرے سے مسلمان ہی نہیں مانتے اور ان کی بغاوت کو سیاسی بغاوت کہتے ہیں  
مستشرقین کے رائے پر و فیئر فلیپ مٹی لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ وسائل آمدورفت کی کمی مبلغین کی باقاعدہ تنظیم کا  
فقدان اور قلتِ وقت آنحضرتؐ اور صحابہؓ سے ہر ایک غزوات اور اپنی  
اندرونی تنظیم میں ہی مصروف رہے۔ مبلغین کو بیرون مدینہ بھیجنے کا  
وقت کم ملا۔ یہ اسباب تھے جن کا وجہ سے پیغمبر اسلام کی زندگی میں  
جزیرہ نماٹے عرب کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی مسلمان نہیں ہو سکی تھی  
خود حجاز جو پیغمبر اسلام کی سرگرمیوں کا اصل میدان تھا اس کا حال یہ تھا  
کہ آپ کی وفات سے ایک یا دو سال پہلے مکمل طور پر مسلمان ہوا تھا  
جو دفعہ پیغمبر اسلام کی خدمت میں آتے تھے ظاہر ہے ان کو پر سے عرب کا  
ترجمان نہیں کہا جاسکتا۔ اور کسی وفد کے مسلمان ہوجانے کی حقیقت  
اس سے زیادہ نہیں تھی کہ ایک قبیلہ کے سرداروں نے اسلام قبول  
کر لیا تھا۔“ لے

یورپین مصنفین میں سے مسرتجے ولہا (J. WELLSHAUSEN) اور پروفیسر کیتانی  
(Z. CAETANI) کی رائے یہ ہے کہ کچھ کچھ ہوا سر تا سر سیاسی بغاوت تھی اور  
مذہب کے ساتھ اس کا کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ لے  
وفات نبوی کے وقت اصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت راسخ العقیدہ  
عرب قبائل میں دو گروہ مسلمانوں کے علاوہ جو حجاز اور اطراف میں آباد تھے لے

لے ہسٹری آف دی اریس میں ۱۹۱ لے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جدید اور طیش جہاں ۱۱۰ لے کوہنہ  
اور طائف کے جو قبیلے اس کے علاوہ قریش کے اسلام پر ثابت قدم رہے ان کے نام یہ ہیں۔ مزینہ بخاریہ  
بل، اشجع، آلم اور خزاعہ طائف کا قبیلہ نقیض بھی مترادف ہو گیا تھا۔ لیکن وہاں آنحضرتؐ کے مقررہ کردہ  
عال عثمان بن العاص تھے۔ انہوں نے بڑی تدبیر کام کیا۔ اور ان لوگوں کو کہا کہ اس کو اولاد نقیض تم سے جو عربوں کا  
باقی صفحہ ۱۵۷ میں

عرب قبائل دو قسم کے تھے جن کے تفصیلی حالات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔  
اعراب ایک قسم تو ان قبیلوں کی تھی جو مدینہ طیبہ کے قرب و حوا میں آباد تھے مثلاً عس  
ذبیان، سونکمانہ، عطفان اور فرزارہ۔ یہ وہ لوگ تھے جن تک اگرچہ اسلام کا پیغام پہنچا  
تھا لیکن چونکہ آنحضرتؐ نے بیرون حجاز میں اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کے تمام  
فرائض و واجبات کی تعلیم کا باقاعدہ پروگرام وفات سے صرف ڈیڑھ دو برس پہلے  
ہی شروع کیا تھا اور اس مقصد کے لئے معلمین و مبلغین کا تقریر عمل میں آیا تھا اس  
بنا پر مدینہ کے قرب و حوا میں رہنے والے قبائل نے اس پیغام کو سنا اور اسے قبول  
بھی کیا۔ لیکن چونکہ ان کو براہ راست آنحضرتؐ کی صحبت و خدمت میں رہنے کا زیادہ  
موقع نہیں ملا اس لئے اسلام کی اصل روح سے وہ آشنا نہیں ہو سکے تھے۔ اور  
ان کا ایمان پختہ نہیں تھا۔

قرآن مجید میں ان لوگوں کو اعراب کہا گیا ہے اور جگہ جگہ ان کو متنبہ کیا گیا ہے  
کہ ان کا ایمان پختہ نہیں ہے۔ سورہ الحجرات میں ہے۔

اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں لے۔  
قَالَتِ الْأَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَوْ  
تَوَفَّيْتُمْ وَلٰكِنْ قَوْلُوْا اٰسَلَمْنَا  
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ  
مُحَدِّثِ اَبِہٖ دیکھئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو  
لٰكِنْ ہَا ہُوَ کہ ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے  
وَاِنْ تُطِيعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَا  
يَلْتَكُم مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا طَاٰ  
درا بخالیکہ ایمان تمہارے دلوں میں نہیں  
داخل ہوا ہے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول  
کی اطاعت کرو تو تمہارے عملوں میں سے اللہ  
اللّٰہ عَفْوٌ رَّحِيْمٌ۔

کچھ کہ نہیں کرے گا۔ لے شبہ اللہ غفور و رحیم ہے۔

ان اعراب میں اور راسخ العقیدہ مسلمانوں میں کیا فرق تھا؟ قرآن  
نے اس کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے تاکہ کسی شخص کو اعراب کے  
رُاس لے اب جب سے پہلے مترادف بن عثمان بن العاص کا یہ فقرہ کام کر گیا اور یہ لوگ ارتداد  
سے باز آ گئے۔  
(الصدیق ابو بکر محمد بن حسین سہیل ص ۸۲ مطبوعہ مصر)

سمجھنے اور پہچاننے میں کوئی وقت نہ ہو۔ فوراً ہی ارشاد ہوا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا  
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ كَرِهُوا يَبُولُوا  
وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُوَ  
الصَّدِيقُونَ

مومن تو صرف وہ ہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس  
کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں پھر وہ تنگ بھی  
نہیں کرتے اور اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان  
کے ساتھ جدوجہد کرتے ہیں اور بس وہی لوگ  
سچے ہیں۔

یہ اعراب وہی لوگ ہیں جو آگے چل کر مائین زکوٰۃ بنے اس چیز کو ذہن میں رکھو  
اور دیکھو کہ قرآن کس بلاغت سے اعراب اور مومنوں میں فرق بتاتے ہوئے خبردار کر  
رہے ہیں۔

ہاں، ان اعراب نے اسلام کی ظاہری شوکت و عظمت اور اس کے سیاسی اقتدار و استیلا کو  
دیکھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن درحقیقت ایمان اب تک ان کے  
دلوں میں اترا نہیں ہے اور اہل بیت کو یہ بھی تنگ نہیں ہوئے ہیں۔ اس بنا پر ان کو اب تک  
شکوہ و شبہات ہیں اور یہ اللہ کے راستے میں جان و مال خرچ کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہیں۔  
چنانچہ اعراب کی اس شکر گرجی کو ایک اور آیت میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے۔

سَيَقُولُ لِكُلِّ الْمُضَلِّقُونَ  
الْأَعْرَابِ شَغَلْنَا أَمْوَالَنَا  
وَأَهْلوانَا فَاسْتَعْفِرْنَا لِقَوْلِ  
بِالْسُّنْتِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِ  
بِهِمْ  
قُلْ مَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ  
شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ  
أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ط بَلْ كَانَ اللَّهُ  
بِمَا تَعْمَلُونَ جَبِيرًا

جو اعراب بچھڑ گئے ہیں وہ آپ سے کہیں گے  
کہ ہم کو ہمارے مال اور متعلقین نے مشغول  
کر لیا۔ اب آپ ہمارے لئے مغفرت طلب  
کیجئے۔ یہ لوگ اپنے زبانوں سے ایسی بات کہتے  
ہیں جو لکھ دل میں نہیں ہے۔ اسے محمد آپ ان  
کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تم کو نقصان پہنچائے یا نفع  
تو اللہ کے اس ارادہ کو تمہارے لئے کون روک  
سکتا ہے؟ بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس  
سے باخبر ہے۔

(الفتح)

پھر اس کو قرآن کے اعجاز کے علاوہ اور تم کیا کہہ سکتے ہو کہ اس نے ان اعراب کی  
ایمانی کمزوریوں کی ہی پردہ دردی نہیں کی ہے۔ بلکہ اس بات کی بھی پیش گوئی کر دی  
کہ حضرت ابو بکر کے عہد خلافت میں یہ اعراب بچے مسلمان ہو جائیں گے اور پھر ان کو نازک  
در دم جیسی طاقتور قوموں کے مقابلہ میں جنگ کرنے کیلئے بھیجا جائیگا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے  
قُلْ لِلَّهِ خَلْفَيْنِ مِنَ الْأَعْرَابِ  
سَتَدْعُونَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ  
شَدِيدٍ لَقَاتِلُوا لَكُمْ وَأَنْتُمْ  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَجْرًا  
حَسَنًا وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ  
مَنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا  
أَلِيمًا (الفتح)

آپ بچھڑنے والے اعراب سے کہہ دیجئے کہ تمہیں  
رعب و دباب والی ایک قوم کی طرف بلائے جاؤ گے  
تم ان سے لڑو گے یا یہ مسلمان ہو جائیں گے پس  
اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کا اجر  
عطا فرمائے گا۔ اور اگر تم نے ایسی ہی روگردانی کی  
جیسی کہ تم نے پہلے کی تھی تو اللہ تم کو سخت عذاب  
دے گا۔

ہم نے اوپر بتایا ہے کہ مدینہ کے قریب و حجاز میں جو قبائل آباد تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں  
جن کو قرآن نے اعراب کہا ہے۔ چنانچہ خود قرآن میں ہے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ  
حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَخْلُقُوا  
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ (التوبة)

اہل مدینہ اور وہ اعراب جو ان کے ارد گرد  
یعنی اطراف و اکناف میں رہتے ہیں ان کیلئے  
مناسب نہیں کہ وہ رسول اللہ سے پیچھے رہ جائیں۔

یہ وہی لوگ تھے جن کی خاطر خواہ تہذیب نفس اور تنظیم نہیں ہو سکی تھی۔ اور  
اسلام کی پوری حقیقت ان کے ذہن نشین نہیں ہوئی تھی اور اہل بدو ات ہونے کی وجہ  
سے ان کا ذہن امر حق کو فوراً گماں بخشی قبول کرنے کی استعداد سے بے بہرہ تھا۔ اس  
بنا پر خود ان اعراب میں بھی دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو دل و جان سے مومن ہو چکے  
تھے اور دوسرے وہ جو عصبیت جاہلیہ اور اسلام کے درمیان کش مکش سے دوچار  
تھے اور ابھی تک اپنے لئے کوئی قطعی راہ عمل متعین نہیں کر سکتے تھے۔ قرآن نے اعراب  
کی ان دونوں قسموں کو بھی الگ الگ بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

الاعراب اشد کفراً وفاقاً و  
 اجدر لا یعلموا احد و دماً  
 انزل اللہ علی رسولہ ط و اللہ  
 علیہ حکیمہ و من الاعراب من  
 یتخذ ما ینفق مغمراً و یتربص  
 بکم الدوائر علیہم دائرة  
 السوء ط واللہ سمیع علیہ۔  
 (التوبة)

اعراب کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور  
 اس لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام  
 اتارے ہیں ان کے حدود کو نہ جانیں اور اللہ  
 علیم و حکیم ہے۔ اور اعراب میں بعض وہ ہیں جن  
 کا حال یہ ہے کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو ایک ٹیٹہ  
 سمجھتے ہیں اور (سے مسلمان) اس کا انکار کرتے  
 رہتے ہیں کہ تم کو چشم زخم پہنچے۔ یہ وبال انہی پر  
 پڑیگا اور اللہ انہیں اور جانے والا ہے۔

ان کے مقابلہ میں دوسری قسم کے اعراب ہیں جن کا ذکر اس طرح کیا گیا۔

ومن الاعراب من یومن باللہ والیوم  
 الآخر و یتخذ ما ینفق قربت عند اللہ  
 و صلوات الرسول ط الا انها قریبۃ  
 لہم ط سید ظلم اللہ فی رحمته ط  
 ان اللہ عفوف رحیم ط  
 (التوبة)

اور اعراب میں بعض وہ ہیں جو اللہ اور یوم آخر پر  
 ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو  
 اللہ سے تقرب کا اور رسول کی عداوت کا ذریعہ  
 سمجھتے ہیں ہاں نیک وہ ان کیلئے تقرب الہی کا  
 ذریعہ ہے۔ اللہ متقرب ان کو رحمت میں داخل کرے  
 گا۔ بیشک اللہ عفوف و رحیم ہے۔

غور کرو پہلی قسم کے اعراب کی خاص صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے  
 ہیں اس کو بڑا بڑا سمجھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ طبعاً بخیل اور نجوس تھے یا کم از کم  
 انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت ان کے ذہن نشین نہیں ہوئی تھی وہ اپنے آپ کو مسلمان  
 کہتے بھی تھے ان کے نزدیک اسلام صرف نماز اور روزہ کا نام ہوگا۔ ان کا اصول  
 زندگی "مکرر طلبی سخن دریں است" تھا لہ

لہ اسی قسم کا ایک اعرابی تھا جو ایک مرتبہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور اسلام پر بیعت کی اس کے  
 بعد اسے بخارا گیا۔ تو اب اس نے حضور سے کہا کہ "میری بیعت کو منسوخ کر دیجئے" آپ نے  
 ایسا کرنے سے انکار فرمایا۔ اعرابی پھر آیا۔ اور وہی درخواست کی آپ نے پھر انکار فرمایا (باقی صفحہ  
 آئندہ)

اس کے بعد ایک بات یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کا باقاعدہ حکم فتح مکہ کے بعد ۸ھ  
 کے آخر میں نازل ہوا ہے اور آنحضرتؐ نے ۹ھ کے شروع میں اس حکم کی تبلیغ  
 و اشاعت اور زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے اپنے عمال و مقرر اطراف و جوانب میں روانہ  
 کئے ہیں اس بنا پر ان خاص اعراب کا ذہن زکوٰۃ کے بارہ میں صاف نہیں تھا۔ اسمیں  
 شک نہیں کہ ان میں شرارت پسند بھی تھے۔ لیکن یہ بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ انہیں اگر  
 بیشتر ایسے بھی تھے جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یہ سمجھ بیٹھے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم  
 صرف آنحضرتؐ کی زندگی تک کیلئے تھا۔ یا اگر اب بھی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم اپنی  
 زکوٰۃ مدینہ ہی بھیجیں۔ اپنے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کر کے ہم خود اپنے فقرا  
 پر بھی خرچ کر سکتے ہیں اپنی زکوٰۃ جمع کر کے مدینہ بھیجے کہ وہ لوگ ایک طرح کی زبردستی  
 سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عمر و بن العاصؓ عمان سے واپس ہوتے ہوئے بنو عامر کے  
 علاقوں سے گزر رہے تھے کہ درمیان میں قرظہ بن ہبیرہ کے پاس قیام کیا۔ قرظہ نے  
 خوب خاطر مدارات اور تواضع کی جب عمر و بن العاصؓ رخصت ہونے لگے تو قرظہ ان  
 کو تنہائی میں لے گیا۔ اور بولا کہ اگر آپ لوگ (یعنی مدینہ واسطے) ہم سے مال لینا چھوڑ  
 دیں تو ہم سب عرب آپ کے مطیع و فرماں بردار رہیں گے۔ ورنہ ہم اس تادان کو قبول  
 نہیں کر سکتے اور آپ کے ساتھ متفق نہیں ہوں گے۔ حضرت عمر و بن العاصؓ قریش  
 کے نامور ارباب سیاست میں سے تھے قرظہ کی اس دھکی کے جواب میں بولے "کیا تو  
 کافر ہو گیا ہے اور تو ہم کو عرب کی دھکی دیتا ہے۔ میں تم لوگوں کو کھوڑوں سے  
 پامال کر دوں گا" یہ کہا اور روانہ ہو گئے لہ

ان لوگوں کے اس خیال کو تقویت اس سے بھی ہوئی ہوگی کہ جو قبائل عرب  
 مسلمان ہوتے جاتے تھے آنحضرتؐ ان کی آزادی اور اعلیٰ اخلاص والی غور و تمنا ہی قائم  
 رکھتے تھے۔ بازان یا بدھان (علی اختلاف الروایات) جو حکومت فارس کی طرف سے  
 بقیہ گنتی اب اعرابی اسی حالت میں مدینہ چھوڑ کر چلا گیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: "مدینہ ایک بھٹی کی مانند ہے  
 جو کھڑے کھوٹے کو الگ کر دیتی ہے۔ صبیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۔ باب بیعت الاعراب ط ج ۲ ص ۲۸

یمن کا گورنر تھا مسلمان ہوا تو آنحضرتؐ نے اُسکی سیادت کو جوں کا توں برقرار رکھا بحرین اور حضرت موت کے امر نے اسلام قبول کیا تو آپؐ نے اُن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا اور حکم دیا ان علاقوں کے مالداروں سے جو زکوٰۃ وصول کی جائے وہ انہیں کے فقیر و غریبوں پر خرچ کی جائے لے ان وجوہ کی بنا پر جب تک آنحضرتؐ اس عالم ناموست میں تشریف فرما رہے یہ لوگ مطیع اور فرماں بردار رہے لیکن آپؐ کی وفات کے بعد ہی انہوں نے محسوس کیا کہ اب مدینہ کی اسٹیٹ کو زکوٰۃ دینا گویا اس کا باج گزرا ہونا ہے اور اپنی قبائلی عصبیت کی وجہ سے وہ اس ننگ کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتے تھے۔

قبائل عرب میں اعراب کا یہ ہی وہ طبقہ ہے جن کو ہمارے مؤرخین مرتد لکھتے ہیں لیکن درحقیقت یہ مرتد نہیں تھے۔ بلکہ مسلمان تھے۔ البتہ مختلف اسباب کی بنا پر جن کا ذکر ابھی ہوا۔ اپنی زکوٰۃ مدیرہ اسٹیٹ کو نہیں دینا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے جیسا کہ اپنے موقع پر ہم بیان کریں گے حضرت عمر اور دوسرے صحابہ کرام ان لوگوں سے جہاد و قتال کرنے کے حق میں نہیں تھے۔

سرکش دباغی قبائل (۲۱) ان اعراب کے علاوہ دوسرے قبائل وہ تھے جو مدینہ سے دور دراز اس کے جنوب میں یمن اور اس کے گرد و لوزاخ میں شمال مشرق کی جانب عرب و شام کی سرحدوں پر آباد تھے۔ مؤرخین ان کو مرتد کہتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ایک عام غلط فہمی ہے آنحضرتؐ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ طبری نے سدی کے واسطے سے روایت کی ہے حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرتؐ کی طرف سے اعلان برأت کے بعد کفار عام طور پر مسلمان ہو گئے تھے۔ اس بنا پر اب بغاوت و سرکشی کا طوفان اٹھا تو اس کو از تدارکے سوا اور کیا کہیں؟

لہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل کو آنحضرتؐ نے جب اسلام کی دعوت اور اسکی تبلیغ و اشاعت کیلئے یمن بھیجا تو جہاں اور ہدایات کیں آپ نے معاذ بن جبل کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ اخبرہم ان اللہ قد فرغ من علیکم صدقۃ تو خدمن اعینا ہم فلو دعی فخر اہم (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۳) باب بعث ابی موسیٰ و جعفر ابی بکر

لیکن حق یہ ہے کہ یہ قبائل سر سے سے اسلام کی لذت سے آشنا ہی نہیں ہوئے تھے فتح مکہ کی بعد جب قریش بھی سب کے سب مسلمان ہو گئے اور اسلام کی ایک زبردست اسٹیٹ مدینہ میں قائم ہو گئی تو عرب کے ان قبائل نے آنحضرتؐ کی خدمت میں اس کثرت سے وفد بھیجے شروع کر کے ۹ھ کا نام ہی عالم الوجود ہو گیا لیکن ان وفد نے آنحضرتؐ سے جس طرح اگر گفتگو کی ہے اس سے صاف نظر آتا ہے کہ اگرچہ ہر قبیلہ کے دو چار آدمیوں نے اسلام کو صدق دل سے قبول کر لیا تھا لیکن قبائل کا عام انداز یہ تھا کہ گویا وہ ایک سیاسی طاقت کے سامنے منخرم کر رہے ہیں اور ایک فاتح سے اپنے معاملات طے کر کے اپنے قبیلہ کیلئے معاشی اور سیاسی مراعات حاصل کرنا چاہتے ہیں دین اور روحانیت کا ان کی گفتگو میں بہت کم شائبہ تھا۔ اس بنا پر اگرچہ ان قبائل نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کر لیا لیکن یہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ کب ان کو موقع ملے اور یہ اسلام کے باالفاظ صحیح تر مدینہ کی ریاست کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں چنانچہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ہی ان کو موقع ملا اور وہ جھٹھ اسلام کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

ہم اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے ذیل میں ان قبائل کے وفدوں کی آنحضرتؐ کے ساتھ گفتگو کی مختصر روئیداد لکھتے ہیں کہ تاریخین کو اندازہ ہو سکے۔ کہ جن لوگوں کا آنحضرتؐ ایسا یہ طرز گفتگو ہو گیا ان کو صحیح معنی میں مسلمان کہا جا سکتا ہے؟ اور جب سے مسلمان ہی نہیں تو پھر ارتداد کا کیا ذکر؟

بنو تمیم | اس شورش و بغاوت میں جن قبیلوں نے حصہ لیا ان میں پیش پیش بنو تمیم اور بنو حنیفہ تھے۔ ۹ھ میں بنو تمیم کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا آنحضرتؐ نے ان کو جنت کی بشارت کی پیش کش کی۔ لیکن یہ لوگ اسکی قدر دانی نہیں کر سکتے تھے۔ بولے "قد بترتنا فاعطنا" آپ نے ہم کو خوش خبری دی ہے تو کچھ دیکھیں بھی "آنحضرتؐ کو اس جواب سے بڑا صدمہ ہوا۔ یہاں تک کہ چہرہ کا رنگ بدل گیا اس کے بعد یمن کا ایک وفد آیا تو آپؐ نے اس کو خطاب کر کے فرمایا بنو تمیم نے تو اس پیش کش

کو قبول نہیں کیا۔ تم کہ لو تو ان لوگوں نے کہا ”قبلنا یا رسول اللہ“

بنو حنیفہ اس قبیلہ کو شروع سے ہی اسلام اور آنحضرتؐ کے ساتھ رہا تھا چنانچہ ہجرت سے قبل ایک مرتبہ عکاظ کے میلہ کے موقع پر اور قبیلوں کے علاوہ اس قبیلہ بنو حنیفہ کے لوگوں کے پاس بھی آنحضرتؐ تشریف لے گئے تو یہ لوگ نہایت بد تہذیبی اور ترغ کلائی سے پیش آئے تھے لہٰذا مکہ اور یمن کے درمیان ایک مقام یمامہ ہے یہ قبیلہ یہیں کا رہنے والا تھا۔ میلہ کو اب اس قبیلہ کا ایک فرد تھا جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اسی قبیلہ کا ایک وفد بھی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ میلہ ساتھ تھا۔ اس نے کہا اگر محمدؐ مجھ سے یہ وعدہ کر لیں کہ ان کے بعد میں سردار نہ لگاؤ تو میں ان کی تابعداری قبول کر لوں گا۔ آنحضرتؐ کے ہاتھ میں کچھو کچھو کی ایک شاخ تھی اسے لے ہوئے میلہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس گئے اور فرمایا کہ اگر تو مجھ سے یہ شاخ بھی مانگے گا تو ہمیں دو لگا دے گا۔

اس قبیلہ کا ایک سردار تمامہ بن اثال تھا۔ اگرچہ اس نے بھی ہجرت سے قبل مکہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ نہایت شونخ چٹمی کا معاملہ کیا تھا لہٰذا اور پھر مکہ میں اسی کے علاقہ میں عامر بن الطفیل نے مسلمان مبلغوں اور مہانوں کو دھوکہ سے قتل کر دیا تھا۔ لیکن مکہ میں یہ گرفتار ہو کر مدینہ آیا تو آنحضرتؐ نے اس کو معاف کر دیا اور یہ مسلمان ہو گیا۔ بنو حنیفہ کے کسی شخص نے مذہب بدل دینے پر طعنہ دیا۔ لیکن یہ آخر وقت تک اسلام پر قائم رہے اور نامور صحابی ہوئے تھے۔ مضر امین کا مشہور قبیلہ ہے۔ یہ لوگ کفر میں اس قدر شدید تھے کہ جو لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں آنا چاہتے تھے ان کی راہ میں بھی رکاوٹیں ڈالتے تھے اسی سال قبیلہ عبد القیس کا ایک وفد خدمتِ گرامی میں آیا تو عرض کیا ”ہم لوگ قبیلہ ربیع

سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے آپ کے درمیان مضر کے کفار حائل ہیں۔ ان لوگوں کے اس تشدد و طبع کی وجہ سے ہی ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے اٹکے حق میں بددعا بھی کی تھی۔ درسِ ایہ قبیلہ بھی یمن کا ہے۔ ۹۰ھ میں طفیل بن عمرو والدِ دوسی خدمتِ سانی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قبیلہ دوس کے لوگ آپ کی اطاعت قبول کرتے نہیں اور سرکشی پر تعلق ہوئے ہیں آپ ان کے حق میں بددعا کر دیجئے۔ لیکن رحمتِ عالم نے دعا کی تو یہ کہ ”لے اللہ تو دوس کو ہدایت دے اور ان کو مسلمان بنا دے گے“

اہل بخران | بخران یمن کا مشہور شہر ہے جو مکہ سے سات دن کی مسافت پر ہے عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا۔ اس شہر کے دوسرے دارعاقب اور سید بھی اسی سال بارگاہِ رسالت میں حضورؐ سے مباہلہ کرنے آئے تھے لیکن بعد میں ان کی رائے بدل گئی اور آخرتِ اسلام لائے اور نہ مباہلہ کیا۔ یوں ہی واپس لوٹ گئے تھے۔

اہل حضرموت | اس شورش و بغاوت میں اہل حضرموت نے بھی کافی حصہ لیا تھا اسلام سے قطع نظر۔ ان بد بختوں کو خود آقاؐ نے دو جہاں کی ذات والاصفات کے ساتھ اس روج شدید دشمنی تھی کہ جب بنو عامر بن عوف کے ایک شخص کے ذریعہ یہاں آنحضرتؐ کی خبر وفات پہنچی تو یہاں کی عورتوں نے جن میں شریف و وضع دونوں قسم کی عورتیں تھیں باقاعدہ جتنی مسرت منایا۔ انہوں نے ہاتھوں پر مہندی لگائی اور دف بجانے یہ عورتیں پہلے سے آنحضرتؐ کی موت کی دعائیں مانگتی تھیں۔ ابو جعفر محمد بن حبیب المتوفی ۲۲۵ھ نے ان عورتوں کی تعداد تیس کے لگ بھگ بتائی ہے اور ان میں سے خاص خاص عورتوں کے نام اور ان کے نسب بھی لکھے ہیں۔ موصوف کے بیان کے مطابق یہ عورتیں حضرموت کے مختلف علاقوں مثلاً تبریم، مشطہ، الخیر اور نغمہ وغیرہ میں پھیلی ہوئی تھیں یعنی وہ ان علاقوں کی نمائندگی کر رہی تھیں لہٰذا پس جب عورتوں کی آنحضرتؐ کے ساتھ دشمنی کا یہ عالم تھا تو اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان کا جن قبیلوں

لے بخاری ج ۲ ص ۲۲۴ لے العقد الفرید ج ۲ ص ۲۶۶ جدید پبلیشرز لے بخاری ج ۲ ص ۲۳۰ لے ۶۳۰ لے  
خلائی ج ۲ ص ۲۲۹ لے کتاب الجبر ص ۱۸۳-۱۸۵ مطبوعہ دائرة المعارف حیدرآباد دکن۔

لے بخاری ج ۲ ص ۲۲۶ باب وفد بنی تمیم لے سیرت ابن ہشام لے صبیح بخاری ج ۲ ص ۲۲۸ لے  
اصابت مذکرہ تمامہ لے بخاری ج ۲ ص ۲۲۸ لے حوالہ سے تمامہ بن اثال کا نام  
بھی تمیم کی فہرست میں لکھا ہے۔ (دیکھو طبری ج ۲ ص ۲۲۲) لیکن ظاہر ہے ہم بخدی کے معنی میں لکھا ہے اور صحیح  
تسلیم نہیں ہے۔

سے تعلق تھا وہاں کی عام فضا کیا ہوگی۔  
 بنوعام پھر معاملہ صرف یہیں تک محدود نہیں تھا بلکہ بعض قبیلوں نے آنحضرتؐ کو  
 دھوکے سے قتل تک کر دینے کی سازش کی تھی چنانچہ سلمہ میں عامر بن الطفیل اربد  
 بن قیس اور جبار بن سلمیٰ کی سرکردگی میں بنوعام کا ایک وفد خدمتِ اقدس میں حاضر  
 ہوا تو اسی ناپاک منصوبہ کو لے کر آیا تھا۔ عامر بن الطفیل اور اربد دونوں میں قرارداد  
 ہوئی تھی کہ عامر بن الطفیل حضورؐ کو باتوں میں لگا کر اپنے ساتھ مشغول کر لیا اور اربد  
 اربد موقع پا کر آپؐ پر تلوار کا وار کر دے گا۔ لیکن یہاں پہنچ کر اربد پر ایسی دہشت  
 طاری ہوئی کہ وہ عامر کے اشارہ کرنے کے باوجود ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکا۔ اور آخر  
 دونوں واپس چلے گئے۔

یہی عامر بن الطفیل ہے کہ جب اس کو بعض لوگوں نے اسلام کی دعوت دی تو اس  
 نے پھر جواب دیا تھا۔ میں نے تو قسم کھالی ہے کہ میں اس وقت تک چین نہیں لوں گا  
 جب تک سارا عرب میرا مطیع نہیں ہو جائیگا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں قریش کے  
 ایک حوصلہ مند شخص کی پیروی کروں۔

یہ وفد بنوعامر جب واپس لوٹ رہا تھا۔ تو عامر بن الطفیل کو ایک مقام پر پلٹون  
 ہوا اور قبیلہ بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں مر گیا۔ اربد اپنے قبیلہ میں واپس پہنچا  
 تو لوگوں نے حالات پوچھے۔ اس شخص نے نہایت حقارت آمیز الفاظ میں آنحضرتؐ  
 کا تذکرہ کیا اور بولا "کچھ نہیں۔ یہ شخص (آنحضرتؐ) کس شئی کی عبادت کی ہم کو دعوت  
 دیتا ہے۔ اگر یہ یہاں میرے پاس ہو تو میں اس کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا دوں۔  
 قدرت نے اس بد زبان اور گستاخی کا انتقام اس سے اس طرح لیا کہ اس واقعہ  
 کے ایک یا دو دن بعد وہ اپنا اونٹ لے لے اسے فرخت کرنے جا رہا تھا کہ درمیان  
 راہ میں اچانک اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی گری اور دونوں وہیں جل کر  
 بھسم ہو گئے۔

لے ابن جریر طبری ج ۲ ص ۳۹۸ لے ایضاً طبری ج ۲ ص ۳۹۹ لے ایضاً

یہ جو کچھ تم نے پڑھا جنوبی عرب کا حال تھا۔ شمال مشرق میں عرب دشام کی سرحد  
 پر عسنان قضاہ وغیرہ جو قبائل آباد تھے ان کی فتنہ انگیزی اور شورش پسندی کی  
 کیفیت تم غزوہ موتہ کے ذکر میں پڑھا آئے ہو۔ انہیں کی سرزنش اور تادیب کیلئے  
 آنحضرتؐ نے حضرت اسامہ کی زیر سرکردگی ایک لشکر روانہ کیا تھا۔ لیکن ابھی یہ مقام  
 جرف سے آگے بھی نہیں بڑھا تھا کہ خود حضورؐ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یعنی آنحضرتؐ  
 کی وفات تک یہ قبائل بھی بحیثیتِ مجموعی اپنی اسی جاہلیت پر قائم رہے۔

سطور بالا میں ہم نے قبائل کی ایک عام کیفیت و حالت پر روشنی ڈالی ہے  
 جس سے اندازہ ہو گا کہ ان قبائل کو من حیث المجموع کیونکر مسلمان کہا جا سکتا ہے اور  
 جب یہ مسلمان ہی نہیں تو پھر یہ کہنا کہ خلافتِ صدیقی میں یہ مرتد ہو گئے تھے۔ کیونکہ  
 ہو سکتا ہے۔

اب ہم بعض خاص اشخاص کی نسبت گفتگو کریں گے جن کے متعلق اولاً غزوات نبویؐ  
 میں شریک ہونا اور پھر باغیوں کی قیادت کرنا ثابت ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھی مرتد نہیں  
 عینہ بن حصن الغزازی حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ شخص فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو گیا  
 تھا اور فتح مکہ کے علاوہ غزوہ حنین و محاصرہ طائف میں شریک ہوا تھا۔ پھر آنحضرتؐ  
 نے اس کو بنو العنبر پر جنوبی تمیم کی ایک شاخ ہے چھاپا مارنے کے لئے بھی بھیجا  
 تھا لیکن ابو بکر کے عہد میں مرتد ہو گیا۔

حافظ ابن حجر نے اس کو مسلمان ماننے کے بعد مرتد کہا تھا لیکن تحقیق سے  
 ثابت ہوتا ہے یہ شخص آنحضرتؐ کے زمانہ تک مسلمان ہی نہیں ہوا تھا۔  
 اصل یہ ہے کہ عامر مسلمانوں کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو "مرفقہ القلوب"  
 کہلاتے تھے۔ آنحضرتؐ ان لوگوں کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دلاتے تھے اور انہیں  
 ساتھ دوسری رعایتیں بھی کرتے تھے اور یہ سب کچھ تالیفِ قلب کی غرض سے ہوتا  
 تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ یہ شخص یا تو خود سچا اور لپکا مسلمان ہو جائے اور یا

لے الاصابہ تذکرہ عینہ ابن حصن ج ۳ ص ۵۵

وہ اپنے قید کا کوئی با اثر آدمی ہے تو مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہیں مولفۃ القلوب کی پس صرف یہی حیثیت تھی۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مولفۃ القلوب بیخ مبع مسلمان بھی ہو۔ یہ لوگ غزوات تک میں شریک ہوتے تھے لیکن صرف مالی منفعت اور غنیمت میں حصہ دل ہونے کے لئے اسلام یا جذبہ اقامت دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ ان کے ساتھ رہنے سے بہر حال مسلمان کی تعداد زیادہ نظر آتی ہے اور پھر مال غنیمت میں اپنا حصہ حلال کرنے کی غرض سے یہ لوگ کچھ نہ کچھ کرتے بھی ہوں گے اس بنا پر آنحضرتؐ انھوں نے اپنے ساتھ لگائے رکھتے تھے اور کوئی شبہ نہیں کہ سیاسی اعتبار سے تدبیر و دراندیشی کا مقصد بھی یہی تھا۔ لہ

عینیت بن حصن اپنی قوم کا سردار تھا لہ اور مولفۃ القلوب میں سے تھا لہ غزوہ حنین کے موقع پر آنحضرتؐ نے جن مولفۃ القلوب کو بہت کچھ دیا تھا۔ طبری نے ان کی فہرست دی ہے اور اس فہرست میں عینیت کا نام بھی ہے۔

لہ طبری کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ ۴۔ ابرسعیان بن حرب۔ ان کے بیٹے امیر معاویہ و حکیم بن حزام کو بحیثیت مولفۃ القلوب کچھ زیادہ حصہ دیا کرتے تھے۔ یہ حضرات مسلمان تھے اور اسلام پر قائم رہے اس سے معلوم ہوا کہ مولفۃ القلوب مسلمان بھی ہوتے تھے اور تالیف قلب کا نائدہ صرف سیاسی نہیں دینی بھی ہو سکتا تھا۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ محض غزوات میں شرکت کی بنا پر کسی شخص کے اسلام کا حکم نہیں لگایا جا سکتا تھا اس کیلئے اسکی زندگی کے عام حالات دیکھنے ہوں گے نیز یہ ممکن ہے کہ وہ مولفۃ القلوب میں سے ہوا اور تالیف قلب نے بھی اس کو نہ بدلہ ہو یا منافق ہو لہ چنانچہ حافظ نے اس کا ایک مل جیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ یہ خدمت گراہی میں حاضر ہوا اس وقت حضرت عائشہؓ آپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں عینیت نے حضرت عائشہؓ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا "یہ کون عورت ہے" آپ نے جواب دیا "عائشہ اب عینیت بولا" آپ میری بیوی ام المومنین کو قبول کر لیجئے نا جو عائشہ سے زیادہ بہتر ہے حضرت عائشہ کو یہ سن کر غصہ آگیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا "یہ شخص احمق ہے مگر اپنی قوم کا سردار مطلع ہے" لہ

عبداللہ بن ابی بکر کا بیان ہے کہ یہ سب لوگ اشراف میں سے تھے اور آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو سوادنٹ فی کس کے حساب سے دئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود عینیت کا کیا حال تھا اور اگر وہ مسلمان تھا تو اس کا اسلام کس قسم کا تھا اس کا اندازہ واقعات ذیل سے ہوگا۔ ا

کسی شخص نے آنحضرتؐ سے کہا "یا رسول اللہ! آپ نے عینیت اور اقرب بن حابس کو سوادنٹ دئے ہیں لیکن جعیل بن سراقہ کو چھوڑ دیا۔" آنحضرتؐ نے فرمایا۔

اما والذی نفسی بیدۃ لجعیل  
بن سراقۃ الصنمری خیر من  
طلّاع الارض کلّہم مثل عینیت  
بن حصن والاقرب بن حابس  
لکنی تألفتهما یسلما وکلّت  
جعیل بن سراقۃ الی اسلامہ لہ

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اسکی قسم! اس میں شک نہیں کہ جعیل عینیت اور اقرب جیسے تمام دنیا بھر کے چھاپہ باروں سے زیادہ بہتر ہے۔ لیکن میں ان دونوں (عینیت اور اقرب) کی دل جوئی کرتا ہوں تاکہ یہ مسلمان ہو جائیں اور رہا جعیل تو اس کو میں نے اس کے اسلام کے حوالہ کر دیا ہے۔

غور کرو! آنحضرتؐ کا "یسلما" فرمانا صاف بتاتا ہے کہ اس وقت تک یہ دونوں آپ کے نزدیک مسلمان نہیں تھے۔ اس طرح ایک مرتبہ مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں چند انصاریوں کی نسبت آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس بات کے شاکھی ہیں کہ آپ مولفۃ القلوب کو تو کافی دے رہے ہیں۔ لیکن انصار کو نظر انداز کر رہے ہیں تو آپ نے فوراً تمام انصار کو جمع کیا اور ایک نہایت مؤثر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

تآلفت بہا قوماً یسلموا  
ووکلتکم الی الاسلام لہ

میں ان عطیات کے ذریعہ ایک گروہ کی دل جوئی کرتا ہوں تاکہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور تمکو انے انصار اسلام کے حوالہ کر دیا ہے۔

لیکن عینیت کی فطرت احسان ناشناس تھی۔ آنحضرتؐ کی اس غیر معمولی داد و بخش



کے باوجود وہ آپ کے مرف انہیں احکام کی تعمیل کرتا تھا جو اس کے ذاتی مفاد سے نہیں ٹکراتے تھے۔ غزوہ حنین میں اگرچہ اس کو سوانٹ مل چکے تھے لیکن اس کے باوجود آنحضرتؐ نے فریق مخالف کی ایک بڑھیا کو جو گرفتار ہو کر آئی تھی۔ باندی بنانے سے منع کیا تھا۔ عینیتہ ناما اور زبردیر کے لٹنچ میں اسے بھی اپنے قبضہ میں کر لیا اور آنحضرتؐ کے حکم کے باوجود اسے واپس کر دینے سے انکار کر دیا لے

علاوہ بریں اس نے جاہلیت کے عادات و رسوم کو بھی ترک نہیں کیا تھا اور اس بنا پر آنحضرتؐ کے ساتھ کبھی بڑی بے ادبی اور گستاخی سے پیش آتا تھا طبری نے ۹ صفحہ کے واقعات میں عبداللہ بن ابی بکر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ بنو تمیم کا وفد آیا۔ عینیتہ بن حصین الفزاری اور اقرع بن حابس یہ دونوں بھی ساتھ تھے آنحضرتؐ نے انہیں نہ میں تشریف رکھتے تھے، ان لوگوں نے بڑی بے ادبی سے بیچ کر حضورؐ کو آواز دی اور باہر آئے کیلئے کہا۔ آپ باہر تشریف لائے تو ان لوگوں نے کہا۔ ہم آپ سے حسب و نسب میں مفاخرت کرنے کی عرض سے آئے ہیں آنحضرتؐ نے انکا چیلنج قبول کر لیا اور ان کے خطیب کے مقابلہ میں اپنے خطیب ثابت بن قیس اور ان کے شاعر زید بن عدی کے مقابلہ میں اپنے شاعر حسان بن ثابت کو حکم دیا کہ انکے مہنوب کا جواب دیں طبری نے اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے اور جانیں کے خطبے اور اشعار نقل کئے ہیں ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بعض غزوات میں شریک ہونے کے باوجود عینیتہ اور اس کے دوسرے ساتھی۔ اقرع بن حابس۔ عطار بن حاجب بدستور عہد جاہلیت کے رسوم و افکار پر قائم تھے اور اسلام کی کسی تعلیم کا ان لوگوں کی زندگی پر کوئی اثر نہیں تھا لے

اسی کا یہ اثر تھا کہ جب طلیم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو عینیتہ جھٹل اس کا دست راست بن گیا اور اب وہ کہا کرتا تھا "خدا کی قسم دو تبلیغوں میں سے کسی ایک نبی کا ہم اتباع کریں"

یہ ہمارے لئے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک قریشی نبی کی پیروی کریں لے عینیتہ کا اقرار کہ وہ مسلمان نہیں تھا بہر حال اس لحاظ سے ہم کو عینیتہ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے اپنے اسلام قبل از ارتداد کے بارے میں ہم کو کسی مغالطہ میں نہیں چھوڑا جب یہ گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا ہے تو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ اسکی گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ مدینہ کے لڑکے کھجور کی ایک شاخ سے اس کو نہکاتے پھرتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اود ثمن خدا! تجھ کو آخر یہ کیا سوچھی تھی کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا۔ عینیتہ اس کے جواب میں کہتا تھا "قسم خدا کی میں تو کبھی ایمان لایا ہی نہیں تھا لے

اس سلسلہ میں ایک خاص اہم بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کا خون معاف کر دیا اور درگزر فرمایا لے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ عینیتہ حضرت ابو بکرؓ کی رائے میں مرتد نہیں بلکہ باغی تھا۔ دوسرے لوگ عینیتہ پر اس قسم کے دوسرے لوگوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے عباس بن مرداس سلمیٰ اور اقرع بن حابس یہ بھی مولفۃ القلوب میں سے تھے اور اس حیثیت سے غزوات تک میں شریک ہوتے تھے لیکن عالم یہ تھا کہ غزوہ حنین میں عباس بن مرداس کو دوسرے مولفۃ القلوب سے حصہ کم ملا تھا تو یہ شخص بڑا کیا اور چند اشعار پڑھے جن میں یہ دو شعر حافظ ابن حجر نے نقل کئے ہیں۔

اتجحل نھبی و تخب العبید      بین عینیتہ والاقراع  
وماکان حصن ولا حابس      یفوقان مرداس فی جمع

ترجمہ۔ اے محمد! کیا آپ میرا دوسرے گھوڑے عبید کا ٹوٹا ہوا مال عینیتہ اور اقرع کے درمیان تقسیم کرتے ہیں حالانکہ حصن اور حابس یہ دونوں بھی کسی جمع میں مرداس پر نائق نہیں ہو سکتے تھے

لے طبری ج ۲ ص ۲۸۹ ماحرہ طائف کے موقع پر عینیتہ بھی اسلامی لشکر کے ساتھ تھا یہاں کسی شخص نے عینیتہ کو مشرکین کی تعریف کرتے سنا تو اس سے کہا "عینیتہ خدا تجھ کو غارت کرے۔ تو آیا ہے محمد رسول اللہؐ کی مدد کرنے لیکن تو یہ تعریف کر رہا ہے مشرکین کی" عینیتہ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم میں تو تم مسلمانوں کے ساتھ (باقی صفحہ)



اصل یہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا، آنحضرتؐ کی نبوت کے تیرہ سال تو مکہ مکرمہ میں بسر ہو گئے تھے یہاں اگرچہ حج کے موقع پر عرب کے مختلف قبائل کے لوگ آتے تھے اور آنحضرتؐ ان کو اپنا پیغام پہنچاتے تھے۔ لیکن اقل تو یہ پیغام ظاہر ہے کہ چند آدمیوں تک ہی پہنچا تھا اور پھر جو لوگ اسکو سنتے تھے وہ بھی مختلف طبیعت اور مختلف استعداد کے تھے۔ ان میں کچھ صدق دل سے اسکو سنتے تھے اور کچھ مسلمان ہو جاتے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو تھوڑا بہت اثر قبول کرتے تھے لیکن قبیلہ میں پہنچنے کے بعد وہ اثر زائل ہو جاتا تھا اور کچھ ایسے بھی تھے جن کے دل سر سے پسیمت ہی نہیں تھے، اس کے علاوہ چونکہ قریش کی سخت ترین عداوت کے باعث خود آنحضرتؐ اور آپ کے جہاں نشا دل کو سخت ترین مشکلات اور دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا اس لئے تبلیغ اسلام کا ایک ہمہ گیر نظام قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر جب آپ مدینہ ہجرت کر گئے تو مدنی زندگی کے آٹھ سال غزوات و درایا میں صرف ہو گئے اور اس کا اثر اگرچہ یہ مزور ہوا کہ حجاز کی بڑی آبادی مسلمان ہو گئی لیکن یہاں بھی منافقین کا ایک مستقل گروہ موجود تھا۔ پھر یہود و نصاریٰ بھی تھے جو یقیناً اسلام کے اس عروج پر خوش نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ تو خود حجاز کا عالم تھا۔ رہ گئے وہ قبائل جو مدینہ سے دور دراز کے فاصلوں پر آباد تھے۔ تو اگرچہ آنحضرتؐ نے آخر عہد نبوت میں ان میں تبلیغ اسلام کے لئے مبلغین اسلام کے وفد روانہ کئے لیکن چند در چند وجہ کی بنا پر یہ سب قبائل اس قدر جلد اسلام کی دعوت کو لبیک کہنے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکے اور وہ وجوہ حسب ذیل ہیں۔

۱) عرب عا رب اور متعربہ یعنی جنوبی عرب اور شمالی عرب کے قبائل میں دیرینہ عداوتیں تھیں یہاں تک کہ شمالی عرب کے لوگ خدا کو اللہ کہتے تھے تو جنوبی عرب کے قبائل رحل کہتے تھے۔ مسلمہ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو بعض اس کے ساتھ صاف کہتے تھے کہ ہم جانتے ہیں کہ مسلمان جھوٹا ہے اور محمدؐ سچے ہیں لیکن بایں ہمہ کذاب ربیعہ احب الیسا من صادق مضن، قبیلہ اربیعہ کا جھوٹا مہر کے سچے سے ہم کو زیادہ محبوب ہے۔

۲) یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس اور منافقین۔ یہ لوگ اسلام کے دشمن اور موقع کے منتظر تھے ہی۔ اب انہوں نے قبائل عرب میں بے چین دیکھی تو انہیں شہ دیکر اور آمادہ بفساد کر دیا چنانچہ سجاج بنت احارث جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کے ساتھیوں میں ایک بڑی تعداد بنو تغلب کے عیسائیوں کی تھی۔ لے

اسی طرح بحرین میں حطم کی زیر قیادت مجوسیوں نے بغاوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ (۳) پھر سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ رومیوں اور ایرانیوں میں مدت سے چپقلش چلی آرہی تھی اور عرب کے خانہ بدوش قبائل ان دونوں حکومتوں کے علاقوں پر گئے دن چھاپے مارتے تھے اس بنا پر دونوں نے اپنی اپنی سرحدوں پر ان عربوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر دی تھیں جنکو آجکل کی اصطلاح میں درمیانی مملکتیں (BUFFER STATES) کہا جاتا ہے۔ ایرانیوں نے جبرہ (حال کوفہ) میں ایک عربی ریاست اور رومیوں نے اسی طرح کی ایک عربی ریاست دمشق میں قائم کی۔ ایرانیوں اور رومیوں میں جو جنگ ہوتی تھی تو جبرہ اور دمشق کے عرب اپنی اپنی حامی مملکتوں کے ساتھ دیتے اور اس طرح خود اپنی ہی بروہا کے ٹوکوں کے خلاف صف آرا ہوتے تھے۔ ایرانی اور رومی حکومتوں کی داد و پیش اور عرب نوازی کا اثر صرف سیاسی ہی نہیں بلکہ مذہبی بھی تھا۔ چنانچہ قبیلہ عسٹان جو سدآرب کے ٹوٹنے کے باعث شام کی سرحد پر آباد ہو گیا تھا اس نے عیسائی مذہب ہی قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح بحرین میں باغیوں نے جب حضرت ابو بکر صدیق کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو ایران کی ساسانی حکومت نے ان کی پوری پشت پناہی کی اور ملک بھیج کر ان کی مدد کی لے

ابن عبد ربہ نے ”وفد العرب علی کسری“ کے زیر عنوان بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ عرب کے وفد کس طرح شاہ ایران کے دربار میں جاتے تھے اور وہاں سے بڑے عطیات و صلوات حاصل کر کے آتے تھے لے اسی طرح قیصر روم کی طرف سے ان عربوں کو بڑی بڑی رقمیں سالانہ عطیہ کے طور پر ملتی تھیں۔

ان حکومتوں کا عربوں پر اثر کس قدر عمیق تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے

لے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۱ ص ۱۱۱ لے نوح اعظم الکونی۔ لے دیکھو العقد الفریدی ج ۱ ص ۱۱۱

ہو سکتا ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ حج کے موقع پر آنحضرتؐ اور بچکے ساتھ قبیلہ بنو نزل بن شیبان کے پاس تشریف لگئے اور قتل نہ ہوا۔ اہل ماحذام و کعبہ علیکم السلام ان لا تشركوا ابداً (الایۃ) چند آیتیں پڑھ کر ان کو اسلام کی دعوت دی تو قبیلہ کے سردار مفروق مثنیٰ اور ہانی بن ربیع ان آیتوں سے بڑے متاثر ہوئے لیکن ساتھ ہی بولے کہ اول تو مدتوں کا خاندانی دین اچانک ترک کر دینا زود اعتقاد ہی ہے اور پھر ہم لوگ کسریٰ کے زیر اثر ہیں اور ہم دو دلائل میں باہمی معاہدہ ہو چکا ہے کہ کسی اور کے اثر میں نہ جائیں گے لہ

اسلام کا جب غلغلہ بلند ہوا اور بیہم فتوحات کے باعث اس کے قدم حجاز میں مضبوطی کے ساتھ جم گئے اور مدینہ میں ایک نہایت با اقتدار اسلام کی پہلی ریاست قائم ہو گئی تو اب ایران اور روم دونوں کی مملکتوں کو اپنی فکر ہوئی اور انہوں نے ان عرب قبائل کو جو ان کے احساندار اور دست نگر تھے۔ اسلام کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور آخر کار انہیں بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ آنحضرتؐ نے غزوہ موتہ کا اہتمام نہیں لوگوں کی کے لئے کیا تھا۔ لیکن ابھی اس مہم کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوا تھا کہ آنحضرتؐ کی ہی وفات ہو گئی۔ اور اسلام کے خلاف ریشہ دو انیوں کا جو مواد اندر ہی اندر پک رہا تھا بغاوت کے کوہ آتش فشاں کی شکل میں اچانک پھٹ پڑا۔

## مدعیان نبوت

ظاہر ہے اتنی بڑی اور وسیع تحریک بغاوت کسی لیڈر کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ ان میں الاسود العنسی اس تحریک کا قائد تھا اور میرا مہر میں بنو حنیفہ میں مسلمہ قبیلہ اسد اور عطفان میں ظلیمہ اور قبیلہ بنو تمیم میں سجاح اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے۔ دراصل یہ تو ایک ایک خالص سیاسی قسم کی تھی اور مذہب سے اس کا کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ لیکن چونکہ یہ لوگ لہروض الانف بجز الہام بن ثابت لہ کامل ابن اثیر جلد دوم ص ۲۵۵ مطبوعہ لیدن۔

جاننے تھے کہ اس تحریک کو نہ ہی رنگ دے بغیر کامیاب نہیں بنایا جا سکتا اور پھر آنحضرتؐ کی مثال ان کے سامنے تھی اس بنا پر ان لوگوں نے مذہب کا نام دیکر یہ تحریک شروع کی اور خود اپنے لئے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اب ہم ان مدعیان نبوت کا حال الگ الگ لکھتے ہیں۔

الاسود العنسی | مورخین لکھتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلا شخص جو مرتد ہوا وہ الاسود العنسی ہے لہ۔ اس کا نام بھل بن کعب تھا۔ قبیلہ مذحج کی شاخ عنس سے تعلق رکھتا تھا۔ کہانت اور شجیدہ بازی میں اسکو بڑی دسترس تھی، اسکا ایک گدھا تھا جس کو اس نے سکھا پڑھا رکھا تھا۔ گدھے سے کہتا کہ کیا تو اپنے رب کے سلفنے سجدہ نہیں کریگا اور اسکے بعد وہ گدھے سے گھٹنوں کے بل بیٹھنے کو کہتا اور گدھا فوراً اس کی تعمیل کرتا تھا اس کی وجہ سے اس کا لقب ذوالحی اور پڑ گیا تھا۔ یہ بلا ذری کا بیان ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ ذوالحی انہیں بلکہ ذوالنحر ہے نحر اردو پٹہ یا اردھنی کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ ہر وقت عامہ باندھے رہتا اور چادر اوڑھے رہتا تھا۔ اسلئے اس کو ذوالنحر کہتے تھے۔ لہ

العنسی کے زمانہ کے | یمن سیاسی اعتبار سے شاہ ایران کے ماتحت تھا اور جب آنحضرتؐ وقت یمن کی حالت نے اور سلاطین و امرا کیساتھ شاہ ایران کو بھی دعوت اسلام کا خط لکھا

ہے تو اس وقت بازان باندھان علی اختلاف الروایۃ حکومت ایران کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ کسریٰ (شاہ ایران) نامہ نمبری دیکھ کر حیران پا ہوا اور اس نے بازان کو لکھا کہ جواز کے اس شخص (آنحضرتؐ) کا سراغے پاس بھیجے لیکن بازان کا قلب

اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو چکا تھا اس لئے کسریٰ کے حکم کی تعمیل کر نیکی بجائے اس نے کیا یہ کہ جب اسے آنحضرتؐ کی طرف سے اسلام کی دعوت پہنچی تو اس نے فوراً اس کو لبیک کہا اور اسلام قبول کر لیا اس سے پہلے اسلام کی دعوت یمن میں پھیل ہی چکی تھی اور بہت سے لوگ یہاں مسلمان ہو چکے تھے۔ اب آنحضرتؐ نے بازان

لہ کامل ابن اثیر جلد دوم ص ۲۵۵ مطبوعہ لیدن لہ فتوح البلدان ص ۱۱۱ تاریخ الکامل ابن اثیر جلد دوم ص ۲۵۵

کو اپنی طرف سے پورے یمن کا گورنر مقرر فرمایا لیکن کچھ دنوں بعد جب باذان کا انتقال ہو گیا تو آپ نے یمن کی عملداری کو مختلف عمال میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ عمرو بن قمر بن نوفلان کا خالد بن سعید بن العاص کو بخران و زبید کے درمیانی علاقہ کا۔ عامر بن شہر کو ہمدان کا شہر بن باذان کو صنعا کا۔ عک اور اشعرین کا طاہر بن ابی بلکہ کو۔ مارب کا ابو موسیٰ اور جنڈر یعلیٰ بن امیہ کو عامل مقرر فرما دیا۔ ان عمال کے علاوہ اپنے چند معلمین بھی بھیجے تھے جو مختلف قبیلوں میں رہ کر ان کو اسلامی احکام و مسائل کی تعلیم دیتے تھے۔ معاذ بن جبل ان کے صدر تھے جن کیلئے کوئی علاقہ مخصوص نہیں تھا اور وہ قبیہ قبیلہ تعلیم و تبلیغ کا کام انجام دیتے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت موت کے علاقوں پر زیاد بن لبید، اسکاسک اور سکون پر عکاشہ بن ثور اور نمو معاویہ بن کندہ پر عبداللہ یا ہماجر عامل مقرر کئے گئے تھے۔ لیکن ہماجر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علات کے باعث روانہ نہ ہو سکے تھے۔ آخر جب آپ کا نکال ہو گیا تو حضرت ابو بکر نے ان کو روانہ کیا۔

اسود عسی کا دعویٰ حجتہ الوداع سے تشریف لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج گرامی نبوت اور خرد و روح کچھ ناساز ہو گیا تھا اسود عسی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کا چہرہ بڑھا اور اس نے خود نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ جیسا کہ گز چکا ہے یہ شعبہ باز تو تھا ہی قبیلہ مدح اس کا ہم نوا ہو گیا۔ اسود نے سب سے پہلے بخران پر حملہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس جگہ جو عامل اور مبلغ مقرر تھے۔ یعنی عمرو بن حزم اور خالد بن سعید ان کو یہاں سے نکال دیا اب وہ صنعا کی طرف بڑھا۔ ادھر سے باذان کا بیٹا شہر مقابلہ کیلئے نکالا۔ لیکن شہر بن باذان نے جام شہادت نوش کیا۔ (یہ واقعہ اسود عسی کے خرد و روح کے پچیس دن کے بعد پیش آیا) شہر صنعا کی حیثیت جو بحر کزی تھی اس لئے اسکے سقوط کے ساتھ ہی مسلمان عمال میں اضطراب پیدا ہو گیا اور وہ فضا کو ناساز کار پارک منتشر ہو گئے۔ بقول مؤرخ ابن اثیر کے اسود عسی کی شہرت آگ کی طرح پھیل گئی اور چند روز میں ہی یہ یمن کی سب سے بڑی طاقت بن گیا۔ شہر بن باذان کی شہادت کے بعد اس نے اسکی بیوہ سے نکاح بھی کر لیا تھا جس کا نام آزاد تھا، قدرت نے اسی بیوہ کے

ہاتھوں اسکی ہلاکت مقدر کی تھی۔

اس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے یہاں جو لوگ اسود عسی کا فتنہ اپنے اسلام پر ثابت قدم تھے ان کو بیغام بھیجا کہ وہ صاف طور پر کھلم کھلا یا چالاکی کیساتھ جس طرح بھی ممکن ہوا اسود عسی کا مقابلہ کریں لے ادھر لہران کے شاہی خاندان کے افراد اور اعیان و امرا جو یمن میں آباد تھے اسود عسی نے ان کیساتھ انتہائی تحقیر و تذلیلی کا معاملہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ یوں بھی اس شخص سے نالاں اور پریشان تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم پہنچا جس کو وہ بن یحنس لازدی لیکر گئے تھے اور ادھر اپنے قیس بن ہبیرہ بن ملک شوح کو بھی تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ اسود سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کر دیا تھا تو ان لوگوں نے ایرانی امر افروز اور داذ ویدا و شہر بن باذان کی بیوہ آزاد جلاب اسود کی بیوی تھی ان سب کے ساتھ ملکر اسود کو دھوکہ سے قتل کر دینے کا ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ چنانچہ آزاد کی رہنمائی میں ایک شب یہ سب لوگ اسود عسی کے مکان میں ایک پوشیدہ راستہ سے داخل ہو کر چھپ کر بیٹھ گئے اور آخر صبح کے وقت جبکہ اسود نشہ کی حالت میں پڑا سو رہا تھا افروز نے آگے بڑھ کر اس زود کار کیا کہ وہ شدید زخمی ہو گیا اور مذبح بیل کی طرح ڈھانچا مارنے لگا۔ اسود کے مکان کے پہرہ دار جو ادھر ادھر تھے یہ چیخ سن کر دوڑ پڑے اور پوچھا کہ یہ کیا ہوا تو آزاد نے مذاق میں کہا کہ تمہارے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اتنے میں داذ ویدا اور قیس اور چند اور مسلمان جو چھپے بیٹھے تھے آگے اور قیس نے اسود کی گردن اسکے تن سے جدا کر دی۔ اسکے بعد شہر کی پہاڑ دیواری پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ خدا کے پیغمبر ہیں اور اسود عسی جھوٹا اور کاذب تھا۔ اسود کے قتل ہوتے ہی اس کے ساتھیوں کے پاؤں اکھڑ گئے جو بھاگ سکتے تھے بھاگ گئے جنہوں نے کچھ مقادمت کی ان کا کام تمام کر دیا گیا لے

یہ واقعہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ روز پہلے پیش آیا تھا اور آپ نے اپنی لے یہاں تک کی تفصیلات کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۵۵-۲۵۶ سے ماخوذ ہیں لہذا ان پر فروع البلدان بلاذی ص ۱۱۳

زبانِ وحی ترجمان سے اسکا انہما بھی فرمادیا تھا۔ لیکن اسکی اطلاع مدینہ میں آپکی وفات کے دس دن بعد پہنچی تھی۔  
چونکہ خلافتِ صدیقی کے عہد کی یہ پہلی خوشخبری تھی اسلئے حضرت ابو بکر کو قدرتی طور پر اسکی بڑی مسرت ہوئی۔  
اسو غرضی کے قتل کے بارہ میں موحین میں بڑا اختلاف ہے کہ وفاتِ نبوی سے قبل ہر ایک باوجود یمن میں  
بالا میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے دونوں کے بیانات میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

**طلیحہ الاسدی** طلیحہ کے باپ کا نام خویلد تھا اور قبیلہ بنی اسد کے ساتھ تعلق رکھنے کی  
وجہ سے اسدی کہلاتا تھا، اس نے بھی نبوت کا دعویٰ آنحضرتؐ کے عہد میں کیا تھا۔ آپ کے  
اطلاع ہوئی تو اپنے ضرار بن الازور کو نواسد کا عامل بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ طلیحہ اور  
اس کے ساتھیوں کے ساتھ جو لوگ مرتد ہو گئے ہیں انکی سرزنش کئے مزارِ مسلمانوں کے  
ساتھ مقامِ واردات میں مقیم تھے اور یہاں مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی ان  
کے برخلاف طلیحہ اپنے آدمیوں کیساتھ سمیرا میں فروکش تھا لیکن اسکے ساتھیوں کی تعداد  
زیادہ نہیں تھی۔ آخر فرار کے کسی ساتھی نے طلیحہ کو کھڑکراس پر تلوار مار لی لیکن اتفاق سے  
یہ جھک بھاگ نکلا۔ اب اسکو پھینک دیا گیا۔ اچھا موقع مل گیا کہ تلوار اس پر اثر ہی نہیں  
کرتی ہے۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کا ایک وسیع حلقہ اسکے گرد جمع ہو گیا۔ اتنے میں  
آنحضرتؐ کی وفات ہوئی، طلیحہ دعویٰ کرتا تھا کہ اسکے پاس جبریل آتے ہیں اور مسیح  
عبادتیں گھر گھر کر کے بطور وحی سنا تا تھا۔ اور کہتا ہے کہ نماز میں کوع و سجود کی ضرورت نہیں ہے  
اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں کرتا کہ تمہاری کمر جھکے اور تمہاری پیشانیاں گرد آؤد ہوں۔ آنحضرتؐ  
کی وفات کو بھی پر دیکھنا کہ کا ذریعہ بنایا گیا ہے چنانچہ عمیر بن حصن الفزازی جو طلیحہ کا دست  
راست تھا۔ جہاں عصیت کے نام پر لوگوں کو ابھارتا تھا۔ یہ بھی کہتا تھا کہ دیکھو محمدؐ کا انتقال  
ہو گیا۔ لیکن ہمارا پیغمبر زندہ ہے لہٰذا بہر حال اسد بن مظعان اور طے کے قبائل میں اس کو بڑا نفوذ  
داثر حاصل ہو گیا۔ طلیحہ نے ان سب لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک کو مقامِ ابرق  
میں ٹھہرا دیا اور دوسرے فریق کو مقامِ ذوالقصہ کی طرف بھیجا جو مدینہ طیبہ سے بخد کے راستہ پر  
قریب ہی واقع ہے۔

لہٰذا بلذری ص ۱۱۳ لہٰذا ابن اثیر ج ۲ ص ۲۵۸ - لہٰذا ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۱ لہٰذا طبری ج ۲ ص ۲۸۶

سبح بنت امارت اس وقت نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی ہوا کچھ ایسی چل رہی تھی کہ مرد  
مرد عورتیں بھی اس میدان میں قسمت آزمائی کیلئے اتر پڑیں چنانچہ سباح نے جو بنو تغلب سے  
تعلق رکھتی تھی۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ بنو تغلب اور بنو نمیر میں کچھ لوگ  
اسکے پیرو ہو گئے۔ انکے علاوہ قبیلہ ہذیل جو عیسائی تھا وہ بھی اس کا حامی ہو گیا اور مسیحیت کو ترک  
کر دیا۔ مالک بن نویرہ جو مرتد ہو گیا تھا اس کا دست راست تھا لیکن سباح اور مسلمہ جس کا ذکر  
ابھی آتا ہے۔ دونوں میں ازدواجی تعلق ہو گیا لہٰذا اس طرح اسکی نبوت مسلمہ کی نبوت میں منہمک ہو گیا  
مسلمہ اللذباب مسلمہ کے باپ کا نام حبیب تھا اور کنیت ابو تمائمہ یا ابو تاملہ تھی لہٰذا بنو حنیفہ  
سے تعلق رکھتا تھا۔ بنو حنیفہ کا جو وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں رسد میں آیا تھا۔ اسکا  
ایک رکن یہ بھی تھا اور اس نے آنحضرتؐ سے کہا تھا کہ اگر اپنے بعد مجھ کو اپنا قائم مقام  
بنانے کا آپ وعدہ کریں تو میں آپ سے بیعت کر لوں گا۔ لیکن آپ نے کھجور کی ایک شاخ  
جو آپ کے پاس تھی اس کی طرف اشارہ کر کے صاف جواب دیا کہ اگر تو مجھ سے کھجور کی یہ  
شاخ بھی مانگے گا تو میں نہیں دے سکتا۔ لہٰذا اسی قبیلہ کے ایک اور شخص ہوزہ بن علی نے بھی  
آنحضرتؐ کو اسی طرح کی بات کہی تھی۔ لیکن آپ نے اس کو بھی یہی جواب دیا اور ساتھ ہی  
دعا فرمائی کہ اے اللہ! تو مجھ کو اسکے شر سے بچاؤ چنانچہ چند روز کے بعد ہی یہ مر گیا۔ اللہ تعالیٰ  
مسلمہ وفد بنو حنیفہ کے ساتھ اپنے قبیلہ میں واپس پہنچا تو نبوت کا دعویٰ کر دیا اور  
اسکے ساتھیوں نے یہ خبر اڑادی کہ محمد رسول اللہؐ نے مسلمہ کو اپنا شریک کا تسلیم کر لیا ہے۔  
بنو حنیفہ اور جو لوگ ان کے حلیف تھے سب مسلمہ کے ساتھ ہو گئے۔ اب مسلمہ کو جزات  
یہاں تک ہو گئی کہ اس نے آنحضرتؐ کو ایک خط لکھا جس کا سرنامہ یہ عبارت تھی۔

لہٰذا اس تعلق کی ابتداء کیوں ہوئی اور یہ کس نوعیت کا تعلق تھا۔ ابن جریر نے اس کی تفصیل جو کہ نہایت  
مختص ہے۔ ج ۲ ص ۲۶۱ پر لکھی ہے لہٰذا فتوح البلدان ص ۹۰ بلذری کے حلیہ یہ لکھا ہے کہ پست قامت  
زرد ردا و چپٹا ناک و مال تھا۔ بلذری بیان کے مطابق حبیب مسلمہ کے باپ کا نہیں دادا کا نام تھا۔ اور باپ  
کا نام کبیر تھا لیکن طبری وغیرہ مسلمہ بن حبیب لکھتے ہیں لہٰذا صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۷

” من مسیلمة رسول الله الى محمد رسول الله “ اور اس کے بعد لکھا تھا۔  
 آدمی زمین میری ہے اور آدمی زمین قریش کے لئے ہے لیکن قریش انصاف نہیں کریں گے۔“  
 یحییٰ بن عمار و داغی نے مسیلمہ کی طرف سے لکھا تھا۔ اس کا جواب نبی صادق مصدوق  
 نے ابی بن کعب سے جو لکھوایا اسکے شروع میں یہ الفاظ تھے ”محمد النبی الی المسیلمة الکذاب“  
 اور پھر لکھا تھا کہ زمین اللہ کی ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا تا ہے۔

مسیلمہ کے ساتھیوں میں کثرت سے ایسے لوگ تھے جو مسیلمہ کو چھوڑنا سمجھتے تھے اور اسکی  
 بد اخلاقی و بد عملی کے باعث اسکو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن صرف قبائلی عصبیت کے باعث اس  
 کے ساتھ لگے ہوئے تھے چنانچہ خود مسیلمہ کا مؤذن جس کا نام حمیر تھا وہ جب اذان دیتا تھا  
 تو بر ملا کہتا تھا۔ اشہدان مسیلمة یزعم انہ رسول الله، یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا  
 ہوں کہ مسیلمہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور لطف یہ ہے کہ مسیلمہ بھی یہ سن کر کہتا تھا  
 افسح جحید لہ، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسیلمہ خود بھی اپنے متعلق کسی غلط فہمی میں  
 مبتلا نہیں تھا۔ لیکن صرف اپنا کام نکالنے کیلئے چہرہ پر نبرت کا نقاب ڈال لیا تھا۔

یوں تو مدعیان نبوت کے سلسلہ میں اور بھی دو تین نام ملتے ہیں لیکن انکو فروغ نہیں ہوا۔  
 اور وہ جلد ہی گم نامی کی موت مر گئے۔ ارتداد و بغاوت کا عرب میں ایک سبک جو طوفان اٹھا  
 تھا اسکی رہبری اور قیادت بھی مذکورہ بالا چار شخص تین مرد اور ایک عورت کر رہے تھے ان  
 کے علاوہ عیینتہ بن حصن الفزازی اور مالک بن زورہ وغیرہ ہما قسم کے لوگ انہیں میں سے کسی  
 نہ کسی کے اعوان و انصار تھے۔ ان چار میں سے ایک شخص یعنی اسود غسانی تو آنحضرتؐ کی ہی  
 حیات میں یا آپ کی وفات کے فوراً بعد (علیٰ اختلاف الروایات) مارا گیا تھا اور اس کے  
 ساتھیوں میں سے جو چند آدمی زندہ و سلامت بچ رہے تھے انہوں نے مسلمانوں کی  
 اطاعت قبول کر لی تھی لہٰذا اب فتنہ کے سرخیل و سرعزہ طلیمہ سبوح اور مسیلمہ باقی رہ گئے تھے

لہٰذا فتوح البلدان بلاذری ص ۹۷ لکھ خود فرزند دین جنہوں نے اسود غسانی کو قتل کیا تھا اور جب آنحضرتؐ  
 نے اپنے متعلق یہ الفاظ فرمائے تھے قتله رجل مبارک من اهل بیت مبارکین (ایران و عرب کی طرف  
 اشارہ ہے) انکا بیان ہے کہ اسود کی قتل کے بعد صنعا میں ہمارا وہی اقتدار قائم ہو گیا جو پہلے تھا اور معاذ بن جبل کو نماز  
 پڑھاتے تھے (انباریہ و انہار ج ۱ ص ۱۶۱)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کا خاتمہ کس طرح کیا اور اس طوفان پر کس کو قابو پایا۔ آمین  
 باب میں اس کی تفصیل پڑھو۔

## حضرت ابو بکر صدیقؓ کے جنگی اقدامات

پہلے گزرجکا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں لشکر حد و شام کی  
 طرف روانہ کرنے کا ارادہ کیا ہے تو انصار اور کبار ہاجرین کی رائے عرب کی عام بغاوت و فتنہ  
 انجیزی کے باعث اس کی مخالفت تھی۔ ان حضرات کو اندیشہ تھا کہ مدینہ کو اسلامی فوج سے خالی  
 دیکھ کر باغی مدینہ پر حملہ کر دیں گے اور پھر ان کے ہمدہ براہو نامشکل ہو جائیگا۔ لیکن خلیفہ رسول  
 نے اس مشورہ کو محض اسلئے قبول نہیں کیا تھا کہ آپ کے نزدیک سب سے مقدم اور ضروری  
 آنحضرتؐ کے ادھورے چھوڑے کام کو پورا کر دینا تھا چنانچہ اپنے ایسا ہی کیا۔

مانعین زکوٰۃ اعراب کا وفد قبائل عبس و ذبیان۔ بنو نمانہ عطفان اور بنو خزاعہ جو حوالی مدینہ  
 میں آباد تھے یہ لوگ وہ تھے جو اس کا اقرار کرتے تھے مگر ہر نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں  
 دیں گے۔ ان میں بھی دو قسم کے لوگ تھے بعض تو وہ تھے جو رہنے بٹنے بخل سے ادا زکوٰۃ  
 کے ہی منکر تھے اور بعض کہتے تھے کہ ہم زکوٰۃ نکالیں گے لیکن اسکو مدینہ نہیں بھیجیں گے، ان  
 لوگوں کا استدلال یہ تھا کہ قرآن مجید میں آنحضرتؐ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔

خادمین اھوالھم صدقۃ لظہرھم لے بیخیر آپ لوگوں سے صدقہ لیجئے جو ان کو  
 و تزکیہم بہا و صل علیہم ان صلاتکم پاک و صاف کرے اور ان کیلئے سلام و رحمت بھیج  
 سکتے لھم۔ کیلئے ایسی صلوات اُنہ کیلئے تسکین کا باعث ہے۔

یہ کہتے تھے کہ اب حضورؐ کی وفات کے بعد کوئی ایسا نہیں ہے جسکی صلوات ہمارے  
 لئے ممکن ہو۔ اس لئے اب ہم کسی کو زکوٰۃ نہیں دیں گے اس کے علاوہ ان کا ایک استدلال  
 یہ بھی تھا کہ آنحضرتؐ کا زکوٰۃ کے بارہ امیں ارشاد ہے۔

تؤخذ من اعیانکم و تترد الی زکوٰۃ ہر طبقہ کے مال داروں سے لیجائے اور

فَقَرَأَ لَيْلًا - انہیں لوگوں کے نفروں پر تقسیم کر دی جائے۔  
اس بنا پر یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم زکوٰۃ نکالیں گے تو اس کو مدینہ نہیں بھیجیں گے بلکہ  
خود اپنے قبیلہ کے فقرا پر ہی تقسیم کر دیں گے۔ اب ان لوگوں نے سلسلہ جنابانی اس طرح کی کہ  
پہلے اپنے وفد گفتگو کے لئے مدینہ بھیجے شروع کئے۔

ان وفد نے پہلے مدینہ کے دوسرے ذمہ دار حضرات سے گفتگو کی اور ان سے درخواست  
کی کہ وہ اس معاملہ میں حضرت ابو بکر سے ان کی سفارش کر دیں۔

صحابہ کرام اور حضرت اس وقت عرب کی جو عام حالت تھی کچھ اس کا احساس اور پھر ان وفد  
ابو بکر میں گفتگو کا استدلال بھی کچھ دل لگتا سا تھا۔ صحابہ کرام ان لوگوں کی گفتگو سے  
متاثر ہو گئے اور انہوں نے صدیق اکبر سے کہا کہ ان اعراب کو جو زکوٰۃ ادا کرنا نہیں چاہتے  
اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے اور ان سے مزید کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ صحابہ کرام کا  
خیال تھا کہ ان اعراب کا ایمان ابھی نیا نہیں ہے۔ مکمل طور پر جب دل نشین اور راسخ ہو جائے  
گا تو پھر یہ لوگ خود زکوٰۃ دیں گے لہذا لیکن حضرت ابو بکر نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار  
کر دیا اور فرمایا کہ "خدا کی قسم اگر یہ لوگ ادنٹ کی ایک رسی سے بھی جس کو وہ آنحضرت کے  
عہد میں ادا کرتے تھے انکار کریں گے تو میں اس پر ان سے جنگ کروں گا۔ اسکے بعد فرمایا  
"زکوٰۃ مال کا حق (یعنی عبادت) ہے۔ جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے ان سے  
قتال کروں گا۔"

حضرت عمر جو اپنی رائے کے اظہار میں زیادہ جری اور بیباک تھے انہوں نے کہا  
"آپ ان لوگوں سے قتال کس بنیاد پر کریں گے؟ آنحضرت نے تو فرمایا ہے "مجھ کو حکم دیا  
گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ  
لے البدایہ والنہیہ ج ۲ ص ۳۱۱ علامہ ابن حزم نے اسی بنا پر ان لوگوں کی نسبت لکھا ہے و طائفة بعیت  
على الاسلام ايضا الا انهم قالوا نقيم الصلوة وشرائئ الاسلام الا اننا لا نؤدى الزکوٰۃ الى  
ابي بكر ورضي الله عنه ولا نعطى طاعة لاحد بعد رسول الله (السنن والاعمال ج ۲ ص ۶۱) لہذا بعین  
ظہرتوں میں قتال کا لفظ ہے جس کے معنی کہ میں اور بعض میں عناق کا لفظ ہے اسکے معنی ایک برس سے کم عمر کی بیٹی ہیں

نہ کہیں۔ لیکن جب وہ یہ کلمہ پڑھ لیں گے تو ان کی جانیں اور ان کے مال محفوظ ہو جائیں گے  
مگر ہاں جب ان پر کسی کا کوئی حق ہو لیکن حضرت ابو بکر کا استدلال یہ تھا کہ نماز اور زکوٰۃ میں  
باعتبار فریضت کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ  
دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہی ہے اس کے علاوہ قرآن میں ہے۔

فَانْ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَالْزَّكَاةَ  
اِرْكَرِبْ تَرْتَمِ اَنْ سَ كَھْرَ كَھْرَ -  
اور اگر تم ان سے کچھ نہ کہو۔

پھر یہ معلوم ہے کہ بذرقیاف کا ایک وفد جو آنحضرت کی خدمت میں طائف سے  
حاضر ہوا تھا اور اس نے کہا تھا کہ ہم اسلام قبول کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن نماز سے ملو  
مستثنیٰ کر دیجئے تو آپ نے بڑی سختی کے ساتھ انکی یہ درخواست رد کر دی تھی اور فرمایا  
تھا "بجلا وہ دین ہی کیا ہے جس میں نماز نہ ہو" انہ لآخر فی دین لاصلوة فیدہ "پس  
جس طرح دین نماز کے بغیر کچھ نہیں ہے زکوٰۃ کے بغیر بھی وہ دین باقی نہیں رہتا ہے۔  
حضرت ابو بکر کا فیصلہ چونکہ بالکل حق تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اسی ایک فیصلہ نے  
دین کی اصل عظمت اور اس کی اصلیت کو قائم رکھ لیا۔ اس بنا پر حضرت عمر بھی قائل ہو گئے  
خود فرماتے ہیں۔

فما هو الا ان رأيت الله قد  
تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی میں نے دیکھ لیا کہ اللہ  
شرح صدر راجی بکیر۔  
نے ابو بکر کا سینہ کھول دیا تھا۔

وفد کی ناکام واپسی اور بارگاہِ خلافت سے مایوس ہو کر یہ ارکان وفد اپنے اپنے قبیلوں  
مدینہ کی حفاظت کے اوقات کی طرف واپس ہوئے یہاں مدینہ میں دیکھ ہی گئے تھے، کہ  
صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد حضرت اسامہ کے ساتھ جا چکی تھی اور  
یہاں تھوڑے سے صحابہ کرام رہ گئے تھے، ان لوگوں نے اپنے قبیلوں کو آمادہ کیا کہ موقع  
سے فائدہ اٹھا کر مدینہ پر حملہ کر دیا جائے اور پھر یہ لوگ یہ منہج بے باندھ رہے تھے اور اٹھ  
حضرت ابو بکر نے وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے مدینہ کی حفاظت ڈگرانی کا بندوبست شروع  
کر دیا۔ آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ کبار صحابہ یعنی حضرت علی۔ عبد الرحمن بن عوف۔ زبیر بن عوام۔



عبداللہ بن مسعود اور طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی سرکردگی میں مدینہ کے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کر دیئے اور جواہل مدینہ تھے ان پر مسجد میں حاضر ہونا لازمی کر دیا تاکہ اگر کوئی ہنگامی صورت اچانک پیدا ہو جائے تو ان کو فوراً اطلاع ہو سکے اور سب کو خبردار کر دیا کہ اے مسلمانو! یہ وقت تمہاری قلت تعداد کو دیکھ کر گیا ہے۔ اس لئے تم نہیں جانتے کہ یہ صبح کو حملہ کر دینگے یا شب میں، یہ لوگ مسافت کے اعتبار سے تو آخر تم سے قریب ہیں ہی یہ لوگ تم سے معاملہ طے کرنے اور بہت کچھ توقعات لیکر آئے تھے لیکن ہم نے ان کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا ہے اس لئے تم تیار ہو جاؤ اور ہوشیار رہو۔

مدینہ پر شب خون حضرت ابو بکر کا جو اندیشہ تھا وہ آخر صحیح ثابت ہوا۔ وفد کو ناکام گئے ابھی تین دن ہی ہوئے تھے کہ ان قبیلوں نے جو طلیحہ اسدی کے زیر اثر تھے اپنے آپکے دو حصوں میں برابر تقسیم کیا۔ ایک حصہ مقام ذوحسی میں چھوڑا جو مدینہ کے قریب نجد کے راستہ پر واقع ہے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ ملک کا کام دے۔ رہا دوسرا حصہ تو اس نے مدینہ پر غارت گری کے ارادہ سے چٹھائی کر دی۔ مدینہ کی حفاظت پر جو دستہ متعین تھا اس نے حضرت ابو بکر کو اطلاع پہنچائی۔ آپ نے حکم دیا کہ تم اپنی جگہوں پر رہو اور ادھر سے آپ خود مسلمانوں کو ادٹنیوں پر لیکر روانہ ہوئے باغی مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ پڑے مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ باغی مقام ذوحسی پہنچے تو جو لوگ یہاں پہلے سے موجود تھے وہ بھی اب ان کے ساتھ مل گئے مسلمان ادٹنیوں پر انکا تعاقب کرتے ہوئے آہی رہے تھے کہ ذوحسی والوں نے کیا حرکت کی چہڑے کے پھیلے جوان کے ساتھ تھے ان میں پھونک بھری، غبارہ کی شکل بنا کر ان میں رسیاں باندھیں اور انکو ادٹنیوں کی طرف پھینک مارا۔ مسلمانوں کے یادداشت جنگ کی فریب کاریوں کے عادی نہ تھے۔ ایسے بھاگ پڑے اور سیدھے مدینہ میں گھر گئے۔

مدینہ پر حملہ کی تیاریاں قبیلہ عبس و ذبیان، بنو مرہ اور بنو کنانہ وغیرہم جو انکے حلیف تھے سمجھ کر مسلمان ایسے پاہو کر بھاگ گئے ہیں۔ اس لیے اب انکا حوصلہ بٹھھا اور انہوں نے

لے البلدیرہ والہنایہ ج ۶ ص ۳۱۱-۳۱۲ مکہ کامل بن اثیر ج ۲ ص ۲۶۱ و طبری ج ۲ ص ۴۰۸ والبدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۳۱

مدینہ پر باقاعدہ حملہ کے ارادہ سے ذوالفقہ (یہ مقام بھی مدینہ سے قریب نجد کے راستہ پر ہے) والوں کو بھی پیغام بھیجا کہ ان کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ طلیحہ کا بھائی (حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بتایا لگھا ہے) حبال ان کی قیادت کر رہا تھا۔ ادھر یہ لوگ مدینہ پر حملہ کا جواب دیکھ رہے تھے اور ادھر حضرت ابو بکر نے مدینہ والیس پہنچ کر ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا آتے ہی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ باقاعدہ فوج کی تربیت کی۔ فوج کے دائیں بازو پر نعمان بن مقرن کو، بائیں بازو پر عبداللہ بن مقرن کو مقرر کیا اور نچلا حصہ ان کے بھائی سوید کے سپرد کیا۔ ابھی ایک پہر شب باقی تھی کہ روانہ ہو گئے۔ صبح کی پونہ بجی بھی نہیں تھی کہ دشمن پر جا پہنچے یہ لوگ بے خبر آرام سے سو رہے تھے۔ مسلمانوں نے تلوار چلائی شروع کر دی یہ لوگ بدحواس ہو کر بھاگے تو ذوالفقہ میں دم لیا خلیفہ در رسول نے ذوالفقہ تک ان کا تعاقب کیا لیکن اب ان لوگوں میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی اسلئے حضرت نعمان بن مقرن کو ان کے دستہ کے ساتھ ذوالفقہ میں چھوڑ کر خود مدینہ والیس تشریف لے آئے۔ یہاں مسلمانوں کی اس کامیابی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلی مرتبہ حاصل ہوئی تھی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ پھر اس پر مزید یہ ہوا کہ مختلف قبائل کے جو سردار مسلمان تھے وہ اپنی اپنی زکوٰۃ لے کر مدینہ پہنچ گئے اس سے جہاں مالی اعتبار سے تقویت ہوئی اور مسلمانوں کو امداد پہنچی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ باغیوں اور مرتدوں کی کثرت کے باوجود متعدد بیرونی قبائل کے رؤسا یکے اور سچے مسلمان تھے اس احساس نے خوشی دو چند کر دی۔

جو حضرات مدینہ کا پہرہ دے رہے تھے ان میں سے ایک ایک صاحب زکوٰۃ رئیس کو لیکر مدینہ میں آتا تھا تو مسلمان ان کو دیکھ کر کہتے "ہذا نذیر" حضرت ابو بکر فرماتے کہ نہیں بلکہ وہ بشیر ہیں۔ اور اسلام کے حامی ہیں۔ سست نہیں ہیں اصل الفاظ یہ ہیں

لے طبری ج ۲ ص ۲۶۱ جو کہ یہ حضرات مدینہ کے پہرہ دار تھے اس لئے ان کا آنا یہ ظاہر اس بات کی علامت تھی کہ مدینہ کو کوئی خطرہ پیش نہیں آئے۔ اللہ جل جلالہ نے اس مسلمان فرط مسرت سے مذاق میں فرمایا نذیر اسی مناسبت سے کہتے تھے جو حضرت صدقات لیکر آئے تھے تاریخوں میں ان سب کے نام بھی درج ہیں

بل ہولشیر۔ وھو حام ولس بوان، لوگ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر سے کہتے  
 طالما بشرت بالخیر، آپ تو ہمیشہ ہی خیر کی بشارت دیتے رہے ہیں۔  
 عبس و ذبیان کی غداری حضرت ابوبکر کی ذوالقصر سے واپسی کے بعد قبیلہ عبس و ذبیان  
 کا اور کوئی بس نہ چلا تو یہاں تھوڑے بہت جو مسلمان تھے ان کو دھوکے سے قتل کر ڈالا۔  
 صدیق اکبر کو اس کی اطلاع ہوئی تو قسم کھائی کہ جب تک وہ ان قبیلوں سے مسلمانوں  
 کے خونِ ناحق کا بدلہ نہیں لے لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ اسی اثنا میں حضرت  
 اسامہ اپنی ہم سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آگئے تھے اب حضرت ابوبکر اور زیادہ  
 اطمینان ہوا، اپنے حضرت اسامہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور فرمایا ارجو  
 واسترجعوا تم لوگ اب آرام کرو۔

ذوالقصر کو روانگی اس انتقام سے فارغ ہو کر اپنے بنفس نفیس ایک فوج لیکر ذوالقصر  
 کی روانگی کا ارادہ کیا تاکہ غدار قبیلوں کو انجی غداری کی سزا دیکر مسلمانوں کا انتقام  
 لیں صحابہ کرام نے ہر چند منت و سماجت کی اور کہا اے خلیفہ رسول! ہم آپ کو قسم دیتے  
 ہیں آپ نہ جائیے اگر خدا نخواستہ آپ کو چشم زخم پہنچا تو ہم لوگوں کا کوئی نظام باقی نہیں  
 رہے گا۔ اور آپ کا یہاں رہنا دشمن کیلئے سخت مرعوب کن ہو گا آپ اپنے بچانے  
 کسی دوسرے کو بھیج دیجئے گا وہ اگر کام آگئے تو آپ انجی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کر  
 سکتے ہیں لے لیکن حضرت ابوبکر نہ مانے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں سب میرے باپ سواری پر بیٹھے اور تلوار میان سے  
 باہر نکالے ذوالقصر کیلئے روانہ ہوتے گئے تو حضرت علی ابن ابی طالب ان کی سواری  
 کی باگ روک کر کھڑے ہو گئے اور بولے اے رسول اللہ کے خلیفہ! آپ کہاں جا رہے  
 ہیں؟ میں آپ سے وہی کہوں گا جو آنحضرت نے غزوہ احد کے موقع پر آپ سے  
 کہا تھا یعنی یہ کہ آپ اپنی تلوار میان میں کیجئے اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر  
 دردمند نہ کیجئے، لے

لے طبری ج ۲ ص ۴۹ لے البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۱۵ لیکن اسکے بعد حافظ صاحب فرماتے  
 (بقیہ صفحہ ۱۸۹)

مانعین زکوٰۃ کی مکمل سرکوبی لیکن حضرت ابوبکر نے ان سب کے جواب میں فرمایا اللہ کی قسم  
 میں ایسا نہیں کروں گا۔ اور میں اپنے نفس کے ساتھ تمہاری غمخواری قبول نہیں کر سکتا،  
 چنانچہ آپ اپنا لشکر لیکر ذمی حسی اور ذوالقصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ مقام ابرق میں  
 اہل ربذہ پر حملہ کیا عمارت اور عوف یہاں کے لیڈر تھے، ان کو شکست دی بنو عبس  
 اور بنو بکر خوف زدہ ہو کر بھاگے۔ حضرت ابوبکر ابرق میں چند روز قیام فرمانے کے بعد  
 آگے بڑھے اور بنو ذبیان کو مغلوب کیا اور ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور آخر اس  
 طرح عبس و ذبیان نے جن مسلمانوں کو شہید کیا تھا ان کا انتقام لیکر فتح و کلامانی  
 کا پرچم اڑاتے ہوئے مدینہ واپس آگئے۔ لے

بنو ذبیان - عبس - غطفان - بنو بکر اور ان کے علاوہ دوسرے قبیلے جو مدینہ  
 کے قرب و جوار میں آباد تھے اور جو اعراب مدینہ کھلاتے تھے حضرت ابوبکر کی ان کے  
 ساتھ یہ آخری کامیاب جنگ تھی، ان کو چاہئے تھا کہ اب وہ حضرت ابوبکر کی اطاعت  
 قبول کر لیتے اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بھی قائل ہو کر مسلمان اور یکے مومن بن جاتے۔  
 لیکن ان بہیم شکستوں نے ان کو بوجھلا دیا تھا۔ اور آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک اسلام  
 کی جو مصنوعی نقاب انہوں نے اپنے چہرہ پر ڈال رکھی تھی اسے بھی نزع کر چھینک دیا  
 اور جو کھلم کھلا باغی اور کافر تھے ان کی صفوں میں جا کر مل گئے، اس لئے حروب ارتداد  
 کا اب ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔

لے طبری ج ۲ ص ۴۹ - (بقیہ صفحہ گذشتہ) ہیں حضرت ابوبکر نے حضرت علی کی درخواست  
 قبول کر لی اور وہ خود واپس ہو گئے اور لشکر روانہ کر دیا حالانکہ طبری وغیرہ میں ہے کہ آپ نے  
 یہ مشورہ منظور نہیں فرمایا اور بنفس نفیس تشریف لے گئے۔

## مدعیان نبوت اور مرتدین سے عام جنگ

اس وقت تک حضرت اُسامہ اور ان کے رفقاء کچھ دنوں آرام کرنے کے بعد تازہ دم ہو چکے تھے اس لئے اب موقع تھا کہ مدعیان نبوت کے برخلاف نہایت شدید اور ہر گز مہم کا آغاز کیا جائے اور اس کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ بنو عیسیٰ و ذبیان اور بنو بکر وغیرہم ریدہ میں شکست فاش کھانے کے باوجود راہِ راست پر آنیکے بجائے طلیمہ کے زبرد امن پناہ گیر ہو گئے تھے وہاں طے غطفان اور سلیم دوسرے قبیلے پہلے سے تھے ہی اسلئے اب طلیمہ کی طاقت دو چند ہو گئی تھی اور وہ اس وقت اسلام کے لیے بڑا خطرہ بنا ہوا تھا یہ حال تو مدینہ کے مشرق اور شمال مشرق کا تھا۔ اس کے علاوہ جنوب میں جو آگ لگی ہوئی تھی اس کا مختصراً ذکر آہی چکا ہے۔

اسلامی فوج کے ان سب امور کے پیش نظر حضرت ابو بکر ذوالقلمہ میں دوبارہ گیارہ دستے تشریف لائے اور یہاں پوری اسلامی فوج کو گیارہ حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصہ کا الگ الگ سردار جو صاحبِ علم ہوتا تھا مقرر فرمایا۔ اسکی تفصیل حسب ذیل نقشہ سے معلوم ہوگی۔

(نقشہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیے)

ان قبیلوں یا اشخاص کے نام جن سے جنگ کرنے کیلئے ان سرداروں کی فوج کا تقرر ہوا تھا۔	مقام جنگ	سردار فوج کا نام
طلیمہ اور مالک بن زبیرہ	بزاخہ اور بطاح	حضرت خالد بن الولید <small>رضی اللہ عنہ</small>
مسیلمہ کذاب اور بنو حنیفہ	یمامہ	عکرمہ ابن ابی جہل
پیردان اسود عسلی اور قیس بن العاص	یمن و حضرت موت	مہاجر ابن ابی امیہ
تقضاء۔ ودلیعہ اور حارث	عرب و شام کی سرحد	عمر بن العاص
یہاں جو قبائل آباد تھے جیسے کرش تھا	الحققان (حد و شام میں)	خالد بن سعید بن العاص
الحطم بن صبیعہ	بحرین	علاء بن الحضرمی
	یمن کا نشیبی علاقہ	سوید بن المقرن
	مہرہ	عز بن ہزیمہ
لقیط بن مالک الازدی	عمان	حذیفہ بن محسن
بنو سلیم و ہوازن۔	عرب کا شمالی حصہ	طریف بن حجاز السلی
مسیلمہ و بنو حنیفہ لہ	یمامہ (حضرت عمر کیساتھ)	شرحیل بن حسنہ

وقت اور سیاست کا تقاضہ تھا کہ حضرت ابو بکر خود مدینہ میں قیام فرمائیں چنانچہ آپ فوج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے دار الخلافہ میں مقیم رہے اور یہیں سے فوج کی نقل و حرکت کی نگرانی اور اس کیلئے احکام و ہدایات جاری کرتے رہے۔

اتمامِ حجت کے لئے حضرت ابو بکر نے فوج کو روانہ کرتے وقت ایک اعلانِ عام لکھوا کر ہر دستہ فوج کو الگ الگ دیا تاکہ جنگ سے پہلے باغیوں اور دشمنوں کو سنا دیا جائے۔ اسکو سنکر اگر یہ لوگ راہِ راست پر آجائیں اور اسلام کی اطاعت قبول کر لیں تو ان سے درگزر کیا جائے ورنہ پھر جنگ فیصلہ کریگی چونکہ حضرت ابو بکر کی بیخبر نہایت

لہ طبری نے (ج ۲ ص ۸۰) ان کا نام طریقہ لکھا ہے لیکن ابن اثیر اور دوسری تاریخوں میں من بن حازمہ دیکھو کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۹۳ لہ طبری دابن اثیر

اہم ہے جس سے آپ کی سیاسی بعیرت عزم و ہمت پر روشنی پڑتی ہے۔ اور ساتھ ہی مختصر اسلام کی اصل روح اس میں سمود گئی ہے اس لیے ہم ذیل میں طوالت کے باوجود اس کا پورا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

خلیفہ رسول کا اعلان عام | ابو بکر خلیفہ رسول اللہ کی طرف سے ان تمام عام و خاص لوگوں کے نام جن کے پاس میری یہ تحریر پہنچے اور جو اسلام پر قائم ہوں یا اس سے روگرداں ہو گئے ہوں۔ سلام ان پر جنہوں نے ہدایت کی پیروی کی اور ایک مرتبہ اسکو قبول کر نیچے بعد اس سے گمراہی ادا نہ ہے پن کی طرف نہیں لوٹے ہیں تم سب لوگوں کے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ لیتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں ہم ان تمام چیزوں کا اقرار کرتے ہیں جو آپ نے لیکر آئے اور جو شخص اس کا منکر ہے ہم اس کی تکفیر کرتے ہیں اور ہم اس جہاد کرتے ہیں اہا بعد! اللہ تعالیٰ نے محمد کو اپنی طرف سے حق کیساتھ اپنی مخلوق کی طرف بشیر و نذیر اور حق کا داعی بنا کر اور چراغ فروزا بنا کر بھیجا۔ تاکہ جو لوگ زندہ ہیں آپ انکو ڈرائیں اور کافروں پر اللہ کی حجت تمام کر دیں۔ اللہ نے جس کو توفیق دی اس نے یہ امر حق بخوشی قبول کر لیا۔ اور جس نے اس سے پشت پھیری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ حکم اس پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ بھی طوعاً یا کرہاً اسلام کے حلقہ میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول کو اس دنیا سے اٹھایا۔ آپ اللہ کے امر کو نافذ کر چکے تھے اور آپ پر جو کچھ فرض تھا اس کو پورا کر چکے تھے اللہ اس بات (وفات نبوی) کو اپنی کتاب کے ذریعہ محمد رسول اللہ

لے حضرت ابو بکر نے اس موقع پر آنحضرت کی وفات کا ذکر زیادہ قوت کیساتھ اس لیے لیا کہ عینین حسن و قوہ جیسے مفید قبائل میں یہی بہرہ کے پروردگار کے رہے تھے کہ اللہ کی وفات ہو گئی اور ظہیر ایک زندہ ہے اور زندہ رہے گا اس سے معلوم ہوا کہ اصل پیغمبر ظہیر ہے۔ جو ذکر و حضرت ابو بکر کے یہ ارشاد ان منصب نبوت اور مقام رسالت سے متعلق اسلام کے اصل نقطہ نظر کی کئی اعلیٰ قسم کی توفیق ہے جسے ہوت اسلام دور سے اس وقت انکے امتیاز ہوجاتا ہے۔

اور تمام اہل اسلام کو صاف طور بیان کر چکا تھا چنانچہ اس نے کہا۔  
 اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَيِّتُونَ ہ  
 بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں اور دوسرے بھی مرنے والے ہیں اور اس نے کہا۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ  
 اَفَاِنْ قَتِلْتُمْ فَلَئِنْ اَلْمَالِ لَءَدْوَانٌ ہ  
 اور آپ سے پہلے ہم نے کسی انسان کو بھی مددلی زندگی ہمیں بخشی تو کیا جب آپ مرنے والے گے تو یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

ان آیتوں میں تو خطاب خاص آنحضرت سے تھا۔ ان کے علاوہ عام مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسوا فان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزي الله الشاكرين ہ  
 اور محمد نہیں ہیں مگر ایک رسول ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو اگر یہ مرنے یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم روگردانی اختیار کر لو گے اور جو روگردانی اختیار کر لگا۔ تو وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے اور اللہ شاکر کر نیوالوں کو جزا دے گا۔

پس جو شخص محمد کی پوجا کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد مر گئے۔ لیکن ہاں جو شخص صرف اللہ کو پوجتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے تو اللہ اسکی نگرانی کر نیوالا ہے وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے وہ قیوم ہے اور اس کو کبھی موت نہیں آئیگی، اس کو نہ غمزدگی آتی ہے اور نہ نیند۔ وہ اپنے امر کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اپنے دشمن سے بدلہ لینے والا ہے اور وہ اس کو اس دشمنی کی سزا دے گا اور میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو، اس سے اور جو چیز تمہارے نبی لائے ہیں اس سے اپنا حصہ لو۔ آنحضرت کے اسوہ کا اتباع کرو اور اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔ کیونکہ جس شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا وہ گمراہ ہے اور جس کو اللہ معاف نہیں کرتا وہ معاف نہیں مبتلا ہوجاتا ہے۔ جس شخص کی مدد اللہ نہیں کرتا وہ رسوا ہوتا ہے۔ جس کو اللہ نے ہدایت دی وہ راہ راست پر آیا۔ اور جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا وہ گمراہ کردہ

راہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ يَجْعَلَ لَهُ آلًا مُتْرَشِدًا۔ اور پھر اس کا دنیا میں کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا جو اسکو اللہ سے قریب کر دے۔ اور آخرت میں نہ کوئی فدیہ قبول کیا جاتا ہے اور نہ اس کے برابر کوئی چیز۔

تم میں سے جو لوگ اسلام کا اقرار کرنے اور اس پر عمل کرنے کے بعد اپنے دین سے پھر گئے ہیں مجھ کو ان کی اطلاع ہو چکی ہے۔ ان لوگوں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ وہ اللہ کے متعلق غلط فہمی میں ہیں۔ اس کے امر سے جاہل ہیں اور انہوں نے شیطان کی آواز پر لبیک کہا ہے۔

اب میں انصار و مہاجرین اور تابعین باحسان کے لشکر کا فلاں فلاں کو سردار بنا کر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میں نے ان کو حکم کیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی سے نہ قتال کریں اور نہ قتل کریں جب تک کہ اللہ کی طرف اسکو دعوت نہ دیں۔ اس دعوت کو جو شخص لبیک کہے گا۔ اقرار کر لیا۔ اپنی شرارت اور فتنہ انگیزی سے باز آ جائیگا۔ اور نیک عمل کر لیا۔ یہ میرا نمائندہ اسکو قبول کر لیا۔ اور اسکی مدد کر لیا۔ لیکن اس کے برخلاف جو شخص انکار کر لیا تو میں حکم دیا ہے کہ اس سے قتال کیا جائے۔ پھر جب یہ دشمن ہاتھ لگ جائے تو ان کو آگ میں جلائے۔ ان کو قتال کر کے ختم کر دے اور ان کی عورتوں اور اولاد کو گرفتار کر لے۔ اور اب سوائے اسلام کے ان سے کوئی چیز قبول نہیں کی جائیگی۔ پس جو لوگ ان میرے نمائندوں کا اتباع کریں گے تو وہ ان کیلئے بہتر ہوگا۔ اور جو ان کی پرواہ نہیں کرے گا وہ اللہ کو ذرا عاجز نہیں کر سکتا۔

میں نے اپنے نامہ بردوں کو حکم دیا ہے کہ میری یہ تحریر تم لوگوں کے ہر مجمع میں پڑھ کر سنائی جائے۔

عہد نامہ لشکر روانہ ہوئے تو ان کے آگے آگے یہ نامہ برپا رہے تھے جو اس تحریر کو لے

ہوئے تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کا یہ اعلان تو مرتدین کے نام تھا جن سے قتال کرنیکے لئے یہ لشکر روانہ ہو رہے تھے اس کے علاوہ خاص امراء فوج کے نام اپنے ایک عہد نامہ الگ تحریر فرمایا تھا جس میں ان کے فرائض و حاجات بتائے گئے تھے۔ اور جنگ کے سلسلہ میں انکو خاص خاص ہدایات اور احکام دئے گئے تھے اس میں بھی یہ بات بالکل صاف صاف کہدی گئی تھی کہ ان مرتدین سے اسلام کے سوا کوئی اور دوسری چیز مقبول نہیں ہوگی اور خود مسلمانوں کے ساتھ نرمی و ملاحظت کا برتاؤ کرنے کی تاکید کی تھی۔ لے

## جنگ بزاخر

عبس اور ذبیحان کی شکست کے وقت طلحہ سمیرا۔ ایک مقام میں مقیم تھا اب وہ بزاخر میں آ گیا تھا۔ اور ادھر ادھر کے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک بڑی جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ حضرت خالد بن الولید اسی کے مقابلہ پر مامور کئے گئے تھے۔ حضرت خالد کو ہدایات حضرت خالد جیب اپنی مہم پر روانہ ہوئے لگے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو چند ہدایات دیں جن سے خلیفہ رسول کی فوجی بصیرت پر روشنی پڑتی ہے اپنے فرمایا۔

”تم پیش قدمی اس طرح کرنا کہ قبیلہ بنو سہ سے آغاز کرو لے پھر بزاخر کا رخ کرنا اور جیب یہاں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر بطرح کی طرف پیش قدمی کرنا۔ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ جب تم ایک مہم سے فارغ جاؤ تو میں اسی جگہ اس وقت تک رہنا جیب تک کہ میرا حکم نہ پہنچ جائے ساتھ ہی حضرت ابو بکر نے بطور ایک تدبیر کے لے طبری ج ۲ ص ۲۸۲ لے صدیق اکبر کو معلوم تھا کہ اگرچہ اس وقت بنو سہ بھی طلحہ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں لیکن وہ ایسے زیادہ سرکش نہیں ہیں معمولی گفتگو اور کسی قدر تحویل دہندہ سے رام ہو جائیں گے۔ اسی بنا پر آپ نے بنو سہ کے متعلق بہ مشورہ دیا۔

دشمن کو مرعوب کرنے کی غرض سے خود اپنے متعلق یہ مشہور کر دیا کہ میں ایک فوج کے خیر خواہ ہوں اور وہاں خالد کی فوج کے ساتھ ملکر اسکی مدد کروں گا۔

بنو عدیلہ مسلمان ہوتے ہیں | اب حضرت خالد مقام انسر کی طرف بڑھے جو قبیلہ کی قیام گاہ تھا۔ حضرت عدی نے پھر مدخلت کی اور فرمایا کہ قبیلہ طے ایک پرندہ کی طرح ہے اور جدید اس پرندہ کا ایک پر ہے۔ اس پرندہ کا ایک پر یعنی طے تو دست ہو گیا۔ اب مجھ کو ذرا موقع دیجئے کہ میں دوسرے پر (جدید) کو بھی درست کر دوں۔ حضرت خالد نے یہ دعوت بھی منظور کر لی۔ عدی ان لوگوں کے پاس آئے اور ان سے بھی وہی بات کہی جو طے تھی اس کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے دعوت فوراً قبول کر لی اور حضرت عدی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ اب بنو عدیلہ کے مسلمان ہوجانے سے حضرت خالد کی فوج میں مزید ایک ہزار سواروں کا اضافہ ہو گیا لے

حضرت عدی بن حاتم کا یہ کلنا امر اتنا شاندار اور مبارک ہے کہ مورخین لکھتے ہیں "یہ دنیا بہترین شخص تھے ان سب لوگوں میں جو طے میں پیدا ہوئے تھے"۔

ایسی حالت میں جبکہ تمام عرب میں اسلام کی مخالفت کی آگ لگی ہوئی تھی اچانک بلا کسی جنگ و جدال کے محض ایک شخص کی تبلیغ و فہمائش پر دو قبیلوں کا مسلمان ہوجانا اور ان کے دو ہزار سپاہیوں کا اسلامی فوج میں آشریک ہونا جہاں اسلام کا ایک معجزہ ہے حضرت ابو بکر صدیق کے حسن تدبیر و سیاست کا بھی بڑا ثبوت ہے۔

اب حضرت خالد اپنی اصل منزل مقصود یعنی بڑا خیر کی طرف روانہ ہوئے۔ مقصد متہ اجدیش کے طور پر حضرت عکاشہ بن محسن اور ثابت بن اقرم انصاری کو پہلے سے روانہ کر دیا تھا۔ اسے اس میں کہیں ان دونوں کو علیحدہ کا بھائی جمال مل گیا۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ علیحدہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے بھائی سلمہ کو لیکر نکلا اور علیحدہ نے حضرت عکاشہ کو اور حضرت ثابت کو تلہ نے قتل کر دیا اور اس کے بعد یہ دونوں واپس لوٹ آئے۔ اب حضرت خالد اپنے لشکر کے ساتھ اس مقام پر پہنچے تو حضرت عکاشہ اور حضرت ثابت کو مقتول دیکھ کر آپکو اور مسلمانوں کو سخت رنج ہوا۔ بہر حال اب بڑا خیر کا میدان جنگ سامنے تھا۔ علیحدہ کیساتھ اسوقت عینیت بن حصن انصاری اپنے قبیلہ کے سات سو بہادروں کیساتھ تھا۔ انہے علاوہ قبیلہ قیس اور بنو آ

لے تین دن کی مہلت کا ذکر طبری نے کیا ہے۔ ج ۲ ص ۸۳ مبین کامل ابن اثیر (۲ ج ص ۲۶۳) میں دنوں کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ اور غالباً صحیح بھی یہی ہے۔ کیونکہ بظاہر تین دن میں ان تمام معاملہ کا اتمام مشکل تھا۔

بھی اسکے جانثاروں میں تھے جو بڑے بڑے اور بڑے دونوں آپس میں ایک دوسرے کے حلیف تھے ایسے طے کے جو سپاہی حضرت خالد کی فوج میں شامل تھے انہوں نے کہا کہ ہم قبیلہ قیس ہی سے جنگ کریں گے حضرت عدی بن حاتم اس پر کہاں چپ رہ سکتے تھے فوراً بولے! خدا کی قسم میرے خاندان کا زیادہ سے زیادہ عزم نہ دے گا کہ میں بھی اس دین کو ترک کر لیگا تو میں اس سے بھی قتال کروں گا۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ چونکہ بنو اسد اور بنو نبط آپس میں ایک دوسرے کے حلیف ہیں اسلئے بنو نبط بنو اسد سے جنگ نہیں کریں گے! حضرت خالد نے فرمایا: ”یہ قیس بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ اگر بنو نبط انہیں سے لڑنا چاہتے ہیں تو انہیں لڑنا چاہئے۔ اور ان کی مخالفت نہ کرو۔“

طلیحہ سے جنگ اب مسلمان فوج اس طرح بڑھی کہ بہادران طے قیس کے بالمقابل صف آرا تھے اور باقی مجاہدین دوسرے قبیلوں کے سامنے مضیں جانے لگے تھے جنگ شروع ہوئی تو نہایت گھمسانا کارن پڑا عینتہ کو اپنے بہادوں پر بڑبڑانا تھا لیکن اسلامی فوج نے اس کو مدد جو اس کو یا طلیحہ ایک چادر میں لپیٹا ہوا بالوں کے ایک خیمہ میں مقیم تھا عینتہ کو اپنی فوج کے پاؤں اکھڑتے نظر آئے تو کھڑکھڑا کر طلیحہ کے خیمہ میں بیٹھ کر پوچھتا تھا کہ کوئی وحی آئی لیکن طلیحہ مرتبہ جواب نفی میں دیتا ہے آخر تیرے تیری بار عینتہ آیا اور یہی سوال کیا تو طلیحہ نے کہا ہاں وحی آئی ہے اور یہ ہے ان لکڑیاں کا گھاہ و حدیثا لا تنسأہ عینتہ تھوٹے مارے بے قابو ہو گیا اور بولا اللہ جانتا ہے کہ تجھ کو ایسا واقعہ پیش آئیگا کہ تو اسکو نہیں بھولے گا۔ طلیحہ سے یہ کہہ کر اس نے بنو فزارہ سے کہا کہ لوگو! یہ شخص جھوٹا ہے اس لئے اب تم جنگ سے ہٹ جاؤ۔ طلیحہ کی سب سے بڑی طاقت یہی بنو فزارہ تھے اس لئے میدان جنگ سے ان کا الگ ہونا تھا کہ طلیحہ کی فوج کو شکست ہو گئی طلیحہ نے اپنے لئے ایک گھوڑا اور اپنی بیوی نزار کیلئے ایک سواری کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا۔ میاں بیوی دونوں اپنی اپنی سواری پر بیٹھ میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ طلیحہ نے بھاگتے بھاگتے کہا کہ بنو فزارہ تم سے جو شخص بھی اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ بھاگ سکتا ہو اسے چلے ہے کہ اپنی جان لے کر بھاگ جائے۔

طلیحہ کی شکست اور اس کا طلیحہ یہاں سے فرار ہو کر سیدھا شام پہنچا۔ کچھ دنوں بعد جب اسکو معلوم مسلمان ہونا ہوا کہ قبیلہ اسد و عطفان دونوں مسلمان ہو گئے ہیں تو بنو کلب میں آکر خود بھی مسلمان ہو گیا۔ ایک مرتبہ عمرہ کے ارادے سے مکہ جاتے ہوئے مدینہ کے قریب وجوار سے گزر رہا تھا کہ کسی شخص نے حضرت ابو بکر کو اطلاع دی آپ نے فرمایا ”اب میں کیا کروں وہ مسلمان ہو گیا“

حضرت ابو بکر کی وفات تک وہ بنو کلب ہی میں رہا جب حضرت عمر فاروق سے بیعت منگوانے کی غرض سے وہ خلیفہ دوم کے سامنے آیا تو حضرت عمر نے پوچھا ”کیا تو وہی ہے جس نے عکاشہ اور ثنابت کو قتل کیا تھا؟“ واللہ میں مجھ کو کبھی پسند نہیں کر سکتا۔ طلیحہ نے جواب دیا امیر المؤمنین! اسلام تو پرانی چیزوں کو بدھم کر دیتا ہے۔ اب ان باتوں کا کیا ذکر اس کے علاوہ آپ کو ایسے دو مخصوص کی کیا فکر ہے جن کو اللہ نے میرے ذریعہ عزت بخشی یعنی شہادت پائی اور ان دونوں کے ہاتھوں نے مجھ کو ذلیل نہیں کیا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے طلیحہ کو بیعت کر لیا لہ جزیرہ نماے عرب کے شمال مشرق کے جو مرتد قبائل تھے حضرت خالد کی ان کے ساتھ تھی اور جنگ تھی۔ یہ شکست خوردہ قبائل بنو اسد اور قیس اور بنو فزارہ اپنے متعلقین کو میدان جنگ میں نہیں لائے تھے اور خود انہوں نے شکست کے بعد فوراً اسلام قبول کر لیا اسلئے ان میں کسی کو غلام باندی نہیں بنایا گیا اور حضرت خالد نے ان کو امن دیدیا لہ

بنو عامر کا اسلام | بنو عامر نے ادھر تھے اور نہ ادھر۔ مترد تھے اور یہ دیکھ رہے تھے کہ جنگ میں کس کا پلہ بھاری رہتا ہے۔ اب حضرت خالد کو فتح ہوئی اور بنو نبط جلیلہ اسد قیس اور عطفان یہ سب قبائل مسلمان ہو گئے تو اب ان میں سرکشی اور بغاوت کی جرات نہیں رہی۔ حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اقرار کیا کہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں اور اب نماز بھی پڑھیں گے اور زکوٰۃ بھی ادا کریں گے حضرت خالد نے ان سے بیعت لی اور ان کو امن دیا ظالموں کو سخت سزا میں | مذکورہ بالا جو قبائل مسلمان ہو گئے تھے انکے خاص خاص خدیت الفطرت سرداروں اور امیروں نے ان مسلمانوں پر اپنے ازہاد کے زمانہ میں بہت شدید ظالم کئے تھے جو ان میں گھر کر رہ گئے تھے اس لئے ان مسلمانوں کا انتقام لینا ضروری تھا چنانچہ حضرت خالد نے ان تمام قبائل مجبور کیا کہ وہ اپنے اس قسم کے لوگوں کو پیش کریں۔ یہ لوگ آئے تو ان میں سے چند ایک کو تو آپ نے گرفتار کر کے مدینہ بھیجا یا۔ انہیں میں عینتہ بن جعفر الفزازی قرۃ بن حبیرو۔ العجاءۃ السملی اور علقمہ بن علائہ تھے ان کے علاوہ باقی تمام کو خود بہت سخت اور عبرت ناک سزائیں دیں بعد میں حضرت ابو بکر کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بھی حضرت خالد کو

تعمری اور پرہیزگاری اور لوگوں کیساتھ احسان کا معاملہ کرنے کی تاکید فرمائی اور جن لوگوں نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا ان سے انتقام لینے کی بھی توفیق فرمائی لہ

ام نزل کی فتنہ انگیزی اس مہم سے فارغ ہو نیکے بعد بھی حضرت خالد بن زبیر میں ایک مہینہ مقیم اور اس کا استیصال رہے۔ کیونکہ اب بھی کچھ ایسے شہریہ اور کشر لوگ باقی تھے جو شکست کھا جاتا

اور قبائل کے مسلمان ہوجائیں گے باوجود فتنہ انگیزی پر تلے ہوئے تھے چنانچہ اسی قحاش کے کچھ لوگ ام نزل نامی ایک عورت کے پاس جمع ہو گئے۔ ام نزل، ام قرقہ کی بیٹی تھی۔ بنو فزارہ

کی طرف آنحضرتؐ نے حضرت زید بن حارثہ کی سرکردگی میں جو سر یہ بھیجا تھا اس کے ہاتھوں ام قرقہ گرفتار ہوئی تھی اور چونکہ اس نے مسلمانوں کے ساتھ انتہائی عداوت اور دشمنی کا

منظاہرہ کیا تھا اس لئے قتل کر دی گئی تھی، ام نزل کے دل میں وہی عیار بھرا ہوا تھا حالانکہ خود اس کے ساتھ معاملہ یہ کیا گیا تھا کہ جب یہ گرفتار ہو کر آئی تو حضرت عائشہ کے حصّہ میں بیٹھی

لیکن حضرت عائشہ نے چند روز کے بعد اسکو آزاد کر دیا اور یہ اپنے قبیلہ میں واپس چلی گئی۔ حضرت عائشہ کے اس احسان کے باوجود یہ اپنی ماں کے خون کو فراموش نہیں کر سکی تھی

اب عطفان - طے۔ سلیم اور ہوازن کے بچے کھچے باغی اور کشر لوگ جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ام نزل کے ارد گرد جمع ہوئے تو عورت کی بات اس نے ان سب لوگوں کو

پھیلنے پر آمادہ کر دیا اور بائینوں کے اس گروہ کے ساتھ خود ایک اونٹ پر بیٹھ کر جو اسکی ماں کا تھا بڑے کڑو قرار نشان و شرکت کیساتھ نکلی حضرت خالد کران واقعات کا علم

ہوا تو خود اسکے مقابلہ کو بڑھے۔ مسلمان مجاہدین نے ام نزل کے اونٹ کا محاصرہ کر لیا پہلے اونٹ کی کونچیں قطع کیں اور پھر ام نزل کو قتل کر دیا۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ اس اونٹ کے

ارد گرد ایک سو باغی شہسوار کام آئے اور اس فتح کا مشرودہ فوراً حضرت ابو بکر کو پہنچا دیا حضرت خالد نے اسکے علاوہ بھی دو تین شورشوں کا جو بزائیر کے قریب وجوار میں

برپا ہو رہی تھیں خاتمہ کیا اور آخر یہاں کے ایک ماہ قیام کی مدت میں شمال مشرق کے محاذ کا مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

قیدیوں کے ساتھ جن لوگ اس جنگ میں جو بڑے بڑے سردار کھڑے تھے حضرت خالد نے ان کو مدینہ بھیج دیا تھا حضرت ابو بکر نے ان کیساتھ جس ملاحظت اور نرمی کا معاملہ کیا اس

کا اندازہ اس سے ہو گا کہ یہ سب آگ تلخیر کی ہی لگائی ہوئی تھی لیکن اسکے باوجود جب اس نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تو حضرت ابو بکر نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ پھر طلحہ کی جو

کچھ بھی طاقت تھی عینیتہ کے دم سے تھی۔ لیکن اس نے جب اسلام کے قبول کر لینے کا اعلان کیا تو اسکی بھی جان بخشی کر دی گئی اور قید سے رہا کر دیا گیا۔ قرۃ بن ہبیدہ جو بنو عامر کا سردار تھا مدینہ

میں قیدی بنا کر لایا گیا۔ لیکن اس نے کہا کہ میں کبھی بھی مرتد نہیں ہوا۔ البتہ میری قوم زکوٰۃ کو تاوان سمجھتی تھی اس لئے اس سے اپنا اشتنا بچا ہتی تھی حضرت ابو بکر نے پوچھا تیرے

اس ایمان کا کوئی گواہ ہے؟ قرہ نے حضرت عمر بن العاص کو گواہی میں پیش کیا جو عثمان میں جیفر کے پاس سے مدینہ جاتے ہوئے بنو عامر کے قبیلہ میں ایک شب کیلئے قرۃ بن ہبیدہ کے ہمان

رہے تھے اور اس وقت قرۃ میں اور حضرت عمر بن العاص میں زکوٰۃ کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی تھی۔ اب اس وقت عمر بن العاص نے گواہی میں وہی گفتگو نقل کر دی اور اس سے ثابت

ہو گیا کہ قرۃ واقعی مرتد نہیں ہوا تھا تو حضرت ابو بکر نے اسکو بھی رہا کر دیا البتہ سبیا کر پیلے گزر چکے ہیں صرف ایک الفجاءۃ السملی ہے جس کو اس کی حد درجہ عداوتی اہل سفالی کی وجہ سے حضرت ابو بکر نے بڑی سختی اور بے رحمی کے ساتھ قتل کرایا ہے۔

## سجاح اور مالک بن نویرہ

بنو تمیم کی اہمیت قبیلہ بنو تمیم کے مکانات جنوب کی جانب بنو عامر سے ذرا فاصلہ پر اور مدینہ کے مشرق میں واقع تھے جو خلیج فارس تک چلے گئے شمال مشرق کی جانب میں دریائے

فرات کے دہانے سے ملے ہوئے تھے عہد جاہلیت میں اور اس کے بعد آنحضرتؐ کے عہد میں بھی یہ قبیلہ بڑا معزز سمجھا جاتا تھا اور شجاعت و سخاوت کے اوصاف میں ممتاز تھا

اس قبیلہ میں نامور شہداء بہادر اور فیاض طبع لوگ پیدا ہوئے اس قبیلہ کی شاخیں بنو حنظلہ



دارم۔ بنو مالک۔ بنو ربیع وہ ہیں جن کے کارناموں سے عربی ادب و تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

چونکہ یہ قبائل خلیج فارس اور فرات کے دہانے سے قریب تھے اس بنا پر ارض عراق اور جزیرہ منگے عرب دونوں کیساتھ ان کے تعلقات تھے اور ادھر ایران میں بھی ان کی آمد و رفت تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر لوگ لفرانیت کے زیر اثر آ گئے۔ یہ سب اسباب تھے جن کے باعث عرب میں جب بغاوت و ارتداد کا طوفان اٹھا تو بنو نمیم نے بھی اس میں نمایاں حصہ لیا۔

مالک بن نویرہ کی بغاوت آنحضرت کی جہنم بنی تو اس وقت آپ نے چند عمال بنو نمیم میں سے جو کچھ لوگوں کو مولیٰ بنو نمیم سے بھیجے تھے انہیں میں مالک بن نویرہ تھا جو قبیلہ بنو ربیع کا سردار تھا۔ آنحضرت کی خبر و فوات ملنے پر ان عالموں میں اختلاف ہوا کہ جو زکوٰۃ اور صدقات ان لوگوں نے جمع کر لئے تھے ان کا کیا کریں؟ ان کو حضرت ابو بکر کے پاس بھیجیں یا وہیں لوگوں میں تقسیم کریں۔ مالک بن نویرہ اس گروہ میں شامل تھا جو زکوٰۃ کو مدینہ بھیجنے کا مخالف تھا اس طرح اب وہ اسلام سے منحرف ہو کر اس کے مخالفوں کی صف میں شریک ہو گیا اور مسلمانوں کا کھلم کھلا دشمن بن گیا۔

سبحان کی آمد یہ عمال آپس میں اختلاف کر رہے تھے کہ اتنے میں سبحان بربنت الحارث الجریہ سے جو عراق میں ہے اس شان سے یہاں پہنچ گئی کہ اس کے قبیلہ بنو تغلب کے لوگ اس کو گھیرے ہوئے تھے اور وہ ایک عظیم لشکر کی قیادت کر رہی تھی جس میں قبیلہ ربیعہ، نمر آباد اور شیبیان کے آزمودہ کار لوگ شریک تھے۔ سبحان بنو نمیم کی شاخ بنو ربیع سے تعلق رکھتی تھی اور عراق کے بنو تغلب سے جنہوں نے مسیحیت کو اختیار کر لیا تھا اس کے ننھالی تعلقات تھے اس بنا پر ابتداً یہ خود بھی مسیحی تھی اور اسلام کے ساتھ جو دشمنی ہو وہاں لہ طری نے ان تمام عمال کے نام اور جن جن قبیلوں پر یہ مقرر کئے گئے تھے ان کے نام ذکر کئے ہیں یہ عمال آنحضرت کی وفات کے بعد تین حصوں میں بٹ گئے تھے ایک وہ جو اسلام کے سچے اور پکے حامی تھے اور انہوں نے اپنی جمع کردہ زکوٰۃ مدینہ بھیجی جیسے صفوان بن صفوان۔ دوسرے وہ جو مردہ تھے جیسے برفان بن بدیسرے وہ جو کھلم کھلا مخالف ہو گئے۔ مثلاً مالک بن نویرہ (ج ۲ ص ۳۹۵)

نصاری کو بھی سبحان بھی اسلام کیساتھ وہی عداوت رکھتی تھی۔ یہ کاہنہ تھی اور اسکی قابلیت ذہانت اور ہوشیاری کی دلیل بھی کیا کہ ہے کہ اس زمانہ میں عورت ہو کر عرب کے نامور قبیلوں کی قیادت کر رہی تھی۔

اسلام کیساتھ دشمنی کے باعث یہ موقع کی تلاش میں تو تھی ہی۔ آنحضرت کی خبر و فوات سننے ہی ایک لشکر لے مدینہ پر حملہ کا ارادہ سے چل پڑی۔ بعض مومنین کا خیال ہے اور غالباً صحیح ہے کہ سبحان کا یہ اقدام حکومت ایران اور عراق میں اس کے جو عمال تھے ان کے بھڑکانے اور جوش دلانے کا نتیجہ تھا۔ ورنہ خود اس کو اپنے بل بوتہ پر مدینہ پر حملہ کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ سبحان کی قبائل سے جنگ سبحان شمال عراق سے اتر کر جب جزیرہ منگے عرب میں داخل ہوئی تو طبی طور پر اس کو سب سے پہلے خود اپنے قبیلہ بنو نمیم کے پاس آنا چاہئے تھا۔ یہاں پہنچی تو دیکھا کہ آنحضرت کے عمال صدقات میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے، اب اسے موقع اچھا مل گیا۔ اس نے مالک بن نویرہ کو جملہ ہی اپنا ہم نوا بنا لیا۔ لیکن مالک بن نویرہ نے سبحان کو مشورہ دیا کہ وہ ابھی مدینہ پر حملہ کا ارادہ نہ کرے بلکہ بنو نمیم کے جو بعض قبیلے اب تک اسکی (سبحان کی) پیغمبری کا اقرار نہیں کر سکے ہیں اور اس کے مخالف ہیں۔ پہلے ان سے جنگ کی جائے۔ سبحان نے اس مشورہ کو فوراً قبول کر لیا۔ اس کے اصل قوت بازو دو مہم جنس تھے۔ ایک مالک بن نویرہ اور دوسرا دیکھ جو نمیم کی ایک شاخ بنو حنظلہ کا سردار تھا۔ ان دونوں کے مشورے سے اب سبحان نے بنو نمیم کی مختلف شاخوں پر حملہ شروع کر دئے جن میں قتل قتال ہوا۔ دونوں طرف کے آدمی گرفتار ہوئے اور غلام بنائے گئے لیکن آخر میں صلح ہو گئی اور قیدیوں کا تبادلہ کر لیا گیا۔

یہاں پر حملہ کا ارادہ یہاں سے فارغ ہو کر سبحان کے دل میں پھر مدینہ پر حملہ کرنے کا دلولہ اٹھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ مالک بن نویرہ اور دیکھ دونوں اپنے اپنے قبیلوں کو زبان دے چکے تھے کہ سبحان مدینہ جانے کے لئے ان قبیلوں سے نہیں گزرے گی اس لئے جب اہل جزیرہ کے سرداران فوج نے اس سے آکر کہا کہ اب ہم کیا کریں۔ مالک اور دیکھ تو لے ان قبیلوں کو مدینہ یا حضرت ابو بکر کے ساتھ ہمدردی نہیں تھی بلکہ اصل یہ ہے کہ (باقی اگلی صفحہ)

ہمدی کوئی مدد نہیں کریں گے اور ہم ان کے علاقوں میں گزر بھی نہیں سکتے ہیں تو اس پر سب نے ہنسنے لگا۔  
شان میں جواب دیا کہ ”یمنہ کا رخ کر دو۔ ان لوگوں نے کہا ”یمنہ کا معاملہ تو بڑا مشکل ہے  
وہاں مسلمانوں کی طاقت بڑی مضبوط ہے۔ لیکن سبوح بربی کوئی پرواہ کی بات نہیں ہے۔  
یمنہ پر حملہ لازمی طور پر کرنا ہے۔ لے

مسلمانوں اور سبوح کا نکاح | اب ادھر مسلمانوں کو خبر ہوئی تو سخت پریشان ہوا۔ اسکو اس بات  
کا اندیشہ تھا کہ اگر وہ سبوح سے جنگ کرنے میں مشغول ہو گیا تو مسلمانوں کا لشکر جو شامہ  
بن اہمال یا شہزاد بن حسنہ کی سرکردگی میں چلا آ رہا تھا اس کو غلبہ حاصل ہو جائیگا یا جو قبائل  
اسکے اطراف وکناف میں آباد تھے ان کو مرٹھا نیکا موقع مل جائیگا۔ اس بنا پر اس نے یہ  
چال چلی کہ اس نے سبوح کے پاس ایک ہدیہ بھیجا اور اپنی جان کی امان طلب کر کے اس سے  
پھینکی درخواست کی۔ سبوح نے درخواست منظور کر لی تو مسلمانوں کو یمنہ کے چالیس آدمیوں  
کو ہمراہ لیکر سبوح کے جائے قیام پر پہنچا۔ یہاں دونوں میں خلوت میں گفتگو ہوئی۔  
دونوں ہی کا ہن تھے اور پیغمبری کا دعویٰ کرتے تھے دونوں پر وحی نازل ہوتی تھی لیکن مسلمان  
بہر حال مرد تھا آخر وہ اس فتنہ کی پری کوششے میں اتار لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا  
کہ دونوں میناں بیوی بن گئے۔ لے

نکاح کے بعد مسلمان سبوح کو اپنی جائے قیام پر لے آیا۔ سبوح تین دن یہاں ہی  
پھر اپنی قوم میں واپس چلی گئی۔ مسلمانوں اور سبوح کے درمیان جو معاملات طے ہوئے تھے ان  
میں سے ایک یہ بھی تھا کہ یمنہ کی پیداوار سے جو کچھ آمدنی ہوگی اس کا نصف حصہ سبوح کو دینا پڑے گا  
(بقیہ صفحہ گزشتہ) چونکہ سبوح کے ساتھ الجزیرہ اور عراق کے لوگ تھے اسلئے ان قبیلوں کو اس بات کا اندیشہ تھا  
کہ اگر سبوح ان لوگوں کو لے کر ان قبائل میں سے گزرے گی تو اس سے ان کی آزادی اور خود مختاری ختم  
ہو جائیگی لہذا سبوح نے اس وقت پیغمبر لہذا میں گویا کہ ابھی اس پر وحی نازل ہوئی ہے جو الفاظ کہے وہ  
یہ تھے سلیم بالیما و ذواد حیف الحمائمہ۔ فالہا غزوۃ مصر امۃ لایلیحکو بیدھا ملا  
لے طریقی نے اس موقعے جو واردات آمد مسلمانوں اور سبوح کی جو باہمی گفتگو لکھی ہے اگرچہ عربی ادب و تاریخ ہونے  
ایک محقق کو اس کا اعتبار کرنا بہت مشکل ہے نہایت غمناک اور گندی ہے۔

سبوح ان معاملات کے انصرام و تعمیل کی غرض سے اپنے کارکن نہیں معتمد اور زیادہ کو یہاں  
چھوڑ کر الجزیرہ واپس لوٹ گئی۔ جہاں تک خلافت صدیقی کا تعلق ہے سبوح کے ڈرامہ  
کا یہ آخری سین ہے۔ کیونکہ پھر وہ عراق سے باہر نہیں نکلی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ  
کے عہد حکومت میں مسلمان ہو گئی تھی لے

## بطاح میں حضرت خالد کا نزول

سبوح کے جزیرہ لوٹ جانے کے بعد بنو تمیم کے بعض امرا مثلاً وکیع اور سماعہ اپنی بڑی  
پرندام ہوئے اور جب حضرت خالد حضرت ابوبکر کے حکم کے مطابق بڑا آخر کی مہم سے فارغ ہوئے  
بعد بطاح پہنچے تو وکیع بن مالک سماعہ اور زبیر قان اپنی اپنی زکوٰۃ لے کر حضرت خالد کی خدمت  
میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا ان کے برخلاف مالک بن نویرہ اب  
تک متردد تھا۔ لیکن چونکہ اس کو حضرت خالد کے مقابلہ کی جرأت نہیں تھی اس بنا پر اس نے اپنے  
تمام ساتھیوں اور قبیلہ والوں کو منتشر کر کے ان کے گھروں کو واپس کر دیا حضرت خالد  
یہاں پہنچے تو مطلع صاف تھا۔ آپ نے مسلمانوں کی چند ٹولیاں (سرباٹ) ادھر ادھر  
روانہ کیں اور تاکید کی کہ تم اسلام پیش کرو اور اذان دو جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں  
اور اذان دیں نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی عہد کریں ان سے کچھ نہ کہو لیکن جو  
ایسا نہ کریں ان کو سزا دی جائے۔

مالک بن نویرہ کا قتل | ایک ٹولی واپس ہوئی تو اپنے ساتھ مالک بن نویرہ اور چند اور  
لوگوں کو گرفتار کر لی لائی۔ یہ لوگ جو گرفتار کر کے لائے گئے تھے ان میں ابو قتادہ بھی  
تھے انہوں نے شہادت دی کہ قیدیوں نے اذان دی تھی اور نماز پڑھی تھی۔ لیکن بعض  
اور ارکان سریر نے اس کی مخالفت کی حضرت خالد نے اس اختلاف کے باعث قیدیوں  
کے متعلق اس وقت فیصلہ کرنا ملتوی کر دیا اور ان کو کسی جگہ مجبور کرنے کا حکم دیا  
لیکن رات ہی رات میں مالک بن نویرہ اور اسکے ساتھی قتل کر دیئے گئے اور حضرت خالد بن ولید

مالک بن نویرہ کی بیوی ام تمیم سے نکاح کر لیا۔ البتہ وہ انصاری کو اس پر سخت برہمی ہوئی اور وہیں حضرت خالد سے تیز کلامی کی لیکن انہوں نے اس پر برہمی نہیں کی بلکہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے اور مالک بن نویرہ کے بھائی ستم بن نویرہ نے ادلا حضرت ابو بکر اور پھر حضرت عمر سے خالد بن الولید کی شکایت کی اور پورا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت ابو بکر کو سن کر صدمہ تو ہوا لیکن مصلحت وقت کے پیش نظر چپ ہو گئے۔ فاروق اعظم کو شہید حضرت عثمانؓ رائے ہوئی کہ خالد فوراً معزول کر دیا جائے۔ اور چونکہ ایک مسلمان کو عوداً قتل کر کے اس کی بیوی سے عدت و فوات کے انقضاء سے قبل انہوں نے شادی کی ہے۔ اس لیے انہیں رجم کر دیا جائے حضرت عمر کا اس پر جب اصرار زیادہ بڑھا تو حضرت ابو بکر نے آخر حضرت خالد کو مدینہ طلب کیا اور ان سے گفتگو کے بعد آپ کو جب یقین ہو گیا کہ اگر مالک نویرہ کا قتل بجالت اسلام ہوا بھی ہے تو بہر حال وہ قتل عمد نہیں۔ قتل خطا ہے تو آپ نے حضرت خالد کی طرف سے مالک کا خون بہا ادا کیا اور چونکہ مقام جنگ (بطاح) سے حضرت خالد کی غیر حاضری کے باعث حالات زیادہ بگڑ گئے تھے اس بنا پر فوراً ان کو واپس روانہ کر دیا۔

## مالک بن نویرہ کے واقعہ قتل پر ایک نظر

ارتداد سے تائب ہونیکے باوجود مالک بن نویرہ کا قتل اور پھر اس کے بعد ہی فوراً اس کی بیوی سے نکاح ان دونوں چیزوں نے جہاں خالد کی سیرت سے متعلق ایک پیچیدہ بحث پیدا کر دی ہے اس سے بظاہر حضرت ابو بکر پر بھی مباحثت اور جرم سے چشم پوشی کا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اس پر ذرا تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔

واقعہ کی مختلف صورتیں اس سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعہ کی اصل صورت کیا تھی؟

(۱) اس سلسلہ میں ایک روایت جو طبری نے نقل کی ہے یہ ہے کہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے اسلام سے متعلق جب ارکان سر یہ میں اختلاف ہو گیا تو حضرت خالد بن الولید نے خیال کیا کہ دوسرے دن فیصلہ کریں گے اور قیدیوں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو بند کر کے رکھا جائے۔ اتفاق سے اس رات سردی بہت زیادہ تھی۔

اسی لئے حضرت خالد کو قیدیوں کا خیال آیا تو آپ نے صحابہ کو حکم دیا "اذشوا اسراکم" عام لغت کے مطابق اس فقرہ سے حضرت خالد کی مراد یہ تھی کہ اپنے قیدیوں کو کچھ اٹھا دو تاکہ سردی سے ان کی حفاظت ہو جائے لیکن جو لوگ میرے دسے رہے تھے وہ اذفا کے اس معنی سے بے خبر تھے اس لئے انہوں نے بلکہ ناز کے لغت کے مطابق اذفا کے معنی قتل کے سمجھے اور اس بنا پر سب قیدیوں کو قتل کر دیا۔ اب جینج و پکار کا شور بلند ہوا تو حضرت خالد نے پوچھا "یہ کیا ہے؟" اور جب معلوم ہوا کہ قیدی قتل کر دئے گئے ہیں تو انہیں انفسوں تو ہوا لیکن فرمایا "جو چیز مقدر ہوتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے" لے

(۲) طبری کی یہی ایک اور روایت یہ ہے کہ حضرت خالد نے یہ معلوم کر لینے کی غرض سے کہ کوئی شہادت سچی ہے۔ مالک بن نویرہ کے اسلام کی یا اسکے اصرار علی الارتداد کی خود مالک بن نویرہ کو بلایا اور گفتگو شروع کر دی۔ اثنائے گفتگو میں ایک مرتبہ مالک نے کہا "میرا خیال تو یہ ہی ہے کہ تمہارے ساتھی (صاحبکم) یہ کہا کرتے تھے "تمہارے ساتھی" کے لفظ آنحضرتؐ کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت خالد نے کہا "تو ان کو (آنحضرتؐ) اپنا صاحب نہیں سمجھا" یہ کہا اور اس کی اور ان کے ساتھیوں کی گردنیں اڑا دیں لے

(۳) تیسری روایت ابن خلکان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالد اور مالک بن نویرہ میں خوب گفتگو ہوئی اس کے سلسلہ میں مالک نے کہا "میں نماز پڑھتا ہوں۔ لیکن نکلوتہ نہیں دیتا" حضرت خالد نے کہا "کیا تجھ کو معلوم نہیں ہے کہ نماز اور نکلوتہ دونوں ہی فرض ہیں اور ایک بغیر دوسرے کے مقبول نہیں ہے" اس پر مالک بن نویرہ نے آنحضرتؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "قد کان صاحبك يقول ذالك" آپ کے صلیب تو پیش وچال کہتے تھے حضرت خالد کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص ابھی تک مسلمان نہیں

لے طبری ج ۲ ص ۵۰۲ لے طبری ج ۲ ص ۵۰۳ لے کسی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ مراد یہ ہے کہ نماز ہو یا نکلوتہ دونوں ہی فرض ہیں اور جب تک کوئی شخص ان دونوں کی حرصیت کا قائل نہ ہو اس کی کوئی ایک عبادت خواہ وہ فقط نماز ہو یا فقط نکلوتہ مقبول نہیں ہوگی۔

ہوا ہے چنانچہ انہوں نے کہا ”او ما تراه لك صاحباً“ کیا تو ان کو آنحضرتؐ کو اپنا صاحب نہیں سمجھا۔ اس کے بعد فرمایا ”میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ اس پر دونوں میں مزید سخت کلائی ہوئی۔ مالک بن نویرہ ”صاحبك“ کا لفظ بار بار دہرائے جاتا تھا۔ آخر حضرت خالد نے حکم دیا۔ اور مالک بن نویرہ قتل کر دیا گیا۔

(۴) چوتھی روایت یعقوبی کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کو لکھا کہ مالک بن نویرہ کا رخ کریں چنانچہ وہ وہاں پہنچے۔ مالک بن نویرہ نے حضرت خالد کے بلانے پر آیا تو اس کی بیوی بھی ساتھ تھی خالد پر اس کی بیوی کا کچھ اثر ہوا اور انہوں نے کہا۔

والله لانت ما في مشابكك  
جو تیرا ٹھکانہ ہے تو اس وقت تک نہیں بائیکا۔  
حتی اقتلك  
جب تک میں تجھ کو قتل نہیں کر دوں گا۔

اس کے بعد مالک بن نویرہ سے مناظرہ کیا گئے اور اس کی گردن اڑادی اور پھر اس کی بیوی سے نکاح کیا گئے۔

(۵) پانچویں روایت یاقوت حموی کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالد کا دستہ جو ضرار بن الازور کی سرکردگی میں تھا اس کا مقابلہ مالک بن نویرہ کے دستہ سے ہوا۔ دونوں میں جنگ ہوئی اور ضرار نے مالک کو قتل کر دیا گئے۔

اگرچہ کتاب الاغانی لابی الفرج الاصفہانی اور بعض دوسری ادبی کتابوں میں یہ واقعہ ایک افسانہ حسن و عشق بنا کر لکھا گیا ہے اور اس میں کافی رنگ آمیزی کی گئی ہے لیکن وہ سراسر بہرہ ورہ اور لغو ہے تاریخی حیثیت سے واقعہ کی جو صورت بھی ہو مذکورہ بالا چار صورتوں میں محدود ہے۔

واقعہ کی اصل صورت البیہقین بتانا چاہئے کہ قرآن اور قیاس کی روشنی میں واقعہ کی اصل صورت کیا تھی لہذا ابن خلکان ج ۵ ص ۶۲ مطبوعہ مصر جدیداً پیش لہذا اصل کتاب میں منظر مالک کا چھپا ہوا ہے کیونکہ یہ نزدیک یہ تصحیف ہے اصل لفظ نظر نہ ہو گا۔ اس کی تائید طبری وغیرہ کی روایات سے بھی ہوتی ہے لہذا تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۸ مغم البلدان ج ۱ ص ۶۶۱ مطبوعہ لیبیرنگ۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے وہ کچھ زیادہ قابل اعتبار نظر نہیں آتی وجہ یہ ہے کہ اذواق کے عام معنی ڈٹھا سکتے چھپانے اور گرمی پہنچانا ہی ہے قرآن و حدیث میں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے قتل کرنے کے معنی میں اس لفظ کا استعمال یا قتل سے اس کا کناہ ہونا دور کا احتمال ہے۔ اس بنا پر جب قیدیوں کے محافظین کو اس لفظ کی حقیقی مراد میں شبہ ہوا تھا تو انکو حضرت خالد سے پوچھنا چاہئے تھا محض ایک دور کے احتمال دیا ہوا ہے پر قتل کر دینا اور وہ بھی کسی معمولی شخص کو نہیں بلکہ مالک بن نویرہ ایسے اہم شخص کو اور پھر وہ بھی ایک جماعت کیساتھ کسی طرح قیاس میں نہیں آتا۔ اور اچھا اگر ان لوگوں سے یہ حرکت غلبت میں ہو بھی گئی تھی تو حضرت خالد کو ان سے باز پرس کرنی چاہئے تھی صرف یہ کہہ دینا کہ ”جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے“ کافی نہیں ہے۔ اگر واقعہ کی دراصل صورت یہ ہی تھی تو حضرت خالد صاف طور پر معذرت سے پوچھتے کہ حضرت مالک کا اس قدر غضب ناک ہونا اور حضرت ابو بکر کا اس کے جواب میں ”فَاَقَالَ فَاَخْطَا“ خالد نے تاویل کا ادراک سے خطا ہو گئی، فرمایا کر لئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ اور اگر ان سب باتوں کی بھی کوئی توجیہ کر لی جلتے تو حضرت خالد نے مالک کی بیوی سے جو فوراً نکاح کیا ہے درنا لیکر وہ مسلمان تھا اس کی کیا توجیہ ہوگی۔

باقی رہیں اب تین صورتیں تو وہ تقریباً ایک ہی متن کی مختلف شرحیں معلوم ہوتی ہیں لیکن بلا اور بلا اتنی واضح اور صاف نہیں ہیں جتنی کہ لہذا یعنی ابن خلکان کی روایت ہے۔ اس بنا پر ہمارے نزدیک اسی کو اصل سمجھنا چاہئے۔

مالک بن نویرہ کا مختصر حال | واقعہ کی اس صورت کے متعین ہوجانے کے بعد اب یہ سنو کہ مالک بن نویرہ کے حالات کیا ہیں؟

مالک بن نویرہ بنو تمیم کی شاخ بنو ربیعہ کا سردار تھا کنیت ابو بختلہ تھی عرب کے مشہور شہرا اور شہسواروں میں اس کا شمار ہوتا ہے، یہ مسلمان کب ہوا؟ اس کی صحیح تاریخ کا متعین کرنا مشکل ہے۔ غالباً ۱۰ھ یا ۱۱ھ ہجری میں ہوا ہوگا۔ جب کہ بنو تمیم کا ایک مذہب خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا۔ بہر حال اتنا معلوم ہے کہ آنحضرتؐ نے اسکو اپنی قوم کے صدقات کے جمع کرنے پر عامل مقرر فرمایا تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات کی خبر پہنچی تو

اس نے زکوٰۃ روک لی اور اس کو مدینہ بھیجنے کے بجائے اپنی قوم میں تقسیم کر دیا اور اس نے یہ شعر پڑھے۔

فقلت خذوا أموالكم غير خائفين  
ولا ناظرين فيما يجئ من العبد  
فان قام بالدين المتعوف قائم  
اطعنا وقلنا الدين دين محمد له

اب اس وقت سے لیکر قتل ہونے تک مالک بن نویرہ نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں جیسا کہ طبری کے حوالہ سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱) مالک بن نویرہ نے صرف یہ ہی نہیں کیا کہ اس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہو بلکہ جب سجاح عراق سے چل کر مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے یہاں پہنچی تو مالک بن نویرہ نے اس سے ساز باز کر لی اور اس جھوٹی مدعیہ نبوت کا وہ دست راست بن گیا۔

۲) سجاح کو آمادہ کیا کہ بتو تمیم کی بعض شاخیں جواب تک اپنے اسلام پر قائم تھیں ان پر وہ حملہ کرے چنانچہ سجاح نے ایسا کیا اور مالک بن نویرہ نے اس معاملہ میں اسکی ہر قسم کی مدد کی۔

۳) سجاح کے عراق چلے جانے کے بعد زبیر قان، وکیع بن مالک اور سماعۃ جو آنحضرتؐ کی خبر وفات سکر متردد یا مخالف ہو گئے تھے ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا چنانچہ حضرت خالد بن اخیاض سے مقام بطاح میں پہنچنے تو ان لوگوں نے حضرت خالد کا

استقبال کیا اور اپنے جمع کئے ہوئے صدقات ان کے حوالہ کر دیئے لیکن مالک بن نویرہ کو اب بھی سورش نہیں آیا اور وہ اپنے لوگوں کو لیکر اپنے قبیلہ میں چلا گیا۔

۴) حضرت خالد نے جو جماعت (سریہ) ان لوگوں کے تعاقب میں روانہ کی تھی اس سے تاکیداً کہا تھا کہ اگر یہ لوگ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کے ادا کرنے کے لئے بھی حامی

لے الاصابہ ج ۳ ص ۳۳۶ اصل کتاب میں المحوق چھپا ہوا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

لے ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں۔ و عرفا وکیع و سماعۃ قہ ما اتیا فراجعار جو عا حسناً  
ولم یتمیروا و اخرجوا الصدقات فاستقبلا بها خالداً و سار خالد یورید البطاح  
وبہا مالک بن نویرہ قد تودد علیہ امک۔ التاریخ الکامل ج ۳ ص ۲۴۲۔

بھریں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے لے

حضرت خالد کے اس صاف و صریح حکم کے باوجود اس سریہ کا مالک بن نویرہ کو گرفتار کر کے لانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ مالک بن نویرہ نے اس جماعت کی سامنے ادائے زکوٰۃ کی حامی نہیں بھری تھی۔

(۵) مالک بن نویرہ کے واقعہ قتل سے متعلق طبری اور ابن خلکان کے حوالہ سے جو دو روایتیں اوپر گزر چکی ہیں ان میں صاف تصریح ہے کہ حضرت خالد اور مالک بن نویرہ میں جو گفتگو ہوئی ہے اس میں مالک بن نویرہ نے ادائے زکوٰۃ کا اقرار نہیں کیا اور وہ اپنے انکار پر برابر مہر رہا۔ اس کے علاوہ اس نے آنحضرتؐ کیلئے صاحبکھو کی ترکیب استعمال کی۔

اب غزدر و مالک بن نویرہ کے اس تجزیہ بحالات سے کیا کسی درجہ میں بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے ارتداد سے تائب ہو کر پھر مسلمان ہو گیا تھا؟

مالک بن نویرہ کے یہ حالات تو خود مالک بن نویرہ کے تھے۔ اب ہم کو اس شہادت پر بھی اسلام کی شہادت ایک نظر ڈالنی چاہئے جو اس کے اسلام سے متعلق تاریخ سے فراہم ہوئی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ مالک بن نویرہ کو گرفتار کر کے لایا تو جماعت میں مد

چاہ نہیں بلکہ کافی تعداد میں مسلمان ہونے لگے لیکن اس کے باوجود مالک بن نویرہ کے اسلام کی شہادت صرف دو شخصوں سے ہی منقول ہے۔ ایک متم بن نویرہ جو خود مالک بن نویرہ کے حقیقی بھائی تھے اور ان کو اپنے اس بھائی سے کس درجہ محبت تھی وہ ان کے ان بھائی سے ظاہر ہے جو خنساء کے مرثیہ کی طرح عرب کی تاریخ مرثیہ گوئی میں شہسکار کی حیثیت رکھتے ہیں اور دوسرے شخص ابوقتادہ انصاری ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ مؤخر

الذکر ایک جلیل القدر صحابی اور انصاری ہیں اس بنا پر ہم انکی طرف جھوٹ اور دروغ گوئی کی نسبت نہیں کر سکتے لیکن اس سلسلہ میں بہر حال مندرجہ ذیل باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔

۱۱ حضرت ابو قتادہ نے جو شہادت مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے اسلام کی دی ہے اس میں اداۓ زکوٰۃ کے اقرار کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس قدر ہے کہ اَتَقُوْا اِقَامُوا الصَّلَاةَ۔ ان لوگوں نے نماز پڑھی تھی لے

۱۲ حافظ ابن حجر نے اقامتِ صلوة کے علاوہ اذان کا بھی ذکر کیا ہے لیکن زکوٰۃ کا وہاں بھی نام نہیں ہے۔ حضرت خالد جب بزاخر کی مہم سے فارغ ہو کر بطاح کے قصد سے روانہ ہونے لگے ہیں تو انصار نے ساتھ جانے سے انکار کیا اور کہا کہ اس بارہ میں خلیفہ کا ہمارے پاس کوئی حکم نہیں ہے۔ ہر چند حضرت خالد نے سمجھایا کہ میرے پاس حکم موجود ہے اور میں امیر بھی ہوں۔ لیکن نہ مانے۔ آخر جب خالد ان کو پیچھے چھوڑ کر کافی دور نکل گئے تو ان کو خیال ہوا کہ اگر اسلامی لشکر کو کامیاب ہوئی تو ہم اس میں حصہ دار بننے سے محروم رہیں گے اور اگر ناجائز ہوئی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو لوگ ہمیں کو برا سمجھیں گے اب ان کو ندامت محسوس ہوئی اور وہ حضرت خالد کے لشکر میں جا کر شریک ہوئے۔ لے

اگرچہ اس واقعہ کو نقل کرنے سے ہمارا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں ہے کہ چونکہ حضرت ابو قتادہ بھی انصاری تھے اس بنا پر ان کو پہلے سے ہی حضرت خالد کے ساتھ اختلاف تھا اور وہ یہاں (مقام بطاح) میں آنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کے جزئی واقعات کو قانون شہادت کی رو سے کسی واقعہ کی اصل نوعیت کے متین کرنے میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ واقعہ زیر بحث میں اگرچہ حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کا عند قول فرمایا اور پھر دوبارہ میلہ سے جنگ کرنے کی عرض سے ان کو اس عہدہ پر واپس کر دیا لیکن حضرت ابو قتادہ کے دل میں حضرت خالد کی طرف سے جو تکدر پیدا ہو گیا تھا وہ پھر بھی نزلکا اور انہوں نے قسم کھالی کہ اب وہ آئندہ کبھی خالد کے جھنڈے کے نیچے نہیں چلیں گے۔ یعنی ان کی سرداری میں کسی جنگ میں شریک نہیں ہوں گے لے

اب نفسیات کے کسی طالب علم سے دریافت کرو حضرت ابو قتادہ کا یہ رویہ کس چیز

لے الاصابہ ج ۳ ص ۳۳۷

لے البیادۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۳۲۲

لے تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۳۸

لے کمال ابن اثیر ج ۲ ص ۲۰۲

کی غازی کر رہا ہے۔

اد پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اگر واقعی مالک بن نویرہ قتل سے پہلے ارتداد سے تاب ہو کر سچا اور لپکا مسلمان بن بھی گیا تھا تو تب آخرت میں اس کا اس کو اجر ملے گا۔ اور یہ معاملہ خود اس کے اور خدا کے درمیان ہے لیکن جہاننگ واقعات کی ترتیب اور انکی تحقیق و تصدیق کا تعلق ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ حضرت خالد پر ایک مسلمان کے قتل عمد کا کوئی الزام عائد نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ حضرت خالد کی رائے اور یقین میں اپنے ارتداد پر بدستور قائم تھا اور مسلمان نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر سے حضرت خالد نے کہا تھا کہ مالک جب اثنائے گفتگو میں رسول اللہ کا ذکر کرتا تھا تو آپ کیلئے ”صاحبک“ کی ترکیب استعمال کرتا تھا لے حضرت ابو بکر نے خالد کے اس عند قول کو قبول فرمایا تو ایسے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابو بکر نے بھی مالک بن نویرہ کے عدم اسلام و قیام علی الارض کو تسلیم کر لیا تھا۔ ورنہ جیسا کہ حضرت ابو بکر کے الفاظ تاول فاختطی سے متبادر ہوتا ہے۔ اگر واقعہ یہ ہی ہے کہ حضرت خالد کو غلط فہمی ہوئی تھی اور اس بنا پر انہوں نے ایک مسلمان کو قائم علی الارض سمجھ لیا تھا تو اگرچہ حضرت خالد ایک مسلمان کے قتل عمد سے بری ہو جاتے ہیں بہر حال ان کا مالک کی بیوی سے اس کی عدت و وفات کے انقضاء سے قبل نکاح کر لینا تو کسی طرح بھی جائز اور درست نہیں ہو سکتا۔ اور اس بنا پر ضروری تھا کہ اول تو حضرت خالد اس عورت سے خود قطع تعلق کر لیتے اور اگر خود نہ کرتے تو کم از کم حضرت ابو بکر کو حکم کرنا چاہئے تھا کہ وہ تعلق منقطع کر دیں کیونکہ سرے سے نکاح ہی فاسد تھا۔

حافظ ابن حجر نے زیر بن بکار کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے خالد بن الولید کو حکم کیا تھا کہ وہ مالک کی بیوی سے مفارقت اختیار کر لیں لے ممکن ہے یہ روایت صحیح ہو اور حضرت ابو بکر نے واقعی حضرت خالد سے ایسا کہا ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت خالد نے ام المومنین سے تعلق منقطع نہیں کیا، چنانچہ خالد کی بیوی خنیفہ کے ساتھ جو جنگ ہوئی ہے اس موقع پر ام تمیم حضرت خالد کے ساتھ موجود تھی اور حضرت خالد نے ایک خیمہ میں لگی

لے الاصابہ ج ۳ ص ۳۲۷

لے الاصابہ ج ۳ ص ۳۲۷

کی حفاظت پر مقرر کر رکھا تھا لہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً حضرت خالد کا نکاح ام مہیم کیسا کھدرست تھا۔ اسی بنا پر حضرت خالد نے اس سے از خود مفارقت اختیار کی اور نہ انہوں نے اس بارہ میں حضرت ابو بکر کے حکم یا مشورہ کی پرواہ کی۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی حضرت ابو بکر نے اس بارہ میں حکم دیا تھا۔

ایک اشکال اور اس موقع پر بعض مورخین کو اشکال یہ پیش آیا ہے کہ اچھا اسم نے مانا کہ اس کا جواب مالک بن نویر نے از نداد سے تو یہ نہیں کی تھی لیکن وجہ کیا ہے کہ جنگ بزانہ کے موقع پر اپنے اپنے قبیلہ کے بڑے بڑے سردار قرظہ بن سبیرہ۔ العجاءۃ السلی ابو بکر بن عیینہ بن حصن الفزاری جیسے لوگ گرفتار ہوئے تو حضرت خالد نے ان کو سیدھا مدینہ بھیج دیا تھا اور خود ان کی نسبت کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ پھر مالک بن نویر کے بارے میں بھی ایسا کیوں نہیں کیا جب کہ وہ مرتبہ اور حیثیت میں ان لوگوں سے کسی طرح کم اور جرم کے اعتبار سے کسی طرح بڑھا ہوا نہیں تھا لہ

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ دراصل حضرت ابو بکر اس قسم کے معاملات میں اپنے اعیان شکر اور مارنے فوج پر پورا اعتماد کرتے اور انہیں کو وسیع اختیارات دیتے تھے چنانچہ تعقار بن عمر کو ایک جماعت کے ساتھ علقمہ بن علالہ کو اس کے ارتداد و بغاوت کی سزا دینے کیلئے روانہ کیا تو آپ نے فرمایا ”علقمہ تمہارے ہاتھ پر تھا تو تمہیں اختیار ہے اس کو میرے پاس بھیجو یا تم خود قتل کر دو اس کے بعد اپنے یہ نہایت ہی حکیمانہ جملہ ارشاد فرمایا۔

واعلم ان شفاء النفس الخوض اور یاد رکھو کہ نفس کی شفا کسی کام کو خوب فاسنع ما عند اللہ سے اچھی طرح کرنے میں ہے۔ اس لئے جو تکویناً مستعد ہوگا

اس عام پالیسی کے ماتحت اسی طرح کے اختیارات حضرت ابو بکر نے حضرت خالد بن الولید کو بھی دئے تھے کہ جس مجرم کے حق میں وہ جو چاہیں اپنی صواب دید کے مطابق

لے کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۷۶ اس جنگ کا مفصل تذکرہ آگے آئے گا۔

لے الصدیق ابو بکر از محمد حسین ہیکل مصر ص ۱۵۶ لے طبری ج ۲ ص ۲۹۰

حضرت خالد کے نام ایک مکتوب گرامی میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لیزدکھما النعم اللہ بہ علیک  
خیرا و اتق اللہ فی امرک فان اللہ  
مع الذین اتقوا والذین هم  
مخنون جد فی امر اللہ ولا  
تتین ولا تظفرن باحد قتل  
المسلمین الا قتلتہ و  
نکلت بہ غیرہ ومن  
احببت من حاد اللہ او  
صادہ من تری ان فی ذالک  
صلاحا فاقتلہ لہ

اللہ نے تم کو جو نعمتیں خیر کی دے رکھی ہیں ان میں اور اضافہ نہ ہوتا ہے اپنے معاملات میں اللہ سے برابر ڈرتے رہو۔ کیونکہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی ہوتے ہیں اور جو نیک ہوتے ہیں تم اللہ کے معاملات میں پوری سعی کر دو سستی نہ کھاؤ اور جن لوگوں نے مسلمانوں کو قتل کیا ہے ان میں سے اگر کوئی تمہارے ہاتھ لگ جائے تو اس کو قتل کر دو اور اس طرح دوسروں کو سبق دو۔ اور لکھے علاوہ جن لوگوں نے اللہ سے انحراف یا بغاوت کی ہے اگر تمہاری رائے میں اس کو قتل کر دینا مناسب ہو تو قتل کر دو۔

بلکہ جہاں تک مالک بن نویر کا تعلق ہے ایک روایت یہ بھی ہے کہ خود حضرت ابو بکر نے حضرت خالد سے قسم کی تھی کہ اگر مالک بن نویر ہاتھ پر جائے تو اس کو بلاتامل قتل کر دیں اصل الفاظ یہ ہیں۔ وعزم علیہ لیقطن مالکان اخذہ لہ

مذکورہ بالا تقریر سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ مالک بن نویر قتل کے وقت مرتد تھا اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ حضرت خالد نے اسی وجہ سے ان اختیارات کے ماتحت جو حضرت ابو بکر نے ان کو دئے تھے مالک کو قتل کیا اور وہ اس میں حق بجانب تھے، مالک کے بھائی مہتم بن نویر کا قصہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ حضرت عمر کے لے طبری ج ۲ ص ۲۹۱ لے ابو یاس احمد بن ابی ہاشم القیس نے خاص حضرت خالد اور مالک بن نویر کے واقعہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا تھا۔ شیخ عبد القادر بن عمر البغدادی نے اپنی مشہور کتاب خزائن الادب علی اشواہد شرح الکافیہ میں اس رسالہ کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ یہ جلد اسی اقتباس میں ہے دیکھو خزائن الادب ج ۱ ص ۱۲۷ مطبوعہ میریہ بلوچ

پاس آیا اور اس نے بھائی کا جو مشیہ لکھا تھا سنایا تو فاروق اعظم پر اس کا بڑا اثر ہوا اور فرمایا کہ اگر میں بھی شاعر ہوتا تو اپنے بھائی زید کا مشیہ کہتا۔ متمم بن نویرہ بولالے امیر المؤمنین دونوں برابر نہیں ہیں۔ اگر میرا بھائی بھی اسی طرح قتل ہوتا جیسا کہ آپ کا بھائی ہو اے تو میں کبھی اپنے بھائی کا مشیہ کہتا ہی نہیں حضرت عمر نے یہ سن کر فرمایا جیسی تعزیت آج متمم بن نویرہ نے میری کی ہے ایسی آج تک کسی نے کی ہی نہیں۔

علامہ ابن شاکر المتوفی ۳۷۷ھ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ مالک بن نویرہ خود اس کے بھائی متمم کے نزدیک بھی مرتد قتل ہوا تھا اور حضرت عمر سے اس نے جو کچھ کہا اسکا مطلب یہ تھا کہ میں تو اپنے بھائی کو اس لئے روتا ہوں کہ وہ اسلام پر نہیں مارا گیا اسکا انجام خراب ہوا لیکن آپ کے بھائی زید تو اسلام کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں جن کی راہ میں مارے گئے ہیں انکے مراتب اور مدارج تو اللہ کے ہاں بہت بلند ہیں۔ تو پھر ان کے ماتم کی کیا ضرورت ہے لے

ام تمیم سے نکاح | اس واقعہ میں حضرت خالد نے صرف ایک مالک بن نویرہ کو ہی قتل نہیں کیا تھا بلکہ اس کے جتنے ساتھی تھے وہ بھی قتل کر دئے گئے تھے لیکن اسکے باوجود حضرت خالد کے خلاف جو شور مچا ہوا اس کی بنیاد مالک بن نویرہ ہی کا قتل تھا اس سلسلہ میں کسی اور مقتول کا نام نہیں لیا جاتا۔ اس کی وجہ درحقیقت ایک تو یہ ہے کہ حضرت خالد نے مالک بن نویرہ کی بیوی ام تمیم بنت منہال سے اسی روز نکاح کر لیا اور اسکی وجہ سے لوگوں کو موقع مل گیا کہ وہ اس نکاح کو قتل مالک کا سبب قرار دیں لے اور دوسری وجہ جو متمم بن نویرہ تھا چنانچہ حضرت عائشہ نے بھی اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کی شہادت پر وہی شعر بطور مشیہ پڑھے ہیں اور صحیح بخاری میں درج ہیں۔

لے فوات الوفيات ج ۲ ص ۲۹۶ مطبوعہ مکتبۃ النهضة المصریہ لے چنانچہ افغانی وغیرہ میں لکھ ہی دیا کہ حضرت خالد تو اس عورت سے زمانہ جاہلیت سے محبت کرتے تھے حالانکہ جو شخص عربوں کے اخلاق سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ محض بیوی حاصل کرنے کے لے اسکے شوہر کو قتل کرنا ایسے ہاں حد درجہ بزدلانہ اور غیر شریفانہ فعل سمجھا جاتا تھا تو پھر عرب بھی خالدين بن ابی سہبہ بن عثمان بن زید کا شوہر کو قتل ہو سکتا تھا۔

جہاں تک دوسری وجہ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے یہ شعر کی کرشمہ سازیاں ہیں جن سے تاریخ ادب کے صفحات بھرے ہوئے ہیں حضرت خالد پر اسکی ذمہ داری کیونکر عائد ہو سکتی ہے یہی پہلی وجہ تو ہمارے خیال میں اصل صورت یہ پیش آئی ہے کہ حضرت خالد نے پہلے ام تمیم کو باندی بنایا ہوگا۔ اور یہ ثابت ہی ہے کہ گرفتار شدہ لوگ ”سبایا“ بنائے گئے تھے جنکو بعد میں متمم بن نویرہ کی درخواست پر حضرت ابو بکر کے حکم سے آزاد کر دیا گیا تھا۔ لیکن ام تمیم نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا ہوگا تو اب حضرت خالد نے اس سے نکاح کر لیا معترضین کہتے ہیں کہ حضرت خالد اس کو دیکھ کر عاشق ہو گئے تھے اس لئے نکاح کیا ممکن ہے یہ صحیح ہو لیکن جب نکاح شرعاً درست تھا اور مالک بر بنائے ازداد قتل ہوا تھا تو اس میں شرع یا اخلاق کسی اعتبار سے کیا قباحت ہے یہ تو اس وقت ہے جب کہ معترضین کی بات کو صحیح مان لیا جائے۔ ورنہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ام تمیم جو بچہ ایک عالی مرتبت اور معزز شخص کی بیوی تھی اور اب وہ بیوہ ہو گئی اسلئے حضرت خالد نے اس کی تسلی اور دل دہی کیلئے اس سے نکاح کیا تھا۔ رہا قتل کے بعد فوراً نکاح کرنا تو ہمارے خیال میں رادی کر اس میں شبہ ہوا ہے۔ کیونکہ طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

وتزوج خالد ام تمیم ابنة المنہال خالد نے ام تمیم سے نکاح کیا اور پھر اسکو چھڑا  
وتزکھا لینی قضا طہرھا (ج ۲ ص ۵۲) تاکہ اسکی مدت طہر پوری ہو جائے۔

غالباً مالک کے قتل کے بعد حضرت خالد ام تمیم کو بطور مسی اپنے خیمہ میں لے گئے ہونگے اور پھر اسکے مسلمان ہو جانے پر کچھ دنوں کے بعد اس سے نکاح کیا ہوگا۔ انکو رومی نے اس طرح بیان کر دیا یاد رکھنا چاہئے کہ یہ صرف ہمارا قیاس نہیں ہے بلکہ اسکی ایک مصلح بھی موجود ہے ابو زید و یقینہ بن الوشاء المتوفی ۳۷۷ھ قریباً صدی کے ایک بلند پایہ مورخ ہیں انہوں نے حضرت ابو بکر کے عہد میں غزوة ازداد کا جو طوفان اٹھا تھا خاص اسی موضوع پر ایک مستقل کتاب ”کتاب الردہ“ کے نام سے لکھی تھی۔ یہ کتاب اب ناپید ہے لیکن یہ کس باب کی کتاب تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اصابعہ میں جگہ جگہ اسکے حوالے دئے ہیں ادا کے اقتباسات نقل کئے ہیں چنانچہ اصابعہ کے انہیں



اقتباسات کو ایک جرمین ناضل نے ایک جا مرتب کر کے کتاب الردہ کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ ابو زید و شمیرہ کا تذکرہ دنیات الایمان اور فوات الوفيات دونوں میں اسکے علاوہ محمد بن عمر الواقدی نے بھی اسی موضوع پر اور اسی نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کا ایک نسخہ ابتدائی اور اعلیٰ مطابق اصلاح کرنی ضروری ہے۔ پٹنہ میں موجود ہے ابن شاکر نے متمم بن نویرہ کے تذکرہ میں شمیرہ اور واقدی ان دونوں کی مذکورہ بالا کتابوں کے حوالہ سے حضرت خالد اور مالک بن نویرہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے اس میں حضرت خالد اور ام تمیم کے نکاح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قیل انه اشتراها من الفیء  
وتزوج بها وقيل انها  
اعتدت بثلاث حیض لثی  
خطبها الى نفسه  
فاجابت له  
کوئی کہہ سکتا ہے کہ اچھا جب بات یہی تھی تو پھر حضرت عمر نے حضرت خالد کے رجم کر دینے کا مطالبہ کیوں کیا، تو اسکے جواب میں ہم ایک روایت پیش کرتے ہیں جس سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائیگا۔ حافظ ابن حجر نے فرار بن الازدری لاسدی کے تذکرہ میں الاصابہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں حضرت خالد نے فرار بن الازدری کے ماتحت بنواسد کی طرف ایک دستہ (سریہ) روانہ کیا۔ اس دستہ نے بنواسد پر چھاپہ مارا اور ایک عورت گرفتار کر لی، مزار جو دستہ کے امیر تھے وہ مسلمانوں سے اجازت لیکر عورت کو اپنے تصرف میں لے آئے۔ لیکن بعد میں ان کو ندامت ہوئی اور انہوں نے حضرت خالد سے درخواست کی کہ وہ اس واقعہ کی اطلاع حضرت عمر کو کر دیں اور اس کے لئے بارگاہ خلافت سے باقاعدہ منظوری لے لیں حضرت خالد کے نزدیک چونکہ اسکی ضرورت نہیں تھی اس لئے انہوں نے فرار سے کہا کہ اسکی ضرورت

لے دیکھو فوات الوفيات ۲۷ صفحہ ۲۲۵ تا صفحہ ۲۲۸

نہیں ہے لیکن وہ نہ مانے۔ آخر حضرت خالد نے فاروق اعظم کو اس کی اطلاع دی تو آپ کو سخت غصہ آیا اور فوراً حضرت خالد کو حکم بھیجا کہ مزار کو سنگسار کر دیا جائے۔ اتفاق یہ ہوا کہ حکم پہنچنے سے پہلے ہی مزار کا انتقال ہو گیا۔ اب حضرت خالد کو یہ حکم ملا تو انہوں نے فرمایا "اللہ مزار کو رسوا کرنا نہیں چاہتا تھا"

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر ابن خطاب نے خلیفہ کے بغیر مال غنیمت میں تصرف کو ناجائز اور حرام سمجھتے تھے اور اسی بنا پر انہوں نے ام تمیم کیساتھ تھرتھری کو حرام سمجھ کر حضرت خالد کو مستحق رجم قرار دیا لیکن اس کے برخلاف حضرت خالد مسلمانوں کی باہمی رضا مندی کے بعد مال غنیمت میں تصرف کو جائز قرار دیتے تھے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت خالد نے درپردہ حضرت ابوبکر سے اس طرح کے تعارف کیلئے اجازت لے رکھی ہو اور اسی بنا پر حضرت ابوبکر نے حضرت خالد کے خلاف اس معاملہ میں کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی۔

چند منہنی مباحث تم پڑھ آئے ہو کعبہ الوقادہ الفاری نے مدینہ اگر حضرت خالد کی شکایت صدیق اکبر سے کی تو آپ سکر غضب ناک ہو گئے اور انکی شکایت پر کوئی اعتنا نہیں کیا۔ آخر ابو قتادہ حضرت عمر کے پاس آئے اور پورا واقعہ کہہ سنایا حضرت عمر فاروق سخت برہم ہوئے اور اسی وقت حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خالد کی تلوار میں فساد ہے آپ ان کو فوراً معزول کر دیجئے اور میدان جنگ سے واپس بلا لیجئے اسکے علاوہ حضرت خالد کی شان میں کچھ اور سخت الفاظ بھی استعمال کئے۔ حضرت ابوبکر نے انکو ٹوکا اور فرمایا جیسی تلوار کو اللہ نے اپنے دشمنوں پر بے نیام کر دیا ہے میں اس کو نیام کے اندر واپس نہیں کر سکتا (اشارہ تھا حضرت خالد کے سیف اللہ ہونے کی طرف) لیکن حضرت عمر کا اصرار زیادہ بڑھا تو حضرت خالد کو مدینہ طلب کیا۔ خالد مدینہ پہنچ کر مسجد نبوی میں سے گزر رہے تھے کہ وہاں فاروق اعظم نے انکو دیکھ کر سخت کسمت کہا لیکن انہوں نے پرواہ نہیں کی۔ وہ میدان سے صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گفتگو ہوئی اور اس کے بعد حضرت ابوبکر نے متمم بن نویرہ کو اس کے بھائی کا خون بہا بیت المال سے ادا کیا اور خالد بن ولید کو بطح واپس کر دیا۔ یہ پڑھنے کے بعد قدرتی طور پر درج ذیل سوال اللہ میدا کرتے (۱) اگر حضرت خالد خلیفہ رسول کی رائے میں بے گناہ تھے تو انہوں نے خون بہا کیوں چاہا؟

(۲) حضرت ابو بکر اور حضرت عمر میں اس قدر شدید اختلاف کی وجہ کیا ہے۔

اب ہم ہر ایک سوال کا جواب الگ الگ بالترتیب لکھتے ہیں۔

حضرت ابو بکر کا اگرچہ حضرت خالد سے گفتگو کے بعد اور دوسرے ذرائع سے بھی واقعہ

دیت ادا کرنا کی اصل نوعیت حضرت ابو بکر پر روشن ہو گئی تھی لیکن اس سے انکار

نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت خالد نے عجلت پسندی اور بے احتیاطی سے کام لیا تھا اگر

وہ مالک بن نویرہ کو قتل کرنے کی بجائے مدینہ بھیجتے تو جب وہ دیکھتا کہ سب ہی ان

ذرائع قابل مسلمان ہونے جا رہے ہیں تو ممکن ہے وہ بھی مسلمان ہو جاتا اسکے علاوہ

ام تیمم سے نکاح کیسا ہی جائز ہے۔ بے احتیاطی کا عمل ضرور تھا۔ ان دونوں باتوں کی وجہ سے

اول تو خود حضرت ابو بکر کو ناگوار ہی تھی پھر عمر بن نویرہ کی تالیف قلب صحیح حضرت عمر فاروق

کی تسکین خاطر بھی ضروری تھی، ان مصالحت کے پیش نظر اپنے متم کو دیت امان سے ادا کی

آپ کا یہ عمل محض برہنہ مصلحت و سیاست تھا۔ اس لیے نہیں تھا کہ آپ کی رائے میں

بھی حضرت خالد ایک مسلمان کے قتل خطلے کے مرتکب ہوئے تھے۔ چنانچہ جیسا آگے آئیگا

عراق کی فتوحات کے سلسلہ میں مسیح نامی ایک مقام پر حضرت خالد نے عبد العزیٰ جہانام

بعد میں عبد اللہ ہو گیا تھا اور لبید بن جریان دونوں کو جو دشمن کے کیمپ میں تھے قتل

کر دیا تھا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ دونوں مسلمان تھے اور اس بارہ میں ان کے پاس حضرت

ابو بکر کی ایک تحریر بھی تھی حضرت ابو بکر کو اس کی اطلاع ہوئی تو اپنے انجی دیت ادا کی لیکن ساتھ

ہی حضرت خالد کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ یوں ادا کرنے کو تو میں ادا کر دیتی

لیکن دراصل یہ دیت مجھ پر واجب نہیں تھی کیونکہ یہ دونوں مقتول اہل حرب ہاں مقیم اور ان کے بھائی

اور حقیقت یہ ہے کہ اور معاملات کی طرح اس ایک معاملہ میں بھی خلیفہ رسول نے بعینہ ہی

انے حافظ بن جریر نے زبیر بن بکر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب خالد کے پاس اموال غنیمت آتے

تھے تو وہ انکار باب خاتم میں تقسیم کر دیتے تھے اور ان کا حساب حضرت ابو بکر تک نہیں پہنچاتے تھے وہ

بعض اوقات ایسے اقدامات بھی کرتے تھے جن کو حضرت ابو بکر اچھا نہیں سمجھتے تھے چنانچہ مالک نویرہ

کا قتل اور اس کی بیوہ کے ساتھ نکاح حضرت ابو بکر نے ان دونوں باتوں کو مکرر دیکھا۔ (الصابیح ج ۱ ص ۲۱۴

تذکرہ حالیہ لیدر (طبرستان ج ۲ ص ۵۸۱)

کیا جو اسی قسم کے ایک واقعہ میں جبکہ حضرت خالد کے ہاتھوں نبوخذ میہ کے لوگوں کا قتل عمل میں آیا) رسول اللہ نے کیا تھا۔ آپ نے اس واقعہ کو سن کر ایک طرف تو دونوں ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا۔

اللَّهُمَّ اِنِّی اَبْرَحُ اَلِیْکَ مِمَّا لَیْسَ لَکَ اِنَّہُ جِوْجُہُ خَالِدِہُ لَیْسَ لَہُ فِی تِیْرِیْ جَنَابِ

صنع خالد لے میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

اور دوسری جانب حضرت علی کو مقتولین بنی ہذیل میں سے ہر ایک کی نصف دیت (خونہا)

ادا کی حضرت ناساؤ مولانا سید محمد نوشاہہ الکشمیری فرماتے ہیں کہ میری رائے میں یہ خون بہا

محض مصالحت کی غرض سے ادا کیا گیا تھا۔ کیوں کہ مقتولین کے ورثہ کوئی مطالبہ نہیں کیا

تھا لیکن رحمت عالم نے پسند نہیں کیا کہ ان کا خون رائگاں جانے لگے لیکن با اس ہمہ آں

حضرت خالد کو معزول نہیں کیا۔ اور اس واقعہ کے بعد بھی آنحضرت کی زندگی

میں وہ برابر فوجی امارت کے عہدہ پر سرفراز رہے۔

تینوں کا اختلاف اب صرف ایک بات باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ آخر حضرت ابو بکر حضرت عمر

میں اس درجہ شدید اختلاف کی وجہ کیا تھی؟

ایک وہ شخص جس کی نظر عہد نبوت ادا اس کے بعد کی تاریخ پر ہے جانتا ہے کہ

خلیفہ اول و دوم کا یہ اختلاف پہلی مرتبہ نہیں تھا، عہد نبوت میں بھی دونوں میں متعدد

بار مختلف معاملات و مسائل میں اختلاف ہوا۔ اور اس کے بعد جلیش اسامہ کی روانگی

کے وقت اہل الغنیم زکوٰۃ سے جہاد کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہوا تھا۔ لیکن جب

کبھی اختلاف ہوا فاروق اعظم کو آخر میں اقرار کرنا پڑا کہ حضرت ابو بکر کی جو رائے

تھی وہ صحابہ بھی چنانچہ اس موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمر نے بعد میں فرمایا۔

رحم اللہ ابابکر بھوکان اللہ تعالیٰ ابو بکر پر رحم فرمائے وہ مجھ سے

اعلمو منی بالرجال زیادہ مردم شناس واقع ہوئے تھے۔

لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۲۲ باب بعث النبیؐ اذ خالد بن ولید الی بنی ہذیل

لے فیض الباری علی صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۱۷

حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ متعم بن نزیرہ نے حاضر ہو کر حضرت خالد سے قصاص کا مطالبہ کیا تو اپنے فرمایا۔

لا ادر شیتاً صنعہ ابو بکر لہ ابو بکر جو کہتے ہیں میں اس کو رد نہیں کروں گا۔ اصل یہ ہے کہ حضرت عمر بن کی شان میں فرمایا گیا تھا "اشدھم فی امر اللہ عمر" انہوں نے ابو قتادہ انصاری سے مالک بن نزیرہ کا واقعہ سنا تو چونکہ بنو حذیمہ کیسا تھے بھی اس قسم کا واقعہ پیش آچکا تھا اس بنا پر ان کو سخت غصہ آیا۔ کیونکہ حکم حسنت الابرار سیات القویان وہ ایک صحابی سے اس طرح کے فعل کا صدور اور وہ بھی مکر بہت مستعد جانتے تھے، ان کے برخلاف حضرت ابو بکر کا معاملہ یہ تھا کہ مہربان میں اسوہ رسول کا اتباع انہی فطرت اور طبیعت بن گئی تھی۔ وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے اور دوسری طرف سیاست اور فوجی تدابیر کا جو مقتضا تھا اس سے بھی پورے طور پر آگاہ تھے حضرت ابو بکر کی رائے میں اگر حضرت خالد سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوا بھی تھا تو بہر حال وہ اتنی بڑی غلطی ہرگز نہیں تھی جس کی پاداش میں حضرت خالد ایسے تدبیر پر سالار اور بہادر جرنیل کی قیادت سے لشکر کو محروم کر کے اسلامی محاذ جنگ کو خطرہ میں ڈالتے۔ بارگاہ خلافت کی طلب پر حضرت خالد کا مدینہ چلا آنا اور خلیفہ رسول کے دربر دمعدرت خواہ ہونا بھی حضرت خالد کے جرم فرودگشت کی تلافی کیلئے کافی تھا آج کی مہذب دنیا میں کیا ہوتا ہے؟ کسی ذمہ دار شخصیت سے بڑے سے بڑا جرم سرزد ہو جاتا ہے لیکن صرف ایک لفظ "افسوس" (REGRET) کہہ دینا ہی اسکی مکافات کر دیتا ہے حضرت عمر فاروق کے مزاج میں اولاً تو شدت تھی ہی۔ پھر اس وقت تک حکومت کی براہ راست ذمہ داری کا بوجھ بھی ان کے گاندھوں پر نہیں پڑا تھا۔ لیکن جیسا کہ حضرت ابو بکر نے وفات کے وقت اپنی جانشینی کیلئے فاروق اعظم کے نام کی سفارش کرتے ہوئے پیشگوئی کی تھی۔ جب خود حضرت عمر کو حکومت و خلافت کے بارگراں کا تحمل ہونا پڑا تو ان کے تشدد میں خود بخود اعتدال کا رنگ پیدا ہو گیا۔

## مسئلہ اور اہل بیت امامہ سے جنگ

یاد ہو گا کہ حضرت ابو بکر صدیق نے باغی اور مرتد قبائل سے جنگ کرنے کی عرض سے جو کیا؟ لشکر مختلف اطراف میں روانہ کئے تھے ان میں سے ایک لشکر جو مسلمانوں کے گریف روانہ کیا گیا تھا عکرمہ بن الجہل کی سرکردگی میں تھا لیکن بعد میں محسوس ہوا کہ یہ لشکر ناکافی ہو گا تو اپنے شریحیل بن حسنہ کے ماتحت ایک لشکر اور بھیجا۔ حضرت عکرمہ نے امامہ پہنچتے ہی شریحیل کا انتہار کئے بغیر حملہ کر دیا۔ لیکن ان کو لپسا ہونا پڑا۔ ادھر شریحیل کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہیں راستہ میں ٹھہر گئے۔ عکرمہ نے حضرت ابو بکر کو اصل واقعہ کی خبر کی تو آپ کو بڑا اظہار ہوا اور عکرمہ کو لکھا کہ اب آئندہ تم میری شکل نہ دیکھنا اور میں تمہاری شکل نہ دیکھوں گا۔ ساتھ ہی حکم بھیجا کہ وہ حدیفہ اور عجمہ کے پاس پہنچ کر عثمان اور مہرہ کے لوگوں کے ساتھ جنگ کریں اور یہاں سے فارغ ہو کر یمن اور حضرموت کا رخ کریں۔ اب رہے شریحیل تو ان کو حکم بھیجا کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں یہاں تک کہ خالد پہنچ جائیں۔

حضرت خالد کی نامزدگی غالباً حضرت ابو بکر صدیق کو مسئلہ کی طاقت کا شروع میں صحیح اندازہ نہیں تھا اور اسی وجہ سے حضرت خالد کو ابتداً اس محاذ پر نہیں بھیجا گیا تھا۔ لیکن جب عکرمہ کو شکست ہوئی اور ساتھ ہی معلوم ہوا کہ مسئلہ کے ساتھ چالیس ہزار عرب منتخب نبرد آزما ہیں تو اب آپ کو موقع کی نزاکت اور اہمیت کا صحیح اندازہ ہوا۔ اب ظاہر ہے اتنے بڑے معرکہ کو سر کرنے کے لیے سیف اللہ کے سوا اور کس کے نام قریحہ خال نکل سکتا تھا چنانچہ حضرت خالد دربار خلافت کی طلبی پر بطاح سے مدینہ آئے اور یہاں مالک بن نزیرہ کے واقعہ کی جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی جب حضرت خالد کا بیان سننے کے بعد حضرت ابو بکر کو اس کے متعلق اطمینان ہو گیا تو اب

حضرت ابو بکرؓ نے مکرکہ یمامہ کو سر کرنے کی پوری ذمہ داری حضرت خالد کے سپرد کی۔

ناموران مہاجرین کا غزوہ بدر کے بعد یمامہ کا مکرکہ سب سے بڑا مکرکہ تھا جبکہ اسلام انصار کی کثرت کی زندگی اور موت کا قطعی فیصلہ ہو گیا تھا۔ اسی بنا پر حضرت ابو بکرؓ

صرف حضرت خالد کے بھیجے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ناموران مہاجرین و انصار جو بدر و حنین کے مکرکہ مکر چکے تھے اور حنین میں بڑے بڑے حفاظ و قرائت تھے ان کو بھی اس جنگ کیلئے نامزد کیا گیا مہاجرین کے دستہ کے سردار حضرت ابو جعفر اور حضرت عمر فاروق کے بھائی زید بن خطاب تھے اور انصار کا دستہ ثابت بن قیس بن شماس کی ماتحتی و نگرانی میں عزیزیکہ اس شان و شوکت اور اہتمام کیسا تھا حضرت خالد مسیکہ سے جنگ کرنے کے لئے یمامہ روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس خیال سے کہ کوئی پیچھے سے حملہ نہ کرے حضرت خالد کے عقب میں سلیط کی سرکردگی میں ایک اور دستہ روانہ کیا۔

مجامعہ کی گرفتاری حضرت خالد یمامہ سے ابھی ایک شب کی مسافت پر تھے کہ ان کو ایک دستہ ملا جس کا سردار مجاہد بن مرارہ تھا جو بنو حنیفہ کے معزز ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ دستہ بنو تمیم اور بنو عامر پر مشتمل خون مار کر آ رہا تھا حضرت خالد کے حکم سے اس دستہ کے سب آدمی قتل کر دیئے گئے اور مجاہد گرفتار کر لیا گیا۔ اب لشکر آگے بڑھا اور یمامہ کے ایک مقام عقربا پہنچا۔ جہاں مسیکہ اپنا لشکر کثیر لے کر آ رہا تھا جس کی تعداد عام مورخین کے بیان کے مطابق چالیس ہزار اور بعض روایات میں ساٹھ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ لے

لشکر کی ترتیب دوسرے دن صبح کو حضرت خالد نے اپنے لشکر کو اس طرح ترتیب دی کہ دائیں بازو (میں) کے کمانڈر حضرت زید بن خطاب تھے اور بائیں بازو (میں) کی قیادت حضرت اسامہ بن زید کے سپرد تھی۔ اور خود ایک دستہ لے کر ہونے وسط لشکر لے صحابہ بدر میں حضرت ابو بکرؓ اس قدر عزیز رکھے اور ان کو اس درجہ بابرکت سمجھتے تھے کہ آپ ان کا کسی جنگ میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ (طبری ج ۲ ص ۵۵) یمامہ کے مکرکہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو اپنے ذاتی رجحان کے برخلاف اس موقع پر بدری صحابہ کو بھی بھیجا اور ان کے ساتھ

میں تھے ادھر مسیکہ نے اپنے لشکر کی صف بندی کی اور دونوں لشکر ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے ایک دوسرے کے روبرو دکھڑے ہو گئے۔

جنگ کا آغاز اب مسیکہ کی طرف سے شرجیل بن مسیکہ نے بنو حنیفہ کو لگا کر کہا لے لو کہ آج کا دن غیرت کا دن ہے۔ اگر تم لوگ شکست کھا گئے تو تمہاری عورتوں کو لونڈی بنا لیا جائے گا۔ اور بغیر نکاح کے ان کے ساتھ متع کیا جائے گا۔ اس لئے تم اپنے حسب و شرف کی طرف سے مدافعت کرو اور اپنی عورتوں کو بچاؤ۔ ادھر مجاہدین اسلام کے دلورہ و جوش کا یہ عالم تھا کہ ”جو ہر شہر سے باہر تھام شمشیر کا۔“ مجاہدین کا جوش و خروش | مہاجرین کا علم حضرت سالم مولیٰ حذیفہ کے ہاتھ میں تھا۔ کسی نے کہا کہ اگر آپ قتل ہو گئے تو ایک حامل قرآن جاتا ہے گا۔ انہوں نے کہا ”اگر میں اس بات کا اندیشہ کروں تو مجھ سے بڑا حامل قرآن کون ہو گا۔ نہار رجال ایک شخص تھا جس نے مشہور کر دیا تھا کہ محمد رسول اللہ نے اپنی نبوت میں سے نصف کا شریک مسیکہ کو کر لیا ہے اور اس طرح مسیکہ کا دست راست تھا۔ اس نے صف سے باہر نکل کر پکارا کہ ہل من مبارز کیا مجھ سے کوئی مقابلہ کرنے والا ہے۔ اس کے جواب میں اسلامی لشکر کی طرف سے حضرت عمر فاروق کے بھائی زید بن خطاب آگے بڑھے اور انہوں نے اس زور کا وار کیا کہ نہار رجال ڈھیر تھا۔ اب دونوں لشکر گت پت ہو گئے اور بڑے زور کارن پر مسیکہ کا ایک ایک آدمی اس پر پروانہ دار اپنی جان قربان کرنے پر تلا ہوا تھا۔ کیونکہ اس کو یقین تھا کہ اگر اس جنگ میں شکست ہو گئی تو حجاز کی سیادت جنوبی عرب پر ہمیشہ کیلئے قائم ہو جائیگی اور شدید قبائلی عصبیت کے باعث یہ چیز انکی موت کے مرادف تھی۔ مسلمانوں کو ایسی ہولناک اور سخت جنگ لڑنے کا پہلا اتفاق تھا۔ اس لئے اول اول مسلمان پسپا ہو گئے یہ رنگ دیکھ کر مسیکہ کی فوج کا حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ اس نے حضرت خالد کے خیمہ پر حملہ کر دیا۔ یہاں حضرت خالد کی نئی بیوی ام تمیم تھیں حملہ آوروں نے چاہا کہ انہیں قتل کر دیں لیکن مجاہد جو کہ حضرت خالد ام تمیم کی نگرانی میں رکھ گئے تھے اس نے روکا اور کہا کہ میں اس عورت کا بڑھئی ہوں۔ ان لوگوں نے ام تمیم سے کوئی تعرض نہیں کیا لیکن شمشیر اڑا دیں۔

مسلمانوں کا دوسرا حملہ اب مسلمانوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ایک دوسرے کو پکڑ پکڑ کر ثابت قدمی اور استقلال کی دعوت دینے لگا ثابت بن قیس نے کہا "آہ اے مسلمانو! آخر تم کیا کرو گے اے اللہ! ان مسلمانوں نے جو پسپائی دکھائی ہے میں اس سے بری ہوں زید بن خطاب بولے "خدا کی قسم! اب میں اس وقت تک زبان نہیں کھولوں گا جب تک کہ ہم لوگ دشمنوں کو شکست نہیں دیریں گے یا میں خود قتل نہیں کر دیا جاؤں گا۔ ابو سعید خدری نے لکھا کہ کہا اے اہل قرآن! تم اپنے افعال سے قرآن کو زینت دیر مجاہدین اسلام اپنی اپنی جگہ پر شیر کی طرح ہنکار ہی رہے تھے کہ اتنے میں حضرت خالد نے پلٹ کر اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن سچھے پٹے پر مجبور ہو گئے لیکن کچھ فاصلہ پر پہنچ کر جوابی حملہ کیا۔ اور جنگ تیز ہو گئی۔ مہاجرین انصار اہل قرنی اور اہل باد یہ ان سب کے دستے ایک دوسرے کیساتھ ملے ہوئے داد شجاعت دے رہے تھے حضرت خالد نے حکم دیا کہ ہر دستہ فوج الگ الگ ہو جائے۔ اب حضرت خالد نے جائزہ لیا۔ تو معلوم ہوا کہ مہاجرین انصار اور اہل قرنی کو نسبت اہل باد یہ کے زیادہ نقصان پہنچا تھا۔ اور مشہور صحابہ حضرت زید بن خطاب حضرت سالم اور ان کے آقا حضرت ابو سعید خدری اس معرکہ میں کام آچکے تھے حضرت خالد نے دشمن کی جمعیت پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ مسلمان اپنی جگہ پر جما ہوا گھڑا ہے اور اسکے حمایتوں نے چاروں طرف سے اسکو اپنے حلقہ میں لے رکھا ہے اب حضرت خالد محسوس کیا کہ جب تک مسلمان کی دستہ خاص پر حملہ کر کے اسے شکست نہیں دیا جائیگی دشمن کی جمعیت منتشر نہ ہوگی چنانچہ انہوں نے بیکہ اچھا نعرہ لگایا اور سب کے دستہ پر حملہ کر دیا اب عالم یہ تھا کہ دشمن کی فوج کا ایک ایک بہادر مرہ کھٹ ہو کر آگے بڑھتا تھا اور اسکی لاش خاک و خون میں تر پ کر رہ جاتی تھی مسلمان نے یہ دیکھ کر چاہا کہ خود مقابلہ کے لئے آگے بڑھے لیکن شدت خوف و اضطراب سے ایک قدم آگے بڑھتا تھا اور اسے پھر پیچھے ہٹا لیتا تھا۔ اتنے میں حضرت خالد نے اپنے دستہ کے مجاہدوں کے ساتھ چانگ اس زور کا حملہ کیا کہ اب مسلمان کیلئے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ مسلمانوں کے جانثاروں نے ہر چند اس سے کہا کہ "تو ہم سے جس فتح و ظفر کا وعدہ کرتا تھا وہ کہاں

لیکن اب اس کیلئے ٹھہرنا ناممکن تھا۔ خود بھاگتا جاتا تھا اور لوگوں سے کہہ رہا تھا۔ "اپنے حسب و نسب کی طرف سے مدافعت کرو۔ لیکن ظاہر ہے اسکی اب ان باتوں کا اثر ہی کیا ہو سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی فوج کے پاؤں اٹھ گئے اور وہ بھی میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ پڑی۔ ذرا فاصلہ پر ایک باغ تھا جس کی چہار دیواری محفوظ تھی حکم بن الطفیل نے چب کر کہا۔ اے بنو حنیفہ باغ اباغ یعنی اس میں چل کر پناہ لو۔ یہ باغ درحقیقت مسلمانوں کا قلعہ تھا اور چونکہ مسلمان اپنے آپ کو حرم الیما کہتا تھا اس لئے باغ کا نام حدیقۃ الرحمن تھا یہ سب لوگ اس میں پہنچ کر قلعہ بند ہو گئے۔

مسلمانوں کا قتل اسلامی لشکر نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اندر جانیکا راستہ نہیں تھا اسلئے حضرت براہ بن مالک نے مسلمانوں سے درخواست کی کہ وہ ان کو اوپر اٹھا کر باغ (قلعہ) اندر ڈال دیں۔ مجاہدین نے کہا "ہم ایسا نہیں کریں گے۔ لیکن براہ بن مالک اصرار کیا تو مسلمانوں نے مجبوراً ان کو باغ کی دیوار پر پہنچا دیا اور اندر کی طرف کو در تن نہاڑتے بھڑتے گھسے چلے گئے۔ یہاں تک کہ دروازہ کھول دیا۔ بس اب کیا تھا؟ مسلمان باغ کے اندر گھس آئے اور پھر شدید جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں طرف سے کشتوں کے لپٹے لگ گئے لیکن بنو حنیفہ کے مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس معرکہ میں مسلمان بھی جبریں منظم کے غلام وحشی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اب ابو حنیفہ کیلئے جہنما ناممکن تھا۔ پاپا ہو کر بھاگ پڑے۔ حضرت خالد کو یہ خوشخبری پہنچی تو مجاہدوں کو لیکر بنو حنیفہ کے مقتولین کو دکھینا شروع کیا ایک طرف محکم کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ یہ شخص خوبصورت اور جویہ تھا حضرت خالد نے پوچھا "کیا تمہارا سردار مسلمان ہے؟" مجاہد نے جواب دیا "نہیں! بخدا یہ اس سے زیادہ بہتر اور شریف ہے۔ یہ محکم الیما ہے۔ محکم کو حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر نے ایک تیر مار کر اس وقت ہلاک کیا تھا جبکہ ابھی وہ باغ کے احاطہ سے باہر پیچھے سے اپنے ساتھیوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ اب حضرت خالد قلعہ کے اندر داخل ہوئے یہاں ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے مجاہد نے بتایا کہ یہ مسلمان ہے اس میں باغ کا نام حدیقۃ الموت یعنی موت کا باغ پڑ گیا اور وہ اسی نام سے تاجنیل میں مشہور ہے طبری کا بیان ہے کہ باغ سے باہر اور اندر دس ہزار آدمی مسلمانوں کے اور بارہ ہزار مجاہدین قتل ہوئے۔ لہذا یہ پوری تفصیل طبری ۱۲۷ اور صفحہ ۵۲۲ تا صفحہ ۵۱۹ دابن اثیر ج ۲، صفحہ ۲۲ تا صفحہ ۲۸ سے ماخوذ ہے۔

باقی قلعوں پر قبضہ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے حضرت خالد کو مشورہ دیا کہ باقی دوسرے قلعوں پر بھی جہاں مسیلمہ کے ساتھی ابھی تک محفوظ ہیں حملہ کیا جائے۔

ادھر مجاہد نے جس پر حضرت خالد اعتماد کرنے لگے تھے اگر کہا کہ مسیلمہ کیساتھ جو لوگ آئے تھے جلد باز قسم کے تھے ورنہ ایک بہت بڑی تعداد تو ابھی تک قلعوں میں بند ہے مجاہد کا مقصد اس کہنے سے صرف یہ تھا کہ حضرت خالد بن حنیفہ کے بچے کچھ لوگوں کیساتھ مصالحت کر لیں اور ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مراعات برتیں چنانچہ مجاہد نے ایک طرف تو حضرت خالد سے یہ کہا اور دوسری جانب اپنی عورتوں سے کہا "تم سب تمہارا پیٹن لو اور قلعوں کی سٹیروں پر کھڑی ہو جاؤ عورتوں نے فوراً اس پر عمل کیا اب حضرت خالد نے یہاں پہنچ کر نظر اٹھائی تو دیکھا کہ قلعوں پر زورہ پرش اور ہتھیار بند سپاہیوں کی صفیں کھڑی ہیں ادھر چونکہ مسیلمہ کے ساتھ مسلمان مجاہدین کو بڑی شدید جنگ لڑنی پڑی تھی اس لئے وہ تھکے ماندے اور گھرواپس جانے کیلئے بے قرار تھے ان وجوہ کی بنا پر مجاہد نے جو ترکیب چلی تھی وہ کامیاب ہوئی اور حضرت خالد نے معمولی سی شرطوں پر صلح کر لی۔ بعد میں مجاہد کی فریب کا بھید کھلا تو حضرت خالد کو بڑا غصہ آیا لیکن مجاہد نے صاف کہا "یہ لوگ (بنو حنیفہ میرے ہم قوم ہیں۔ اس لئے میرے لئے ناممکن تھا کہ میں ان کی مدد کرے صلح ہو جانے کے بعد حضرت خالد نے ان سب بقیۃ السلیف پر اسلام پیش کیا جس کو انہوں نے فوراً قبول کر لیا اور حضرت خالد نے از روئے صلح جو کچھ ان سے وصول کیا تھا وہ سب انکو واپس کر دیا لے

جنگ یمامہ کی تاریخ | یہ جنگ یمامہ کب ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے کوئی ۱۱ھ بتاتا ہے اور کوئی ۱۲ھ حافظ عمار الدین ابن کثیر نے دونوں میں تطبیق اس طرح دی کہ اس کا آغاز تو ہمارا ۱۱ھ میں لیکن ختم ہوئی ۱۲ھ میں واللہ اعلم ہے

حدیقۃ الموت کا جائزہ وقوع عام طور پر محدثین اور مؤرخین کے ہاں مشہور ہے اور جیسا کہ ہم

لے البدایہ والنہایہ ۶۷ ص ۳۱۵ لے البدایہ والنہایہ ۶۶ ص ۳۲۶

بھی لکھا ہے کہ مسیلمہ کیساتھ یہ جنگ یمامہ میں لڑی گئی تھی اور حدیقۃ الموت جہلیں مسیلمہ قتل ہوا تھا اسکی نسبت یہی تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ یمامہ کی حدود میں یا اس کے قریب ہی تھا لیکن مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے جس نے ابوالحارثی اللذہبی کی کتاب "فتوح الشام" کو ۱۸۵۲ء میں اڈٹ کیا تھا اس نے ایک اور مستشرق کیپٹن لیس (LEES) کو ۱۸۶۵ء فروری ۱۸۶۵ء کو ایک خط لکھا تھا جو ایشیا نک سوسائٹی آف بنگال کی کاروائیوں (PROCEEDINGS) کی رپورٹ بابت ۱۸۶۵ء میں از صفحہ ۱۰۳ تا صفحہ ۱۰۶ اچھپا ہوا ہے۔ اس میں ڈاکٹر موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسیلمہ کا باغ یمامہ میں نہیں بلکہ مقام بجر میں ہے۔

جنگ کا اثر امرتسا اور باغی قبائل سے جتنی لڑائیاں لڑی گئی ہیں ان میں یمامہ کی جنگ سب سے بڑی اور سخت ترین تھی۔ مسیلمہ کیساتھ جو لشکر تھا اسکی تعداد اکثر نے چالیس ہزار اور بعضوں نے ساٹھ ہزار لکھی ہے اور یہ سب کے سب مسیلمہ پر پروانہ دار فدا تھے جس کے متعذرا باسا وجوہ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

موقع کی اس نزاکت کے باعث وہ اکابر ہماجرین و انصار جن کو حضرت ابو بکر مدینہ سے باہر بھیجنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انکو بھی محاذ جنگ پر بھیجا گیا اور اگرچہ اس محرکہ میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا۔ اکابر صحابہ اور بڑے بڑے حفاظ و قرائم شہادت نوش کر گئے لیکن چونکہ اسلام کے سب سے بڑے حریف پر یہ آخری اور فیصلہ کن فتح تھی جس نے جزیرہ العرب میں عہدہ کیلئے اسلام کے قدم جما دئے اور اس کو کسی مخالفت کا اندیشہ نہیں رہا۔ اسلئے آگامی فوج فتح و ظفر کا پرچم اڑاتی ہوئی جب مدینہ میں داخل ہوئی ہے تو مدینہ کا گوشہ گوشہ مشرکہ جابا اور آفریں کے نعروں اور حمد و صلوات کے نغموں سے گونج اٹھا جو صحابہ کرام اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے انکا غم ہونا ایک طبعی بات تھی۔ لیکن نصرت خداوندی پر تراز ہانے حمد کی آوازوں میں فوج و دامت کی یہ صدائیں دب دب کر رہ گئیں۔

لے ڈاکٹر اسپرنگر اور سر ولیم لسنان لیس یہ دونوں کلکتہ مدرسہ کے جو مسلمانوں میں عام طور پر پڑھنے والے کلکتہ کے نام سے مشہور ہے۔ پرنسپل تھے اول الذکر ۱۸۵۰ء میں اور مؤخر الذکر ۱۸۵۷ء میں

لے ابن اثیر اور بلاذری نے اہل صحابہ کے نام کی فہرست دی ہے۔

اس فتح و کامرانی پر حضرت ابو بکر سے زیادہ خوش ہو نیکامی اور کسے ہو سکتا تھا لیکن آپ کو بارہ سو صحابہ کے شہید ہو جانے کا رنج و ملال بھی کم نہیں تھا چنانچہ آپ کو اطلاع ہوئی کہ حضرت خالد نے جنگ کے بعد مجاہدہ کی بیٹی سے نکاح کر لیا ہے تو انتہائی حلیم و دربارہ ہوئیے باوجود حضرت خالد کو ایک سخت غضب آوہ خط لکھا کہ "لے ام خالد کے بیٹے! معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں درد نہیں ہے۔ تم اس وقت عورتوں سے نکاح کرتے ہو جبکہ تمہارے گھر کے ضمن میں بارہ سو مسلمانوں کا خون الہی تمکے خشک نہیں ہوا ہے" لے

## بحرین

حضرت خالد جس وقت یمامہ کی جنگ میں معروف تھے دوسرے مسلمان قائدین فرج جن کا ذکر پہلے آچکا ہے حضرت ابو بکر صدیق کے احکام کے مطابق عرب کے مختلف حصوں میں باغیوں کے ساتھ معروف پیکار تھی۔ انہیں میں سے ایک گیسٹانی صوبہ بحرین کا تھا جو مدینہ سے بہت دور شمال مشرق میں خلیج فارس کے کنارہ پر واقع تھا۔ یہ علاقہ حکومت ایران کے ماتحت تھا اور اس میں متعدد عرب قبائل بزرگ القیس، بکر بن وائل اور قیس آباد تھے جن کا سردار ایران کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا۔ آنحضرت کے عہد میں یہ سردار منذ بن سادوی تھا جس کے نام آنحضرت کے لکھے ہوئے نو خطوط ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی قابل قدر کتاب "الوثائق السیاسیہ" میں نقل کئے ہیں۔ آنحضرت کی دعوت پر منذ اور بحرین کا صدر مقام ہجر کا گورنر (مہربان) یہ دونوں مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ عینے عرب قبائل جہاں آباد تھے انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا یہ واقعہ ۸ھ کا ہے۔ بعض مؤرخین اسکو نو جبری کے واقعات میں شمار کرتے ہیں لیکن اصح ادل ہی ہے۔

آنحضرت کی وفات کے چند روز بعد ہی منذ بن سادوی کا بھی انتقال ہو گیا تو اعلم ایک سردار کلیسا تھ بزرگ القیس اور بزرگ مرتد ہو گئے۔ لیکن جبار و دبش بن عمرو العبیدی جنہوں نے آنحضرت کا مہین صحبت حاصل کیا تھا انکی کوششوں سے بزرگ القیس قر

جلد ہی اسلام کی طرف لوٹ آئے لے لیکن بزرگ کو اپنے ارتداد پر اصرار رہا اور ان لوگوں نے نعمان بن منذ بن ماء السہاء (صاحب الخورنق و السدیر) کے بیٹے کو جس کا نام بھی منذ تھا اپنا سردار منتخب کر لیا۔ اعلم بن ضبیعہ بزرگ اور دوسرے عجیب لوگ جو بحرین میں آباد تھے اور جو سر سے مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے ان کو ساتھ ملا کر مقام جو انا میں حضرت جبار و کے خلاف موکر آرا، ہوار ان لوگوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر کے سامان رسد تک سے انکو محروم کر دیا لیکن مسلمان فقر و فاقہ اور ان تمام سختیوں کے باوجود اسلام کے دامن کو بڑے رہے۔

یہی حالات گذر رہے تھے کہ حضرت ابو بکر نے علاء بن الحضرمی کو بحرین کے محاذ پر روانہ کیا علاء بحرین اس وقت پہنچے ہیں جبکہ حضرت خالد مسیلہ کی جنگ سے فارغ ہو چکے ہیں اس بنا پر بزرگ حنیف کے بچے کچھ لوگ جو اب مسلمان ہو گئے تھے وہ بھی حضرت علاء کے ہم کاب ہو گئے۔ ان کے علاوہ تمامہ بن اثال اور قیس بن عامر المنقری بھی اپنے اپنے لوگوں کے ساتھ اس لشکر میں شریک ہو گئے۔ حضرت علاء اپنے لشکر کو لے ہوئے صحرائے دھنا میں سے گذر رہے تھے کہ شام ہو گئی تو انہوں نے ایک مقام پر ٹھہرا ڈھاتا تاکہ رات کے وقت جنگل میں کہیں راستہ نہ بھول جائیں جب یہ لشکر ٹھہرا ڈھالے پڑا تھا اتفاق ایسا ہوا کہ اونٹ جن پر سامان خورد نوش لدا ہوا تھا بدک کر بھاگ پڑے اور یہاں کھانے پینے کی کوئی چیز باقی نہیں رہی مسلمان سخت پریشان ہوئے۔ یہاں تک کہ انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ اور ایک دوسرے کو وصیت کرنے لگا۔ حضرت علاء بن الحضرمی نے انکی ہمت بندھائی اور کہا کہ لے لو گوا کیا تم سب مسلمان نہیں ہو۔ کیا تم اللہ کے انصار اور اسکی راہ میں جہاد کرتے والے نہیں ہو؟ تم یقین رکھو کہ اللہ تم جیسے لوگوں کو سزا اور ذلیل نہیں کرے گا۔ چنانچہ اسلامی فوج جب نماز فجر سے فارغ ہوئی تو ان کو دوسرے صواب چمکتا ہوا نظر آیا۔ فوج کے پیش رو دستہ نے پاس جا کر دیکھا تو وہ پانی تھا بہت خوش ہوئے سب نے پانی پی۔ غسل کیا اور اپنے اپنے مشکیزوں میں بھر لیا۔ اس کے بعد آفتاب ذرا بلند ہوا تو کہہ اچانک اونٹ بھی ادھر ادھر بھاگتے ہوئے واپس آ گئے۔ مسلمانوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی اب یہ لشکر تازہ دم ہو کر روانہ ہوا

اور بحرین پہنچا یہاں جا رو دو مقامی مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ حطم بن ضعیفہ کے بالمقابل صف آرا تھے حضرت علاء بن الحنفی نے جا رو دو کو پیغام بھیجا کہ تم اپنی جگہ پر ٹھہر رہو لیکن حطم کا لشکر تعداد میں بہت زیادہ تھا اور ساز و سامان بھی اس کے پاس با فراط تھا اس لئے حضرت علاء اور حطم دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ میں خندقیں کھود کر پڑ گئے، دن کے وقت یہ دونوں فوجیں خندقوں سے باہر آکر جنگ کرتی تھیں اور پھر خندقوں میں واپس چلی جاتی تھیں، ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ فتح و شکست کسی فریق کو نہیں ہوئی تھی آخر ایک رات دشمن کے لشکر میں اچانک شور و غل اور مار و صاڑ کی آواز بلند ہوئی حضرت علاء نے عبداللہ بن حذاف کو خبر لانے کیلئے بھیجا۔ انہوں نے آکر بتایا کہ فریق مخالف کے سپاہی شراب میں بدمست ہیں اور خوش فعلیاں کر رہے ہیں حضرت علاء یہ سنتے ہی اپنی فوج لے کر ان لوگوں پر جا پڑے اور تلوار چلانی شروع کر دی۔ یہ لوگ سخت بدحواس ہو کر رہ گئے۔ ان میں کچھ قتل ہو گئے۔ کچھ گرفتار ہوئے کچھ ادھر ادھر جہاں جگہ نظر آئی چھپ گئے اور باقی جو تھے وہ بھاگ پڑے۔ اسی ہنگام میں حطم مارا گیا۔ جو لوگ اس دار و گیر سے نجات نکلے تھے وہ کشتیوں میں سوار ہو کر جزیرہ دارین پہنچے۔

حضرت علاء نے ان لوگوں کا تعاقب کیا ناچا ہا لیکن مشکل یہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس کشتیاں نہیں تھیں کہ سمندر پار کر سکیں۔ آخر حضرت علاء نے مسلمانوں کو جمع کر کے کہا کہ کچھ خوف نہ کرو۔ جس جہاز نے تمہاری مدد تھیں (محلے دھنا) میں کی ہے وہ بحرین میں تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد سب مسلمانوں نے مل کر جناب باری تعالیٰ میں عجز و الحاجت کیساتھ دعا کی۔ دعا سے فارغ ہوئے تو مسلمانوں میں اس قدر جوش و خروش تھا کہ گھوڑا۔ اونٹ۔ گدھا اور نیچر غرض کہ جس کے پاس جو سواری تھی اس نے بے جھجک سمندر میں ڈال دی۔ بقول اقبال

محرظلات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے

اس نشان سے مسلمانوں نے سمندر پار کیا اور جزیرہ دارین کے ساحل پر پہنچے یہاں چونکہ مفرورین کے لئے اب کہیں بھاگ نکلنے کی گنجائش نہیں تھی اس لئے وہ لے دارین خلیج فارس کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ کے سامنے ہی تھا یہاں کی آبادی زیادہ تر عیسائی تھی۔

بڑی بے جگری سے لڑے۔ لیکن فتح مسلمانوں کو ہی ہوئی۔ اور یہ سب لوگ لقمہ اجل بن گئے بڑی کی روایت ہے کہ اس جنگ میں مال غنیمت اس کثرت سے ہاتھ آیا کہ ایک ایک سوار کو چھ چھ ہزار اور پیادہ کو دو دو ہزار ملے حضرت علاء اسی دن بحرین کیلئے واپس روانہ ہو گئے اور بحرین پہنچ کر حضرت ابو بکر کو مشورہ فتح کا خط لکھا اور جو حالات گذرے تھے سب از اول تا آخر لکھے۔ اب یہاں مترجمین اور باعینوں کی طاقت مکمل طور پر ٹوٹ چکی تھی جو فوج رہے ہیں سب مسلمان ہو گئے۔ کسی نے خراڑادی کہ خورشیدبان حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں لیکن یہ محض افواہ تھی۔ حضرت علاء نے تحقیق کی تو اس کی کوئی اصلیت نہ تھی لے

جنگ بحرین کی اہمیت اگرچہ اس جنگ کا نمبر جنگ یمامہ کے بعد ہے۔ لیکن بعض خاص اعتبارات سے یہ جنگ یمامہ سے بھی زیادہ اہم تھی۔ یمامہ میں صرف ایک قوم اور ایک گروہ سے واسطہ تھا لیکن بحرین چونکہ خلیج فارس پر واقع تھا۔ ایران کی حکومت کے ماتحت تھا اور یہاں ہندوستان اور ایران کے تاجر آباد تھے جنہوں نے فرات کے دہانہ سے عدن تک اپنی آبا دیاں قائم کر رکھی تھیں، اس بنا پر اسلام کی یہ جنگ صرف کسی ایک قوم سے نہیں تھی۔ بلکہ بین الاقوامی تھی۔ اور پھر چونکہ ان لوگوں میں عیسائی بھی تھے اور یہودی بھی آتش پرست بھی تھے۔ اور بت پرستی بھی اس لئے اس جنگ کو بین المذہبی جنگ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو جو شاندار فتح ہوئی اور اثرات و نتائج کے علاوہ اس کا اثر یہ بھی ہوا کہ جزیرہ نما نے عرب کے شمال مشرق میں ایرانی حکومت نے اسلام کے خلاف ریشہ دو ایٹوں کا جو جال پھیلا رکھا تھا اس کا تار دوپود کھیر گیا اور مسلمانوں کے لئے عراق کی فتح کا راستہ کھل گیا۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔



## عمان و ہمد

عمان بحرین سے قریب ہی بحر ہند کے ساحل پر واقع ہے۔ یہاں زیادہ آبادی قبیلہ ازد کی تھی۔ لیکن دوسری قومیں بھی ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ شہد میں آنحضرتؐ نے حضرت ابوزید انصاری کو جو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے تبلیغ اسلام کیلئے بھیجا جیفر اور عبید جو یہاں کے امیر تھے ان کے نام عمرو بن العاص کے ذریعہ ایک مکتوب والا ارسال فرمایا جیفر اور عبید دونوں نے اسلام کی دعوت کو لبیک کہا اور پھر ان کی دعوت پر باقی عرب بھی مسلمان ہو گئے۔

لیکن جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو از د سب مرتد ہو گئے۔ لقیط بن مالک ذوالتاج جس نے اس زمانہ کی عام ہوا کے مطابق نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور ان مرتدین کا قائد تھا اس نے عمان پر قبضہ کر لیا۔ اور جیفر اور عبید کو مجبوراً پہاڑوں پر پناہ لینے پڑی حضرت ابوبکرؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے حذیفہ بن محسن اور عرقیہ بن ہرثمہ کو عمان کے محاذ پر روانہ کیا اور ان کے عقب میں عکرمہ بن ابی جہل کو بھیجا جو یہاں کی جنگ میں شکست کھا چکے تھے۔ حذیفہ اور عرقیہ ابھی عمان پہنچے بھی نہیں تھے کہ عکرمہ ان سے آئے۔ عمان کے قریب یہوچکران حضرات نے جیفر اور عبید کو اپنی آمد کی خبر کی اور یہ بھی اسلامی فوج سے آکر مل گئے۔ اب اسلامی فوج نے عمان کے دارالسلطنت مقام صحار میں پڑاؤ ڈالا اور ادھر لقیط بن مالک اپنی فوج لئے مقام دبا میں پڑا تھا۔ آخر مسلمانوں نے پیش قدمی کر کے لقیط پر حملہ کیا۔ بڑا سخت قسم کا مورکہ ہوا۔ جنگ کے پہلے دور میں دشمن کا پتہ بھاری نظر آتا تھا اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں اضطراب و تشویش کی لہر دوڑ گئی کہ اسی اثنا میں خربت بن راشد بنوناجیہ کا لشکر اور سیمان بن صوحان بنو عبدالقیس کی ایک بڑی جمعیت لئے ہوئے پہنچ گئے۔ اچانک اس غیبی امداد کو دیکھ کر مسلمانوں کے دل بڑے مضبوط ہو گئے اور انہوں نے پینتیر اہل کرا اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

لے فتوح البلدان بلاندی ص ۸۳ کہ ابن اثیر نے عبید کا نام عیاذ لکھا ہے۔ ج ۲ ص ۲۸۵

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس مورکہ میں دشمن کی فوج کے دل مزار آدمی قتل ہوئے۔ اور بہت بڑی تعداد میں مال غنیمت ہاتھ آیا اس کا پانچواں حصہ حضرت عرقیہ کے ہاتھ مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ اور حضرت حذیفہ یہاں کے انتظام اور دروہست کی غرض سے عمان ہی میں قیام پذیر رہے۔ اب رہے عکرمہ بن ابی جہل زورہ ایک لشکر کثیر کے ساتھ مہرہ چلے گئے یہاں مہرہ میں دو گروہ تھے جو آپس میں ایک دوسرے کے رقیب و حریف تھے۔ ایک گروہ کا سردار ایک شخص سخریت نامی تھا۔ اور دوسرے گروہ کا امیر مصعب نام کا ایک شخص تھا جو بنو محارب سے تعلق رکھتا تھا۔ ان دونوں میں مصعب کا گروہ نسبتاً زیادہ طاقتور اور بااقتدار تھا۔ اب حضرت عکرمہ نے سیاسی چال یہ چلی کہ جو گروہ کمزور تھا اس کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی چنانچہ اس مقصد کیلئے سخریت سے گفت و شنید کی سخریت نے بڑی خوشی سے عکرمہ کی دعوت پر لبیک کہا اور مسلمان ہو گیا۔ اب عکرمہ نے مصعب کو دعوت اسلام دی۔ لیکن وہ اپنی طاقت پر نازاں تھا اس لئے دعوت قبول نہیں کی عکرمہ نے اعلان جنگ کر دیا۔ شدید قتال کے بعد مصعب شکست کھا گیا اور قتل کر دیا گیا جو لوگ اسلام کی شمشیر خارا شکاف سے بچ رہے تھے مسلمان ہو گئے۔

## یمن

پہلے گزر چکا ہے کہ آنحضرتؐ کی حیات ہی میں اسود عنی نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کر کے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانی تھی اور چند روز کے بعد ہی اس کا صفایا کر دیا گیا تھا۔ اسود عنی کے قتل ہو جانے کے بعد یمن میں سخت قسم کی طوائف الملوک اور لاقانونیت پیدا ہو گئی یہاں تک کہ مسلمانوں کو اپنی جان اور عزت کا محفوظ رکھنا دشوار ہو گیا۔ اسود عنی کے فوج کے سردار تھے کہ صنعا اور عدنان کے درمیان گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے اور جو جی میں آتا تھا کرتے تھے۔ اسود عنی کے ساتھیوں کے علاوہ عرب کا مشہور بہادر اور شہسوار عمرو بن معدیکرب اور قیس بن عبد لیث یہ دونوں بھی آنحضرتؐ کی خبر و وفات سنتے ہی مرتد

ہو گئے تھے اس بنا پر پورے یمن میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور مدینہ اور یمن کا درمیان راستہ تک خطرناک ہو گیا تھا۔ آنحضرتؐ کی طرف سے جو عمال اور امرا مقرر تھے انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو اصل صورت حال سے مطلع کیا۔ فیروز دہلی جس نے اسود غنی کو قتل کیا تھا۔ اپنا سے تعلق رکھتا تھا جو اگرچہ ایرانی النسل تھے لیکن مدت سے یمن میں آباد ہو گئے تھے اور یہاں اچھا خاصا اقتدار رکھتے تھے اس بنا پر یہ تمام باغی اور فتنہ پردازان اپنا کے خاص طور پر دشمن تھے اور انکو یمن سے جلا وطن کرنے کا ارادہ کئے ہوئے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے فیروز دہلی کو یمن میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور عمر ذی مران سعیدی ذی ذود۔ ذوالکلاع الحیرمی اور حوشب ذی ظلم وغیرہم جو یمن کے بااقتدار لوگ تھے اور اسلام پر قائم تھے ان سب کو حکم بھیجا کہ وہ فیروز کی اطاعت کریں اور ان کیساتھ پورا تعاون کریں۔ فیروز دہلی نے نبز عقیل بن ربیعہ اور بزعلک وغیرہما قبائل جو اسلام پر قائم تھے انکو اپنے ساتھ لیکر صنعاء سے باہر قیس بن عبدغوث بن مکشوح کا سخت مقابلہ کیا اور بنا جن کو وہ جلا وطن کرنے پر تلا ہوا تھا انہیں تیس کے پنجہ ظلم سے نجات دی۔ یہ سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ کی ہدایت اور حکم کے مطابق ایک طرف اور شمال سے مہاجر بن ابی امیر اور ان کے بعد ہی عکرمہ بن ابی جبل عمان و مہرہ کی مہم سے فارغ ہو کر یہاں پہنچ گئے۔ اب مسلمانوں کی طاقت اس قدر زیادہ اور مضبوط تھی کہ انکا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ معمولی سی جھڑپوں کے بعد ہی قیس شکست کھا گیا اور گرفتار ہو گیا۔ اور عمرو بن معدیکرب کا حوصلہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے خود لپٹے آچھ مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ مہاجر بن ابی امیر نے ان دونوں کو مدینہ روانہ کیا جہاں حضرت ابو بکرؓ کیساتھ معمولی سی گفتگو اور ان کی فہمائش کے بعد دونوں پھر مسلمان ہو گئے اور عراق و شام کی مہمات میں شریک ہوئے۔ اب مہاجر صنعاء میں آکر مقیم ہو گئے اور عکرمہ نے جنوبی یمن قیام کیا اور اس طرح پورا یمن فتنہ و فساد سے پاک و صاف ہو کر پھر گہوارہ امن بن گیا۔

مہم یمن کی اہمیت اس مہم کی سب سے اہم اور بڑی خصوصیت یہ ہے کہ فیروز الدہلی و داؤد بن اور دوسرے اپنا یہ سب اگرچہ یمن میں آجیسے تھے لیکن ایرانی النسل تھے اس بنا پر اگرچہ

قیس بن مکشوح مسلمان تھا اور اسود غنی کے قتل کے مشورہ میں بھی شریک تھا لیکن ان سب باتوں کا وجود حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب فیروز کو اپنا نائب مقرر کیا تو اس کی عربی عصیت کی رنگ غیرت و جہت بڑھ گئی اور یہ مترجم ہو گیا اس کے بعد اس نے ایک جمعیت اپنے ارد گرد فراہم کر کے ان ایرانی النسل متوطنین یمن سے یمن کو پاک و صاف کر دینے کا ایک منصوبہ باندھا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اس کا یہ منصوبہ ناکام بنا دیا۔ اس طرح گویا تاریخ اسلام میں یہ سب سے پہلا واقعہ ہے جب کہ عربی عصیت کے سر پر عملاً ایک عرب کاری لگا کر اسکا انحط و مساوات کی مثال قائم کی گئی اس کا اثر جہاں عربوں پر یہ ہوا کہ انکی اس کھل گئی غیر عربی قوموں پر یہ ہوا کہ ان کیلئے اسلام میں زیادہ کشش پیدا ہو گئی۔ قیس بن مکشوح کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک ایک ایرانی النسل مسلمان داؤد بن کے قصاص میں جا ہا کہ اسے قتل کر دیں لیکن چونکہ قیس نے یہ قتل خفیہ طور پر کیا تھا اور اس کے ثبوت کے لئے کوئی شہادت نہیں مل سکی اس لئے یہ قتل نہیں کیا جاسکا پھر ارتداد سے توبہ کر لینے پر معاف کر دیا گیا۔

## کنذہ و حضرت

کنذہ اور حضرت بھی یمن سے قریب ہیں آنحضرتؐ کی طرف سے ان دونوں جگہوں کے گورنر (عامل) زیاد بن لبیدہ الانصاری تھے جن کا کام صدقات کے جمع کرنے کے علاوہ اسلامی احکام و مسائل کی تعلیم و تبلیغ بھی تھا۔ جب آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عرب کے دوسرے قبائل مترجم ہوئے تو ابلی کنذہ و حضرت بھی اس گمراہی سے محفوظ نہیں رہے۔ اشعث بن قیس کنذہ کا نہایت معزز اور نامور شخص تھا، شہ میں کنذہ کے انشی آدمیوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس شان سے حاضر ہوا تھا کہ یہ اور اس کے کسب ریشم لباس پہنے ہوئے تھے اشعث اسلام قبول کیا لیکن اب کنذہ اور حضرت میں جو ارتداد پیدا ہوا اسکی قیادت بھی اسی کے ہاتھ میں تھی۔ زیاد بن لبیدہ الانصاری نے مقابلہ کیا لیکن حمزہ کے اتنے میں مہاجر بن امیر اور عکرمہ دونوں یمن سے یہاں پہنچ ہی گئے حضرت مہاجر نے عکرمہ کو توڑ دیا اور خود ایک لشکر لیکر زیاد بن لبیدہ سے ملے اور پھر دونوں نے پیش قدمی کر کے

مجاہد الذریقان نامی ایک مقام پر اشعث بن قیس کو جیلینج کیا۔ دونوں فوجوں میں سخت محرمہ آرائی ہوئی اشعث جم نہیں سکا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کیساتھ بھاگ کر قلعہ البخییر میں پناہ لی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا اسلامی فوج قلعہ کا محاصرہ کر کے پڑھنے لگا جب محاصرہ طویل ہوا اور سامانِ رسد وغیرہ کا ہوجینا بھی مسدود ہو گیا تو آخر جان کی بازی لگا کر یہ سب باہر نکل آئے اور بڑی مہادری کے ساتھ لڑے لیکن اس درمیان میں حضرت عکرمہ بھی اپنی فوج لیکر آگئے تھے اس لئے اشعث بن قیس نے انکو درمیان میں ڈال کر حضرت مہاجر سے پناہ طلب کی مابینہ پناہ تو آدمیوں کے لئے طلب کی گئی تھی لیکن اشعث کچھ ایسا بدحواس تھا کہ جب اُس نے ان آدمیوں کے ناموں کی فہرست پیش کی تو اس میں خود اپنا نام لکھنا بھول گیا اس بنا پر قلعہ کے اُن نو آدمیوں کو جن کے نام درجِ فہرست تھے امن دیدیا گیا۔ اور اشعث گرفتار کر کے مدینہ بھیجا گیا یہاں حضرت ابو بکر اور اشعث میں طویل گفتگو ہوئی جس میں اشعث نے دوبارہ مسلمان ہونے اور اسلام پر پناہ ثابت قدم رہنے کا اقرار و اصرار کیا اور حضرت ابو بکر صدیق نے معاف کر دیا۔ اشعث بن قیس جب آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق کی بہن ام فروہ سے نکاح کرنے کی درخواست کی تھی لیکن اس وقت نکاح نہیں ہو سکا تھا۔ اب ارتداد سے تائب ہونے کے بعد انہوں پھر اپنی اس خواہش کا اعادہ کیا تو حضرت ابو بکر نے یہ درخواست منظور فرمائی۔ اور بن کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس کے بعد ان کا قیام مدینہ متعلقین کے مدینہ میں ہی رہا اور عراق و شام کی مہمات میں کارہائے نمایاں انجام دیئے لے کندہ و حضرت موت کی یہ جنگِ حروبِ ارتداد و بغاوت کے سلسلہ کی آخری کڑی ہے جس پر ان کا خاتمہ ہو گیا اور پورا عرب اسلام کے علم کے نیچے آگیا۔ ان جنگوں میں بہت سے لوگ باندی غلام بھی بنائے گئے تھے لیکن حضرت عمر فاروق نے فدویہ کران سب کو آزاد کر دیا اور فرمایا "یہ بات عرب کیلئے بہت بُری ہے کہ ان میں سے کوئی کسی کا مملوک ہو، عہدِ اسلام میں جو لوگ باندی غلام بنائے گئے تھے حضرت عمرؓ نے صرف انہیں کے ساتھ نہیں بلکہ عہدِ جاہلیت کے باندی غلاموں کو بھی آزاد کر دیا لے

## حروبِ ارتداد و بغاوت پر ایک نظر

حضرت ابو بکر صدیق کے مسند آرائے خلافت ہوتے ہی پورے عرب میں ارتداد و بغاوت کا طوفان جب زور شور سے اٹھا تھا تو تمہیں یاد ہوگا۔ اس وقت مدینہ کی حالت کیا تھی؟ حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی زبانی تم سن آئے ہو کہ مدینہ میں جو مسلمان تھے انکی حالت اس بجزی کی مانند تھی جو سخت سردرات میں بارش میں بھیگی کھڑی ہو۔ اسلام دشمنی اور دینِ محمدی کی مخالفت کے ایک ہمہ گیر آگ تھی جس کے شعلے شمال میں حدودِ شام اور الجزائر تک جنوب میں بحرِ ہند کے کناروں تک مشرق میں عراقِ عرب اور خلیجِ فارس تک اور مغرب میں بحرِ احمر کے سوا حل اور تنگنائے باب المندب تک پھیلے ہوئے تھے لیکن دینانے دیکھا کہ ایک سال سے بھی کم مدت میں مجاہدین اسلام نے کس طرح تعداد ساڑھو سامان اور اسلحہ بر اعتبار سے اقلیت میں ہونے کے باوجود شر و فساد کی ان تمام طاقتوں کو فنا کر کے دینِ قیوم کی فتح و ظفر کا پرچم لہرایا اور پورے جزیرۃ العرب کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے لاکر کھڑا کر دیا۔ یہ واقعہ تاریخِ عالم کا ایک نہایت ہی اہم واقعہ ہے کہ اسی سے انسانی تہذیب و معاشرت بچو اور فکر و نظر میں وہ عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا جس کا داعی اسلام تھا۔ ورنہ اگر خدا بخو استہ اسلام خود اپنے وطن میں گھٹ کر رہ جاتا تو باہر کی دنیا پر اس کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ اس انقلاب کا ہیرو اور لیڈر کون ہے؟ وہی ابو بکر صدیق جن کی رقتِ قلب کا یہ عالم تھا کہ حضور پر لڑنے کی جگہ نماز کی امامت کو کھڑے ہوئے تو آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی لیکن آج ہی وہ رفیقِ القلب انسان ہے جو خون کی روشنائی سے اسلام کی عظمت و حقانیت کی دستاویز مرتب کر رہا ہے اشدت و رقت۔ قہر و مہر اور رحم و تشدد کا یہ لطیف امتزاج ایک انسان کامل جس کی سیاست سرتاپا سیاستِ محمدی ہو اس کے سوا اور کس میں ہو سکتا تھا رضی اللہ عنہ۔

اس فتنہ کا استیصال جس تیزی اور قوت کیساتھ ہوا ہے اس پر مشرقین کو سخت حیرت ہے۔ چنانچہ کیتانی کا خیال ہے کہ ان تمام جنگوں سے فراغت ایک سال میں نہیں بلکہ دو سال میں ہونی ہوگی لہٰذا لیکن درحقیقت یہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ تمام مورخین لکھتے ہیں کہ ۱۲ھ کے آغاز میں حضرت ابو بکر نے شام و عراق کی مہم شروع کر دی تھی اور یہ مانگن تھا کہ اندرون عرب استحکام و استقلال حاصل کئے بغیر وہ کسی اور طرف توجہ کرتے۔

اصل یہ ہے کہ حروب ارتداد کا ایک طویل سلسلہ وسیع و عریض محاذِ جنگ اور عربِ قابل کا ترو و سرکشی ان سب چیزوں کی وجہ سے کیتانی اور اس کے ہم خیال مستشرقین کی سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ اس محاذِ جنگ کا قطعی فیصلہ ایک برس کی قلیل مدت میں کیونکر ہو گیا ہو گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ فتوحات عراق و شام کا سلسلہ بھی تو جیسا آگے چل کر معلوم ہو گا۔ کافی دراز و وسیع ہے اور پھر یہاں تو مقابلہ رومی اور ایرانی اس وقت کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے تھا۔ پس اگر حروب ارتداد کی انجام دہی میں دو برس لگے تو اس حساب سے عراق و شام کی فتوحات میں بھی کم از کم دو ہی برس لگنے چاہئیں۔

حالانکہ حضرت ابو بکر کی خدمت خلافت ہی کل سوادِ برس ہے اور جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں یہ بالکل بعید از قیاس بات ہے کہ حروب ارتداد کے ساتھ ساتھ فتوحات عراق و شام کی مہم بھی جاری ہو۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پروفیسر فلپ ہٹی کی رائے میں ان تمام اندرونی لڑائیوں کا خاتمہ صرف چھ مہینہ کی قلیل مدت میں ہی ہو گیا تھا لہٰذا

## فتوحات

تیسری صدی عیسوی میں عرب کے شمال میں بازنطینی سلطنت قائم تھی جو شام پر قابض تھی اور اس کے مشرقی سرحد پر جو عراق سے ملتی تھی ایرانی حکومت کا پرچم ہر ہا تھا۔ محراب شام ان دونوں کے درمیان حد فاصل تھا۔ دونوں حکومتیں آپس میں ایک دوسرے کی رقیب تھیں اور ان میں آئے دن جنگ رہتی تھی۔ عراق اور شام ان دونوں ملکوں کی سرحدیں چونکہ عرب سے ملتی تھیں اس لئے عرب کے خانہ بدوش اور بدو قبائل ان ملکوں میں گھس کر لوٹ مار چاہتے رہتے تھے جس کے باعث دونوں سلطنتوں کا ناک میں دم تھا اس بنا پر ان دونوں نے ملحق مندی یہی کی بفر اسٹیٹ (BUFFER STATE) کے طور پر عربوں کو اپنے اپنے ملک کی سرحدوں پر آباد کر کے ان کی اپنی باقاعدہ ریاستیں قائم کر دیں تاکہ اس طرح وہ عربوں کی لوٹ مار سے محفوظ رہیں اور ساتھ ہی جب ایرانی اور بازنطینی حکومتوں میں جنگ ہو تو ہر ایک کی دست پروردہ عرب حکومت اس کی مدد کر کے ساسانی حکومت کے ماتحت جو عرب حکومت قائم ہوئی۔ وہ حکومت حیرہ یا خمی حکومت کہلاتی ہے اور شام کی سرحد پر قبیلہ روم کے زیر سایہ جو عرب حکومت بنی اس کا نام غسانہ ہے۔

حکومت حیرہ کا پہلا بادشاہ مالک بن فہم از دی تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا جزمیۃ الابرش تخت نشین ہوا۔ یہ جاہ و جلال کا بادشاہ تھا۔ عربی تاریخ و ادب میں اس سے متعلق بہت سی کہانیاں اور روایتیں مشہور ہیں۔ جزمیۃ زبانا نامی ایک عورت کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کا بھانجہ عمرو بن عدی اس کا قائم مقام ہوا۔ اس نے زبانا سے اپنے ماموں کا انتقام لیا اور حیرہ کو جو کوفہ سے متصل ہے۔ اپنا دارالسلطنت بنایا اور

لہٰذا انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۱۱۰ جدید ایڈیشن لہٰذا ایک مشہور اطالوی مستشرق جس کی کتاب ANNALS OF ISLAN اطالوی زبان میں ہے۔ لہٰذا دیکھو سٹری آف دی

ایریس ایڈیشن ۱۹۴۹ء ص ۱۴۱

عراق کا بادشاہ کہلایا۔ لیکن اسی زمانہ میں ایران میں اردشیر بن بابک نے ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن معدی کواپنا باج گزار بنالیا۔ یہ صورت حال اس خاندان کے آخری بادشاہ منذر کے زمانہ تک قائم رہی جس کا خاتمہ ۶۳۲ء میں ہوا۔

شاہ پور بن اردشیر نے حجاز اور یمن کو بھی باج گزار بنالیا۔ اور امرا و القیس کنڈی کو ان صوبوں کا گورنر مقرر کیا۔

لیکن چونکہ اوّل تو محکوم رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا۔ اور پھر ساسانی حکومت کا ان عربوں کیساتھ معاملہ بھی تحقیر و تذلیل کا تھا۔ اس لئے عربوں کو جب کبھی موقع ملتا تھا ساسانی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتے تھے۔ چنانچہ ساہور ذی الاکتاف جب ایران کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور طراق کے متعدد صوبوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ ساہور اس وقت کم سن تھا۔ بڑے ہو کر اس نے عربوں سے اس طرح انتقام لیا کہ مقام حجر میں پہنچ کر سخت غول ریزی کی اور جو عرب گرفتار ہو کر آتے تھے ان کے شانے اکھڑا دیتا تھا۔ اسی سے اس کا لقب ذوالاکتاف ہو گیا۔

ایران میں مزدک کے زیر اثر بے حیائی اور بے شرمی عام ہو گئی تھی۔ انہیں مزدک کی اثرات کا نتیجہ تھا کہ خسرو پرویز نے حیرہ کے بادشاہ نعمان سوم ابو قابوس سے اس کی خاندان کی حسین عورتوں کا مطالبہ کیا اور جب نعمان نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا تو اس کو مدائن بلا کر قید میں ڈلوادیا۔ جہاں طاعون سے اس کا انتقال ہو گیا۔ نعمان نے اپنے بیٹے قیمت اسطغیر بکر کے ایک شخص ہانی بن مسعود کے پاس بطور امانت رکھ دئے تھے۔ نعمان کی گرفتاری کے بعد خسرو پرویز نے حیرہ کا فرماں روا بنوڑے کے ایک شخص ایاس بن قبیصہ کو بنا دیا۔ خسرو پرویز کے حکم سے ایاس نے ہانی نعمان کی اس امانت کا مطالبہ کیا۔ لیکن جب ہانی نے امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا تو کسریٰ کو سخت غصہ آیا اور اس نے ذی قار نامی ایک مقام پر بنو بکر کا خاتمہ کر دینے کی غرض سے ایک لشکر جرائد بھیجا۔ بنو بکر اپنی ضد پر قائم تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے زور کا معرکہ ہوا اور ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔

لہ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۶۸ لہ اس واقعہ کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

آنحضرتؐ ان دنوں مدینہ میں تشریف رکھتے تھے آپ کو ایرانیوں کی شکست کا علم ہوا تو توفرمایا۔

اليوم انتصف العرب من العجم لہ  
آج عرب نے عجم سے اپنا بدلہ لے لیا۔  
تاریخ عرب میں 'یوم ذی قار' کی بڑی اہمیت ہے۔ شعراء نے بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے لکھے ہیں۔

سنہ ۶ میں آنحضرتؐ نے جہاں ادروں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تھے ایک خط شاہ ایران کے نام بھی بھیجا تھا۔ لیکن شاہ ایران نے اس نامہ مبارک کے ساتھ بڑی بے ادبی اور گستاخی کا معاملہ کیا اسے پڑھے بغیر ہی چاک کر دیا اور نامہ بر کو دربار سے نکلوا دیا۔ اس کے علاوہ یمن کے گورنر باذان کو حکم بھیجا کہ وہ آنحضرتؐ کو گرفتار کر کے ایران کے پایہ تخت مدائن روانہ کر دے۔ آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا۔

هذک کسری ولا  
کسری ہلاک ہو گیا۔ اور اس کے بعد  
کسری بعدہ  
کوئی کسری نہیں ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شیروین نے اپنے بات خسرو پرویز کو قتل کر دیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر باذان خود مسلمان ہو گیا۔ لہ

اس کے علاوہ تم پڑھو آئے ہو کہ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد ہی ایرانی حکومت کے اشارہ پر سجاح مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے ایک لشکر جرائد بھیجا تھا۔

ان سب واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عرب اور ایران کے تعلقات بہت پرانے تھے اور ایرانی ہمیشہ عربوں کو دبا کر رکھنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ اور دنیا کی عام شہنشاہیوں کی طرح اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے خود عربوں کے ہی ایک قبیلہ مثلاً بنو عبد القیس کو دوسرے قبیلہ مثلاً بنو بکر کے خلاف استعمال کرتے تھے جس کا اثر یہ تھا کہ عربوں میں قومی وحدت قائم نہیں ہو سکتی تھی۔

لہ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۶۸ لہ اس واقعہ کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

ایرانی حکومت کو اسلام سے جو خاص پر خاش تھی اس کی وجہ بھی یہی تھی یہ لوگ سمجھتے تھے کہ اسلام سے وابستہ ہو کر عرب ایک منظم اور مضبوط طاقت بن رہے ہیں اور یہ طاقت انکی شہنشاہیت کیلئے ایک کھلا چیلنج ہے۔ اس بنا پر جزیرہ نما عرب کی مشرقی سرحد اس وقت تک محفوظ ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ جب تک کہ عراق کے عربوں کو ایران کی شہنشاہیت کے جوئے سے آزاد نہ کر لیا جاتا اور ظاہر ہے یہ مقصد ایران کے ساتھ جنگ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سرولیم میور لکھتا ہے۔

”سرحد پر جو مسلمان دستے تھے عراق اور شام کے لوگ جب ان سے متصادم ہوئے تو قیصر روم اور کسری ایران دونوں نے اپنے اپنے علاقوں کے لوگوں کی مدد کی اس بنا پر جنگ کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ اور اسلام کو مشرق اور مغرب کی طاقتور حکومتوں سے مجبوراً مقابلہ کرنا پڑا“ لے

ایک طرف ایران کے ساتھ عرب کے یہ تعلقات تھے۔ اور دوسری جانب شام کے ساتھ تعلقات کی نوعیت یہ تھی کہ شروع میں بزقناعہ کے چند قبیلے وہاں جا بے قوت وہاں رومیوں کی حکومت تھی۔ انہوں نے انہیں لوگوں میں سے ایک سردار کو ان کا حاکم مقرر کر دیا اور عرض دی تھی کہ ایک طرف وہ خانہ بدوش عرب قبائل کی لوٹ مار سے محفوظ رہیں اور دوسری جانب ایران اور روم کے درمیان ایک بفر اسٹیٹ کا کام دیں اور ان سرداروں کو ملوک کہا جاتا تھا سداً آرب کے ٹوٹنے سے قبل عسائی قبیلہ من سے ہجرت کر کے یہاں پہنچا اور آباد ہو گیا۔ عسائیوں نے کچھ دنوں بعد اس درجہ طاقت و قوت حاصل کر لی کہ یہ بزقناعہ پر غالب آئے اور اب رومیوں نے ان کو ہی ملوک تسلیم کر لیا۔ ان کی مدت حکومت کے بارہ میں اختلاف ہے۔ زیادہ صحیح وہ ہے کہ

The Khilafat, its Rise, Decline And Fall Page 46.

لے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بزوخان عمرو بن عامر الزلفی کی اولاد میں تھے۔ عمرو بن عامر کے ایک بیٹے کا نام جفنا تھا۔ اس کی نسبت سے یہ لوگ آل جفنا کہلاتے تھے۔ عسائی دراصل ایک چشمہ کا نام تھا جسیر یہ لوگ ایک عرصہ تک مقیم رہے تھے۔ اس تقریب سے ان کا نام آل عسائی یا بزوخان پڑ گیا۔

جو ابو الفدا نے لکھا ہے یعنی چار سو برس۔ کیونکہ عسائی دوسری یا تیسری صدی عیسوی میں شام پہنچے ہیں۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن الایم تھا۔ جو حضرت عمر کے زمانہ میں پہلے مسلمان ہوا۔ اور پھر مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ جرجی زمین کے نام ل قناتہ عسائی میں اسی جبلہ کا تذکرہ ہے۔

عراق میں ملوک حیرہ کا جو حال تھا۔ وہ ہی ان عسائی کا تھا، کہنے کو خود مختار اور صاحب حکومت تھے لیکن درحقیقت رومیوں کی باج گزاری کا حلقہ ان کے کانوں میں پڑا ہوا تھا۔ اور رومی حکومت ان کے ساتھ سخت تحقیر و تذلیل کا معاملہ کرتی تھی جس کا اعتراف سرولیم میور جیسے مصنف تک نے کیا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

”شام کے لوگ بارنطینی حکومت کے ماتحت طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتے تھے اختلاف مذہب کی بنا پر ان کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ بھاری بھاری ٹیکس ان سے وصول کئے جاتے تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر جب مسلمان عربوں نے شام پر حملہ کیا تو یہ شامی عرب صرف تماشائی کی حیثیت سے دیکھتے رہے کیونکہ ان کو عرب حملہ آوروں سے جو زیادہ نرم برتاؤ کرتے تھے اور جن میں زیادہ رواداری اور رحم دلی تھی۔ بہت کچھ توقعات تھیں لے مشہور جرمن مصنف وان کریم (Von Kramm) نے اسی حقیقت کو اور زیادہ صاف لفظوں میں کہا ہے۔

”جو عرب عرصہ دراز سے شام اور عراق میں آباد تھے چونکہ یہ عرب مسلمانوں کے ہم نسل ہم قوم اور ہم زبان تھے۔ اس لئے انہوں نے حملہ آور عربوں کی مدد صرف چھپے چوری نہیں بلکہ علی الاعلان کی۔ ان عراقی اور شامی عربوں نے صرف جوسوی کی خدمات انجام نہیں دیں بلکہ بسا اوقات میدان جنگ میں بھی ان کا ساتھ دیا۔“ لے

The Caliphate its Rise, Decline And fall. P. 65 لے  
The orient Under The Caliphs: Translation لے  
By Prof Kkula Bahsh P: 92,

جب اسلام کا غلغلہ بلند ہوا اور اس کے ذریعہ عربوں میں قومی تنظیم پیدا ہوئی اور انہوں نے عظیم سیاسی طاقت حاصل کر لی تو حکومت ایران کی طرح بیزنطینی حکومت کو بھی شدید خطرہ لاحق ہوا اور اس خطرہ سے محفوظ رہنے کیلئے اس نے انہیں عربوں کو استعمال کیا جو حدود شام میں آباد تھے چنانچہ رشتہ ہمیں جب آنحضرتؐ نے دعوت اسلام کا خط قبیرہ مردم ہرقل کے پاس حضرت رحیمہ کلبی کے ہاتھ بھیجا اور وہ واپس آتے ہوئے مقام جنڈام میں پہنچے تو انہیں شامی عربوں نے حضرت رحیمہ کلبی پر حملہ کر دیا اور ان کا نام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب آنحضرتؐ نے بصری کے حاکم کو ایک خط لکھا اور حارث بن عیاس کو لیکر گئے تو نضر جلیل بن عمرو جو شام کے سرحدی علاقہ کا ایک رئیس حکمران اور قبصر کے ماتحت تھا اس نے حضرت حارث کو قتل کر دیا اس کا انتقام لینے کیلئے آنحضرتؐ نے تین ہزار فرج شام روانہ کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت زید بن جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ جو اکابر صحابہ میں سے تھے اسی غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ اس سے رومیوں کا حوصلہ ٹرھا اور وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ آنحضرتؐ کو جب یہ خبریں پہنچیں تو آپ بہ نفس نفیس ایک لشکر جزائر لیکر مقام نبوک کی طرف بڑھے اور اگرچہ اس وقت جنگ نہیں ہوئی لیکن مسلمانوں کی روز افزوں طاقت رومیوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی اور وہ برابر کوئی نہ کوئی ستون شتر چھورتے ہی رہتے تھے۔

تم پڑھو آئے ہو کہ وفات سے چند روز پہلے آنحضرتؐ نے حضرت اسامہؓ کے ماتحت جو لشکر بھیجا تھا وہ اسی حفظ ماتقدم کیلئے بھیجا تھا اس لشکر کی اہمیت اس قدر زیادہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی ہزار مشکلوں کے باوجود پہلا کام یہی کیا کہ اس لشکر کو حدود شام کی طرف روانہ کیا، ولیم میور کہتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا یہ عمل انتہائی سیاسی دانش مندی پر مبنی تھا کیونکہ اس نے اسلام کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے دل پر اسلام کی سیاسی طاقت و قوت کی دھاک بٹھادی ہے۔

اور پریم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے واضح ہوا کہ مسلمان درحقیقت اس وقت ایران اور

روم دو طاقتور دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے جو اسلام کیلئے مستقل خطرہ ہونے کے علاوہ خود عربی قومیت کے اتحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے اس بنا پر جب تک ان دونوں حکومتوں کی سرکوبی نہ کی جاتی تہ اسلام کو پھیلنے اور بڑھنے کا موقع مل سکتا تھا نہ عربی قومیت مستحکم اور مضبوط ہو سکتی تھی اور نہ عراق اور شام کے عرب قبائل کو ان دونوں حکومتوں کی غلامی اور ان کے حقارت آمیز برتاؤ سے نجات مل سکتی تھی۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار لکھتا ہے دو مجھ نے جس پیمانہ پر لشکر شام کی طرف روانہ کیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ عرب قبائل میں امن اپنی سرحدوں کو وسیع کیلئے بغیر قائم ہی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ان بیانات سے ان یورپین مصنفین کی بھی تردید ہوتی ہے جو عراق و شام پر اسلامی لشکر کی پیش قدمی کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ عرب طبعاً جنگ جوتھے اور حرب ارتداد سے فارغ ہونے کے بعد انہیں شتر خاک پھر کہیں اور کسی طرف سے بغاوت کا شغلہ نہ بھر سکے اس لئے حضرت ابوبکر نے ان کو مشغول رکھنے کیلئے ان کا رخ ان ملکوں کی طرف پھیر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ اقدام صرف اسی غرض سے تھا تو اس میں کوئی جان نہ تھی اور اس صورت میں مسلمان ہرگز اس لائق نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ دنیا کی دو عظیم الشان طاقتوں سے بیک وقت کھرا سکتے۔ انصاف پسند یورپین مصنفین نے خود اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں کی یہ فتوحات کسی ذنبوی لالچ اور طمع کا نتیجہ نہیں بلکہ اس اپرٹ، بے خوفی اور بے جگرری اور اس ڈسپلین کا نتیجہ تھیں جو اسلام نے ان کے اندر پیدا کر دیا تھا وان کر میر لکھتا ہے۔

روم کو سخت حیرت ہوتی ہے کہ مدینہ سے جو معمولی سی فوجیں روانہ کی جاتی تھیں انہوں نے کس طرح بیزنطینی اور ایرانی ہمسایہ شہنشاہیتوں کے مقابلہ میں عجیب و غریب کامیابیاں حاصل کیں، لیکن ہم کو یہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اسلام نے پہلے زمانہ کے غیر منظم لوگوں میں ایک غیر مشروط اور مطلق اطاعت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا صرف یہی جذبہ تھا جس نے عرب مسلمانوں کو یونانی اور ایرانی خود عرضیوں کے مقابلہ

میں سوگنا زیادہ برتر بنا دیا تھا لے  
امریکہ کا مشہور فاضل پروفیسر فلپ ہی لکھتا ہے۔  
درحقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی فتوحات گویا مشرقِ قریب کی اپنے دیرینہ اقتدار  
کو دوبارہ حاصل کرنے کی ایک کوشش تھی۔ اسلام کے جذبہ اور جوش کے ماتحت  
مشرقِ بیدار ہو گیا تھا اور اب وہ صدیوں کے مغربی تسلط و استیلا کے بعد پھر بھی  
انفرادیت قائم کرنے کی جدوجہد کر رہا تھا لے  
غرضیکہ یہ اسباب تھے جن کے باعث ارتداد و بغاوت کا سرزمین حجاز و یمن سے خاتمہ  
کرنے کے بعد ہی فوراً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عراق و شام کی طرف توجہ کی۔

## عراق پر لشکر کشی

مسلمان مورخین عراق کو دو حصوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ عراقِ عرب اور عراقِ عجم۔ عراق  
عرب اس علاقہ کا نام ہے جو عرب سے متصل ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں اس کا دارالسلطنت مدائن تھا  
بعد میں بغداد ہوا۔ کوفہ بصرہ اور واسط اس علاقہ کے مشہور شہر ہیں اس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔  
شمال میں صوبہ جزیرہ۔ جنوب میں خلیج فارس۔ جنوب مشرق میں خوزستان۔ مشرق میں  
عراقِ عجم اور مغرب میں صحرائے شام۔

اس وقت ایران میں جو حکومت قائم تھی وہ ساسانی خاندان کی تھی جس کا بانی اردشیر  
ابن تابک تھا۔ جس نے ملک میں طوائف الملوک کا خاتمہ کر کے لے ایک وحدت (Unit) بنا دیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۲۶ء کا ہے ساتھ ہی اس نے عراق اور اس کے ہمسایہ عرب شہروں  
پر قبضہ کر لیا اس کا لقب شہنشاہ تھا۔ اردشیر کے بعد حکومت ایران دست بدست اس کی اولاد  
میں منتقل ہوتی رہی۔ نوشیروان جو اپنے عمل و انصاف کیلئے ضرب المثل ہے اور جس کے عہد  
میں آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت ہوئی ہے اسی خاندان کا بادشاہ اس کے بعد ہرمز اس کا

۱ The orient under The Caliphs P. 92

۲ "History of Th Arabs" 1949 Edition, P 143

جانشین ہوا۔ اور ہرمز کے بعد خسرو پرویز تخت پر بیٹھا۔ یہ وہی شہنشاہ ایران ہے جس کے  
نام آنحضرتؐ نے خط بھیجا تھا اور جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس نے مکتوب گرامی کیساتھ  
گستاخی کی تھی اس کا دار اس پر ایسا پڑا کہ اپنے بیٹے شیرویز کے ہاتھوں قتل ہوا۔ شیرویز ڈیڑھ  
برس کے قریب بادشاہ رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اردشیر تاج و تخت کا مالک ہوا۔ لیکن چونکہ  
یہ کمسن تھا اس لیے ایک سردار فرج نے اس کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن چالیس  
روز کے بعد یہ بھی قتل کر دیا گیا۔ اور اب شیرویز کی بہن یوزدان تخت و تاج ایران کی مالک ہوئی اس  
کے بعد ملک میں اتھلاں پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس خاندان کا آخری فرماں روا یزدگرد تخت  
نشین ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عراق پر پیش قدمی اسی یزدگرد کے عہد حکومت میں کی ہے۔  
فرج کشی کی ابتداء عراق کی مہم کا آغاز اس طرح ہوا کہ شعیب بن حارثہ الشیبانیؓ ایک صحابی  
تھے جو قبیلہ بنو بکر کے ایک سردار تھے۔ یہ قبیلہ بحرین میں رہتا تھا اور جب عام ارتداد  
کی سہا جلی رہی تھی تو یہ بھی مرتد ہو گیا تھا لیکن حضرت شعیبؓ چند ساتھیوں کیساتھ اسلام پر ثابت  
قدم تھا چنانچہ علاء بن الحضرمی جو معرکہ بحرین کے ہیرو ہیں انہوں نے مرتدین بحرین کے مقابلہ  
میں جہاں دوسرے مقامی مسلمانوں سے مدد لی۔ شعیبؓ کو بھی لکھا کہ وہ راستوں کی نگرانی کریں لے  
شعیبؓ نے اس فرض کو بری خوبی کیساتھ انجام دیا اور آٹھ ہزار مسلمانوں کی ایک جمیعت کو  
اپنے ارد گرد جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بحرین کا معرکہ ختم ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ  
کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ ان کو ان کی قوم کا سردار بنا دیا جائے تاکہ وہ اہل فارس  
سے اور ان کے اطراف و اکناف میں جو دشمن ہیں ان کے ساتھ جنگ کر سکیں حضرت ابوبکرؓ نے  
پہلے ہی ان کے کارناموں کی جب شہرت سنی تھی تو دریافت کیا تھا کہ یہ شعیبؓ کون ہیں، اس  
کے جواب میں قیس بن عاصم بن سنان المنقری نے کہا تھا کہ شعیبؓ مشہور معروف النسب  
اور بہت مضبوط شخص ہیں لے، اس بنا پر اب شعیبؓ نے خود بارگاہِ خلافت میں حاضر  
ہو کر یہ درخواست کی تو حضرت ابوبکرؓ کو کوئی سائل نہیں ہوا فوراً ان کو پروانہ مامارت  
لکھ کر عطا فرما دیا لے۔

۱ طبری ۲۶ ص ۵۲۶ لے الاصابہ ج ۲ ص ۲۳۱ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۰ لے بلاذری ص ۲۵



حضرت خالدؓ کی نامزدگی | لیکن حضرت ثنیٰ کے چلے جانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو خیال ہوا کہ عراق کی ہم بہت اہم ہے ایسے ثنیٰ سے سرنہ ہوگی اس لئے حضرت خالدؓ کو جو جنگ یمامہ سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ میں مقیم تھا لے حکم دیا کہ دس ہزار کاشکریہ لیکر عراق کا رخ کریں یہ واقعہ ۳۱ھ کا ہے ۲ اور ادھر ثنیٰ بن حارثہ اور مذعور بن عدس العجلی کو جنھیں حضرت ابو بکرؓ نے ان کی قوم پران کی درخواست کے مطابق امیر بنا دیا تھا، ہدایات بھیجیں کہ وہ حضرت خالدؓ کے ساتھ ساتھ کوچ اور قیام کریں اور پورے طور پر ان کے مطیع اور فرمانبردار ہو کر رہیں، ان کے علاوہ حضرت عیاض بن غنم جو اس وقت بناج اور حجاز کے درمیان کسی مقام پر تھے ان کو بھی لکھا کہ حضرت خالدؓ کے پاس پہنچیں اور ان کی قیادت میں کام کریں۔

حضرت خالدؓ کو ہدایات | اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالدؓ کو جو ہدایات دی ہیں وہ خلیفہ رسولؐ کی فوجی مہارت، تندر اور غیر معمولی میدان مغزری کی روشن دلیل ہیں آپ نے فرمایا: ۱) عراق کا کوچ اس کی بلند زمینوں کے ذریعہ کریں۔ مورخین کو اس میں دھوکہ ہو گیا ہے چنانچہ طبری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت خالدؓ عراق کی نشیبی زمینوں کے ذریعہ کوچ کرنے کا حکم ہوا تھا اور حضرت عیاضؓ کو بلند زمینوں کے ذریعے بہر حال ان سب کو جمع ہونا تھا، بلکہ کے مقام پر اور مقصد یہ تھا کہ مختلف فوجیں مختلف راستوں سے جائیں تو ہر طرف کی آبادی پر اثر پڑے۔

۲) عراق کی سرزمین میں پہنچ کر لوگوں کی دلجوئی کریں اللہ کی طرف ان کو دعوت دیں اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو خیر اور نہ ان سے جزیہ طلب کریں اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر ان سے جنگ کی جائے۔

۳) جو شخص ان کے (حضرت خالدؓ) ساتھ جائے کیلئے تیار نہ ہو، اس پر جبر نہ کریں۔

۴) جو لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ مگر اب پھر مسلمان ہو گئے ہیں ان سے کسی قسم کی کوئی مدد طلب

لے بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت خالدؓ یمامہ میں تھے اور حضرت ابو بکرؓ نے ان کو یہ حکم دیا بھیجا تھا لیکن عراق کی ہم کی اہمیت کے پیش نظر حضرت ابو بکرؓ کی سیاست اور تدبیر سے بغیر تھا کہ وہ حضرت خالدؓ کو بالکل بھیجتے اس لیے ہم نے مدینہ والی روایت کو اختیار کیا ہے ۲۵۰

نہ کریں۔

۵) ان کے علاوہ جو مسلمان ان کے پاس سے گزرے اس کو ہمراہ لے لیں لے ابلہ کی اہمیت | اساتذہ ہی حکم دیا تھا کہ اپنی جنگی کاروائیوں کا آغاز ابلہ سے کریں۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ ابلہ میں شاہ ایران کا تمام میگنیزین جمع تھا اور اس بنا پر اس کی حیثیت فوجی چھاؤں کی تھی اس کے علاوہ آب و ہوا اور کاروبار تجارت کے اعتبار سے نہایت عمدہ جگہ سمجھی جاتی تھی۔ مشہور امام لغت الصمعی کا قول ہے: ”دنیامیں جنتیں تین ہیں۔ غوطہ دمشق، نہر بلخ اور ابلہ تھے اس کے علاوہ یہی وہ بندرگاہ تھی جس کے ذریعہ سے عرب اور ہندو سندھ میں تجارتی تعلقات قائم تھے اور ایک ملک کا مال دوسرے ملک میں آتا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ نے اس کو فرج الہند کہا تھا۔“

عراق میں حضرت خالدؓ نے جو روایات لڑیں ان کی ترتیب کیا ہے؟ اس میں روایات اس قدر مختلف ہیں کہ کسی ایک نتیجہ تک پہنچنا بہت دشوار ہے اب ہم جس ترتیب سے واقعات لکھیں گے وہ زیادہ تر طبری اور ابن اثیر کے بیانات پر مبنی ہے اور جزئی ترمیم و تفسیح کیلئے ترتیب تقریباً وہی ہے جو ان دونوں بزرگوں کے ہاں ہے۔

## جنگ ذات السلاسل

عام مورخین کا حمان یہ ہے کہ عراق میں جو پہلی جنگ لڑی گئی ہے وہ غزوہ صفیر یا ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے۔

صفیر خلیج فارس کے قریب اور کاظمی سرحد پر واقع ہے۔ مدینہ سے بصرہ تک اگر خط مستقیم کھینچی جائے تو صفیر اسی خط پر بصرہ سے پہلے واقع ہوگا۔ اس مقام کا حکم ہرگز تھا۔

۱) البلید والنہایت ج ۶ ص ۳۲۲ لے یہ مقام دجلہ بصرہ کے کنارہ پر خلیج فارس کے کونہ میں جو شہر بصرہ تک آتا ہے واقع ہے اور بصرہ چونکہ حضرت عرفانؓ کے عہد میں آباد ہوا ہے اس لیے اس سے مقدم ہے۔ ۲) ابن اثیر ج ۲ ص ۳۱۱ سے مع البلدان یا قوت حموی ج ۱ ص ۹۷ مطبوعہ لہرک۔

جو حکومت ایران کے ماتحت تھا۔ ایران میں یہ دستور تھا کہ جو شخص جس مرتبہ اور درجہ کا ہوتا تھا اس کے مطابق اس کی ٹوپی قیمتی ہوتی تھی۔ اسی بنا پر ہرمز چونکہ یہاں کے امراء اور اشرف میں سب سے بڑا تھا اس لیے اس کی ٹوپی ایک لاکھ کی تھی۔ حفیر کے اطراف و جوانب میں سرحدوں پر جو عرب قبائل آباد تھے ہرمز کا معاملہ ان کے ساتھ نہایت بڑا تھا چنانچہ عرب خیانتِ نفس اور زشتِ خوئی کی ضربِ المثل کے طور پر کہا کرتے تھے۔ یہ وہ شخص ہرمز سے بھی زیادہ خبیث یا اس سے بھی بڑا کافر ہے اس باہمی عناد و منافرت کا نتیجہ یہ تھا کہ ان عرب قبائل کے بنی اعمام جو جزیرہ نمائے عرب میں مقیم تھے وہ جب کبھی موقع ملتا تھا ہرمز کے علاقوں میں گھس کر غارت گری کرتے تھے اور ہرمز ان کے ساتھ خشکی میں اور اہل ہند کے ساتھ بحیر میں جنگ و پیکار کرتا رہتا تھا اس بنا پر حکومت ایران ہرمز کو اپنے ملک کے ناکوں کا محافظ و پاساں سمجھتی تھی۔

حضرت خالدؓ مدینہ سے دس ہزار کی فوج اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوئے تھے حدودِ عراق میں داخل ہوئے تو یہاں شعی بن جابر نے آٹھ ہزار کی جمعیت لیکر ان کے استقبال کیلئے موجود تھے۔ حضرت خالدؓ نے اب پوری فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا اور حکم دیا کہ وہ مختلف راستوں سے چل کر حفیر میں جمع ہو جائیں۔ ان تین حصوں میں سے ایک حصہ کے سردار شعی بن جابر تھے۔ دوسرا حصہ عدی بن حاتم الطائی کی سرکردگی میں تھا۔ اور تیسرا حصہ خود حضرت خالدؓ کے ماتحت تھا۔ یہ تینوں لشکر دو اور تین دن کے فاصلے سے روانہ ہوئے۔ سب کے آئندہ میں حضرت خالدؓ کی روانگی ہوئی۔ لیکن روانگی سے قبل حضرت خالدؓ نے ہرمز کے نام ایک خط روانہ کر دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

فاسلم تسلموا واعتقد لنفسك

وقومك الذمة واقدر بالجزية

والا فلا تلومن الا لنفسك فقد

جنتك بقوم يحبون الموت كما

تحبون الحياة

لے طبری ج ۲ ص ۵۵۲

ادھر ہرمز کو یہ خط ملا اور ادھر سے مسلمان افواج کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو اس نے شہنشاہ ایران اردشیر (بیزگرد) کو یہ تمام حالات لکھ کر بھیجے اور حضرت خالدؓ کا مقابلہ کرنے کی عرض سے مقام کو اظہم میں فوجیں اتار دیں لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ اسلامی فوجیں حفیر کی طرف بڑھ رہی ہیں تو بڑی تیزی کیساتھ اپنا لشکر لیکر حفیر پہنچا اور یہاں ایک گھاٹ پر بڑا ڈھلایا گیا۔ اب حضرت خالدؓ نے قلعہ کی طرف ہٹ کر اپنے لشکر کو خیمہ فگن ہونے کا حکم دیا تو لوگوں نے کہا کہ دشمن نے پانی پر قبضہ کر رکھا ہے اور ہمارے پاس پانی کہیں نہیں ہے لیکن خالدؓ کی شان تھوڑی دیر بعد بادشہ ہوئی اور جل تھل بھڑ گئے۔

اب ہرمز نے صف بندی اس طرح کی کہ اس کے لشکر کا میمنہ اور میسر شاہی خاندان کے دو جوان مرد قبائذ اور انوشجان کی سرکردگی میں تھا اور جتنے مردان کا رزار تھے سب نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کیساتھ زنجیروں میں جکڑ لیا تھا تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں۔ اسی وجہ سے یہ غزوہ ذات السلاسل کہلاتا ہے۔ یہ سب انتظامات ہو چکے تو جنگ شروع ہوئی۔ ہرمز نے آگے بڑھ کر حضرت خالدؓ کو دعوتِ مبارزت دی۔ حضرت خالدؓ فوراً آگے بڑھے اور طرائف ہونے لگی۔ ہرمز نے قواعدِ جنگ کے بالکل خلاف ازراہ غرور و فریب پہلے سے اپنے شہسواروں کی ایک جماعت کو اس پر آمادہ کر رکھا تھا کہ جب خالدؓ قن تہما ہرمز کیساتھ مصروفِ جنگ ہوں تو یہ لوگ اچانک کیم گاہ سے نکل کر حضرت خالدؓ پر حملہ کر دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن ٹھیک اس وقت جبکہ ہرمز کے شہسواروں نے حضرت خالدؓ پر حملہ کرنا چاہا۔ حضرت قحطاع بن عمرو اچانک اسلامی فوج سے نکل کر اس زور کے ساتھ حملہ کیا کہ شہسواروں کے چھکے چھوٹ گئے۔ اتنے میں حضرت خالدؓ نے پہلو پچا کر ہرمز کی پیشانی پر ضرب کاری لگائی کہ وہ جاہز نہ ہو سکا۔ میدانِ جنگ کا یہ رنگ دیکھ کر مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ ایرانی شکست کھا کر بھاگے تو مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ فرات کا بڑا پل جہاں بعد میں بصرہ آباد ہوا وہاں پہنچ کر دم لیا۔ قباذ اور انوش جان بچا کر نکلے لیکن ایرانیوں کی بڑی تعداد قتل ہو گئی۔

لے ان کی بہادری کا یہ علم تھا کہ مدینہ سے حضرت خالدؓ کی روانگی کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو خیال آیا تو حضرت قحطاعؓ کو بھی مجھے سے مدد کی غرض سے روانہ کیا۔ کسی نے پوچھا ایک آدمی سے کیا ہو گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا جس وقت تک میں قحطاعؓ ہوں گے اس کو کبھی شکست نہیں ہوگی

حضرت خالد نے مل عنیت جس میں ایک ہاتھی اور ہرن کی بیش قیمت ٹوپی بھی شامل تھی مدینہ بھیجا تو ہاتھی کو مدینہ کی گلیوں اور سڑکوں پر گھمایا گیا سورجوں کیلئے یہ ایک بالکل نیا جانور تھا اس لئے مدینہ کی بڑی بوڑھی عورتیں اور بچے اسے دیکھ کر خوش ہوتے اور تعجب کرتے تھے لیکن چونکہ یہ جانور شاہی تزک و اختتام کی علامت تھا اس لیے حضرت ابو بکر نے اس کو مدینہ میں رکھنا پسند نہیں کیا اور زبیر بن کلثوم سے لائے تھے انہیں کے ہاتھ اسے واپس کر دیا لے فرات کے بڑے پل پر پہنچ کر حضرت خالد نے منی بن حارثہ کو تواریخوں کے لغات میں روانہ کر دیا اور معقل بن مقرن المزنی کو ابلہ روانہ کیا کہ اس کی فتح کی ٹیلی وٹھان کا انتظام کریں ابلہ سے متعلق ایک بحث ابلہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اس سے متعلق مورخین میں اختلاف یہ ہے کہ یہ خلافت صدیقی میں فتح ہوا ہے یا حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں یا بن انیر کی رائے یہ ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوہ کے ہاتھوں حضرت عمر کے عہد میں فتح ہوا۔ چنانچہ معقل ابن والی مذکورہ بالا روایت نقل کر کے انہوں نے اس کی تردید کی ہے اور اس کو اہل نقل کے علم کے خلاف کہا ہے۔ لیکن بلاذری اور ابوالسماعیل محمد بن عبداللہ اللادری نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت خالد بصرہ پہنچے تو سوید بن قطبہ الذہلی نے ان سے مل کر کہا کہ ابلہ کے لوگ شہر مقابلہ کرنے کیلئے جمع ہو رہے تھے اور میری رائے میں وہ اس وقت تک باز نہیں آئیں گے جب تک کہ آپ میری مدد نہ کریں اس پر حضرت خالد نے ترکیب یہ جلی کہ سوید سے کہا میں تمہیں کے وقت بصرہ سے چلا جاؤں گا۔ لیکن شب میں واپس ہو کر تمہیں لشکر میں آؤں گا۔ اب اگر صبح کے وقت اہل ابلہ نے حملہ کیا تو تم ان سے جنگ کریں گے اس قرار داد کے مطابق حضرت خالد نے لشکر کو دیکر بصرہ سے نکل گئے جیسا کہ توقع تھی اہل ابلہ کو اس سے اطمینان ہوا اور انہوں نے سوید بن قطبہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی لیکن دوسرے دن صبح کے وقت انہوں نے حملہ کیا تو چونکہ حضرت خالد شب میں واپس آکر سوید کے لشکر میں شامل

لے طبری جلد ۲ ص ۵۵۶ و ابن اثیر ص ۲۶۲ لے ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۳ فتح البلدان ص ۲۵۱  
۳۰ فتح الشام ص ۴۹ شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ ۳۰ ابن حنبل کے بیان کے مطابق ابلہ بصرہ سے چار فرسنگ یعنی ایک دن کی مسافت پر تھا۔

ہو گئے تھے۔ اس لیے اب اہل ابلہ نے مسلمانوں کی خلاف توقع اتنی بڑی تعداد دیکھی تو اوسان خطا ہو گئے اور ان پر رعب کی کیفیت طاری ہو گئی حضرت خالد نے اسکو محسوس کر کے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ فوراً تعمیل کی گئی اور اہل ابلہ شکست کھا گئے ان میں سے جو بھاگ نہیں سکے وہ یا قتل ہو گئے یا دریا میں غرق ہو کر موت کے گھاٹ اتر گئے۔ حضرت خالد نے سوید سے فرمایا ہم نے تمہارے فواج کے ایرائیوں کو اتنا پامال کر دیا ہے کہ وہ اب سر نہیں اٹھا سکیں گے۔

بلاذری اور ازہری کی اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابلہ حضرت ابو بکر کے عہد میں ہی فتح ہو گیا تھا اور قرین قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کو روانہ کرتے وقت ہی حکم دیا تھا کہ وہ اپنی کاروائیوں کا آغاز اسی مقام سے کریں۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ سب کچھ فتوحات ہو جاتیں لیکن ایک ابلہ ہی فتح نہ ہوتا ورنہ ایک فوجی اعتبار سے یہ ایک نہایت اہم مقام تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ ابلہ حضرت عمر کے عہد میں جو فتح ہوا ہے تو اس کے کیا معنی ہوں گے اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے ان لوگوں نے ایک مرتبہ فتح ہو جانے کے بعد پھر بغاوت برپا کر دی ہو اور اس لیے حضرت عمر کے عہد میں وہ دوبارہ فتح کیا گیا ہو۔

## مذکر کی جنگ

حضرت خالد کے حکم کے مطابق منی بن حارثہ ایرائیوں کا تعاقب کر رہے تھے اور مدائن

۳۰ یہاں ایک شبہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ بلاذری اور ازہری سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلہ سوید کے ہاتھوں فتح ہوا لیکن طبری اور ابن اثیر کے ہاں معقل بن مقرن کا نام ملتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اہل ابلہ کی دراصل جنگ تو ہوئی تھی سوید بن قطبہ کچھ ساتھ اور انہوں نے ہی اس کو فتح کیا تھا ہے معقل تو غزوہ حنین کے بعد حضرت خالد نے ابلہ مال عنیت وغیرہ اکٹھا کرنے اور اس کا انتظام کرنے کیلئے بھیجا تھا اس لیے التباس ہو گیا ہے چنانچہ طبری کے الفاظ یہ ہیں۔ وارسل معقل بن مقرن المزنی الی الابلة ليجمع له مالها والسي فخرج معقل حتی نزل الابلة فجمع الاموال والسبايا - ج ۲ ص ۵۵۶۔

نک پہنچنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن جنگ حفر کے موقع پر ہرنے شہنشاہ ایران کے پاس جو سفارت بھیجی تھی کچھ اس کا اثر کچھ حفر میں ایرانیوں کی شکست فاش کی خبر ان دونوں وجوہ کی بنا پر حکومت ایران نے حضرت خالدؓ سے جنگ کرنے کیلئے ایک لشکر حرار روانہ کر دیا تھا جس کے مختلف دستوں کی قیادت ایران کے نامور اشراف و امرا کر رہے تھے۔ حضرت تنی کو ان کے راہ میں یہ اطلاع ملی تو ملین کا ارادہ منسوخ کر دیا۔

ایرانی لشکر نے جس کے ساتھ غزوہ حفر کے لشکر خوردہ بھی مل گئے تھے۔ مدار نامی ایک مقام پر جو جلد اور فرات کے سنگم پر واقع ہے پڑاؤ ڈالا۔ حضرت خالدؓ کو اطلاع ملی تو پیش قدمی کر کے وہاں پہنچے جنگ شروع ہوئی ایرانی فرج کی طرف سے ایران کا نامور بہادر قارن نکلا۔ لاسر سے معقل بن الاعشی آگے بڑھے۔ آخر قارن قتل ہو گیا۔ اسی طرح نوشجان، عاصم کے ہاتھ سے اور قباد حضرت عدی بن حاتم کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ قارن۔ نوشجان اور قباد ایران کے اتنے بڑے لوگ تھے کہ پھر آئندہ کسی جنگ میں ایران کا ان جیسا نامور بلند مرتبہ شخص مسلمانوں کے ہاتھوں نہیں مارا گیا۔ طبری اور ابن اثیر کی روایت ہے کہ اس جنگ میں تین ہزار ایرانی مارے گئے۔ جو بیچ گئے تھے وہ کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگ گئے اگر دیار درمیان میں حالت نہ ہوتا تو دشمن کی فرج کا ایک سپاہی بھی جان سلامت نہیں لے جاسکتا تھا۔ اس جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوئے انہیں ایک البواحسن بصری بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہو کر مشہور صاحب معرفت و طریقت ہوئے یہ واقعہ ماہ صفر ۲۱ھ میں پیش آیا ہے

## جنگ ولجہ

حضرت خالدؓ اب حیرہ جو خلیج فارس اور مدائن کے وسط میں ہے اس سے قریب تھے ارد شیر کو مدائن میں ایرانیوں کی شکست فاش کی خبر مل تو اس نے ایک اور لشکر ایران کے مشہور شہسوار اندرزغر کی سرکردگی میں روانہ کیا اور اس لشکر کے پیچھے پیچھے ایک اور لشکر ایران کے نامور شہسوار جادویہ (جس کو عرب مؤرخین جادویہ لکھتے ہیں) کی قیادت میں بھیجا۔ اس مرتبہ ایرانیوں نے ایک چال یہ

بھی چلی کہ وہ عرب قبائل جو دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقوں میں بادیہ شام تک آباد تھے اور جن میں سے اکثر عیسائیت اختیار کر چکے تھے ان کو بھی حریت اور آزادی کے نام پر اپنے ساتھ ملا لیا اب ان سب نے مقام ولجہ میں جو مقام دجلہ و فرات کے سنگم کے قریب تھا پڑاؤ ڈالا۔

حضرت خالدؓ کو ہذا میں اطلاع ہوئی تو پورے ساز و سامان کیساتھ روانہ ہوئے لیکن مقابلہ آسان نہیں تھا۔ ایرانیوں اور عرب قبائل دونوں کے لشکر الگ الگ تھے اور ایک لشکر کا سردار اسی قوم سے تھے۔ لیکن ان سب کا کمانڈر اچیف ایرانی تھا، جنگ شروع ہوئی، فریقین نے داد و تحامت دی جو اندری کے وہ جو ہر کھائے کہ کسی فریق کے متعلق بھی فتح و ظفر کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی تھی۔ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں۔

حتى ظن الفریقان ان الصبر قد فرغ۔  
بمیان لبریز ہو گیا ہے۔  
دونوں فریق نے گمان کیا کہ صبر کا

لیکن حضرت خالدؓ نے مدار سے روانہ ہو کر اٹھائے راہ میں ایک تدبیر یہ کی تھی کہ اپنے لشکر کے سرداروں کو اپنے سے الگ کر کے حکم دیا تھا کہ وہ دونوں مختلف راستوں سے میدان جنگ میں ایرانی لشکر کے عقب کی طرف سے پہنچیں، بادیہ تدبیر بہت کارگر ہوئی چنانچہ ٹھیک اس وقت جبکہ معرکہ کارزار گرم تھا اور حضرت خالدؓ دشمن پر دباؤ ڈالتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، ایرانی لشکر کے پیچھے مذکورہ بالا امیر اپنا دستہ لیکر پہنچ گئے ناب دشمن کو تاب مقاومت نہیں رہی، ایرانی بہت بڑی طرح شکست کھا کر بھاگ پڑے۔ ایک بڑی تعداد قتل ہو گئی اندرزغر جان بچا کر نکل بھاگا تھا۔ لیکن تشنگی کی وجہ سے وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ یہاں بھی حضرت خالدؓ نے کسانوں کیساتھ نرمی اور ملاحظت کا معاملہ کیا۔ ان سب کو امن دے دیا۔ اور یہ لوگ ذمی ہو گئے ۲۔

## جنگِ اَلیس

اس تیسری شکست نے ایرانیوں کو توبہ خواہ کیا ہی تھا۔ لیکن سب سے زیادہ انزاعراق کے عرب قبائل پر ہوا جن کو جزیرہ نما نے عرب کے اپنے بزعام کے ہاتھوں اس قدر شدید شکست اٹھانی پڑی تھی۔ ان کے غیظ و غضب کی حد نہ رہی اور ہم بد سبی کے رشتہ سے انہیں عرب قبائل میں جو اور عیسائی تھے وہ بھی مشتعل ہو گئے اور اب ان سب نے ایرانیوں سے خط و کتابت کر کے بہت بڑے پیمانہ پر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ جیرہ اور ابلہ کے عین وسط میں دریائے فرات کے کنارہ پر ایک مقام اَلیس ہے یہ سب وہاں جمع ہوئے۔ ارد شیر نے بھمن جادویہ کو جو اس وقت ایک مقام قسینا میں مقیم تھا حکم بھیجا کہ عرب عیسائیوں کی اَلیس پہنچ کر مدد کرے۔ لیکن بھمن خود ارد شیر سے بعض معاملات طے کرنے کی عرض سے مدین چلا گیا اور اپنی طرف سے جابان نامی سردار کو یہ کہہ کر بھیج دیا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں تم جنگ میں پیش قدمی نہ کرنا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ بھمن مدائن پہنچا تو اس وقت ارد شیر بیمار تھا۔ اس لیے بھمن کو وہاں قیام کرنا پڑا اور ہر یہ ہوا کہ جابان اَلیس پہنچ کر بھمن کا ایشیا کی رہا تھا کہ اتنے میں حضرت خالدؓ پہنچ گئے اور دشمن کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع دینے بغیر جنگ شروع کر دی۔ مالک بن قیس جو بڑا بہادر تھا آگے بڑھا لیکن حضرت خالدؓ کی تلوار نے اسکو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ منظر دیکھ کر دشمن کی صفوں پر ہیبت طاری ہو گئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہاں ایک دل دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنا لپکا لپکا کھانا چھوڑ کر بھاگے تھے۔ مسلمانوں نے جب کھانے پر قبضہ کیا تو ان کو میدہ کی سفید روٹیاں بھی ملیں جن کو عربی میں الرقاق البیض کہتے ہیں۔ مسلمان عرب اس سے بالکل نا آشنا تھے۔ اس لئے کسی شخص نے پوچھا ”یہ کیا ہے تو دوسرے نے جواب دیا تم نے رقیق الجیش“، تو سنا ہی ہو گا اسی مناسبت سے ان کو ”رراق البیض“ کہتے ہیں۔ اَلیس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے امغیشا نامی ایک شہر کا رخ کیا جو اَلیس سے

قرب تھا اور فرات اور نہر باد قلی کے سنگم پر واقع تھا۔ لیکن یہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اہل شہر نے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت ابو بکر کو ان سہم فتوحات کا علم ہوا تو خوش ہو کر فرمایا عورتیں خالدؓ جیسا کوئی پیدا کرنے سے عاجز ہیں“ لے۔

ابن جریر طبری۔ ابن اثیر اور ابن کثیر کا بیان ہے کہ جنگِ اَلیس میں فریقِ ثانی کے ستر ہزار افراد قتل ہوئے تھے۔ سرولیم میورا کو مبالغہ کہتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اعداد و شمار کا نظم و ضبط اس زمانہ میں ایسا نہیں تھا جیسا کہ آج کل ہے اس لیے ممکن ہے کہ پورے ستر ہزار نہ ہوں اور چونکہ متر کا عدد کثرت کو ظاہر کرنے کیلئے عربی زبان میں عام طور پر بولا جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ”رَانَ لَسْتَغْفِرَ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً“ میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے اس بنا پر ستر ہزار سے کثرت ہی مراد ہو۔

## حیرہ کی فتح

ان سہم شکستوں نے اگرچہ ایرانیوں کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ لیکن اَلیس کی جنگ میں عراق کے عرب قبائل پیش پیش رہے تھے اور اس وقت ایرانیوں کا بڑا سہارا یہی عرب تھے۔ اس بنا پر فوجی نقطہ نظر سے ضروری تھا کہ حیرہ پر جو عراق عرب کا پایہ تخت تھا قبضہ کیا جائے تاکہ ان عرب قبائل کو قابو میں رکھا جاسکے۔ چنانچہ امغیشا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ نے حیرہ کا رخ کر دیا۔ حکومت ایران کی طرف سے حیرہ کا گورنر اس وقت آزادا د آزادیم نامی ایک ایرانی تھا۔ اس کو اسلامی فوج کی نقل و حرکت کا علم ہوا تو لشکر لیکر آگے بڑھا اور ساتھ ہی چونکہ حضرت خالدؓ دریائے راستہ سے آ رہے تھے اس بنا پر اس نے اپنے بیٹے کو بھیج کر دریا کا پانی منقطع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشتیاں زمین سے لگ گئیں۔ حضرت خالدؓ اپنا ایک دستہ لیکر کشتیوں سے اترے دریائے فرات کے کنارہ پر آ کر دریا کے لڑکے سے جنگ کی۔ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا اور پھر روانہ ہو گئے۔ آزادا د کیلئے یہ وقت بڑا نازک تھا۔ ایک طرف ارد شیر شہنشاہ ایران کے مرنے کی

خبر ملی اور دوسری جانب خود اس کا بیٹا اور اس کے ساتھ قتل ہو گئے تھے اس لیے بجز فرار کے اس کیلئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اہل حیرہ نے یہ رنگ دیکھا تو قلعہ بند بیٹھ گئے۔ حیرہ مختلف اعلیٰ قسم کے محلات کیلئے مشہور تھا جن میں سے خورنق اور سد بہت مشہور ہیں اور عربی اشعار میں ان کا ذکر آتا ہے۔ مسلمانوں نے ان سب کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کو جب ایک دن اور ایک رات گذر گئے تو مسلمان کسی طرح محلات کے اندر گھس گئے۔ اب ان لوگوں کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ صلح کر لیں۔ چنانچہ ایک بڑھے اور تجربہ کار شخص عبدالمسیح طبری نے نام عمرو بن عبدالمسیح لکھا ہے اور ایسا بن قبیلہ کی معرفت صلح کی گفت و شنید ہوئی آخر کار ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر صلح ہو گئی اور یہ شرط طے پائی کہ اہل حیرہ مسلمانوں کیلئے ایرانوں کے برخلاف جاسوسی کی خدمات انجام دیں گے اور مسلمان ننان کا کوئی گرجا ہم کریں گے اور نہ کوئی محل۔ اے

حضرت خالدؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو جب فتح حیرہ کی خبر بھیجی تو ساتھ ہی کچھ ہدایا بھی بھیجی۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے ان ہدایا کو اہل حیرہ کے جزیہ میں محسوب کر لیا اور حضرت خالدؓ کو لکھا کہ جزیہ کی باقی رقم کی وصولیابی بھی کر لیں اور اس کو بھی اہل حیرہ کی طرف ہدایا ہی سمجھ لیں۔

یہ فتح ربيع الاقل ۱۲ھ میں ہوئی ۳ھ

بنت بقیلہ کا افسانہ | اس موقع پر طبری، بلاذری، ابن اثیر اور ابن کثیر جیسے مؤرخین تک نے ایک روایت نقل کی ہے جو دراصل ایک غلط افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ ہم اصل روایت نقل کرتے ہیں اور پھر اس پر جرح و نقد کریں گے۔

روایت یہ ہے کہ خزیم بن اوس الطائی نے ایک آنحضرتؐ سے عرض کیا تھا کہ اگر اللہ آپ کے ہاتھوں حیرہ فتح کر لے تو آپ بنت بقیلہ (حیرہ کے ایک نامور خاندان کی لڑکی) مجھ کو عطا فرمائیں گے۔ چنانچہ اب جب حضرت خالدؓ نے اہل حیرہ سے صلح کرنی چاہی تو خزیم نے ان سے کہا کہ بنت بقیلہ کو آپ صلح میں داخل نہ کریں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مجھے دے چکے ہیں۔ خزیم کے اس دعویٰ کی تصدیق بشیر بن سعد اور محمد بن مسلمہ نے بھی

کر دی۔ تو حضرت خالدؓ نے اس عورت کو صلح میں شامل نہیں کیا اور وہ خزیم کے حوالہ کر دی لیکن چونکہ یہ عورت اس وقت انہی برس کی بڑھیا تھی اس لیے خزیم نے اس عورت کے اہل خاندان سے ایک ہزار درہم لیکر وہ ان کو واپس کر دی۔ جب لوگوں نے خزیم سے کہا یا آپ نے کیا کیا کہ بنت بقیلہ کو اتنے سستے داموں فروخت کر دیا تو خزیم نے جواب دیا کہ مجھ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ ایک ہزار سے اوپر بھی کوئی عدد اور ہے، اے

یہ روایت اصولی روایت کے اعتبار سے بھی غلط ہے اور درایہ بھی اور اس کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ واقعہ کس شخص کا ہے اس میں ہی اختلاف ہے۔ بلاذری نے اس کو خزیم بن اوس جو قبیلہ بنو نطے سے تعلق رکھتے تھے ان کا واقعہ بتایا ہے۔ لیکن ساتھ ہی کہتے ہیں کہ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے بنت بقیلہ کو دینے کا وعدہ قبیلہ ربیع کے ایک شخص سے کیا تھا۔ حافظ علی الدین ابن کثیر نے اس شخص کا نام شویل لکھا ہے اور طبری اور ابن اثیر نے بھی یہی نام لکھا ہے ۳ھ

(۲) طبری نے اس عورت کا نام گرامت نقل کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس کا نام یشیما لکھا ہے ۴ھ

(۳) طبری میں آنحضرتؐ نے بنت بقیلہ دینے کا وعدہ اس شرط پر کیا تھا کہ حیرہ بزور شمشیر (عنوة) فتح ہو۔ وہی لفظ اذا فتحت عنوة ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں حیرہ جبراً نہیں بلکہ صلحاً فتح ہوا تھا اس لئے نہ خزیم یا شویل کو اس کے طلب کرنا حق تھا اور نہ حضرت خالدؓ اس مطالبہ کو منظور کر سکتے تھے۔

(۴) روایت میں ہے کہ جب حضرت خالدؓ نے بنت بقیلہ کو شرائط صلح سے مستثنیٰ رکھنے اور اس کو مدعی کے حوالہ کر دینے کا فیصلہ کر لیا تو بنت بقیلہ کے رشتہ داروں کو اُس پر اعتراض

۱۔ فتوح البلدان ص ۲۵۳ ۲۔ البلیغ والنهاية ج ۲ ص ۲۴۷ ۳۔ طبری ج ۲ ص ۵۶۹ و ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۷ ۴۔ الاصابہ ج ۳ ص ۳۵۱ ترجمہ محمد بن بشر و طبرانی ج ۲ ص ۵۶۹

۱۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۲-۲۵۳ ۲۔ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۷ ۳۔ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۷-

ہوا لیکن بنت بقیلہ نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ مجھ کو روکیں نہیں، جانے دیں، اصل بات یہ ہے کہ اس شخص نے مجھ کو جوانی میں دیکھا تھا اور یہ شاید یہ سمجھتا ہے کہ جوانی ہمیشہ رہتی ہے اب مجھ کو دیکھو گا کہ میں اتنی برس کی بڑھ چکی ہوئی ہوں تو یہ خود مجھ کو واپس کر دے گا اب سوال یہ ہے کہ اگر اس شخص نے بنت بقیلہ کو اس کے عہد شباب میں دیکھا تھا اور وہ اس کو دل دے بیٹھا تھا تو یعنی بات ہے کہ یہ خود بھی اس وقت جوان ہوگا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ اس عرصہ میں بنت بقیلہ تو شباب اور کہولت کی منزلیں طے کر کے ہشتادہ سالہ عجوزہ بن گئی لیکن یہ شخص جوان کا جوان ہی رہا جو اس جذبہ کیساتھ بنت بقیلہ کو حضرت خالدؓ سے طلب کرتا ہے اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس شخص کی بے خبری کا عالم یہ ہے کہ وہ خود اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکا کہ اس مدت میں بنت بقیلہ بڑھ چکی ہوگی۔ بنت بقیلہ اس کے متعلق یہ کہتی ضرور ہے کہ وہ شباب کو پائیدار اور دوامی سمجھتا ہے۔ لیکن درحقیقت دنیا میں ایسا کوئی احمق ہے بھی!

(۵) اس شخص کو جب لوگوں نے سستے داموں بیچ دینے پر بڑبھلا کہا تو اس نے کہا کہ میں ایک ہزار کے بعد بھی کوئی عدد ہے یہ جانتا ہی نہیں تھا۔ اس بات کو بھی آخر کون باور کر سکتا ہو حضرت خالدؓ کی فرج میں کتنے مسلمان تھے ہاں غنیمت کس کینہ مقدار اور تعداد میں مسلمانوں کے ہاتھ بڑھ رہا تھا کیا یہ سب چیزیں اس شخص کو معلوم نہیں تھیں اور اگر تھیں تو وہ ان کا شمار کس طرح کرتا تھا۔

حیرہ میں حضرت خالدؓ کا طویل قیام حضرت خالدؓ کے سامنے سب سے بڑا مرحلہ مدائن کے فتح کرنا تھا۔ لیکن چونکہ حضرت ابو بکرؓ نے احکام بھیج دیئے تھے کہ جب تک حضرت عیاض ان سے آکر نہ بلجائیں اور میری اجازت نہ ہو اس وقت تک مدائن کی طرف پیش قدمی نہ کی جائے اس لیے حضرت خالدؓ نے حیرہ کو سہیڈ کو اڑنایا اور کم و بیش سال بھر یہاں مقیم رہے اس قیام سے یہ فائدہ ہوا کہ اطراف و جوانب کے بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں (دبا قین) نے جب یہ دیکھا کہ اسلامی فرج کے قائد اعلیٰ کا معاملہ اہل حیرہ کے ساتھ بہت ہی روادارانہ اور منصفانہ ہے تو اب ان لوگوں نے بھی خدمت میں حاضر ہو کر صلح کی پیش کش کی اور یہ سب جزئیہ ادا کرنا

عہد و پیمانہ کر کے حضرت خالدؓ کے سایہ عاطفت میں آگئے۔ اب جنوب میں خلیج فارس شمال میں حیرہ۔ مغرب میں بلاد عرب اور مشرق میں دجلہ تک کے وسیع علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ حضرت خالدؓ نے ضرار بن الازد۔ ضرار بن الخطاب قعقاع ابن عمرو اور مثنیٰ بن حارثہ وغیرہم نامور بہادروں کی سرکردگی میں ایک ایک دستہ فرج و دیگران کو ان تمام علاقوں میں منتشر کر دیا۔ تاکہ نظم و ضبط قائم رہے اور کسی کو بغاوت و سرکشی کی جرأت نہ ہو۔ اس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے اہل ایران علوم و خواص (مرازمہ) کے نام الگ الگ خطوط روانہ کیے جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ ایرانیوں کا اس وقت حال یہ تھا کہ شاہ ایران اردشیر کے مرجانے سے طوائف الملوکی کی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اسلامی فتوحات نے ان کو ایک مرکز پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ اس بنا پر انہوں نے انبار اور عین التمرین جو حیرہ سے قریب ہی تھے فوجیں جمع کرنی شروع کر دیں۔

## واقعہ انبار

حضرت خالدؓ کو علم ہوا تو قعقاع کو حیرہ میں اپنا قائم مقام کر کے دریائے فرات کے کنارے انبار کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ اقرع بن حابس مقدمہ الجیش کا کام کر رہے تھے۔ ایرانیوں کو اسلامی لشکر کی نقل و حرکت کی اطلاع ہوئی تو قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے قلعہ کے چاروں طرف خندق تھی اس لیے مسلمان قلعوں تک پہنچ نہیں سکتے تھے اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ ایرانی قلعوں کی تفصیل سے تیروں کی بارش کر رہے تھے حضرت خالدؓ نے یہ رنگ دیکھا تو اپنے قدر اندازوں کو حکم دیدیا کہ وہ دشمن کی آنکھ کو نشانہ بنا کر تیر چلائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان خدنگ افگنوں نے ایک ہزار آنکھوں کو ٹھکانے لگایا اسی وجہ سے اس جنگ کا نام ذات العیون بھی ہے۔

نئے طبری ج ۲ ص ۵۰۰-۵۰۳ء اس کو انبار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں غلہ اور اناج کے انبار لگے رہتے تھے۔ نعمان بن منذر کے خاص لوگ اوس کے دستکاروں کو غلہ فراہم کیا جاتا تھا، بلاذری ص ۲۵۵۔ انبار میں بڑی آبادی عربوں کی تھی جن کے آباء اجداد بخت نصر کے عہد میں یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ عربی مکھنات بھی جانتے تھے۔ طبری ج ۲ ص ۵۰۱ء ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۹۔

ایرانی فوج کا قائد شیرزاد اپنے زمانہ کا مشہور عقلمند اور مدبر تھا۔ اس نے تنگ اگر صلح کی پیش کش کی لیکن شرائط صلح ایسے تھے کہ حضرت خالدؓ منظور نہیں کر سکتے تھے اس لیے اس پیش کش کو رد کر دیا گیا۔ اور اب حکم ہوا کہ مجاہدین کے جتنے کمزور اونٹ ہیں ان کو ذبح کر کے خندق میں پھینک دیا جائے۔ ایسا کرنے سے خندق پر ہو گئی اور مسلمانوں نے اسے عبور کرنا شروع کر دیا۔ اس منظر کو دیکھ کر شیرزاد پر ایسا خوف طاری ہوا کہ حضرت خالدؓ کی جو شرائط صلح تھیں ان کو بے چوں و چرا مان لیا۔ شیرزاد یہاں سے جان سلامت لیکر بہمن جا و دیہ کے پاس چلا گیا۔ اور انبار پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ لے شیعی سے روایت ہے کہ -

لاھل الانبار عہد و عقدتہ  
اہل انبار کیا تھے عہد و پیمان ہوا تھا۔

## فتح عین التمر

یہاں سے فارس ہو کر حضرت خالدؓ نے زبرقان بن بدر کو انبار میں چھوڑا اور خود ایک لشکر لیکر عین التمر کیلئے روانہ ہوئے۔ عین التمر عراق اور بادیہ شام کے درمیان صحرا کے کنارہ پر واقع ہے تین دن کے سفر کے بعد یہاں پہنچ گئے۔ بہرام چوہین کا بیٹا مہران حکومت ایران کی طرف سے اس جگہ کا حاکم تھا، اس کے پاس ایرانیوں کی ایک بڑی فوج کے علاوہ بتوکر، تغلب اور سبویا دیابتہ شام کے عرب قبائل کا بھی ایک عظیم لشکر تھا، عرب قبائل کا سردار عقلمند بن ابی عصفہ تھا۔ حضرت خالدؓ کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو عصفہ نے مہران سے کہا کہ مد لو ہا لو بے کو کاٹنا ہے ہم بھی عرب ہیں اور خالدؓ اور ان کے ساتھی بھی عرب ہیں اس لئے بس ہم دونوں کو لڑنے دو وہ مہران نے اس تجویز کو بخوشی منظور کر لیا۔ جب اس کے لوگوں نے اس پر پلاست کی تو لو لاد میں نے یہ ایک بڑی چال چلی ہے۔ جو تم لوگوں کیلئے بہت مفید ہوگی۔ اگر عصفہ خالدؓ کے مقابلہ میں کامیاب ہو گیا تو ہوا اللراد، درز مسلمان عصفہ اور اس کی فوج سے لڑتے لڑتے کمزور ہو جائیں گے۔ اتنے میں ہم تازہ دم ہوں گے ہی مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے اور اس طرح فتح ہماری ہی ہوگی، چنانچہ عصفہ اپنی فوج لیکر حضرت خالدؓ کی طرف بڑھا۔ اس میمنہ پر بجزیر بن قلان تھا اور میسرہ پر نہیل۔

بن عمران عصفہ اور مہران کے درمیان چند میلوں کی مسافت تھی۔ عصفہ نے ایک مقام پر پہنچ کر صف بندی شروع کی۔ حضرت خالدؓ بھی اس کے مقابلہ میں اپنی فوج کو ترتیب دینے لگے۔ جب دونوں طرف صفیں آراستہ ہو گئیں تو عصفہ نے پیش قدمی کر کے حضرت خالدؓ پر حملہ کیا۔ دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ آخر حضرت خالدؓ نے پہلو بچا کر عصفہ پر چانک اس زور کا حملہ کیا کہ عصفہ کو اپنے بازوں میں تھام لیا اور اسے گرفتار کر لیا۔ عصفہ کی گرفتاری نے اس کی فوج کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ بدحواس ہو کر بھاگے۔ لیکن پھر بھی بہت سے لوگ گرفتار ہو گئے۔

مہران کو عصفہ کی اس شکست کی خبر ملی تو اپنے لشکر کو لیکر قلعہ سے نکل بھاگا۔ اب حضرت خالدؓ کیلئے میدان صاف تھا۔ چنانچہ جب قلعہ عین التمر میں پہنچے تو جو لوگ یہاں رہ گئے تھے ان سب کو گرفتار کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا عصفہ اور اس کے ساتھی جو سخت قسم کے فتنہ پرداز تھے ان کو قتل کر دیا۔

یہاں یہ ایک واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالدؓ نے ایک عطا دیکھا جس کا دروازہ اندر سے بند تھا حضرت خالدؓ کے حکم سے جب دروازہ توڑا گیا تو اندر سے چالیس لڑکے ملے جو انجیل پڑھ رہے تھے حضرت خالدؓ نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو، انہوں نے کہا ہم یہاں گروی ہیں مد حضرت نے ان کو وہاں سے نکال کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ابو موسیٰ بن نصیر جو اندلس کے مشہور فاتح ہیں اور ابو محمد بن سیرین جو لیبیہ کے نامور فقیہ ہیں وہ بھی انہیں لڑکوں میں تھے لے

## معرکہ دومتہ الجندل

دومتہ الجندل عین التمر سے جنوب مغرب میں تین سو میل کی مسافت پر اس راستہ پر واقع ہے جو حیرہ اور عراق کی طرف جانا سے بادیہ اور صحرائے نفود دونوں کے درمیان میں حائل ہے۔ ربیع الاول ۵ھ میں آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ دومتہ الجندل میں دشمنوں کی ایک بڑی فوج مجتمع ہو رہی ہے۔ تو ایک ہزار کی جمعیت لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان لوگوں کو خبر ہوئی تو بھاگ نکلے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اکیدر بن عبد الملک الکندی ایک عربی سردار تھا۔



جو قیصر کے زیر اثر تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کے مقابلہ کیلئے حضرت خالدؓ کو ماہ شوال ۳ھ میں بھیجا۔ حضرت خالدؓ اس کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ یہاں اکیس مسلمان ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے اس کے اوہان دومتہ کیلئے پروانہ امن عطا فرمایا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد اس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور عہد شکنی کر کے مرتد ہو گیا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے جب حضرت خالدؓ کو عراق کی طرف روانہ کیا تو عیاض بن غنم کو دومتہ الجندل بھیجا۔ آپ کو توقع تھی کہ دومتہ کی ہم جلد سر ہو جائیگی لیکن کم و بیش ایک سال گزر گیا۔ اور یہ مورچہ فتح نہیں ہوا۔ بنو کلب۔ بہرا اور غسان کے قبائل جو عراق میں حضرت خالدؓ کے ہاتھوں شکست کھا کر بھاگے تھے۔ انہوں نے بھی دومتہ الجندل میں آکر پناہ لے لی تھی۔ تاکہ حضرت خالدؓ کا بدلہ حضرت عیاض سے لیکر اپنے دل کو تسکین دے سکیں۔ اس بنا پر دشمنوں کی جمعیت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور اس کی وجہ سے حضرت عیاض کو بڑی دقتوں اور بد نظموں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

عین التمر کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ نے مال غنیمت کیساتھ شردہ فتح ولید بن عقبہ کے ہاتھ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ولید بن عقبہ کو مع ساز و سامان کے بطور ملک حضرت عیاض کے پاس بھیج دیا۔ ولید نے صورتِ حلال کی نزاکت محسوس کر کے عیاض سے کہا کہ آپ حضرت خالدؓ کی مدد طلب کیجیے۔ ورنہ اس کے بغیر یہ مورچہ فتح نہیں ہو گا۔ عیاض نے فوراً اس مشورہ پر عمل کیا۔ حضرت خالدؓ کو عیاض کا خط ملا تو فوراً ان کو کہا کہ درمیں تو خود ہی تمہارے پاس آنے والا تھا اور اس کے بعد یہ رجزیہ اشعار لکھے۔

لَبِثْتُ قَلِيلًا تَأْتِيكَ الْحِلَابُ  
يَحْمِلُنَ أَسَادًا عَلَيْهَا الْقَاتِبُ  
كِتَابٌ يَتَّبِعُهَا كِتَابٌ

کچھ اور انتظار کرو۔ تمہارے پاس اونٹنیاں آرہی ہیں جن پر شیر سوار ہیں اور ان پر تلواریں ہیں لشکر پر لشکر آگے پیچھے آرہے ہیں۔

چنانچہ حضرت خالدؓ شام و نفوذ کے بادشاہ و صحابہ میں گھوڑا لڑاتے ہوئے دس روز سے بھی کم کی مدت میں تین سو میل کی مسافت طے کر کے دومتہ الجندل کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہاں بہرا کلب۔ غسان۔ تنوخ اور ضحاکم یہ سب عرب قبائل ان کے مقابلہ میں صف آرا تھے دومتہ الجندل کی ریاست دو شخصوں میں تقسیم تھی۔ ایک اکیس اور دو سرا جو دی بن ربیعہ اکیس پر جبکہ حضرت خالدؓ کے پنجہ شیر افگن سے واقف تھا اس لئے اس کی رائے ہوئی کہ جنگ نہ کرنی چاہئے۔ لیکن عرب قبائل اور ان کا سردار جو دی اس پر رضامند نہیں ہوئے اس لئے اکیس نے ان سے جدا ہو کر اپنی راہ لی۔ حضرت خالدؓ کو اس کی خبر ہوئی تو عاصم بن عمرو کو تعاقب میں روانہ کیا۔ عاصم نے اکیس کو گرفتار کر کے پیش کیا۔ چونکہ باغی اور مرتد تھا اس لئے خالدؓ کے حکم سے قتل کر دیا گیا ہے

اب حضرت خالدؓ نے صف بندی کی۔ جو دی عربوں کا ایک دستہ لیکر مقابلہ کیلئے بڑھا۔ اور ایک دستہ عیاض کی طرف بھیجا۔ حضرت خالدؓ اور عیاض نے دومتہ الجندل کو درمیان میں لے لیا تھا۔ جو دی حضرت خالدؓ کے مقابلہ میں شکست کھا گیا اور گرفتار ہو گیا۔ اس کے لشکر کے لوگ بدحواس ہو کر قلعہ کی طرف بھاگے۔ لیکن قلعہ سمب کو سما نہیں سکتا تھا۔ اس لیے جتنے آدمی اندر آسکتے تھے انہوں نے گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ ایک بڑی تعداد جو قلعہ سے باہر رہ گئی تھی لقمہ اجل بن گئی۔ کلب کے قیدیوں کو بتو تمیم ان کے حلیف ہونے کی وجہ سے انہیں دے چکے تھے۔ اس لئے حضرت خالدؓ نے ان کی جان بخشی کر دی۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے قلعہ پر حملہ کیا۔ اور اس کو بوزیر شمشیر فتح کیا جو دی جو عرب قبائل کا سردار تھا۔ قتل کر دیا گیا۔ اور اس کی بیٹی سے جو حسن و جمال میں مشہور تھی۔ گرفتار ہو کر آئی تو حضرت خالدؓ نے پہلے اس کو خیر دیا اور پھر آزاد کر کے نکاح کر لیا ہے

## عراق میں بغاوت

حضرت خالدؓ، دومتہ الجندل میں مقیم تھے کہ ایرانیوں اور عراق کے عرب قبائل نے ان کی بغیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر علم بغاوت بلند کر دیا۔ بنو کلب جن کا سردار عقبہ مار گیا تھا وہ اس میں

پیش پیش تھے۔ قفقاع جن کو حضرت خالدؓ جبرہ میں اپنا قائم مقام چھوڑ کر آئے تھے۔ ان باغیوں سے عہدہ برآمد ہونا سنہاں کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لیے حضرت خالدؓ بغاوت کی خبر پاتے ہی دومہ سے روانہ ہو گئے۔ افرع بن صالح مقدمۃ الجیش پر تھے۔ ان باغی ایلانیوں اور عربوں نے اپنی جمعیت کو کئی محاذوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ ایرانی سردار روزبہر اور روزبہ نے انبار کارخ کیا تھا اور دوسرے فوج دستے حصید، خنافس وغیرہ مقامات جو انبار کے قرب و جوار میں تھے۔ ان میں بغاوت کی آگ بھڑک رہے تھے۔ حضرت خالدؓ نے جبرہ پہنچ کر قفقاع کو حصید کے موقع پر متعین کیا۔ جہاں اس وقت روزبہر اور روزبہ فروکش تھے اور البلیلی کو خنافس کے محاذ پر روانہ کیا۔ حصید میں جنگ بڑی شدید رقم کی ہوئی لیکن آخر قفقاع غالب آگئے اور روزبہر تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اب رہا روزبہر اس کو عصمتہ بن عبد اللہ الضبی نے ٹھکانہ لگا دیا۔ اور ایرانی شکست کھا گئے۔

یہاں سے بھاگ کر ان لوگوں نے خنافس کے مورچہ پر پاؤں جمائے۔ ایرانی فوج مہسوفان کے ماتحت تھی لیکن مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔ مہسوفان البلیلی کی خبر آمد سنتے ہی بھاگا اور مہسوفان نامی ایک مقام پر پہنچ کر ہڈیل بن عمران کے دامن میں پناہ لی۔ حضرت خالدؓ کو ان واقعات کا علم ہوا تو قفقاع۔ البلیلی۔ اعبد اور عروہ جو مختلف محاذوں پر متعین تھے ان کو کھٹا کہ فلاں شب میں فلاں وقت سب لوگ مہسوفان میں جمع ہو جائیں، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ہڈیل پر شیخوں ہارنے کا حکم ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ کشتیوں کے پشتے بندھ گئے لیکن ہڈیل اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

دو مسلمانوں کا ہوا قتل | مہسوفان کے شیخوں میں جو لوگ مارے گئے ان میں عبدالعزی اور البید بن حریر بھی تھے یہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے۔ اور ان کے پاس حضرت ابوبکرؓ کا تصدیق نامہ بھی تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان دونوں کا خون بہا دیا۔

۱۔ اس موقع پر قفقاع نے جو شعر کہے تھے یا قوت نے مجھ الیلان میں ان نقل کیے وہ شعر یہ ہیں۔

الابلغا سماء ان خلیما  
غدا صبحنا فی حصید جمعہم  
قضی وطرا من روضہ مصر الا علیہم  
بہندیۃ تقری فراخ الجمجم

اور حکم دیا کہ ان کی اولاد کیسا تمہ حسن سلوک برتا جائے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو جس طرح مالک بن نویرہ کے قتل کا مجرم قرار دیا تھا وہ ان دونوں شخصوں کے قتل ناحق کا الزام بھی ان پر لگاتے تھے۔ اے لیکن حق یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کیلئے سب سے بڑا معقول عذر یہ تھا کہ یہ دونوں شخص مسلمان ہونے کے باوجود دشمن کے کیمپ میں موجود اور ہڈیل کے ساتھیوں میں تھے چنانچہ جب اس معاملہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے گفتگو کی تو حضرت خالدؓ کے خلاف اپنی ناراضگی اور برہمی کا اظہار کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے صاف جواب دیا۔

لذالک یلغی من نازل اهل الشرکۃ جو کوئی اہل شرک کیسا تمہ قیام کرتا ہے اس کا حشر یہ ہوتا ہے۔

لیکن طبری میں یہ واقعہ اس طرح پر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان شخصوں کا جب خون بہا دیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔

اما ان ذالک لیکن علیٰ (میں غن بہا داتا ہوں) لیکن یہ میرے ذمہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بعض اذنا لا اهل الحرب سے ان حرب کے ہاں مقیم امدان کے ہماں تھے۔

چونکہ بغاوت کا یہ سارا فتنہ پیدا کیا ہوا تو تغلب کا تھا اور ایرانی جو کچھ کر رہے تھے انہی کے بل بوتے پر کر رہے تھے اور ان کی اسلام دشمنی بہت پرانی اور نہایت شدید تھی اس بنا پر حضرت خالدؓ نے قسم کھالی تھی کہ وہ تو تغلب کو تمہیں نہیں کئے بغیر دم نہیں لیں گے۔ چنانچہ اب وہ مہسوفان سے فارغ ہو گئے تو قفقاع اور البلیلی ان دونوں کو دو مختلف راستوں سے روانہ کیا اور ایک رات مقرر کر دی کہ اس میں بنو تغلب پر حملہ کیا جائے۔ ان دونوں کی روانگی کے بعد خود بھی روانہ ہوئے پہلے مقام ثنی میں اور اس کے بعد مقام زمیل میں (جو بنو تغلب کے خاص مرکز تھے) پہنچ کر تین طرف سے اس قدر زور کا حملہ کیا کہ بنو تغلب کا کوئی شخص دوسروں تک ان کی خبر نہ بچانے والا بھی نہیں بچا۔ اس حملہ میں جو عورتیں گرفتار ہوئی تھیں انہیں میں ربیعہ بن بحیرہ الثعلبی کی بیٹی بھی تھی ۱۰

یہ سب مال غنیمت اور گرفتار شدہ عورتیں مدینہ پہنچیں تو حضرت علیؓ نے بنت ربیعہ کو جس کا نام الصہباء اور کنیت ام حبیب تھی خرید لیا اور ان کے بطن سے عم اور رقیہ پیدا ہوئے یہاں سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے رضاب کا رخ کیا۔ اس جگہ عقبہ کے بیٹے ہلال نے بغاوت برپا کر رکھی تھی۔ لیکن ہلال کے ساتھ حضرت خالدؓ کے پہنچنے کی خبر سنتے ہی اس کو چھوڑ کر بھاگ پڑے۔ اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

## جنگ فراض

فراض - عراق اور شام کی سرحد پر دریائے فرات کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ حضرت خالدؓ عراق کی بغاوت کا سر قلم کر دینے کے بعد فراض پہنچے اور دریائے فرات کے کنارے پر خمیہ لگن ہو گئے۔ رمضان کا مہینہ آیا، وہ بھی ہمیں گزار دیا۔ رومیوں نے اسلامی لشکر کو اس حالت میں دیکھا تو ان کے غصہ کی حد نہ رہی۔ اہل ایران کی جو فوجی چھاؤنیاں قرب و جوار میں تھیں اور ان کے علاوہ جو عرب قبائل قیسر کے باج گزاران سب سے رومیوں نے مدد طلب کی اور اس طرح مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک نہایت عظیم فوج تیار ہو گئی۔ ۱۵ ذی قعدہ ۳۷ھ تک دونوں فوجیں اسی طرح آمنے سامنے پڑی رہیں کہ صرف ایک دریا ان کے درمیان حائل تھا۔ آخر رومیوں نے پہاڑ کا اور دریا پار کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے صفیں آراستہ کیں اور جنگ شروع ہو گئی۔ نہایت گھمسان کا دن پڑا۔ لیکن حضرت خالدؓ نے حکم دیا تھا کہ دشمن کی فوج کو منتشر نہ ہونے دیں اور اسے چاروں طرف سے گھیر کر لڑیں، مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور رومیوں۔ ایرانیوں اور عرب قبائل کا بادل دم کے دم تلے صاف ہو گیا۔ مورخین کا عام بیان ہے کہ اس معرکہ میں دشمن کی فوج کے ایک لاکھ سپاہی مارے گئے ہمارے لڑنے میں یہاں بھی مراد صرف کثرت مقتولین کا بیان مقصود

۱۔ طبری طین اثر و البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۵۲۔ بلاذری نے اس واقعہ کا ذکر فوج الشام کے زیر عنوان کیا ہے۔ اور بجائے بنت ربیعہ کے بنت حبیب بن بکیر لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاتون ربیعہ بن بکیر کی بیٹی نہیں بلکہ بٹی تھی۔ فوج البلدان ص ۱۱۔

ہے۔ ورنہ ظاہر ہے اس زمانہ میں کسی فریق کیلئے اتنی بڑی فوج کا میدان جنگ میں انتظام کرنا ممکن نہیں تو سخت دشوار ضرور تھا۔

حضرت خالدؓ کا حج | فراض کی جنگ سے ۲۵ ذی القعدہ ۳۷ھ کو فراغت ہوئی تھی اب حج میں صرف پندرہ دن باقی تھے۔ حضرت خالدؓ نے حج کا ارادہ کر لیا دشوار گزار طویل مسافت کو ان چند دنوں میں طے کر کے اس رازداری کے ساتھ مکہ معظمہ گئے اور گئے کہ فراض کی جنگ سے فارغ ہو کر پھر اسی فوج سے آئے، حیرت میں ساتھ داخل ہوئے اور ان لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلا کہ حضرت خالدؓ حج کر آئے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق اس سال امیر حج خود حضرت ابو بکرؓ تھے۔ اور دوسری روایت کے مطابق حضرت عمرؓ تھے بہر حال امیر الحج کو بھی ذرا خبر نہ ہوئی کہ ان کے قافلہ حجاج میں خود خالد بن الولیدؓ بھی ہیں جو شام کی سرحد پر مصروف جنگ تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت خالدؓ کا یہ فعل ان کے کمال عزم و صمت شجاعت و شہامت اور جوانمردی و قوت کی دلیل ہے۔ لیکن چونکہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر محاذ جنگ سے اس طرح چلا جانا ڈسپلن کے خلاف تھا اس لیے حضرت ابو بکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت خالدؓ کو ایک عتاب نامہ لکھا کہ تم کو اپنی فتوحات پر گھمنہ نہیں کرنا چاہیے۔ اور سخت تاکید کی کہ آئندہ اس طرح کی کوئی حرکت سرزد نہ ہو۔

عراق میں حضرت خالدؓ کا قیام محرم ۳۷ھ سے صفر ۳۸ھ تک کم و بیش ایک برس اور دو مہینہ رہا۔ لیکن اس قبیل مدت میں انہوں نے جو فتوحات حاصل کیں وہ جنگ و حرب کی تاریخ کا ایک نادر واقعہ ہے۔ ان جنگوں کا دائرہ خلیج فارس سے شام کی سرحد فراض تک وسیع ہے اور پھر جنگ صرف کسی ایک قوم سے نہیں بلکہ ایرانی رومی اور عرب قبائل ان تینوں کے متحدہ لشکروں سے جو تعداد میں ساز و سامان اور اسلحہ میں مجاہدین اسلام سے ہر طرح برتر تھے۔ ان تمام معرکوں میں ایک موقع بھی ایسا نہیں ہے جہاں

مسلمانوں کو شکست ہوئی ہو۔  
 اس کے علاوہ اس پر بھی غور کرو کہ اس زمانہ کے عام قاعدہ کے برخلاف حضرت خالدؓ  
 جس شہر یا قصبہ کو فتح کرتے تھے اس کے نظم و ضبط کا باقاعدہ بندوبست بھی کرتے تھے  
 ایک امیر پورے علاقہ کا نگران اور حاکم ہوتا تھا اور اس کے ماتحت ٹیکس وصول کرنے والے  
 دوسرے لوگ ہوتے تھے۔ کسانوں کے ساتھ ہمیشہ غیر معمولی رعایت اور ملاحظت کا  
 معاملہ کیا جاتا تھا اور زمین دار اور جاگیر داروں کے ظلم سے ان کو نجات دلائی جاتی تھی اس بنا  
 پر حضرت خالدؓ کی حیثیت ایک فاتح اعظم کی تھی۔ نہ کہ محض ایک حملہ آور کی۔ ان کی فتح  
 کا مقصد تعمیر تھا نہ کہ تخریب۔

# فتوحاتِ شام

شام کی فتوحات سے متعلق مؤرخین کے بیانات بڑے مختلف اور پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت  
 ابو بکرؓ نے پہلا لشکر کربھیجا ہا اور وہ لشکر کونسا تھا؟ ان لشکروں کے امرا کون کون تھے؟  
 یہ چند سوالات ہیں جن کا جواب ایک نہیں ہے۔ طبری میں متعدد روایات ہیں جن سے متعدد  
 باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ بلاذری کے بیانات بہت بے ترتیب اور الجھے ہوئے ہیں جن سے ایک  
 شخص کوئی قطعی نتیجہ نہیں نکال سکتا۔ ان میں سے بعض بیانات طبری کی روایتوں کیسا تھے  
 مطابقت رکھتے ہیں اور بعض ان کی بالکل ضد ہیں۔ ابواسمعیل اللذری اور واقعہ کے بیانات  
 کا حال یہی ہے۔ ابن اثیر ابن خلدون اور عماد الدین ابن کثیر نے زیادہ تر طبری کی روایات کا ہی  
 نتیجہ کیا ہے۔ لیکن ہم نے ان سب مآخذ کو سامنے رکھ کر واقعات شام کو ایک خاص طرز پر  
 مرتب کیا ہے جس سے واقعات میں تاریخی تسلسل بھی باقی رہتا ہے۔ اور منطقی ترتیب بھی قائم  
 رہتی ہے۔ صفحات آئندہ سے قارئین کو خود اس کا اندازہ ہو جائے گا۔

شام کی سرحد پر لشکر کا تعین | مؤرخین عام طور پر لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ اہل اشداد کے  
 معاملہ سے فارغ ہو گئے تو آپ نے شام کی طرف توجہ کی ہے لیکن ہمارے خیال میں  
 زیادہ صحیح یہ ہے کہ تروک اور موتز کے واقعات نے ہرقل (قیصر روم) کو ہوشیار کر ہی دیا تھا  
 کہ اس کے بعد ہی حضرت اسامہ کو مشرق شام میں غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ اس صورت  
 حال نے قیصر روم کو جو براہینوں پر اپنی فتوحات کے نشہ میں غرق تھا بھلا دیا اور اس نے اپنی  
 سرحدوں پر فوجی دستے متعین کرنے شروع کر دیئے چنانچہ ابن عساکر لکھتے ہیں

فلن ذالک هر قل وهو محمص  
 فدعی بطارقه فقال هذا الذی  
 حذر تکم فابینوا ان قملوه منی  
 فاصارت العرب ثانی من مسیره  
 شمر فتغیر علیکم ثم تخرج من  
 ساعتها ولم تکلمه - قال اخوه  
 نیاف فابعث الرابطة تکون بالیلقاء  
 فبعث الرابطة واستعمل علیهم  
 رجلا من اصحابه فله یزل  
 مقیما حتی تقدمت البعوت الی  
 الشام فی خلافة الی بکر وعمره  
 هر قل حمص میں تھا جب اس کو (جیش اسامہ  
 کی کاسیاں کی) خبر پہنچی تو اس نے اپنے پادریوں  
 کو بلایا اور کہا رہی وہ بات ہے جس سے تم  
 کو ڈرایا کرتا تھا۔ لیکن تم اس کو ماننے سے انکار کرتے  
 تھے، دیکھو یہ عرب ایک مہینہ کی مسافت پر  
 آئے ہیں تم پر لوٹ مار چاتے ہیں اور فوراً ہی زخم  
 کھائے بغیر واپس چلے جاتے ہیں۔ ہر قل کے بھائی  
 نیاف نے کہا تو آپ بلقا میں ایک دستہ فوج  
 متعین کر دیجئے۔ چنانچہ ہر قل نے ایسا ہی کیا ایک  
 دستہ متعین کر دیا اور اپنا ایک مسند ان کا چارج  
 آفیسر بنا دیا۔ یہ دستہ اس وقت تک برابر رہا جبکہ ابوبکر  
 و عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں شام کی طرف لشکر  
 آنے شروع ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے اور ظہر جب قیصر روم یہ سب کچھ سرحدی انتظامات کر رہا تھا تو یہ کیونکر ممکن  
 ہے کہ اس طرف حضرت ابوبکرؓ کو اس کی خبر نہ ہوئی اور آپ اس کے جواب میں اپنی سرحدوں پر  
 کوئی فوجی دستہ محفوظ یا تقدم کے طور پر متعین نہ فرماتے اس کی ضرورت خاص طور پر  
 اس لیے بھی تھی کہ مسلمان جس زمانہ میں باغیوں کے ساتھ الجھے ہوئے تھے ان کی اس  
 مصروفیت سے فائدہ اٹھانے کی عرض سے قیصر روم اندرون عرب گھس کر مسلمانوں  
 پر حملہ کرنے کا خیال کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے عین اس زمانہ میں جبکہ حروب ارتداد  
 جاری تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن سعیدؓ کو جو السابقون الاولون میں سے تھے  
 شام کی سرحد پر ایک دستہ فوج کا امیر بنا کر بھیجا۔ چونکہ مؤرخین نے جیسا کہ ہم نے شروع

میں کہا ہے۔ شام کے واقعات کو ایک دوسرے سے خلط ملط کر دیا ہے اس لیے وہ عام  
 طور پر خالد بن سعیدؓ کے تقرر کو حروب ارتداد کے بعد کا واقعہ سمجھتے ہیں جبکہ شام کی طرف  
 باقاعدہ فوجیں روانہ ہونی شروع ہوئی ہیں۔ لیکن ہمارا قیاس یہی ہے کہ خالد بن  
 سعیدؓ کا تقرر علم فوجوں کی روانگی سے بہت پہلے دراصل سرحد کی حفاظت کی عرض سے  
 ہوا تھا۔ چنانچہ ابن حجر ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

ان ابا بکر امرة علی مشارف الشام فی الردقة  
 ابو بکر نے ان کو ارتداد کے دنوں میں شام کی  
 چوٹیوں کا امیر مقرر کیا تھا۔

افسلی تائید طبری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب خالد بن سعیدؓ  
 کو تیار کی طرف روانہ کیا جو شام کی سرحد پر واقع ہے تو ساتھ ہی ہدایت کی کہ وہاں قرب و جوار کے  
 لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں۔ جو لوگ منہ نہ نہیں ہوئے تھے صرف ان کی خدمات  
 قبول کریں اور نیز یہ کہ جب تک خود حضرت ابوبکرؓ کا حکم نہ پہنچے اور وہ لوگ خود جنگ میں پہل  
 نہ کریں اس وقت تک وہ جنگ نہ کریں گے۔

اس کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو خالد بن سعیدؓ کی طرف  
 سے کچھ تکرر تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کی سعیت خلافت سے ایک یا دو مہینہ  
 نکلے بعد جب یہ یمن سے جہاں وہ آنحضرتؐ کی طرف سے متعین تھے۔ مدینہ واپس آئے تو  
 انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اپنی ناگواری کا  
 اظہار کیا تھا۔ لیکن جب حضرت علیؓ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ ابوبکرؓ کی خلافت صحیح خلافت  
 ہے نہ کہ تغلب تو وہ چپ ہو گئے۔ اس تکرر کی وجہ سے حضرت خالد بن سعیدؓ کو مشارف شام کا  
 امیر مقرر کیا تو حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض کیا اور خالد بن سعیدؓ کو امارت سے معزول کر دینے  
 کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے اس مشورہ کو اس صورت میں قبول فرمایا کہ خالدؓ  
 کو امارت سے تو معزول کر دیا لیکن مسلمانوں کے مددگار کی حیثیت سے ان کو شام بھیجا دیا۔

اصل الفاظ یہ ہیں -

رو وجعلہ رداً للمسلمین بلیما عہد اور ان کو تیار میں مسلمانوں کا مددگار بنا دیا۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ واقعہ کی اصل صورت کیا تھی؟ بہر حال سردا جس کا انگریزی ٹھیسٹ ترجمہ AUXILIARY FORCE ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خالد بن سعید نے لڑنے کے لیے نہیں بلکہ صرف سرحد کی حفاظت اور اس کی نگہداشت کیلئے بھیجے گئے تھے تاکہ اگر قبصر کی طرف سے کوئی حملہ ہو تو اس کی روک تھام کی جاسکے۔

جب تک عرب میں ارتداد و بغاوت اور اس کے ساتھ جنگ کا سنگم نہ پارہا۔ غالباً قبصر اس خیال میں رہا کہ اسلام اس سے عہدہ برآئے ہو سکے گا اور وہ خانہ جنگیوں کی اسی آگ میں جل بجھ کر تقسیم ہو جائیگا۔ اس کے علاوہ اس کو یہ خیال بھی ہو گا اگر ان حالات میں اس نے خود حملہ کر دیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ متحدہ قومیت عرب کی رگ حمیت میں جوش پیدا ہو اور اس کی وجہ سے پورا عرب باہمی جنگ کو بالائے طاق رکھ کر خود اس کے مقابلہ پر آجائے۔ بہر حال یہ ایسا ہی طرح کے کچھ اور اسباب تھے کہ قبصر نے اپنی سرحدوں پر جو دستے متعین کیے تھے وہ اسی طرح وہاں پڑے رہے اور انہوں نے کوئی حملہ یا جنگی اقدام نہیں کیا۔

قبصر روم کی جنگی تیاری لیکن میں۔ حضرت موت اور عثمان کے علاقوں میں مسلمانوں کو پے در پے جو فتوحات حاصل ہو رہی تھیں۔ انہوں نے قبصر کو بدحواس کر دیا۔ اور اب اس نے بہراہ، تنوخ، مسلیح، عسنان، کلب، لخم۔ اور جذام وغیرہ عرب قبائل جو حدودِ شام میں آباد اور قبصر کے باج گزار تھے ان سب کو اپنے ساتھ ملا کر اسلام کی مخالفت ایک نہایت عظیم الشان فوج جمع کر لی اور بڑے پیمانہ پر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر مسلمانوں کو حروبِ ارتداد میں خاطر خواہ کامیابی ہو چکی تھی۔ یمن اور اس کے آس پاس کے علاقے ان کے قبضہ میں آگئے تھے اور دوسری جانب جیزہ فتح ہو گیا تھا۔ دومۃ الجندل نے مجاہدین اسلام کیلئے اپنے دوزارے کھول دیئے تھے اور اس کی وجہ سے وادیِ سرحان کے راستے شام میں داخل ہونا آسان ہو گیا تھا۔ اس لیے اب حضرت ابو بکرؓ کو قبصر روم کی عظیم الشان جنگی تیاریوں کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے بھی شام

پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

مشاورت | چونکہ یہ ایک نہایت اہم اقدام اور غیر معمولی مہم تھی اس لئے صحابہ سے مشورہ لینا اور ان کی رائے معلوم کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ ماہِ صفر ۳ھ میں حضرت ابو بکرؓ نے ایک مجلس مشاورت طلب کی جس میں حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور معاذ بن جبلؓ وغیرہم تمام اکابر اور نامور صحابہ اور مہاجرین و انصار شریک تھے۔ اس مجلس میں پہلے حضرت ابو بکرؓ نے تقریر کی اور فرمایا کہ آنحضرتؐ نے شام کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی تھی لیکن اسی درمیان میں اللہ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ عرب ایک ہی باپ اور ماں کی اولاد ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کو شام روانہ کروں آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ راے خلیفۃ رسولؐ آپ کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ آپ جہاں کہیں جانے کا حکم کریں گے اس کا بجا لانا ہمارا فرض ہو گا۔ ابو اسماعیل اللادری نے اس موقع پر نقل کیا ہے کہ اس مجلس مشاورت میں خالد بن سعید الاموی بھی شریک تھے اور انہوں نے ہی سب سے پہلے شام جانے کیلئے اپنا نام پیش کیا تھا۔ لیکن طبری۔ ابن اثیر اور ابن خلدون کے بیانات سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اس لیے صحیح وہ ہوا ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے یعنی یہ کہ خالد بن سعید اس وقت یمین میں تھے اور یہ مجلس درحقیقت ہوئی ہی تھی اس وقت جبکہ حضرت ابو بکرؓ کو خالد بن سعید کے خط سے ہرقل کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تھا۔ دعوت نامے | جب سب صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا اور اس پر یہ تصدیق ثبت کر دی تو چونکہ قبصر روم کی طاقت اس وقت دینا کی سب سے بڑی طاقت تھی اور اسی وجہ سے مجلس مشاورت میں حضرت عبدالرحمنؓ نے فرمایا تھا در انھا اللدوم و دنوا الا صفر حد حدیدہ و رکن شدید۔ یہاں روم بہت تیز دھارا اور مضبوط ستون ہیں۔ اس بنا پر حضرت ابو بکرؓ نے حجاز اور یمن کے تمام اشراف قبائل کے نام شریکیتِ جہاد سے دعوت نامے بھیجے

۱۔ فتوح الشام للادری ص ۴۰۰ ۲۔ فتوح الشام للواقدی ص ۳۰۰ ۳۔ فتوح الشام

للادری ص ۷ و تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۲۹

۱۔ فتوح الشام للواقدی۔ شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ ص ۲۔

قبائل کا جوش و خروش اور ان کی مدینہ میں آمد  
قبائل نے بڑی خوش دلی اور جوش و خروش کے ساتھ اس دعوت کو

لیکھا اور حرمق در حرمق مدینہ میں آنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ذوالکلا  
الحجیری نے حضرت ابوبکرؓ کے خط کا مضمون سننا ہی تھا کہ فوراً ہتھیار سج گھوڑے پر بیٹھ  
اپنی قوم اور یمن کے دوسرے لوگوں کو ساتھ لے روانہ ہو گئے اسی طرح قیس بن ہبیرہ المرادی  
مذحج کو جنڈب بن عمرو الدوسی قبیلہ ازد کو۔ اور جالس بن سعد الطائی قبیلہ طے کے مجاہدین کو  
ساتھ لیکر چل پڑے۔ انس ابن مالک جو آنحضرتؐ کے خادم خاص تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے  
یہ تمام خطوط لیکر گئے تھے۔ انہوں نے واپس آ کر حضرت ابوبکرؓ کو مزید سنایا کہ آپ کی دعوت  
جہاد کا یہ اثر ہوا ہے کہ قبائل یمن جس حالت میں تھے اسی میں وہ اپنی عورتوں، بال بچوں اور جمع  
پونجی کو لیکر روانہ ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ کو بحد مسرت ہوئی۔ دوسرے دن اہل مدینہ کو ساتھ  
لیکر ان مجاہدین اسلام کے استقبال کیلئے مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ قبائل یمن میں سب سے  
پہلے قبیلہ حمیر پہنچا جو ہتھیار بند تھا ذوالکلا ع ایک عمامہ باندھے اس قبیلہ کی پیشواؤں  
کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ابھی ان کا استقبال کر ہی رہے تھے کہ قبیلوں کی آمد کا اتنا  
بندھ گیا۔ مدینہ کے قریب مقام جوف میں ان سب قبائل کیلئے خیمے لگا دیئے گئے تھے وہیں  
ان کو ٹھہرایا گیا۔

قیصر روم کے نام ابوبکرؓ کی سفارت اسی درمیان میں اتمام حجت کرنے کی عرض سے حضرت ابوبکرؓ  
نے قیصر روم کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی جس کے ذریعے اس کو اسلام کی دعوت دی گئی  
تھی۔ حافظ ذہبی نے اس سفارت کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔  
ڈاکٹر حمید اللہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

سلازمنی مورخ سابیوس (SABEOS) نے بھی ذکر کیا ہے کہ اس زمانہ میں قیصر کے  
پاس ایک اسلامی سفارت آئی تھی اس کے بیان کا ترجمہ ہیونش مان نے اپنی کتاب میں کیا ہے

۱۔ فتوح الشام للواقدی ص ۳۴۴ و فتوح الشام للمازنی ص ۷ و تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۲۹  
۲۔ تاریخ کبر حالات ابوبکرؓ مخطوطہ بزم ادب حیدرآباد دکن۔

اور وہ یہ ہے

مد انہوں (مسلمانوں) نے تب ایک سفارت بیزنطینی شہنشاہ کے پاس بھیجی اور  
کہا خدانے یہ علاقہ ہمارے جد (حضرت ابراہیمؑ) اور ان کی ذریت کو عطا کیا تھا تو  
اس پر بہت دنوں سے قابض ہے وہ ہمیں صلح اور آشتی کیساتھ واپس کر دے پھر  
ہم ترے ملک میں نہیں آئیں گے۔ قیصر نے انکار کیا اور وہ جواب نہیں دیا جس کی  
سفر کو توقع تھی۔ قیصر نے کہا یہ ملک میرا ہے اور تیرا حصہ تو صحرا ہے جا  
وہاں امن سے رہ لے

قبائل کی بے قراری اس اتمام حجت کے بعد حضرت ابوبکرؓ فوجوں کی ترتیب اور ان کیلئے ساز و  
سامان کی فراہمی میں مصروف ہو گئے۔ چونکہ مہم نہایت اہم درپیش تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ جو  
قدم اٹھاتے تھے کامل غور و فکر اور پورے خرم احتیاط سے اٹھاتے تھے۔ اس بنا پر فوجوں کی  
روائی میں تاخیر ہو رہی تھی۔ یمن اور حجاز کے جو قبائل جوف میں خرید و فروش کی بھرتی کا یہ  
عالم تھا کہ جب کچھ زیادہ دن ہو گئے تو قیس بن ہبیرہ المرادی اور چند لوگوں کو اپنا نمائندہ بنا کر  
حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا اور درخواست کی کہ ہمارا پیمانہ صلہ بڑھایا جائے یا تو ہمیں شام  
روانہ کیجیے ورنہ اجازت دیجیے کہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو

اطمینان دلایا کہ تم ہی لوگوں کے انتظامات کی تکمیل کی وجہ سے دیر ہو رہی ہے لے  
اسلامی فوج کے عناصر ترکیبی شام کیلئے جو فوج روانہ ہونیوالی تھی اس کی یہ خصوصیت خاص  
طور پر لحاظ میں رکھنے کے قابل ہے کہ اس میں یمن اور حجاز کے ممتاز بہادر اور جنگجو قبائل  
کے علاوہ اکابر صحابہ جو بدر و احد کے معرکوں میں شریک رہ چکے تھے اور اجلہ مہاجرین  
والنصار جو اسلام کی عمارت کے ستون اعظم تھے یہ بھی شامل تھے ایسے صحابہ کی تعداد  
تین سو بیان کی جاتی ان کے علاوہ عکرمہ بن ابی جہل جو حروب ارتداد کے سلسلہ میں کندہ  
حضرت موت اور عمان وغیرہ کی مہم سر کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے۔ ان کو بھی ایک تازہ دم فوج

۱۔ منقول از آنحضرتؐ کی سیاسی زندگی، ص ۲۸۰

۲۔ فتوح الشام للواقدی ص ۶

دیکر شام کے محاذ پر روانہ کیا گیا۔ عمرو بن العاص مرتدین کے استیصال کے بعد سے قضائے میں مقیم تھے، ان سے پوچھا گیا وہ کیا چاہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا اے امیر المؤمنین! میں اللہ کا تیرہوں جس طرح آپ چاہیں اس کو استعمال کر سکتے ہیں، اس جواب کے بعد ان کو بھی مدینہ طلب کر لیا گیا۔

افواج کی روانگی | اب فوجوں کی روانگی کا وقت آ گیا تھا حضرت ابو بکر نے ایک میلہ پر چڑھ کر مجاہدین اسلام کے اجتماع عظیم کا جائزہ لیا اور ان کے جوش و خروش اور جذبہ کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ پھر مجاہدین کو چار لشکروں میں تقسیم کیا۔ واقدی نے ان لشکروں کو ایک ایک ہزار افراد پر مشتمل بتایا ہے اور لشکروں کی تعداد تین لکھی ہے ۲۔ لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر نے لشکروں کی تعداد چار بتائی ہے اور ہر ایک لشکر کو تین تین ہزار مجاہدین پر مشتمل لکھا ہے ۳۔ اور ہمارے نزدیک زیادہ صحیح یہی ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں روایات کے اختلاف کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لشکر آگے پیچھے روانہ ہوئے ہیں اور بعض چھوٹے لشکروں کو کسی ایک بڑے کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔ اس بنا پر امرات کی تعداد میں بھی اختلاف ہے اور خود لشکر کی تعداد میں بھی۔ ان چار لشکروں میں سب سے بڑا لشکر یزید بن ابی سفیان کا تھا جس میں اہل مکہ اور اہل یمن دونوں قسم کے حضرات شامل تھے ان کے علاوہ ایک لشکر ابو عبیدہ بن الجراح۔ دوسرا عمرو بن العاص اور تمیر اثر جلیل بن حسنہ کی سرکردگی میں تھا۔ مورخین نے لشکروں کی تعداد جو تین بیچارہ لکھی ہے ہماری رائے میں اس سے مراد بڑے اور کسی نہ کسی حیثیت سے اہم لشکر میں درندہ حقیقت لشکروں کی تعداد چار سے زیادہ تھی۔ چنانچہ عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں جو لشکر تھا اس کا ذکر ادراہی چکا ہے۔ حضرت ابو بکر نے لشکروں کو الگ الگ روانہ کرتے اور ان کو الوازع کہنے کیلئے مدینہ کے باہر تک یا زیادہ تشریف لاتے تھے رخصت کرنے سے قبل ہر ایک لشکر کو خاص خاص ہدایات اور نصائح تلقین فرماتے جس کا ذکر آگے اپنی جگہ پر آئے گا۔ اور پھر ان کے حق میں بارگاہِ ایزدی میں کمال حضور و خشوع کیساتھ دعا کرنے کے بعد۔ خدا حافظ کہتے تھے

ان لشکروں کو آپ نے جو ہدایات دیں ان میں ایک یہ ہدایت بڑی اہم تھی کہ وہ سب ایک ہی راستے سے نہ جائیں بلکہ مختلف راستے اختیار کریں۔ چنانچہ یزید بن ابی سفیان جن کو دمشق کے محاذ پر بھیجا گیا تھا۔ ان کو حکم ہوا کہ تبرک کے راستے سے جائیں۔ عمرو بن العاص جو فلسطین کے محاذ کیلئے مقرر کیے تھے۔ وہ ایلی کی راہ گئے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ ان لشکروں کی روانگی جمعرات کئین یکم صفر ۱۱ھ کو ہوئی تھی۔

ظاہر ہے شام کے محاذ کیلئے بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر کافی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے حضرت ابو بکر کو اطلاع ہوئی کہ قیصر نے بہت بڑے پیمانہ پر جنگ کی تیاریاں کی ہیں تو آپ نے بعد میں اور لشکر بھی آگے بھیجے روانہ کیے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ شدہ شدہ ہر امیر کے ماتحت ساڑھے سات ہزار مجاہدین کا لشکر ہو گیا تھا۔ اور اس طرح کل تعداد چوبیس ہزار تھی ۴۔ لیکن ظاہر ہے یہاں پھر مؤرخین کو التباس ہو گیا ہے۔ کیونکہ لشکر تین مانے جائیں یا چار، بہر حال اگر ہر لشکر میں ساڑھے سات ہزار کی مساوی تعداد تسلیم کرنی جاتے تو اس حساب سے مجموعی تعداد چوبیس ہزار نہیں ہوتی۔

رد میوں سے پہلا مقابلہ | یاد ہو گا کہ خالد بن سعید پہلے سے تیار میں متعین تھے ہی۔ ان کو حضرت ابو بکر نے تاکید کر رکھی تھی کہ ان کی اجازت کے بغیر اقدام جنگ نہ کریں۔ چنانچہ جب انہوں نے قیصر کی فوجوں کا اجتماع عظیم دیکھا تو حضرت ابو بکر نے ان کو اس کی اطلاع کی آپ نے حکم بھیجا کہ وہ اچھا اب آگے بڑھو لیکن اساتذہ ہی تاکید کی کہ انہوں نے ملک گھسے مت چلے جانا ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن تمکو پیچھے سے آدباٹے ۵۔ لیکن خالد بن سعید نے جوش میں اس نصیحت کی کچھ پروا نہیں کی انہوں نے اقدام کیا اور رومی اس سے پساہونے تو یہ اپنی فوج لینے اندر ملک گھسے چلے گئے۔ رومی فوج کا امیر اعلیٰ بابان تھا جو اپنے عہد کا نامور ماہر جنگ تھا۔ بابان نے دمشق کا رخ کیا۔ خالد بھی اسی طرف اس کے تعاقب میں چل پڑے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ واقفہ اور دمشق کے درمیان مرجع الصفد کے نام سے جو مقام ہے وہاں پہنچ کر دم لیں گے۔ اور اس کو اپنی فوجی قیام گاہ بنائیں گے۔ لیکن درحقیقت بابان کی یہ پالیسی نہیں تھی

۴۔ بلاذری ص ۱۱۳ ۵۔ فتوح البلدان ص ۱۱۵ ۶۔ تاریخ ابن عساکر ص ۱۲۱ و طبری طہن اثر۔



بلکہ ایک زبردست جنگی چال تھی۔ چنانچہ ابھی خالد بحیرہ طبرسیہ کے شرق کچھ جانب مرج الصفر کے قریب ہی تھے کہ بابان اچانک راستہ بدل کر اسلامی فوج کے عقب میں آگیا اور اس طرح اس کو گھیر لیا کہ اب لوٹنے کی بھی گنجائش نہیں تھی۔ خالد بن سعید کا بیٹا مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ کہیں الگ تھلگ رہ گیا تھا۔ بابان کا قابو چل گیا۔ اور ان سب کو قتل کر دیا۔ خالد کو بیٹے کے اس طرح مارے جانے کا صدمہ اس قدر شدید ہوا کہ پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ پڑے۔ مدینہ کے قریب ایک مقام ذوالردہ ہے وہاں پہونچ کر دم لیا حضرت ابو بکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت ملال ہوا۔ اور خالدؓ کو لکھا جو کچھ ہوا سو ہوا۔ لیکن اب اپنی جگہ نہ چھوڑو۔ بلکہ یہاں تک فرمایا اگر میں خالدؓ کے متعلق عمر اور عبیدہ کی رائے دیکھ دوں خالد کو امیر مقرر کر نیکی خلاف تھے، مان لیتا تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا ہے۔

اسلامی لشکر کے مختلف محاذیہ واقعہ اس وقت پیش آیا جبکہ حضرت ابو بکرؓ نے مدینہ سے جو لشکر روانہ کیے تھے انہوں نے خلیفہ رسولؐ کے حکم کے مطابق مختلف محاذوں پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ چنانچہ ابو عبیدہ دمشق کے راستہ میں شرحبیل بن حسنہ طبرہ اور زہر اردن کے بالائی حصہ میں یزید بن ابی سفیان بلقا میں جہاں سے وہ بصری پر آسانی سے حملہ کر سکتے تھے اور عمرو بن العاص عرب میں جرموں کیلئے خطرہ کی گھنٹی بنے پڑے تھے۔ یہ لشکر الگ الگ اور دوسرے سے علیحدہ تھے لیکن ان کے امراء میں باہمی مرسلت و مشاورت کا سلسلہ برابر جاری تھا ان تمام اسلامی لشکروں کی مجموعی تعداد عام روایات کے مطابق تیس ہزار تھی۔

قیصر روم کے لشکروں کی ترتیب | قیصر روم کو ان اسلامی لشکروں کا علم ہوا تو اس نے بہت بڑے پیمانے پر اپنے لشکر مرتب کیے تھے اس کی بنیادی پالیسی یہ تھی کہ اسلامی لشکروں کو کسی ایک محاذ پر جمع ہونے نہ دے تاکہ وہ سب اجتماعی قوت کیساتھ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

لے طبری ج ۲ ص ۵۸۹ - ۵۸۸ - ۵۸۷ - ۵۸۶ - ۵۸۵ - ۵۸۴ - ۵۸۳ - ۵۸۲ - ۵۸۱ - ۵۸۰ - ۵۷۹ - ۵۷۸ - ۵۷۷ - ۵۷۶ - ۵۷۵ - ۵۷۴ - ۵۷۳ - ۵۷۲ - ۵۷۱ - ۵۷۰ - ۵۶۹ - ۵۶۸ - ۵۶۷ - ۵۶۶ - ۵۶۵ - ۵۶۴ - ۵۶۳ - ۵۶۲ - ۵۶۱ - ۵۶۰ - ۵۵۹ - ۵۵۸ - ۵۵۷ - ۵۵۶ - ۵۵۵ - ۵۵۴ - ۵۵۳ - ۵۵۲ - ۵۵۱ - ۵۵۰ - ۵۴۹ - ۵۴۸ - ۵۴۷ - ۵۴۶ - ۵۴۵ - ۵۴۴ - ۵۴۳ - ۵۴۲ - ۵۴۱ - ۵۴۰ - ۵۳۹ - ۵۳۸ - ۵۳۷ - ۵۳۶ - ۵۳۵ - ۵۳۴ - ۵۳۳ - ۵۳۲ - ۵۳۱ - ۵۳۰ - ۵۲۹ - ۵۲۸ - ۵۲۷ - ۵۲۶ - ۵۲۵ - ۵۲۴ - ۵۲۳ - ۵۲۲ - ۵۲۱ - ۵۲۰ - ۵۱۹ - ۵۱۸ - ۵۱۷ - ۵۱۶ - ۵۱۵ - ۵۱۴ - ۵۱۳ - ۵۱۲ - ۵۱۱ - ۵۱۰ - ۵۰۹ - ۵۰۸ - ۵۰۷ - ۵۰۶ - ۵۰۵ - ۵۰۴ - ۵۰۳ - ۵۰۲ - ۵۰۱ - ۵۰۰ - ۴۹۹ - ۴۹۸ - ۴۹۷ - ۴۹۶ - ۴۹۵ - ۴۹۴ - ۴۹۳ - ۴۹۲ - ۴۹۱ - ۴۹۰ - ۴۸۹ - ۴۸۸ - ۴۸۷ - ۴۸۶ - ۴۸۵ - ۴۸۴ - ۴۸۳ - ۴۸۲ - ۴۸۱ - ۴۸۰ - ۴۷۹ - ۴۷۸ - ۴۷۷ - ۴۷۶ - ۴۷۵ - ۴۷۴ - ۴۷۳ - ۴۷۲ - ۴۷۱ - ۴۷۰ - ۴۶۹ - ۴۶۸ - ۴۶۷ - ۴۶۶ - ۴۶۵ - ۴۶۴ - ۴۶۳ - ۴۶۲ - ۴۶۱ - ۴۶۰ - ۴۵۹ - ۴۵۸ - ۴۵۷ - ۴۵۶ - ۴۵۵ - ۴۵۴ - ۴۵۳ - ۴۵۲ - ۴۵۱ - ۴۵۰ - ۴۴۹ - ۴۴۸ - ۴۴۷ - ۴۴۶ - ۴۴۵ - ۴۴۴ - ۴۴۳ - ۴۴۲ - ۴۴۱ - ۴۴۰ - ۴۳۹ - ۴۳۸ - ۴۳۷ - ۴۳۶ - ۴۳۵ - ۴۳۴ - ۴۳۳ - ۴۳۲ - ۴۳۱ - ۴۳۰ - ۴۲۹ - ۴۲۸ - ۴۲۷ - ۴۲۶ - ۴۲۵ - ۴۲۴ - ۴۲۳ - ۴۲۲ - ۴۲۱ - ۴۲۰ - ۴۱۹ - ۴۱۸ - ۴۱۷ - ۴۱۶ - ۴۱۵ - ۴۱۴ - ۴۱۳ - ۴۱۲ - ۴۱۱ - ۴۱۰ - ۴۰۹ - ۴۰۸ - ۴۰۷ - ۴۰۶ - ۴۰۵ - ۴۰۴ - ۴۰۳ - ۴۰۲ - ۴۰۱ - ۴۰۰ - ۳۹۹ - ۳۹۸ - ۳۹۷ - ۳۹۶ - ۳۹۵ - ۳۹۴ - ۳۹۳ - ۳۹۲ - ۳۹۱ - ۳۹۰ - ۳۸۹ - ۳۸۸ - ۳۸۷ - ۳۸۶ - ۳۸۵ - ۳۸۴ - ۳۸۳ - ۳۸۲ - ۳۸۱ - ۳۸۰ - ۳۷۹ - ۳۷۸ - ۳۷۷ - ۳۷۶ - ۳۷۵ - ۳۷۴ - ۳۷۳ - ۳۷۲ - ۳۷۱ - ۳۷۰ - ۳۶۹ - ۳۶۸ - ۳۶۷ - ۳۶۶ - ۳۶۵ - ۳۶۴ - ۳۶۳ - ۳۶۲ - ۳۶۱ - ۳۶۰ - ۳۵۹ - ۳۵۸ - ۳۵۷ - ۳۵۶ - ۳۵۵ - ۳۵۴ - ۳۵۳ - ۳۵۲ - ۳۵۱ - ۳۵۰ - ۳۴۹ - ۳۴۸ - ۳۴۷ - ۳۴۶ - ۳۴۵ - ۳۴۴ - ۳۴۳ - ۳۴۲ - ۳۴۱ - ۳۴۰ - ۳۳۹ - ۳۳۸ - ۳۳۷ - ۳۳۶ - ۳۳۵ - ۳۳۴ - ۳۳۳ - ۳۳۲ - ۳۳۱ - ۳۳۰ - ۳۲۹ - ۳۲۸ - ۳۲۷ - ۳۲۶ - ۳۲۵ - ۳۲۴ - ۳۲۳ - ۳۲۲ - ۳۲۱ - ۳۲۰ - ۳۱۹ - ۳۱۸ - ۳۱۷ - ۳۱۶ - ۳۱۵ - ۳۱۴ - ۳۱۳ - ۳۱۲ - ۳۱۱ - ۳۱۰ - ۳۰۹ - ۳۰۸ - ۳۰۷ - ۳۰۶ - ۳۰۵ - ۳۰۴ - ۳۰۳ - ۳۰۲ - ۳۰۱ - ۳۰۰ - ۲۹۹ - ۲۹۸ - ۲۹۷ - ۲۹۶ - ۲۹۵ - ۲۹۴ - ۲۹۳ - ۲۹۲ - ۲۹۱ - ۲۹۰ - ۲۸۹ - ۲۸۸ - ۲۸۷ - ۲۸۶ - ۲۸۵ - ۲۸۴ - ۲۸۳ - ۲۸۲ - ۲۸۱ - ۲۸۰ - ۲۷۹ - ۲۷۸ - ۲۷۷ - ۲۷۶ - ۲۷۵ - ۲۷۴ - ۲۷۳ - ۲۷۲ - ۲۷۱ - ۲۷۰ - ۲۶۹ - ۲۶۸ - ۲۶۷ - ۲۶۶ - ۲۶۵ - ۲۶۴ - ۲۶۳ - ۲۶۲ - ۲۶۱ - ۲۶۰ - ۲۵۹ - ۲۵۸ - ۲۵۷ - ۲۵۶ - ۲۵۵ - ۲۵۴ - ۲۵۳ - ۲۵۲ - ۲۵۱ - ۲۵۰ - ۲۴۹ - ۲۴۸ - ۲۴۷ - ۲۴۶ - ۲۴۵ - ۲۴۴ - ۲۴۳ - ۲۴۲ - ۲۴۱ - ۲۴۰ - ۲۳۹ - ۲۳۸ - ۲۳۷ - ۲۳۶ - ۲۳۵ - ۲۳۴ - ۲۳۳ - ۲۳۲ - ۲۳۱ - ۲۳۰ - ۲۲۹ - ۲۲۸ - ۲۲۷ - ۲۲۶ - ۲۲۵ - ۲۲۴ - ۲۲۳ - ۲۲۲ - ۲۲۱ - ۲۲۰ - ۲۱۹ - ۲۱۸ - ۲۱۷ - ۲۱۶ - ۲۱۵ - ۲۱۴ - ۲۱۳ - ۲۱۲ - ۲۱۱ - ۲۱۰ - ۲۰۹ - ۲۰۸ - ۲۰۷ - ۲۰۶ - ۲۰۵ - ۲۰۴ - ۲۰۳ - ۲۰۲ - ۲۰۱ - ۲۰۰ - ۱۹۹ - ۱۹۸ - ۱۹۷ - ۱۹۶ - ۱۹۵ - ۱۹۴ - ۱۹۳ - ۱۹۲ - ۱۹۱ - ۱۹۰ - ۱۸۹ - ۱۸۸ - ۱۸۷ - ۱۸۶ - ۱۸۵ - ۱۸۴ - ۱۸۳ - ۱۸۲ - ۱۸۱ - ۱۸۰ - ۱۷۹ - ۱۷۸ - ۱۷۷ - ۱۷۶ - ۱۷۵ - ۱۷۴ - ۱۷۳ - ۱۷۲ - ۱۷۱ - ۱۷۰ - ۱۶۹ - ۱۶۸ - ۱۶۷ - ۱۶۶ - ۱۶۵ - ۱۶۴ - ۱۶۳ - ۱۶۲ - ۱۶۱ - ۱۶۰ - ۱۵۹ - ۱۵۸ - ۱۵۷ - ۱۵۶ - ۱۵۵ - ۱۵۴ - ۱۵۳ - ۱۵۲ - ۱۵۱ - ۱۵۰ - ۱۴۹ - ۱۴۸ - ۱۴۷ - ۱۴۶ - ۱۴۵ - ۱۴۴ - ۱۴۳ - ۱۴۲ - ۱۴۱ - ۱۴۰ - ۱۳۹ - ۱۳۸ - ۱۳۷ - ۱۳۶ - ۱۳۵ - ۱۳۴ - ۱۳۳ - ۱۳۲ - ۱۳۱ - ۱۳۰ - ۱۲۹ - ۱۲۸ - ۱۲۷ - ۱۲۶ - ۱۲۵ - ۱۲۴ - ۱۲۳ - ۱۲۲ - ۱۲۱ - ۱۲۰ - ۱۱۹ - ۱۱۸ - ۱۱۷ - ۱۱۶ - ۱۱۵ - ۱۱۴ - ۱۱۳ - ۱۱۲ - ۱۱۱ - ۱۱۰ - ۱۰۹ - ۱۰۸ - ۱۰۷ - ۱۰۶ - ۱۰۵ - ۱۰۴ - ۱۰۳ - ۱۰۲ - ۱۰۱ - ۱۰۰ - ۹۹ - ۹۸ - ۹۷ - ۹۶ - ۹۵ - ۹۴ - ۹۳ - ۹۲ - ۹۱ - ۹۰ - ۸۹ - ۸۸ - ۸۷ - ۸۶ - ۸۵ - ۸۴ - ۸۳ - ۸۲ - ۸۱ - ۸۰ - ۷۹ - ۷۸ - ۷۷ - ۷۶ - ۷۵ - ۷۴ - ۷۳ - ۷۲ - ۷۱ - ۷۰ - ۶۹ - ۶۸ - ۶۷ - ۶۶ - ۶۵ - ۶۴ - ۶۳ - ۶۲ - ۶۱ - ۶۰ - ۵۹ - ۵۸ - ۵۷ - ۵۶ - ۵۵ - ۵۴ - ۵۳ - ۵۲ - ۵۱ - ۵۰ - ۴۹ - ۴۸ - ۴۷ - ۴۶ - ۴۵ - ۴۴ - ۴۳ - ۴۲ - ۴۱ - ۴۰ - ۳۹ - ۳۸ - ۳۷ - ۳۶ - ۳۵ - ۳۴ - ۳۳ - ۳۲ - ۳۱ - ۳۰ - ۲۹ - ۲۸ - ۲۷ - ۲۶ - ۲۵ - ۲۴ - ۲۳ - ۲۲ - ۲۱ - ۲۰ - ۱۹ - ۱۸ - ۱۷ - ۱۶ - ۱۵ - ۱۴ - ۱۳ - ۱۲ - ۱۱ - ۱۰ - ۹ - ۸ - ۷ - ۶ - ۵ - ۴ - ۳ - ۲ - ۱ - ۰

اور چونکہ اس کے پاس فوج بے شمار تھی اس لیے اس کو یقین تھا کہ مسلمان محاذوں پر بٹ کر اس کی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ قیصر پہلے خود حصص آجہاں شام کی ایک عظیم الشان فوجی جھاوٹی تھی اور یہاں لشکروں کی ترتیب۔ اُن کیلئے ساز و سامان اور اسلحہ وغیرہ کی فراہمی کا کام شروع کر دیا۔ جب سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اس نے چار لشکر اس طرح روانہ کیے۔

(۱) ایک لشکر جو سب سے بڑا اور نوے ہزار بہادروں پر مشتمل تھا۔ عمرو بن العاص کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت برتل کا حقیقی بھائی تھیوڈورس (THEODORES) کر رہا تھا۔ اس نوے ہزار کے مقابلہ میں عمرو بن العاص کے پاس جو لشکر تھا وہ سات آٹھ ہزار سے زیادہ نفوس پر مشتمل نہیں تھا۔

(۲) دوسرا لشکر جو ساٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا ابو عبیدہ کے مقابلہ پر بھیجا گیا تھا۔ اس لشکر کا قائد پیٹر (PETER) تھا جس کو عرب مؤرخین فیقار بن سلسطوس لکھتے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ کی فوج بھی سات آٹھ ہزار کے درمیان تھی۔

(۳) تیسرا لشکر جس کا قائد سرجیس (SERGIUS) تھا عرب مؤرخین اس کو جرجیلین تو ذرا لکھتے ہیں یزید بن ابی سفیان کے مقابلہ میں روانہ ہوا۔

(۴) چوتھا لشکر دراقص کے ماتحت تھا جو شرحبیل بن حسنہ کیساتھ جنگ کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا مسلمانوں کو ان لشکروں کے اجتماع عظیم اور ان کی تیاریوں کا علم ہوا تو اپنی قلت تعداد کی وجہ سے کچھ اندیشہ ہوا۔ اور عمرو بن العاص کو لکھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ ادھر ان لوگوں نے (ازدی نے لکھا کہ خود عمرو بن العاص نے) حضرت ابو بکرؓ کو دشمن کی کثرت تعداد کی اطلاع دی تو بارگاہ خلافت سے جواب آیا کہ تم سب ایک جگہ ہو جاؤ اور ایک لشکر بنا لو اس کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ اپنی قلت تعداد کا غم نہ کرو۔ تم اللہ کے دین کے اعوان و مددگار ہو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا پھر حکم دیا کہ تم سب لوگ یرموک میں جمع ہو جاؤ۔

اجتماع یرموک | یرموک دراصل ایک دریا کا نام ہے جو حرمین کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور مختلف پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اردن کے دریا اور بحر منجمد (DEAD SEA) میں جا ملتا ہے۔ یرموک کا یہ دریا اردن کے دریا سے جہاں ملتا ہے اس سے تیس یا چالیس میل کے فاصلہ

پر ایک مقام ہے جس کا نام واقو صہ ہے۔ یہ مقام ایک وسیع نشیبی علاقہ میں ہے اور تین طرف پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ چونکہ یہ بہت وسیع مقام تھا اس لیے قیصر کی فوجوں نے اپنے بیڈ کو اڑا کر کیلئے اسی کو منتخب کیا۔

رومی یہاں پہنچ کر لشکر انداز ہو گئے۔ مسلمان دریائے یرموک کے دائیں بازو کو عبور کر کے رومیوں کے بالمقابل فوجیں ہو گئے۔ اب تین طرف سے رومی پہاڑوں سے گھرے ہوئے تھے اور ان کے دروبرد جو راستہ تھا اس پر اسلامی فوج قابض تھی۔ اس طرح وہ محصور ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ عمرو بن العاص نے اس قدرتی صورت حال پر اظہار مسرت کیا۔ اور مسلمانوں کو مبارکباد دی۔ اس وقت قیصر روم کی فوج تندرلق (تھیوڈوس) کے ماتحت تھی مقدمہ الجیش پر سر جیس دونوں باندوں پر باہان اور درافض میلان جنگ کا اسباب بنا رہا تھا۔ حضرت خالد بن ولید کی نازنگی مسلمان اور رومی دونوں ایک دوسرے کے مقابل اسی حالت میں دو ماہ تک پڑے رہے۔ اس مدت میں معمولی جھڑپوں کے علاوہ کھل کر کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ حضرت ابو بکر صدیق کو اس صورت حال کی اطلاع ہوئی تو فکر مند ہوئے اور آپ نے حضرت خالد بن ولید کو حکم بھیجا کہ عراق میں ٹٹنی کو اپنا قائم مقام بنا کر فوراً شام کیلئے روانہ ہو جائیں۔

اگرچہ حضرت خالد بن ولید حیرہ میں مدائن پر حملہ کرنے کا خیال کر رہے تھے۔ لیکن اول تو خلیفہ رسول کا حکم اور پھر اس وقت شام کے محاذ کی اہمیت بہت زیادہ تھی اس لئے شام کیلئے روانہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس موقع پر بعض مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ حضرت خالد صرف لشکر شام کی مدد کیلئے بھیجے گئے تھے اور ان کو وہاں کی افواج کا سپہ سالار اعظم مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

لے مؤرخین کا اس میں بھی بڑا اختلاف ہے کہ شام کیلئے روانگی کے وقت حضرت خالد کے ساتھ فوج کتنی تھی۔ کسی نے نو ہزار کسی نے چھ ہزار۔ کسی نے آٹھ سو۔ چھ سو۔ پانچ سو تعداد بتائی ہے۔ (ابن اثیر ج ۲ ص ۲۷۹) لیکن بلاذری نے آٹھ سو سے پانچ سو تک کی تعداد لکھی ہے (ص ۱۱۶) اور ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے۔ کیونکہ شام کے محاذ پر صرف حضرت خالد جیسا سپہ سالار نہ تھا۔ فوج تو یوں بھی کافی تھی اور مدینہ سے دستے برابر آ رہے تھے اس کے علاوہ اب جیکہ حضرت خالد عراق سے جا رہے تھے ضروری تھا کہ وہاں فوج کافی تعداد میں رہے۔

کیونکہ شام کے محاذ پر کیا کچھ نہیں تھا۔ کس تھی تو خالد ایسے سپہ سالار کی تھی اور اسی کسر کو پورا کرنے کیلئے ان کو عراق سے ہٹا کر شام جانے کا حکم ہوا تھا چنانچہ پڑی ہیں ہے کہ اس حکم نامہ میں حضرت ابو بکر کے الفاظ یہ سرحتی تالی المجموع من المسلمین تم روانہ ہو یہاں تک کہ یرموک میں جو مسلمان مجتمع بالیہ مولد فالہم قد شجوا واشجوا۔ ہیں ان سے ملو۔ کیونکہ وہ غز وہ ہیں۔

اس کے علاوہ ابو اسحاق عیال اللازدی نے حضرت خالد کے نام حضرت ابو بکر کا جو خط نقل کیا ہے اس میں اس کی تصریح ہے کہ جب تم وہاں پہنچ جاؤ اور لوگوں سے ملو تو پھر امیر جماعت تم ہی ہو گئے۔ اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ واقفی کی فتوح الشام (ص ۴۰) میں ہے، اسمیں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کو تمام لشکر شام اور خود حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح پر امیر بنا کر بھیجا تھا۔ طبری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر کے پاس ملنے شام کا خط پہنچا جس میں مدد بھیجنے کی درخواست کی گئی تھی تو اسے پڑھتے ہی حضرت ابو بکر نے فرمایا: خالد لہا، یہ معرکہ تو خالد سے ہی سر ہو گا۔

حضرت خالد کی روانگی اب حضرت خالد نے پہلے تدمر آئے۔ جو صحرائے شام کے کنارے وادی فرات سے متصل ہے اور دمشق سے ڈیڑھ سو میل دور اس کے شمال مشرق میں واقع ہے راتہ میں پانی کی قلت کے باعث بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ اس اثنا میں بعض قبائل سے ٹکرات بھی ہوئی حضرت خالد ان سب کو لپٹا کرتے بڑھتے چلے گئے۔ تدمر سے ثنیۃ العقاب اور وہاں سے مرج راہط پہنچے جو غوطہ دمشق کے مشرق میں ہے، یہاں سے جنوبی سمت میں روانہ ہو کر لہری پہنچے۔ مرج راہط جو دمشق سے پندرہ میل کی مسافت پر ہے غسانوں کا جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں حضرت خالد نے جنگ کے بعد ان لوگوں کو مغلوب کیا۔ اس کے بعد بصری پہنچے تو یہاں حضرت ابو بکر کے حکم کے مطابق شرحبیل بن حسنہ اور یزید بن ابی سفیان اس شہر کا محاصرہ کیے پڑے تھے مگر وہ فتح نہیں ہوئے تھے۔ لیکن حضرت خالد نے آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ رومیوں کا سپہ سالار رومانس (ROMANUS) پسپا ہو کر بصری شہر کے اندر دینی حصہ میں لے فتوح الشام ص ۲۵۸ء طبری ج ۲ ص ۵۹۱ء عقاب حضرت خالد نے علم کا نام تھا۔ آپ نے اس جگہ ہو چکر یہ علم نصب کیا تھا اس لیے اس جگہ کا نام ثنیۃ العقاب ہو گیا۔

گھس کر پناہ گزین ہو گیا اور شہر فتح ہو گیا۔  
 واقعہ نے رومانس کے متعلق لکھا ہے، مگر یہ شخص کتب قدیمہ کا عالم تھا اور اس بنا پر اس کو  
 معلوم تھا کہ رومیوں کا زوال ایک پیغمبر عرب کے ہاتھوں لقمی تھا اس لئے وہ مسلمان ہونا چاہتا تھا لیکن  
 اس کی قوم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اس کو قتل کر دینے کے درپے ہو گئے۔ انھوں نے جان کے ڈر  
 سے مجبوراً رومیوں کے ساتھ حضرت خالدؓ کے مقابلے میں اٹھنا لیکن بعد میں مسلمان ہو گیا اور اسلام  
 کی حمایت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

ابو اسمعیل اللادزی نے بصری میں رومی فوج کے سپہ سالار کا نام در بخار لکھا ہے۔ اور رومیوں  
 کی تعداد پانچ ہزار اور مسلمانوں کی ایک ہزار بتائی ہے۔ اس کے علاوہ بصری کی فتح سے قبل جو جنگ  
 ہوئی اس کی تفصیل بھی لکھی ہے۔

## سرکہ اجنادین

بصری کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ کا ارادہ تھا کہ دمشق کی طرف پیش قدمی کریں۔ لیکن اچانک  
 اطلاع ملی کہ قیصر روم نے ایک لاکھ کا لشکر جزار اجنادین میں جمع کر دیا ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ عیسائی  
 مذہب کے پیشواؤں۔ پادریوں اور لیبیوں نے تمام ملک کا دورہ کر کے مسلمانوں کے خلاف آگ  
 لگادی ہے اس لیے اطراف الکاف سے بھی چھوٹے چھوٹے لشکر برابر آرہے ہیں، یہ خبر سن کر خالدؓ نے  
 پہلی تدبیر یہ کی اسلامی لشکر جو مختلف حصوں میں بٹے ہوئے اور مختلف محاذوں پر تھے ان سب  
 کے امیروں کو خط لکھا کہ اجنادین کے محاذ پر آکر جمع ہو جائیں اس حکم کی تعمیل میں حضرت ابو عبیدہ اپنے  
 چند ساتھیوں کیساتھ روانہ ہوئے تو اہل دمشق نے ہزاروں کی تعداد میں عقب سے آکر حملہ کر دیا۔  
 حضرت خالدؓ کو اس کا علم ہوا تو فوراً ایک لشکر لیکر موقع پر پہنچے اور رومیوں کو پسپا کر کے دمشق کی طرف  
 جانے پر مجبور کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ جس وقت اجنادین کے مقام پر پہنچے  
 ہیں ٹھیک اسی وقت دردان جو ایک نامور رومی سپہ سالار تھا ایک لشکر جزار لیے ہوئے اجنادین پہنچ گیا  
 لیکن دوسری طرف اس وقت تک حضرت عمرو بن العاص۔ یزید بن ابی سفیان اور شریح بن حنظلہ  
 نے فتوح الشام ص ۴۱-۴۲۔

بھی حضرت خالدؓ کی دعوت پر اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ پہنچ چکے تھے۔ حضرت خالدؓ نے اب پوری  
 اسلامی فوج کا جائزہ لیا۔ ان کی صف بندی کی اور ایک ایک دستہ کے پاس پہنچ کر ان کو جہاد اور  
 قتال فی سبیل اللہ کی اہمیت یاد دلانی۔ خواتین اسلام بھی اس جنگ میں شامل تھیں۔ ان کو مردوں  
 کی صفوں کے پیچھے کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان میدان جنگ چھوڑ کر بھاگتا ہوا تمہارے  
 پاس سے گزرے تو اس کو عنبرت دلانا اور شرمندہ کرنا۔

آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ عموماً جنگ ظہر کی نماز کے بعد شروع کرتے تھے۔ حضرت خالدؓ  
 نے اس اسوہؐ بنی پر عمل کرنے کے خیال سے نماز ظہر کے وقت تک کیلئے جنگ کو ٹالنا چاہا۔ لیکن  
 رومیوں نے پیش قدمی کر کے حملہ کر دیا۔ اسلامی فوج کے میمنہ پر معاذ بن جبل اور میرہ پر حضرت  
 عمرؓ کے بھتیجے سعید بن زید تھے۔ رومیوں نے اسلامی لشکر کے ان دونوں بازوؤں پر اس زبردستی تیر  
 باری کی کہ مجاہدین کے گھوڑے بدکنے لگے اور خود مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ حضرت خالدؓ نے  
 یہ رنگ دیکھا تو ہتھیاروں کو حکم دیا کہ حملہ کریں اور خود اس میں پیش قدمی کی۔ حضرت خالدؓ کا حملہ  
 کرنا تھا کہ پوری اسلامی فوج ایک سیل رول کی طرح آگے بڑھی اور دشمنوں پر چھا گئی۔ اب دشمن کیلئے  
 بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ حمص اور دمشق میں جا کر پناہ لی۔ تھیوڈرس جو رومی افواج کا  
 سپہ سالار اعظم تھا اس نے بھاگ کر حمص میں جہاں قیصر پہلے سے موجود تھا۔ پناہ لی۔ قیصر نے بڑی لذت  
 و خواری کیساتھ اس کو معزول کر دیا اور آخری حالت میں وہ مر گیا۔ ابو اسمعیل اللادزی کے بیان کی مطابق  
 تین ہزار رومی مارے گئے اور مسلمانوں کا بھی نقصان کافی ہوا۔ بلاذری کا بیان ہے کہ یہ جنگ ۱۸

جمادی الاولیٰ یا ۲ جمادی الاخریٰ ۳۳ھ کو ہوئی ہے۔ لیکن ابو اسمعیل اللادزی نے لکھا ہے کہ اجنادین  
 کی جنگ جو شام میں سب سے پہلی بڑی جنگ تھی ہفتہ کی دن ۲۸ جمادی الاولیٰ ۳۳ھ کو دیر کسرت ہوئی  
 حضرت خالدؓ کا خط | فتح کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے عبد الرحمن بن حنبل الجمعی کے ہاتھ  
 حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نام | حضرت ابو بکرؓ کے نام ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ ہم میں اور مشرکوں میں  
 ۳۳ھ جنگ ہوئی۔ ان لوگوں نے ہمارے مقابلے میں بڑے بڑے لشکر مقام اجنادین میں جمع کر

لے فتوح الشام از صفحہ ۴۳ تا ۴۹، لے فتوح البلدان ص ۱۲۰ لے ابن روم در حقیقت عیسائی تھے لیکن  
 حضرت خالدؓ نے ان کو مشرک اس لیے کہا ہے کہ یہ لوگ اصل عیسائیت سے گمراہ ہو کر حضرت عیسیٰ (باقی بر صفحہ ۲۸۸)

رکھے تھے یہ لوگ اپنی صلیبیں اور کتابیں اٹھائے ہوئے تھے اور اس بات کی قسم کھالی تھی کہ میدان جنگ سے فرار اختیار نہیں کریں گے اور ہم کو اپنے ملک سے باہر نکال کر ہی دم لیں گے۔ ہم اللہ پر بھروسہ کر کے ان کے مقابلہ کو آگے بڑھے۔ پھر ہم نے تیروں سے کام لیا۔ اس کے بعد تلواروں کی نوبت آئی اور شمشیر کی جنگ ہوئی۔ آخر اللہ نے ہم پر اپنی مدد نازل کی اور اپنا وعدہ پورا فرمایا۔

یہ واقعہ حضرت ابوبکر کی وفات سے چوبیس دن پہلے کا ہے۔ آپ کو حضرت خالدؓ کا مکتوب ملا تو پڑھ کر بے حد مسرور ہوئے اور فرمایا: "جمع حمد ثابت ہے اس اللہ کے لئے جس نے مسلمانوں کی مدد اور میری آنکھیں اس شرذمہ فوج سے ٹھنڈی کیں۔"

جنگ اجنادین کے بعد کیا ہوا؟ اس باب میں بھی روایات مختلف ہیں۔ ابواسمعیل الازدی کا بیان ہے کہ حضرت خالدؓ نے دمشق کا رخ کیا۔ اور فوج نے جا کر شہر کا محاصرہ کر لیا ابھی تک اس کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوگئی۔ لیکن بلاذری کی روایت یہ ہے کہ اجنادین کے بعد رومیوں کا اجتماع واقفہ (بلاذری میں واقفہ لکھا ہوا ہے) میں ہوا۔ حضرت خالدؓ کو اطلاع ہوئی تو واقفہ پہنچ کر جنگ کی رومی شکست کھا کر بھاگے اور شام کے بڑے بڑے شہروں میں پھیل گئے۔ بلاذری لکھتے ہیں کہ مسلمان ابھی واقفہ میں ہی تھے کہ خلیفہ رسولؓ کی وفات کی اطلاع ملی گئی۔

ایک بحث جیسا کہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ خلافت صدیقی کے عہد میں شام میں جو فتوحات ہوئی ہیں ان سے متعلق بڑے بڑے شدید اختلاف ہیں یہاں تک کہ خود اس میں بھی اختلافات ہے کہ یرموک کا واقعہ عہد صدیقی میں پیش آیا یا خلافت فاروقی میں؟ لہجری اور ابن اثیر یرموک کے اس واقعہ کو اجنادین سے پہلے مانتے ہیں۔ لیکن ازدی۔ واقفی اور بلاذری کے ہاں سب سے بڑا معرکہ جو شام میں خلافت صدیقی میں ہوا ہے وہ اجنادین ہے۔ اور یرموک کا واقعہ ۳۵ھ میں پیش آیا ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ابن اللہ کہتے تھے اور بجائے توحید کے تثلیث کے قائل ہو گئے تھے اس لیے وہ مشرک ہو گئے تھے لے فتوح الشام الازدی ص ۸۱ ۲ فتوح البلدان ص ۱۲۱

ہمارے نزدیک غالباً مشکل یہ پیش آئی ہے کہ حضرت خالدؓ کی عراق سے روانگی سے قبل قیصر روم نے اپنی فوجیں مقام واقفہ میں جو یرموک سے متصل تھا جمع کر دی تھیں تاکہ یہاں ایک فیصلہ کن جنگ شام کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دے۔ اسلامی اور رومی دونوں فوجیں آٹھ سال سے تقریباً دو ماہ تک پڑی رہیں۔ لیکن معمولی جھڑپوں کے علاوہ کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی۔

حضرت ابوبکرؓ صورت حال کے اس جمود سے جس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں خطرناک ہو سکتا تھا الٹ گئے تو حضرت خالدؓ کو حکم بھیجا کہ عراق کا محاذ مدنی کے سپرد کر کے شام کیلئے روانہ ہو جائیں وہاں تعمیل حکم میں کیا دیر ہو سکتی تھی۔ راستہ میں متعدد مقامات پر حرب و ضرب کی نوبت آئی اور حضرت خالدؓ کا میا بی کیسا تھا ان سب سے عہدہ برا ہوتے ہوئے جنوب مشرق کی سمت سے حدود شام میں داخل ہوئے۔ یہاں انہوں نے فرار محسوس کر لیا کہ جنگی نقطہ نظر سے واقفہ (یا یرموک) کو میدان جنگ بنانا مناسب نہیں ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ مقام تین طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ایک طرف سے کھلا ہوا تھا ماسی کو دیکھ کر حضرت عمرؓ بن العاص نے خونخوئی کا اظہار کیا تھا اور فرمایا تھا کہ دشمن محصور ہو گیا ہے۔ یہ حضرت عمرؓ بن العاص کی ذاتی رائے تھی لیکن حضرت خالدؓ نے جانتے تھے کہ دشمن کو اس طرح گھیر کر علی الخصوص اس وقت جبکہ وہ بڑی شان و شوکت اور ساز و سامان کیساتھ آیا ہو جنگ کرنا دانش مندی نہیں ہے بلکہ جنگ ہمیشہ دشمن کیلئے راہ فرار رکھ کر کرنی چاہیے اس بنا پر حضرت خالدؓ نے واقفہ کے بجائے دمشق کا رخ کیا۔ اب اسلامی فوجیں جو اس وقت تک واقفہ میں رومیوں کا راستہ روک کے بیٹھی تھیں وہاں سے ہٹیں تو رومیوں نے اجنادین میں مورچہ بجا دیا اور تمام فوجیں لاکر یہاں جمع کر دیں۔ حضرت خالدؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو دمشق کا ارادہ ترک کر کے اجنادین پہنچ گئے۔ اور وہاں جو کچھ ہوا تم اس کا حال پڑھ ہی آئے ہو۔ اس تقریر کی روشنی میں دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہو جاتی ہے کہ درحقیقت حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں یرموک میں جنگ نہیں ہوئی بلکہ وہاں صرف دونوں طرف کی فوجوں کا اجتماع ہوا ہے۔ اس عہد میں سب سے بڑی جو جنگ ہوئی ہے وہ اجنادین کی ہے۔ چنانچہ طبری جو واقعہ یرموک کو خلافت صدیقی سے منسوب کرتے ہیں انہوں نے بھی علی بن محمد کی

اسناد سے صفحہ ۶۱۱ پر بعدینہی بات لکھی ہے جن لوگوں نے واقعہ میں افواج کے اجتماع کو ہی جنگ یرموک سمجھ لیا ہے انہوں نے یرموک کو اجنادین پر مقدم کیا ہے۔ لیکن جن کی نظر اصل جنگ پر ہے انہوں نے یرموک کے واقعہ کو ۱۵ھ کا واقعہ لکھا ہے لے واللہ اعلم۔

## عراق میں بغاوت

حضرت خالد بن ولیدؓ کے عراق سے روانہ ہو جانے کے بعد ثنی بن حارثہ نے ادھر ادھر چھپاؤ نیاں قائم کر دیں اور جاسوس جگہ جگہ متعین کر دیئے اور خود حیرہ میں مقیم ہو گئے۔ ایرانیوں نے میدان حضرت خالد سے خالی پایا تو ان کا حوصلہ بڑھا اور ادھر کچھ دنوں تک طوائف الملوک کے بعد شہر یرازین اور دیشیرین شہر پار کی بادشاہت پر سب ایرانیوں کا اتفاق ہو جانے کے باعث ایران میں ایک مضبوط حکومت قائم ہو گئی تھی اس بنا پر شہنشاہ ایران نے دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ ہرگز جانویدہ کو حضرت ثنی کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ اس لشکر کیساتھ ہاتھی بھی تھا جس کے ساتھ جنگ کرنا عربوں کا پہلا تجربہ تھا۔ ثنی کو اس فوج کی نقل و حرکت کا علم ہوا تو مختلف چھاپوں پر فوج منتشر تھی ان سب کو یکجا کر لیا۔ اپنے بھائی معنی اور مسعود کو فوج کے دونوں بازوؤں پر مقرر کیا اور بابل میں خیمہ زن ہو گئے۔ یہاں حضرت ثنی کو کسریٰ کا خط ملا جس میں اس نے بڑے گھمٹے طواریخ غزور کے لہجہ میں لکھا تھا کہ تم لوگوں کی طرف جو لشکر بھیج رہا ہوں یہ مرغیاں اور خنادیر

سے اب جبکہ شام کی فتوحات کا باب ختم ہو رہا ہے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس باب کو دیکھتے وقت جو فتوح الشام لکھی

کی طرف منسوب ہے وہ بھی ہمارے پیش نظر ہی ہے اس کتاب کو سر ویلیئم نیرس [SIR WILLIAM NASSARALEES] نے جولے ۱۸۵۰ء سے ۱۸۸۰ء تک مدرہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہتے ہوئے بڑی تحقیق اور قابلیت سے ادھ کیا اور رسائل ایٹانک سوسائٹی بمبائل نے اس کو شائع کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ اس کتاب میں اس سے کچھ زیادہ استفادہ نہیں کر سکا۔ کیونکہ اول تو اس بات کا قطعی ثبوت نہیں کہ یہ کتاب دراصل طبری کی ہے یا کسی اور کا ثبوت بھی اس میں اثناء طرازی کا رنگ اس قدر غالب ہے کہ وہ ذیب داستان کا کام تو دیتی ہے تاریخ کا سرمایہ نہیں بن سکتی۔ ۲۷ اس نام کو مختلف طریقوں سے لکھا گیا ہے شہر بازان۔ شہر باز۔ شہر بزاز اور شہر یران یہ سب روایات ہیں۔

چراغیوں کا لشکر ہے۔ اور تمہاری حیثیت یہ ہے کہ میں تمہارے مقابلہ میں اسی درجہ کے لوگ بھیجوں۔ ثنی نے جواب لکھا تو یابو باغی ہے یا کا ذب ہے۔ اگر باغی ہے تو اس کا انجام تیرے حق میں بڑا ہوگا۔ اور ہمارے لیے اچھا۔ اور اگر کا ذب ہے تو جن کا ذبوں کو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عذاب اور دنیا میں سب سے زیادہ رسوائی ہوگی وہ بادشاہ ہیں۔ اس کے بعد لکھا کہ یہی مرغیاں اور خنادیر چراغیوں کی بات تو معلوم ہوتا ہے کہ اب لے دیکے تیرے پاس اسی درجہ کے لوگ رہ گئے ہیں تم کو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

کسریٰ کو یہ جواب ملا تو بڑا گھبرا ادا اور ادھر ایرانیوں کو کسریٰ کے خط کا علم ہوا تو انہوں نے ناراض ہو کر کسریٰ سے کہا کہ نہ آپ ایسا خط لکھتے اور نہ اس کے جواب میں ایسی باتیں سنتے۔ اُس دن کے لئے ان لوگوں نے کسریٰ کو تاکید کی کہ اب جس کسی کو بھیجیے وہ خط لکھے ان سے پوچھ کر لکھے۔

بابل میں دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہوئے اور جنگ شروع ہوئی۔ لیکن ہرگز باغی جس طرف رخ کرتا تھا مسلمانوں کی فوج کے باطل پھٹ جاتے تھے۔ حضرت ثنی کیلئے یہ صورت حال بڑی تشویش انگیز تھی۔ آخر انہوں نے جو مسلمان ان کے ساتھ تھے ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کر کے حکم دیا کہ بیک وقت حملہ کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھی قتل ہو گیا اور ایرانی شکست خوردہ ہو کر بھاگے۔ مسلمانوں نے مدائن تک ان کا تعاقب کیا۔ جو ایرانی ان کے ہاتھ لگے انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا ایک شاعر عبدة ابن الطیب السعیدی اسی واقعہ کو اسٹار ذیل میں بیان کرتا ہے

حلت خویلة فی حی عجد تمہو دون المدائن فیھا الدیک والفییل  
یقارعون رؤس العجم صاحبة منہم فارس لا عزل ولا میل  
فرزدق کا بھی ایک شعر جس میں اس نے ثنی کے ہاتھوں ہاتھی کے قتل ہونے کا ذکر خصوصیت کیساتھ کیا ہے۔

وبیت المثنی قاتل الفییل عنوة بیابل اذ فی فارس ملک بابل  
شہر یراز کو اس شکست کی اطلاع ملی تو سیمار پڑ گیا اور چند روز کے بعد ہی مر گیا۔ اب ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا۔ لیکن تاج و تخت اس کے سوا کار نہیں آیا جلد ہی معزول کر دی گئی اس کے بعد سبور بن شہر یراز بادشاہ ہوا۔

سالور نے فرخ زاد کو وزارت کیلئے منتخب کر لیا۔ اور اس پر اس درجہ مہربان ہوا کہ کسری کی بیٹی آرمیدخت سے اس کی شادی کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ آرمیدخت کو اس کی خبر ہوئی تو سخت برم ہوئی۔ اور لڑائی دو کیا اسے بھائی (ابن عم) آپ میرے ہی غلام سے میرا نکاح کرنا چاہتے ہیں، لیکن سالور نے ذرا پروا نہ کی اور آرمیدخت کو بڑا بھلا کہہ کر خاموش کر دیا سیاد خشن الرازی نام کا ایک بڑا مشہور حملہ نازیرانی تھا۔ آرمیدخت نے اس سے ساز باز کر لی۔ چنانچہ شب عروسی میں جب فرخ زاد۔ آرمیدخت کے کمرہ میں داخل ہوا تو سیاد خشن نے اچانک کہیں گاہ سے نکل کر حملہ کر دیا اور فرخ زاد کو موت کے گھاٹ اتار دیا اس کے بعد سیاد خشن آرمیدخت اور ان کے ساتھیوں نے سالور کے محل میں گھس کر اسے قتل کیا اور اس کی جگہ آرمیدخت کو تخت سلطنت پر بٹھادیا۔

حضرت شنی کو اس اور القری اور طوائف الملوکی کی خبریں پہنچیں تو اطمینان ہوا تاہم اگر آج یہ حالت تھی تو ضروری نہیں کہ کل بھی یہی رہے گی۔ اس لیے اس موقع کو غنیمت جان کر انہوں نے اپنی فوج کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی اور مدائن جہاں ان کا دارالسلطنت تھا اس کے دروازوں تک پہنچ گئے۔ لیکن ان کے پاس جو فوج تھی وہ مدائن فتح کرنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو خط پر خط لکھ کر ملک روانہ فرما دیں۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ اس وقت کیا کر سکتے تھے۔ پورا اسلامی لشکر تو شام کے محاذ پر کازار تھا۔ اس لیے بارگاہ خلافت کی طرف سے کوئی جواب نہیں گیا۔ حضرت شنی کو اس خاموشی سے تشویش ہوئی اور وہ خود مدینہ پہنچ گئے۔ یہاں دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ سخت علیل ہیں اور صحت یاب ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔ اس کے باوجود شنی کو شرف باریابی عطا فرمایا۔ عراق کے محاذ کی پوری روئیدار سنی اور فرما حضرت عمرؓ کو طلب فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ اس وقت حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین منتخب فرما چکے تھے۔ اب حضرت عمرؓ آئے تو ارشاد ہوا۔ اے عمر! جو کچھ میں کہتا ہوں تم اس کو سنا اور اس پر عمل بھی کرو۔ میں خیال کرتا ہوں کہ میں آج دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ اگر واقعی ایسا ہو تو تم شام ہرنے سے پہلے پہلے لوگوں کو شنی کے ساتھ روانہ کر دو۔ اور اگر میں نے شام پکڑ لی تو تم صبح ہونے سے پہلے ایسا

کر گزر دو۔ اس کے بعد تاکید کی کہ کوئی مصیبت سزاوار کتنی ہی بڑی ہو۔ بہر حال تم کو دین کے کام اور حکم خداوندی کی بجا آوری سے باز نہ رکھے۔ پھر خود حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی عین وفات کے دن بیعت خلافت کے بارے میں جو کچھ کیا تھا اسے یاد دلایا۔ اور آخریں وصیت کی کہ شام کا معرکہ سر ہو جائے تو خالدؓ کو پھر عراق واپس بلا لینا لے

اس کے بعد عراق میں جو فتوحات ہوئیں ان کا تعلق حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے ہے اس لیے وہ اس کتاب کے دائرہ بحث سے خالی ہے یا خارج ہے۔

## فتوحات کے اسباب

عراق اور شام کی فتوحات کا حال بڑھنے کے بعد قدرتی طور پر تاریخ کے ایک طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا چاہئے کہ ایرانی اور رومی یہ دونوں اس عہد کی نہایت عظیم الشان اور ترقی یافتہ سلطنتیں تھیں۔ مل و دولت۔ جاہ و شہم فوج و سپاہ۔ ان چیزوں کے اعتبار سے مسلمانوں کو ان دونوں حکومتوں کیساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ شام کے معرکہ میں تم نے بڑھا ہے کہ مسلمان افواج کی کل تعداد مل ملا کر چھالیس ہزار تھی اور اسے مقابلہ میں کم و بیش دو لاکھ انسانوں کا ہار تھا جو ان کے سامنے کھڑا تھا۔ پھر آلات حرب کے اعتبار سے دونوں میں یہ فرق تھا کہ ایک ایک ایرانی اور رومی فوج خود۔ زرہ۔ بکتر۔ چلیتہ۔ جوش چار آئینہ۔ آہنی دستانے۔ موزے۔ جہلم۔ برگستوان۔ گویال۔ گرز۔ تیغ۔ سپر۔ درقہ۔ خنجر زربین۔ تیر۔ خدنگ۔ کند۔ سنان وغیرہ سے آراستہ ہوتا تھا۔ ان تمام آلات و اسلحہ جنگ کی تفصیل فردوسی کے شاننامہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا کیا حال تھا۔ ان کے پاس زرہ ہوتی تھی وہ بھی چمڑے کی، مارکاب لوہے کے بجائے کھڑی کے ہوتے تھے۔ آلات حرب میں عرب، تلوار، نیزہ اور چھوٹے چھوٹے خنجر کے علاوہ کسی اور چیز کو جانتے تک نہیں تھے۔ گھوڑے تھے لیکن اکثروں کے گھوڑوں کو زین تک میسر نہیں تھی۔ پس جب ان حکومتوں کے جاہل تہذیب و تمدن۔

نظم و ترتیب اور ترقی و وسعت کا یہ عالم تھا تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو کہ چند ہزار بے سر و سامان صحرا نشینوں نے ریگستان عرب سے نکل کر دونوں حکومتوں کا تختہ الٹ دیا یا کہ قیصر و کسریٰ کے قصر عظمت و جلال میں خاک اڑنے لگی۔ ان کے صحیفہ اقدار و حکومت کا ورق و ورق پریشان ہو گیا۔ اور وہ بھی صرف چند مہینوں کی مدت میں لے

مغربی مصنفین کے نزدیک مغربی مصنفین نے اپنے مذاق کے مطابق اس سوال کے ان فتوحات کے اسباب جو مختلف جوابات دیئے ہیں ان کا خلاصہ ہم ذیل میں نقل کرتے

ہیں۔

وان کریم لکھتا ہے :-

” عرب اور عراق و شام کی سرحدوں پر جو عرب قبائل آباد تھے انہوں نے اپنا فائدہ اس میں دیکھا کہ وہ اپنے حلیف و سرپرست حکومتوں سے تعلق منقطع کر کے اپنے ہم قوم عربوں کے ساتھ ملکر ان کا مذہب قبول کر لیں اور اس طرح مال غنیمت میں ان کے شریک ہو جائیں اس طرح مدینہ کا چھوٹا سا لشکر جو عراق و شام میں گھس آیا تھا۔ یک بیک ایک کو ہلاکت نشان بن گیا اور اس کے راستہ میں جو رکاوٹیں تھیں ان کو پارہ پارہ کر دیا۔“

ول دورنیٹ (WILL DURANT) لکھتا ہے -

عربوں کی فتوحات کے اسباب بہت سارے ہیں۔ ان کا اقتصادی سبب ہیں۔ پیغمبر اسلام سے ایک صدی پہلے عربوں کا نظام آبپاشی بہت خراب ہو گیا تھا۔ اور اس کی وجہ سے پیداوار بہت کم ہو گئی تھی اس لیے ان میں عراق و شام کی سرسبز زمینوں کو فتح کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ سیاسی سبب یہ تھا کہ رومی اور ایرانی دو حکومتیں اپنی باہمی جنگوں کے باعث تباہ و برباد ہو گئی تھیں۔

لے فتوحات کی تکمیل اگرچہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں ہوئی ہے۔ جس میں کئی برس گئے۔ لیکن حقیقت ایران و روم کو ضرب بھاری حضرت ابو بکر کے عہد میں ہی لگ چکی تھی۔ جس سے ان کا پینا آسان نہیں تھا۔

نظم و نسق حکومت اور امن و امان مفقود تھے۔ لیکن اس کے باوجود مملکت میں بھاری بھاری ٹیکس لگے ہوئے تھے۔ پھر جو نسلی تعلقات حجاز کے اور شام و عراق کی سرحدوں پر آباد قبائل کے درمیان تھے ان کا بھی اس میں بڑا دخل تھا ان پرزید یہ ہوا باز نظمیوں نے۔ موحدین۔ نسطوری اور دوسرے فرقوں کے ساتھ تعصب اور تشدد کی جس پالیسی پر عمل کیا تھا اس کی وجہ سے شام کی ایک بہت بڑی اقلیت تھی جو ان سے بیزار تھی۔ یہ بیزاری صرف شہری باشندوں میں نہیں تھی بلکہ شامی فوج کے دستے تک اس سے متاثر تھے۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ ان کے لیڈر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین

پیر و تھے۔ جتنا وہ لڑتے تھے اس سے زیادہ دعائیں کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ مقدس جنگ میں جو مارا جاتا ہے اس پر جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ عرب مسلمان اخلاقی اعتبار سے بھی بہت بلند تھے۔ مسیحی اخلاق اور عقیدہ تثلیث نے مشرق قریب میں جنگ کیلئے وہ آمادگی اور مستعدی باقی نہیں رکھی تھی جو اسلام کی تعلیمات اور عربوں کے جوہر فطری کا خاصہ تھی عرب فوجیں ڈسپلن اور جفاکشی میں ممتاز تھیں اور ان کے قائد بڑے قابل اور لائق تھے یہ لوگ بھوکے پیٹ جنگ کر سکتے تھے۔ لیکن یہ وحشی نہیں تھے لے پر قیصر فلنلی

اور ویچ (PROF: FLEULEY. WEECH) لکھتے ہیں۔

” ایک نئے مذہب (اسلام) نے عربوں میں باہمی اتحاد۔ جذبہ قیادت اور فتوحات کیلئے ایک زبردست محرک پیدا کر دیا تھا، اس کے علاوہ ان فتوحات کے کچھ اور بھی اسباب ہیں۔ مثلاً شام کے عربوں کا حجاز کے عربوں کے ساتھ نسلی تعلق اور عین اس وقت جبکہ عرب پھیل جانے کیلئے تیار کھڑے تھے مشرقی رومی سلطنت اور ایرانی حکومت کا مسلسل باہمی جنگوں کی وجہ سے شکستہ حال ہو جانا مشرقی رومی سلطنت نے اپنے دشمن دیرینہ ایران کو شکست فاش ضروری تھی۔“

لیکن اس کا بہت بڑا خمیازہ اس صورت میں بھگتنا پڑا کہ خود رومی سلطنت میں مذہبی اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے علاوہ عرب بڑے بہادر جنگ آزمودہ اور جفاکش زندگی کے عادی تھے۔ لے

عہد حاضر کا مشہور مصنف ایچ۔ جی۔ ویلز لکھتا ہے

در اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اسلام کا سیلاب - ایرانی - رومی - یونانی یا مصری بہت تہذیب کو بہا کر لے گیا تو تم جس قدر جلد اس غلط خیال کو دماغ سے نکال دو اتنا ہی اچھا ہے اسلام کو جو غلبہ اور اقتدار حاصل ہوا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس زمانہ کا ایک بہترین معاشرتی اور سیاسی نظام تھا۔ اسلام جہاں کہیں پہنچا اس کو ایسے لوگ نظر آئے جو سیاسی اعتبار سے اپنی اپنی حکومتوں سے نفرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ لٹے کھٹے تھے۔ مظلوم و پامال تھے۔ احمق بنا لے ہوئے تھے۔ غیر تعلیم یافتہ اور غیر منظم تھے اور جن کی خود غرض اور فاسد حکومتیں ان کی ساتھ کوئی رابطہ و تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ اسلام وسیع ترین - تازہ ترین اور سب سے زیادہ صاف ستھرا اور پاکیزہ سیاسی فکر تھا جو دنیا میں آیا اور جس نے پوری انسانیت کو ایسا بہتر نظام دیا جو آج تک کسی نے نہیں دیا تھا۔ رومی شہنشاہت کا سرمایہ دارانہ اور غلام ساز نظام - اور یورپ لٹریچر کلچر - اور اس کی کوشش روایات یہ نسب کے سبب اسلام کے عروج و ارتقار کے سامنے شکست کھا کر پارہ پارہ ہو گئے۔ لے

پروفیسر فلپ - کے - ہٹی لکھتے ہیں -

”اسلام کا نعرہ جنگ بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ دنیا کی دو عظیم جنگوں میں نعرہ جنگ جمہوریت تھا اس کے علاوہ اسلام نے ان قبائل میں اتحاد پیدا کر دیا تھا جو اب سے پہلے کبھی متحد نہیں ہوئے تھے۔ اگرچہ مسلمانوں کا یہ عجز اور ولولہ بڑی حد تک اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اس کے نتیجے میں حصول جنت کے جذبہ پر مبنی تھا

لے ورلڈ ہسٹری لے HISTORY OF THE WORLD P 329 (نقہ صفحہ ۲۹۶)

تاہم ملال خصیب کی سرسبز زمین کے عیش و آرام سے لطف اندوز ہونے کی خواہش بھی بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں موجزن تھی اور ان کے جذبہ جہاد کی محرک تھی لے فتوحات کے اصل اسباب مغربی مصنفین نے مذکورہ بالا سطور میں جو کچھ لکھا ہے اگرچہ وہ سب صحیح نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ صداقت سے بالکل دور بھی نہیں ہے مسلمان مصنفین اور خاص کردہ حضرات جو قدیم طرز تعلیم کے حامل ہیں ان کا خاصہ ہے کہ اگر کوئی مغربی مصنف مسلمانوں کی غیر معمولی کامیابی میں کسی اقتصادی اور معاشی وجہ کو دخل مانتا ہے تو وہ چرط سے جاتے ہیں حالانکہ خود صحابہ کے طرز عمل سے ثابت ہے کہ نوآباد کاری میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہونے میں اقتصادی وجوہ کو بڑا دخل ہوتا تھا۔ چنانچہ جنگ و لجہ کے موقع پر حضرت خالدؓ نے جو تقریر کی تھی اس کے متعلق طبری کے الفاظ یہ ہیں -

وقام خالد في الناس خطيبًا  
يرغبهم في بلاد العجم و  
يزهدهم في بلاد العرب -  
حضرت خالد لوگوں کو خطبہ دے کیلئے کھڑے ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو بلا دینے کی طرف رغبت دلائی اور بلا دینے کی طرف سے ان میں بے رغبتی پیدا کی۔  
آپ نے عراق کی سرسبز زمین و شادابی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا دیکھا تم نہیں دیکھتے یہاں میٹھے تو دووں کی طرح کھانے کے انبار لگے ہوئے ہیں اخلاک کی قسم! اگر جنگ سے ہمارا مقصد اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا اور لوگوں کو اس کے دین کی طرف بلانا نہ ہوتا۔ اور صرف معاش ہوتا تب بھی صائب رائے کی بات یہ ہی ہوتی کہ ہم ان سرسبز و شاداب علاقوں کیلئے جنگ کرتے۔ تاکہ ہم ان کے مالک بن جاتے اور بھوک لودن قلت طعام ان لوگوں کیلئے چھوڑ دیتے جو سستی اور کاہلی کی وجہ سے تمہاری جدوجہد میں تمہارے شریک نہیں ہیں۔ لے

لے HISTORY OF SYRIA PAGE 419 مغربی مصنفین کے جو حوالے اور پرزور سے ہیں ان کو ڈاکٹر محمد الدین نے اپنی قابل قدر کتاب ”سابقہ“ میں جو انگریزی زبان میں ہے اور جس کو فریڈ سنز لاہور نے شائع کیا ہے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ ہم نے یہ حوالے اختصار کیساتھ اس کتاب سے اخذ کیے ہیں

لے طبری ج ۲ ص ۵۵۹۔



اسی طرح ایک مرتبہ جریر بن عبداللہ الجلی اپنے قبیلے کے سات سو آدمیوں کو لیکر حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم سب لوگ شام میں آباد ہونا چاہتے ہیں جہاں ہمارے آباؤ اجداد پہلے سے موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم لوگ شام میں آباد ہو کر کیا کرو گے۔ اللہ نے اس کی شان و شوکت کم کر دی ہے۔ ہاں البتہ عراق جاؤ اہل عراق اور اس قوم سے جہاد کرو جو زندگی کی تمام راہوں پر خود قابض ہو کر بیٹھ گئے ہیں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو انصاف پسندی سے عراق کے اسباب معیشت میں تم کو بھی ان لوگوں کا شریک بنا دے اور تم بھی اس کے ساتھ ساتھ زندگی بسر کر سکو۔

اس کے علاوہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا اس زمانہ میں ایران اور روم دونوں کی اخلاقی حالت انتہا درجہ سقیم اور زہروں تھی۔ حکمران طبقہ علوم پر ظلم و ستم کرتا اپنے عیش و آرام کیلئے ان پر بھاری بھاری ٹیکس لگانا اپنا مورد وثق اور طبعی حق سمجھتا تھا۔ ایران میں مزدکی تعلیم نے اور شام میں عیسائیت کی محنت شکل اور مذہبی پیشروں کی اقتدار پسندی نے ملک بھر میں سنگرات و فواجس کو عام کر دیا تھا اور اس کے بالمقابل ہر مسلمان عرب اخلاق و مکارم کا نمونہ تھا اس بنا پر بقائے اصلاح (SURVIVAL OF THE FITTEST) کے قانون فطرت کے مطابق مسلمانوں کے سامنے ان دونوں کا شکست کھانا یقینی امر تھا

قرآن مجید میں ہے  
لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ. فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً. ہر قوم کی ایک مدت ہوتی ہے جب وہ مدت پوری ہو جائے تو پھر نہ ایک گھنٹہ کی گھنٹہ ہی بچھے۔  
ان اقتصادی اور اخلاقی اسباب کے علاوہ جہاں تک مادی اسباب کا تعلق ہے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ ان فتوحات میں حضرت خالد بن الولید کی غیر معمولی شجاعت و بسالت۔ حیرت انگیز فوجی تدبیر اور جنگی فراست و دوراندیشی کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ تم پڑھ آئے ہو کہ طوق صدیق مسلمان اور رومی فوجیں کم و بیش تین ماہ تک ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں اور معمولی جھڑپوں کے علاوہ کسی طرف سے بھی کوئی بڑا اقدام نہیں ہوا۔ لیکن حضرت خالدؓ نے پہنچتے

۱۔ طبری ج ۲ ص ۶۴۷ ذکر واقعہ دریب۔

ہی میدان کارزار کا نقشہ بدل دیا اور کل چھیالیس ہزار فوج سے دو لاکھ سے زائد رومیوں کی صفیں اکٹ کر رکھ دیں۔

یہ جو کچھ کہا گیا اپنی جگہ سب مسلم اور درست ہے۔ لیکن درحقیقت فتوحات کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی جنگ اللہ کیلئے۔ اور ایک اعلیٰ ترین مقصد حیات کی تکمیل کی غرض سے تھی۔ اس بنا پر جو بے نفسی، بے غرضی، اور مخلصانہ جوش اور ولولہ ان میں ہو سکتا تھا کسی اور میں نہ تھا۔ پھر قرآن مجید کی آیات اور آنحضرتؐ کے ارشادات جو عراق و شام کی فتوحات سے متعلق تھے ان سب نے مسلمانوں میں امر و جہاد یقین و اطمینان اور اعتماد پیدا کر دیا تھا کہ بڑے سے بڑے خطرات میں بھی محصور ہو کر گھبراتے نہیں تھے ایک انسان کو سب سے زیادہ خوف موت کا ہو سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے عقیدہ میں یہ موت جو اللہ کے راستہ میں آئے موت نہیں بلکہ عین حیات اور اصل زندگی تھی۔ پھر فطرتاً و طبعاً جو جفا کشی۔ سخت کوشی اور مصائب میں نہ گھبرانے کا ملکہ عربوں میں تھا۔ ایران اور روم کے خوش عیش سپاہیوں سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

## مرض الموت اور وفات

الوار کا دن تھا جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کی ساتویں تاریخ تھی، اس روز سردی شدید تھی حضرت ابو بکرؓ نے غسل کیا اور اس کے بعد ہی بخار ہو گیا جو وفات کے روز تک مسلسل پندرہ دن چڑھا رہا۔ ہر چند معالجہ کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لوگ حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کرتے تھے کہ آپ نے طبیب کو بھی دکھایا ہے فرماتے وہاں اس نے مجھ کو دیکھا ہے، پھر پوچھتے وہ وہ کیا کہتا ہے، جواب دیتے وہ کہتا ہے کہ یہ افعلی ما اشاء، جو میں چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ ضعیف اتنا شدید ہو گیا کہ باہر نماز کیلئے بھی نہیں جاسکتے تھے تو حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں۔

بعض روایتوں میں مرض کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ حارث بن کلہہ کیساتھ حضرت

ابوبکرؓ کو ایک یہودی نے چاول میں زہر ملا کر کھلا دیا تھا۔ یہ سال بھر کے بعد اس زہر کا اثر تھا لے حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ دراصل حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا غم اس قدر شدید ہوا تھا کہ وہ اندر ہی اندر گھلتے اور گپھلتے رہے انکو اس سے پنپنا نصیب نہیں ہوا تمام صحابہ کرام کو اس سے سخت تشویش تھی۔ عیادت کیلئے آتے رہتے تھے۔ لیکن چونکہ حضرت عثمانؓ پر دوس میں ہی رہتے تھے اس لیے صحابہ میں سب سے زیادہ تیمارداری کا شرف انہیں کو حاصل ہوا لے

جانشینی کے لئے مشورہ | لیکن بیماری کی اس شدت کے باوجود کیا مجال تھی کہ امور خلافت و امامت اور مسلمانوں کے اہم معاملات کی طرف سے بے توجہی برتن جاتی۔ اس وقت سب سے اہم معاملہ آپ کی جانشینی تھا۔ آپ کے سامنے وقت کا اہم سوال تھا کہ اگر خود کسی کی نامزدگی نہیں کرتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ نندنہ و فساد ہوا اور نامزدگی کریں تو کس کی؟ ایک سے ایک بڑھ کر معدن اسلام کا نعل و گوبر تھا۔ اگرچہ آپ کا ذاتی رجحان حضرت عمرؓ کی طرف تھا۔ لیکن اکابر صحابہ سے مشورہ کیے اور ان کی رائے معلوم کیے بغیر اس کا اعلان نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوف آئے تو ان سے یہ گفتگو ہوئی۔

حضرت ابوبکرؓ ۱۔ عمرؓ کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ۱۔ آپ مجھ سے ایک ایسی بات پوچھتے ہیں جس کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

ابوبکرؓ ۱۔ پھر بھی آخر تمہاری رائے بھی تو معلوم ہو۔

عبدالرحمنؓ ۱۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ وہ بہترین آدمی ہیں۔ لیکن مزاج میں سختی اور تشدد ہے۔

ابوبکرؓ ۱۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں جب انکو خلافت مل جائے گی تو وہ خود سختی چھوڑ دیں گے۔

اس کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ آئے تو ان سے گفتگو اس طرح ہوئی۔

ابوبکرؓ ۱۔ عمرؓ کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟

عثمانؓ ۱۔ اس بات کو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔

ابوبکرؓ ۱۔ اے ابو عبداللہ! میں تم سے تمہاری اپنی رائے پوچھتا ہوں مجھ کو بتاؤ۔

عثمانؓ ۱۔ مجھ کو اتنی بات معلوم ہے کہ عمرؓ کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ان جیسا ہم میں کوئی نہیں ہے۔

پھر حضرت اسید بن خضیر آئے اور ان سے ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا "میں آپ کے بعد عمرؓ کو بہترین آدمی سمجھتا ہوں، وہ خوش ہونے کی باتوں میں خوش اور ناخوش ہونے کی باتوں پر ناراض ہوتے ہیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہے آپ کے بعد خلافت کا مستحق ان سے زیادہ قوی اور مضبوط دوسرا کوئی اور نہیں ہو سکتا لے

ان کے علاوہ سعید بن زید اور اکابر مہاجرین و انصار سے بھی آپ نے مشورہ کیا اور سب نے حضرت عمرؓ کے حق میں رائے دی۔ لیکن باہر لوگوں میں اس کا چرچا ہوا کہ حضرت عمرؓ خلیفہ ہو نہ پالے ہیں تو طلحہ بن عبداللہ آئے اور بولے "اے ابوبکرؓ! آپ کو معلوم ہے کہ عمرؓ کے مزاج میں کس قدر تشدد اور سختی ہے، اس کے باوجود آپ ان کو اپنا جانشین نامزد کر رہے تو کل اپنے پروردگار کو جب وہ آپ سے باز پرس کرے گا کیا جواب دیں گے؟

حضرت ابوبکرؓ بیٹے ہوئے تھے طلحہ کی زبان سے یہ بات سن آپ کو طیش آگیا، بولے، "ذرا مجھ کو ٹھہرا دو، لوگوں نے ٹھہرایا تو فرمایا، "کیا تم مجھ کو میرے پروردگار سے ڈراتے ہو؟ میں جب اپنے رب سے طوں گا اور وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں کہوں گا کہ اے خدا! میں نے تیرے بندوں پر ایک تیرے بہترین بندہ کو خلیفہ مقرر کیا ہے لے

حضرت عمرؓ کی نامزدگی | جب سب لوگ چلے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا حضرت عمرؓ کی جانشینی کا پروردگار نے تمہیں، وہ تلم دولت لیکر بیٹھے تو حضرت نے کہا نکھو۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہذا ما عہد ابوبکر بن ابی قحافة الی المسلمین۔

اما بعد :- یہیں تک بولنے پائے تھے کہ غشی طاری ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ کو پہلے سے معلوم تو تھا ہی۔ انہوں نے اس خیال سے کہ اگر اسی بے ہوشی کے عالم میں حضرت ابو بکرؓ کی وفات ہو گئی اور یہ پروانہ لیوں ہی ناکمل رہا تو کہیں ملک میں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اما بعد کے بعد از خود استخلاف علیکم عمر بن الخطاب و لہم ال لکم خیراً۔ (میں نے تم پر عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنا دیا ہے۔ اور میں نے اس معاملہ میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی ع کی عبارت لکھ ل۔ اب حضرت ابو بکرؓ کو غشی سے آفاقہ ہوا اور حضرت عثمانؓ نے ان کو یہ عبارت پڑھ کر سنائی تو حضرت ابو بکرؓ نے خوشی میں اللہ اکبر کہا اور حضرت عثمانؓ کو د عادی۔ پھر حضرت عثمانؓ کو یہی حکم ہوا کہ لوگوں کو سنادیں۔ حضرت عثمانؓ کی دعوت پر سب جمع ہو گئے۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے اپنے ایک خاص غلام کے ہاتھ یہ پروانہ بھیجا۔ حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے مجمع میں ستر و غل تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر کہ مسلمانوں خلیفہ رسول کا ارشاد سنا، ان کو خاموش کر دیا تو حضرت عثمانؓ نے پروانہ پڑھ کر سنایا۔ سب نے لطیف خاطر سے قبول کیا اتنے میں خود حضرت ابو بکرؓ بالا خانہ پر تشریف لے آئے۔ اور پوچھا کہ لوگو! میں نے تم پر جس کو خلیفہ مقرر کیا ہے وہ میرا عزیز قریب نہیں بلکہ عمرؓ ہیں۔ تم ان کو قبول کرتے ہو؟ سب نے بیک آواز کہا "سمعنا و اطعنا،"

حضرت عمرؓ کو وصایا و نصائح اس سے فارغ ہو کر حضرت عمرؓ کو بلا یا اور فرمایا میں نے تم کو رسول اللہؐ کے اصحاب پر خلیفہ مقرر کیا ہے اس کے بعد ان کو تقویٰ اور پرہیز گاری کی وصیت کی اور پھر حسب ذیل تقریر کی جو فصاحت و بلاغت جو مشن خطابت اور علم و حکمت کا گنجینہ ہے اس لیے ہم اصل تقریر مع ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

یا عمر ان اللہ حقاً باللیل لایقبلہ  
و ماں کو دن میں قبول نہیں کرے گا اور جو حق  
باللیل و انہ لایقبل نافلة حتی  
دن سے متعلق ہے اللہ اس کو شب  
تو دمی الفریجیۃ الہ تر یا عمر انما  
میں قبول نہیں کرے گا (یعنی ہر عمل  
ثقلت موازین من ثقلت موازینہ  
اس کے وقت پر کرنا چاہیے) اور اللہ نقل اس وقت تک

لیوم القیامۃ یا تابعہم الحق و ثقلتہ  
علیہم، و حق المیزان ان لا یوضع  
فیہ غداً الا حق ان یكون ثقیلاً، الہ  
تر یا عمر انما خفت موازین من خفت  
موازینہ لیوم القیامۃ یا تابعہم الباطل؟  
و خفتہ علیہم و حق للمیزان ان لا  
یوضع فیہ الا باطل ان یكون خفیفاً  
الہ تر یا عمر انما نزلت الرخاء مع  
الشدة و آية الشدة مع الرخاء لیكون  
المومن راغباً راغباً و لا یرغب رغبة  
یتمنی فیہا علی اللہ مالیس لہ ولا  
یرهب رعباً یلقی فیہا بید یہ الہ  
تر یا عمر، انما ذکر اللہ اهل النار یا سوا  
اعمالہم فاذا ذکرتمہم قلت انی  
لا رجوان لا الون منہم؟ و انہ انما  
ذکر اهل الجنة یا حسن اعمالہم  
لانہ تجا و نزلہم عما کان من شیئ  
فاذا ذکرتمہم قلت ان عملی من  
اعمالہم؟ فان حفظت وصیتی  
فلا یكون غائب احب الیک من  
حاضر من الموت و لست بمعجزہ لہ  
جب تم ان لوگوں کو یاد کر دے تو کہو کہ میرا عمل ان جیسا کہ ان میں سے میری وصیت یاد رکھی تو ایسا غائب جو تم کو حاضر کی نسبت زیادہ  
محبوب ہوتی ہے سوا، اور کچھ تم کو یاد نہیں ہے میری موت تم کو سب سے زیادہ محبوب ہوگی (در ان حالیکہ تم موت کو عاجز کرنے کا نہیں ہو)

حضرت ثنی جب عراق سے مزید امدادی قرض طلب کرنے کی عرض سے مدینہ آئے تو حضرت ابوبکرؓ اس وقت تک حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر چکے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ثنی کی طلب پر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ سب کام چھوڑ چھاؤں عراق مزید قرض بھیجنے کا بندوبست کیا جائے۔

ذاتی معاملات کی طرف توجہ | اقوام و ملت کے ان مسائل سے فارغ ہو سیکے بعد ذاتی اور خانگی امور و معاملات کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کو ایک جاگیر دی تھی۔ اب خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی اس لئے فرمایا بیٹی! امیری اور غزبی دونوں حالتوں میں تم مجھ کو سب سے زیادہ عزیز رہی ہو۔ میں نے تم کو جو جاگیر دی تھی کیا تم اس میں اپنے بھائی بہنوں کو شریک کر سکتی ہو؟ حضرت عائشہؓ نے اس کو بخوشی کر لیا۔

اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ پوچھا مجھ کو (خلیفہ ہونے کے بعد سے) اب تک بیت المال میں سے کل وظیفہ کتنا ملا ہے؟ حساب کر کے بتلایا کہ چھ ہزار درہم، ہندوستانی سکہ کے حساب سے کم و بیش ڈیڑھ ہزار روپیہ، حکم فرمایا کہ میری فلاں زمین فروخت کر کے یہ روپیہ بیت المال کو واپس کر دیا جائے۔ پھر دریافت کیا کہ میرے مال میں بیعت کے بعد سے کتنا اضافہ ہوا؟ پتہ چلا کہ

(۱) ایک جلشی غلام جو بچوں کو کھلاتا ہے وہ ابھی بھاگتا ہی مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے

(۲) ایک اونٹنی جس پر پانی لایا جاتا ہے اور (۳) ایک چادر جو سوار پیہ کے لگ بھگ دام کی ہوگی ارشاد ہوا کہ یہ تینوں چیزیں وفات کے بعد خلیفہ وقت کی خدمت میں بھیج دی جائیں اس حکم کی تعمیل میں جب یہ چیزیں حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچیں تو بیساختہ جی امنڈ آیا۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے،، اے ابوبکرؓ! تم اپنے جانشینوں کیلئے کام بہت دشوار چھوڑ گئے،،

معینقیب دوسری ابوبکرؓ کے گھر کے منتظم تھے وہ خود بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے مرض وفات میں حاضر ہوا تو میں نے سلام کیا اس وقت حضرت ابوبکرؓ استخلاف کے معاملہ میں مصروف تھے۔ اُس سے فارغ ہو گئے تو مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا،، اے معینقیب تم ہمارے گھر کے منتظم تھے۔ بتاؤ میرا اور تمہارا کیا حساب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے

پچیس درہم آپ کے ذمہ باقی ہیں وہ میں نے آپ کو معاف کئے، فرمایا یہ چپ رہو اور میرے توڑے آخرت کو قرض سے مت تیار کرو، یہ سن کر میں رونے لگا۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا اے معینقیب! آنسو نہ بہاؤ اور گھبراؤ نہیں۔ صبر کرو میں امید کرتا ہوں کہ میں اس جگہ جا رہا ہوں جو میرے لیے بہتر اور پائیدار ہے اس کے بعد عائشہؓ صدیقہؓ کو بلا کر حکم دیا کہ مجھ کو پچیس درہم ادا کر دے جائیں تاکہ تجمیز و تکفین کے متعلق وصیت حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہؐ کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟ بولیں بدتین کپڑوں میں، حضرت ابوبکرؓ اس وقت مجھ کو پھلے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تو بس میرے یہ دونوں کپڑے ہیں اور ایک تیسرا کپڑا بازار سے خرید کر مجھ کو کفن دیدینا، ام المومنینؓ نے کہا،، ابا جان! تم تینوں نے کپڑے بازار سے خرید سکتے ہیں،، ارشاد ہوا،، بیٹی! کپڑوں کے زندہ لوگ بہ نسبت مردوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ کفن کے دونوں کپڑے تو اس اور پیس کیلئے ہیں (خراب ہونے کیلئے)۔

اپنی بیوی حضرات اسماء بنت عمیس کو وصیت کی کہ مجھ کو غسل تم ہی دینا۔ انہوں نے کہا مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا، فرمایا، تمہارا بیٹا عبدالرحمن بن ابی بکر تمہاری مدد کرے گا وہ پانی ڈالتا رہے گا،،

اس کے بعد دریافت کیا کہ آج کون سا دن ہے، لوگوں نے کہا دو دوشنبہ، پھر پوچھا رسول اللہؐ کی وفات کس روز ہوئی تھی؟ جواب ملا ”دوشنبہ کے روز“ ارشاد ہوا کہ تو پھر میں امید کرتا ہوں کہ میری بھی آج کے دن ہی موت ہوگی کہ پھر وصیت کی کہ میری قبر رسولؐ اللہ کے پہلو میں بنائی جائے۔

ان وصیتوں سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ سکرات موت شروع ہو گئے عین اس وقت جبکہ جانکن کا وقت تھا حضرت عائشہؓ جو سرانہ بیٹھی تھیں حسرت سے یہ شعر پڑھے لگیں

وَابَيْضَ نَسْتَسْقِي الْغَمَامَ بُوَجْهِهِ لَمَّا لَيْتَامِي عَمَةً لِلدَّارِ مَلِ

وہ پر نور صورت جس کے چہرہ کا صدقہ دیکر بادلوں سے بارش مانگی جائے جو تینوں پر مہربان ہوا اور فقور و کناہ ہوا حضرت ابوبکرؓ کے کان میں یہ شعر پڑا تو چونکہ شاعر نے یہ شعر آنحضرتؐ کی شان

میں کہا تھا اس لیے ان کے جذبہ احترام و ادب نبویؐ نے اس کو گوارا نہیں کیا کہ وہ ہی شعر ان کیلئے بھی پڑھا جائے۔ فوراً انکھیں کھول دیں اور بولے "یہ شان تو صرف رسول اللہؐ کی تھی۔ اسی شدت و کرب کے لحاظ میں ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی زبان پر بیسیا سختہ یہ شعر جاری ہو گئے۔

وکل ذی ایل مودت وکل ذی سلب مسلوب  
وکل ذی غیبة یؤوب وغانب الموت لالیوب  
(اور ہر اونٹ والے کو ایک دن اپنا مال ملت کو سو پنا ہے اور ہر ٹٹے والے کو خود لٹا ہے اور ہر غائب ہونے والا واپس آجاتا ہے۔ لیکن موت کا غائب واپس نہیں ہوتا)

حضرت ابو بکرؓ نے یہ شعر سنے تو فوراً فرمایا "میں بیٹا بلکہ اصل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے "وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ  
ذَالِكِ مَا لَئِنَّمِنُ مِنْهُ تُحْيِدُ  
اور موت کی سچائی حق کیساتھ آگئی یہ ہی ہے جس سے تو کراتا تھا۔

آخر وہ گھڑی بھی آگئی جو مقرر تھی۔ ایک بچکی آئی اور خلافت و امامت کا آفتاب عالمات دنیا سے روپوش ہو گیا۔ آخر وقت دیان مبارک پر یہ دعا تھی۔

رَبِّ تَوْفِيْ مَسْأَلًا وَأَكْحَفِيْ بِالصَّالِحِيْنَ  
لے رب تو مجھ کو مسلمان اٹھا اور صالحین کیساتھ  
حشر کر۔

۲۲ جمادی الثانیہ ۳۳ھ بروز دوشنبہ مغرب اور عشاء کے درمیان وفات ہوئی تھی شنبہ میں ہی وصیت کے مطابق حضرت امما بنت عمیس نے غسل دیا۔ حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر حضرت عمرؓ عثمان بن عفانؓ طلحةؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے قبر میں اتکر اس طرح آنحضرتؐ کے مرقہ انور کے پہلو میں لٹا دیا کہ آپ کا سر حضور اقدسؐ کے شانہ مبارک تک آتا تھا اللہ اکبر آقائے دشمن مشاہد کو نبین کھادب و احترام کامرنے کے بعد بھی یہ اتھا ہے کہ بلبر نہ ہوں بجائے احمد و شہ ہونے کے زیر سایہ دوش ہی ہو کر میں لے

رحمی اللہ عنہم ورضوعنہ وفات کے وقت عمر ۶۳ برس تھی۔ مدت خلافت دوسری تین مہینے اور گیارہ دن ہے۔

صحابہ کرام میں صف ماتم خلیفہ رسول کی وفات آنحضرتؐ کی وفات کے بعد پہلا حادثہ تھا جس نے مدینہ کے باہر و در پر لرزہ ڈال دیا اور پورے جزیرہ نمکے عرب میں صف ماتم پھیل گئی۔ جو شخص حضرت ابو بکرؓ کے جتنا قریب تھا ان کی خوبیوں کے براہ راست علم کی وجہ سے اسی قدر اس کو زیادہ ملان تھا۔ اس سلسلہ میں ہم چند اکابر صحابہ کی تقریروں کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی تقریر طویل ہے۔ لیکن ہم بعینہ اس کو اس لئے درج کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کے باہمی تعلقات کے بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی ہے اس تقریر سے ان کے خیال کی اصلاح ہوگی۔

حضرت علیؓ کا تعزیتی خطبہ حضرت علیؓ کو خلیفہ رسولؐ کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی تو فوراً اِنَاللّٰهُ وَاِنَاللّٰهُ رَاجِعُونَ ۵۔ پڑھتے ہوئے مکان سے باہر تشریف لے آئے اور فرمایا۔  
الیوم انقطع خلافة النبوة  
آج خلافت نبوت کا انقطاع ہو گیا۔

اور پھر جس مکان میں حضرت ابو بکرؓ کی نقشب تھی اس کے دروازہ پر کھڑے مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا جو فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہونے کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ کی حیات طیبہ کا ایک نہایت حسین و جمیل اور ایمان انور زمرق بھی ہے اپنے فرمایا

یرحمک اللہ یا ابا بکر کنت الف رسول اللہ  
لے ابو بکر! خدا تم پر رحم کرے تم رسول اللہ کے محبوب  
والسہ و مستراحة و ثقته و موثق سرہ  
مونسے۔ راحت۔ محنت اور ان کے محرم زاد

مشاورتہ کنت اول القوم اسلاما و اولهم  
ایمانا و اشد هم یقینا و اخوفهم لله و اعظمهم  
غنائی دین اللہ و احوطهم علی  
زیادہ اللہ کا خوف کرنے والے اللہ کے دین کے  
معامل میں سب سے زیادہ نیاز یعنی دوسری چیزوں  
کی پرواہ نہ کرنا بڑا لے رسول اللہ کے نزدیک سب

على الاسلام وامينهم على اصحابه و  
 احسنهم صحبة واکبرهم مناقبا و  
 افضلهم سوابق و ارفعهم درجته  
 و اقربهم وسيلة و اشبههم برسول الله  
 هديا و ممة طائفة و فضلا و اشرفهم  
 منزلة و اکرمهم عليه و اولقدهم  
 عنده فجزاك الله عن الاسلام و عن  
 رسوله خيرا انك عندہ بمنزلة  
 السمع و البصر صدقت رسول الله  
 حين كذبه الناس فسمك الله عز وجل  
 في تنزيهه صديقا قتل و الذي جاء  
 بالصدق و صدق به الذي جاء  
 بالصدق محمد و صدق به ابو بكر  
 و اسينت حين بخلوا و قمت به عند  
 المكاره حين عنه فعدوا  
 و صحبتك في الشدة الكرم الحجة  
 ثاني اثنين و صاحبه  
 في الغار و المنزل  
 عليه

سے زیادہ معتبر۔ اسلام پر سب سے زیادہ  
 مہربان۔ رسول اللہ کے ساتھیوں کیلئے سب  
 سے زیادہ بابرکت رفاقت میں ان سب سے بہتر  
 مناقب اور فضائل میں سب سے بڑھ چڑھ کر  
 پیش قدمیوں میں سب سے افضل دیر تر درجہ  
 میں سب سے اونچے اور وسیلہ کے اعتبار سے  
 آنحضرتؐ سے سب سے زیادہ قریب اور آنحضرتؐ  
 سے سب سے زیادہ مشابہ سیرت میں عادت میں  
 مہربان اور فضل میں، صحابہ میں سب سے  
 زیادہ اونچے مرتبہ والے اور حضور کے نزدیک  
 سب سے زیادہ مکرم اور معتقد تھے۔ پس اللہ  
 اسلام اور اپنے رسولؐ کی طرف سے تم کو جزائے  
 خیر عطا فرمائے تم آنحضرتؐ کیلئے بمنزلہ گوش  
 و چشم تھے تم نے حضورؐ کی تصدیق اس وقت کی جبکہ  
 لوگوں نے آپؐ کی تکذیب کی۔ اس لئے اللہ  
 تعالیٰ نے اپنے کلام میں کو صدیق کہا ہے چنانچہ  
 زما والذی جاء بالصدق و صدق به سچاؤ  
 لانے والے محمدؐ ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے ابو بکر  
 تھے حضورؐ کیساتھ غم خواری اس وقت کی جبکہ لوگوں  
 نے بخل کیا اور تم ناگوار باتوں کے وقت حضورؐ کیساتھ اس وقت بھی کھڑے رہے جبکہ لوگ آپ سے  
 بچھڑ گئے۔ تم نے سختیوں میں بھی حضورؐ کے ساتھ صحبت و رفاقت کا حق با حسن و جوہر ادا  
 کیا۔ تم ثانی اشین اور رفیق غار (نزل) تھے اور پھر سکون نازل ہوا تھا۔

السکينة و رفیقہ الهجرة و خلفته  
 فی دین الله و امتها حسن الخلافة  
 حين لولدت الناس و قمت بالامر  
 مالہ لقیوہ به خلیفة بنی فہضت  
 حين و هن اصحابک و بزرت  
 حين استکافوا حقیت حین  
 خضعوا لزمتم منها ج رسول  
 الله صلی الله علیه وسلم اذا  
 هو و اکت خلیفة حقا له  
 تنازع و لم تصدع  
 بزعم المنافقین و کبت  
 الکافرین و کره الحاسدین  
 و غیظت الباعین و قمت بالامر  
 حين فشلوا و وثبتت اذ تصغفوا  
 و مضیت بنور الله اذ وقفوا  
 فاتبعوک فهدوا و اکت اخفضهم  
 صوتا و اعلاهم فوقا و امثلهم  
 کلاما و اصولهم منطقا و  
 اطولهم صمتا و ابغهم قولا  
 و اشجعهم نفسا و اعرفهم بالامور  
 و اشرفهم عملا کنت و الله للدين  
 ليعسوا و اولحين لفر

تم ہجرت میں آپ کے رفیق تھے اور اللہ کے  
 دین میں اور رسول اللہ کی امت پر۔ تم آپ کے ایسے  
 خلیفہ بنے جس نے اس وقت خلافت کا حق ادا کر دیا جبکہ  
 لوگ مرتد ہو گئے تھے اور تم نے خلافت کا وہ حق ادا  
 کیا جو کسی پیغمبر کے خلیفہ نے نہیں کیا تھا۔ چنانچہ تم نے  
 اس وقت مستندی دکھائی جیسا کہ تمہارے ساتھی سمجھتے  
 ہو گئے اور تم نے اس وقت جنگ کی جیسا کہ وہ عاجز ہو گئے  
 تھے جیسا کہ زور تھے تو تم قوی رہے اور تم نے رسول  
 اللہ کے راستہ کو اس وقت قائم رکھا جبکہ لوگ پست  
 ہو گئے تھے تم بلا نزاع و تفرقہ خلیفہ حق تھے اگرچہ  
 اس سے منافقوں کو غصہ اکھار کو سرخ حائل  
 کو کراہت اور باغیوں کو غیظ تھا تم امر حق پر پڑے  
 رہے جبکہ لوگ بزدل ہو گئے اور تم ثابت قدم رہے  
 جب وہ ڈنگا اٹھے تم اللہ کے نور کو یہ بڑھتے  
 رہے۔ جب لوگ کھڑے ہو گئے آخر کار انہوں  
 نے آپ کی پیروی کی اور ہدایت پائی۔ آپ کی آواز  
 ان سب سے زیادہ پست تھی۔ مگر آپ کا مرتبہ  
 ان سب سے اونچا تھا۔ تمہارا کلام سب سے زیادہ  
 سنجیدہ تھا۔ سب سے زیادہ تمہاری گفتگو درست  
 تھی آپ سب سے زیادہ خاموش رہنے والے تھے  
 آپ کا قول سب سے زیادہ بلیغ تھا۔ شجاعت میں  
 آپ سب سے بڑھتے ہوئے تھے معاملات کو سب سے زیادہ سمجھتے  
 تھے اور پھر تمہاری عمر دین سے بڑھے تو آپ آخری سردار تھے جیسا کہ دین کی طرف متوجہ

رہے گو کمر در لیکن اللہ  
 کے اعتبار سے متواضع  
 نگھوں اور دلوں میں  
 نسبت نہ کوئی طنز کرنا تھا  
 یہ نہ کسی کو طع تھی اور نہ  
 اور پست آدمی تمہارے  
 تھے اور قوی تمہارے  
 سے حق لیتے تھے اور  
 کی نگاہ میں یکساں تھے  
 حق ہوتا تھا وہی تمہارا سب  
 ان حق سچائی اور نرمی  
 اور درویشی  
 ہا اب آپ دنیا سے رخصت  
 بشکل آسان ہو گئی آگ بھج  
 ہی ہو گیا اسلام اور مسلمان  
 سب آگیا۔ اگرچہ کافروں کو  
 محنت پیش قدمی کی اور  
 تم فرسے کا سیاب ہوئے تم  
 ایکایک تھے تمہاری موت کی  
 ہی طرح محسوس کی جا  
 بت نے تو تمام دنیا

فی السماء وهدت مصیبتک الالہ  
 فانابہ وانا الیہ راجعون ورضینا  
 عن اللہ قضاه وسلمنا لامرہ  
 فواللہ لئن یضاب المسلمون لجد  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 بمثلک ابدًا لکنت للذین عزوا وحرزوا  
 کھشاہ ولامؤمنین فئۃ وحملاً وعتیاً  
 وعلی المنافقین غلظۃ وعیطاً فالحمک  
 اللہ بنیل صلی اللہ علیہ وسلم ولا  
 حرماً اجرک ولا اضلنا بعدک فاننا  
 للہ فانما الیہ راجعون - اے

ہم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹنے والے  
 ہیں اللہ کی قضاء پر ہم راضی ہیں ہم نے اپنا معاملہ اس کے سپرد  
 کر دیا ہے بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے  
 بعد تمہاری موت جیسا کہ حادثہ بیسملہ میں پرکھی  
 نازل نہیں ہوا۔ تم دین کی عزت۔ جلے پناہ اور حفاظت  
 گاہ تھے مومنوں کیلئے ایک گروہ۔ قلعہ اور دارالاس  
 تھے۔ منافقوں کے واسطے تشدد اور غضب  
 تھے۔ پس اللہ تم کو تمہارے نبی سے ملا دے  
 اور تم کو تمہارے بعد تمہارے اجر سے  
 محروم اور گمراہ نہ کرے  
 فانما للہ وانا الیہ راجعون ط

جب تک حضرت علیؑ یہ خطبہ پڑھتے رہے سب لوگ جو وہاں موجود تھے خاموش  
 رہے لیکن خطبہ ختم ہوتے ہی سب بے تحاشا اس طرح رونے لگے جیسا کہ نکل گئیں اور سب نے  
 بیک آواز کہا ہاں بیشک اے رسول اللہ کے داماد آپ نے سچ فرمایا۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

وہ اے ابابا! اللہ آپ کو سرسبز و شاداب کرھے اور آپ کو آپ کی بہترین کوششوں کا بدلہ  
 عطا فرمائے۔ آپ نے دنیا سے منہ موڑا تو اس کو ذلیل کر دیا۔ اور آخرت کا رخ کیا تو آپ نے  
 اس کو عزت بخش دی اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا حادثہ وفات سب  
 سے بڑا حادثہ ہے لیکن بہر حال اللہ کی کتاب ہم کو حکم کرتی ہے کہ ہم صبر کریں اور یہ صبر ہی  
 آپ کی وفات کا سب سے اچھا عوض ہے اور میں اللہ سے امید کرتی ہوں کہ وہ مجھ کو میرے صبر  
 کا بدلہ دے کر اپنا وعدہ پورا کرے گا۔

اے ابابا! آپ اپنی اس بیٹی کا آخری سلام قبول کیجیے جس نے آپ کی زندگی میں کبھی آپ کے  
 ساتھ پر خاش نہیں رکھی یا وہ اب آپ کے رنے پر وہ جزع و فزع نہیں کر رہی ہے۔  
 حضرت عمر فاروقؓ گھر میں داخل ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ کی نقش کو خطاب کر کے فرمایا  
 وہ اے خلیفہ رسول اللہ! آپ نے دنیا سے رخصت ہو کر قوم کو سخت محنت و مشقت میں  
 مبتلا کر دیا۔ آپ کا سا ہونا تو درکنار۔ اب تو کوئی ایسا بھی نہیں جو آپ کی گردنک پہنچ سکے۔  
 آنحضرتؐ کی بشارت | یہ نوحہ تمام تو اس عالم آب و گل میں برپا تھا۔ لیکن عالم ملکوت میں اس  
 وقت کیا ہو رہا تھا؟ اس کا اندازہ اس سے ہو گا۔ کہ خود حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ میں  
 نے ایک مرتبہ رسول اللہ کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ائْزِجِي  
 إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً  
 اے نفس مطمئنہ تو اپنے پروردگار کی طرف  
 ہنسی خوشی چلا آ۔

اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا خوب ارشاد رہا ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا وہاں! اے ابو بکر! جب تم کو موت آئیگی تو اس وقت جبرئیل امین تم سے یہ کہیں گے اے

## نظامِ حکومت

آج کل کا سب سے ترقی یافتہ اور بہتر طرز حکومت جمہوری ہے۔ اس لیے ہمارے  
 مسلمان مصنفین اور ارباب قلم بھی عام طور پر یہ کہنے لگے ہیں کہ اسلام خود جمہوری طرز حکومت کا  
 قائل ہے اور خلفائے راشدین کا طرز حکومت بھی جمہوری تھا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن  
 مجید۔ سنت رسول۔ اور خلفائے راشدین کے عمل سے جو طرز حکومت ثابت ہوتا ہے وہ اپنی اصل  
 حقیقت کے اعتبار سے آج کل کی دستوری اصطلاح میں نہ جمہوری ہے اور نہ شخصی۔ وہ نہ  
 دینی (THEOCRATIC) ہے اور نہ اشرافی و خواصی (ARISTOCRATIC) بلکہ وہ یہ  
 سب کچھ ہے اور ان سب سے الگ بھی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ دینی حکومت (THEOCRATIC GOVERNMENT) میں بادشاہ کو خدا مانا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرعون مصر کے ہاں دستور تھا یا اس کو نفل خداوندی تسلیم کیا جاتا ہے جیسا کہ یورپ کے قرون وسطیٰ میں رواج پایا جاتا تھا۔ ان دونوں صورتوں میں بادشاہ مطلق العنان ہوتا ہے۔ اس کا ہر لفظ فرمودہ الہی ہوتا ہے اور اس بنا پر اس سے انحراف کرنا تو کجا کوئی شخص اس پر تنقید بھی نہیں کر سکتا۔

اسلام میں اس تخیل کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حکمران و فرمانروا۔ یا ایک خلیفہ تو انوکھ رہا خود پیغمبر جس کے متعلق معصوم ہونیکا عقیدہ ہوتا ہے وہ بھی حقوق العباد یا دنیوی معاملات میں انہیں قوانین کا پابند ہوتا ہے جو عام لوگوں کیلئے ہوتا ہے اور ان امور میں بھول چوک کا احتمال دوسروں کی طرح پیغمبر کے ساتھ بھی لگا رہتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہو سر دینا کلمہ، اور اس کے علاوہ احادیث و سیر کی کتابوں میں متعدد واقعات مذکور ہیں جن میں آپ نے خود اپنے خلاف مقدمات سنے اور ان کے بارہ میں منصفانہ فیصلہ کیا ہے پس جب خود رسول اللہ کے متعلق الوہیت کا عقیدہ نہیں ہو سکتا تو خلیفہ رسول اللہ کی نسبت یہ عقیدہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بیعت کے بعد جب لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ "یا خلیفۃ اللہ" کہہ کر مخاطب کیا تو آپ نے فوراً اس کی تردید کی اور فرمایا۔ لست بخلیفۃ اللہ و لکنی خلیفۃ رسول اللہ، میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں البتہ خلیفۃ رسول اللہ ہوں۔

بنو عقیقہ میں بیعت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جو خطبہ دیا تھا اور جس کو تم بیعت کے موقع پر پڑھا آئے ہر اس میں صاف صاف کہا تھا کہ اے لوگو! میں تم سے بہتر آدمی نہیں ہوں۔ میری تمنا تھی کہ یہ ذمہ داری کسی اور کو سپرد کی جاتی۔ لیکن بہر حال اب جبکہ تم نے مجھ کو منتخب کر لیا ہے تو اگر میں ٹھیک ٹھیک چلوں تو میری اطاعت کرو ورنہ اگر غلط راستہ پر گامزن ہوں تو تم مجھ کو ٹھیک اور درست کر دو۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آج کل کی مروجہ دستوری اصطلاح میں جس طرز حکومت کو دینی

لے دیکھو میرٹ ابن ہشام ص ۲۴۲۔ میرٹ شاہی میں بھی اس طرح کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

حکومت کہا جاتا ہے۔ اس کے اعتبار سے اسلامی طرز حکومت ہرگز دینی نہیں ہے۔ البتہ ہاں اس حیثیت سے بے شبہ دینی حکومت ہے کہ اس حکومت کا منشور اور دستور قانون الہی ہے۔ منزل من اللہ ہے جبکہ رو سے فرماں روا اور مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کرتے ہیں اور آوا امر دنو ابی شریعت کے پابند رہتے ہیں۔

اسی طرح بطرز حکومت اشرافی یا خواصی طرز حکومت بھی نہیں ہے کیونکہ یہ حکومت اونچے طبقہ والوں کی انی طبقہ کے لوگوں پر خواص کی محام پر اور لبرال کی عزیزوں پر ہوتی ہے لیکن جیسا کہ ہم نے خلافت کی حقیقت کی بحث میں بتایا ہے۔ اسلام میں سر سے طبقاتی تقسیم کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ ہر وہ مسلمان جو فرض و واجبات خلافت کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ خلافت کیلئے منتخب کیا جا سکتا ہے۔ حضرت خدیفہ کے غلام سالم کیلئے حضرت عمر فاروق کا یہ فقرہ پہلے گزر چکا ہے۔ کہ آج سالم زندہ ہوتے تو میں ان کو والی بنا تا۔

اسلام میں شخصی حکومت کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیعت سے کسی کی خلافت و نیابت کی وصیت نہیں کی۔ اور یہی عمل خلفائے راشدین کا بھی رہا۔ پھر قرآن مجید میں مسلمانوں کی نشان دہی بیان کی گئی ہے۔ کہ وہ کسی ایک معاملہ میں بھی استبداد کو راہ نہیں دیتے اور یا یہی مشورہ سے اپنے معاملات انجام دیتے ہیں۔

والذی استجابوا للربھم و اقاموا الصلوٰۃ اذین لو کول سئلے رب کی دعوت پر لبیک کہا ناذا و امر ہم شورجی بینہم و صما رقتہم تام کی ہیں۔ اور ان کے معاملات باہمی مشاورت سے یفتقون ۵

طوطے پر آمدہ خدا کے کلمے کو رزق سے خرچ کرتے ہیں

عبداللہ یوسف علی صاحب اپنے مشہور انگریزی ترجمہ قرآن مجید میں اس آیت پر اپنے ایک نوٹ میں لکھتے ہیں۔

اس آیت میں مشاورت یا ہمہ کا جو اصول بیان کیا گیا ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خانگی اور پبلک دونوں قسم کی زندگی میں پورے طور پر عمل کیا اور آپ کے بعد جو ابتدائی دور کے حکمران تھے انہوں نے بھی اسکی مکمل پیروی کی۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کو حکومت پر باستی امور میں اسی اصول پر عمل کرنے کی ایک نامکمل سی کوشش ہے۔



اس کے علاوہ خام آنحضرتؐ کو خطاب کر کے حکم دیا گیا۔  
 وشاورهم فی الامر فاذا  
 اور آپ معاملات میں لوگوں سے مشورہ لیجئے  
 عزمت فتوکل علی اللہ  
 لیکن جب عزم کر لیں تو پھر اللہ پر توکل کیجئے۔  
 ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ اپنے ممبر برحق تھے اس لئے آپ کو کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت  
 نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن چونکہ آپ کو مشورہ قائم کرنا اور اسوہ بنانا تھا۔ اس لئے قرآن میں  
 آپ کو مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور آپ برابر اس پر عمل کرتے رہے یہاں  
 تک کہ عمال اور امراء کا تقرر بھی آپ مشورہ سے ہی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن  
 مسعود کی نسبت فرمایا۔  
 لو کفتم مؤمناً احدًا البغیر مشورۃ  
 اگر میں کسی شخص کو مشورہ کے بغیر میرا ناتوا  
 لامرت ابن ام عبد اللہ  
 ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کو بنا تا۔  
 آپ کے بعد حضرت ابو بکر کا عمل بھی یہی رہا۔ معمولی سے معمولی کوئی معاملہ بھی جس کا  
 تعلق نظم و نسق اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے ہوتا تو مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ  
 نہیں کرتے تھے۔

تخرین میں بزاخر نام کا ایک مقام ہے یہاں کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ بعد  
 میں ان کو پشیمانی ہوئی تو حضرت ابو بکر کی خدمت میں حاضر ہو کر معفو خواہ ہو گئے  
 اور اپنے گزشتہ اعمال سے توبہ کی۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا "تم اب جو جنگوں میں جا کر  
 اونٹ چرواؤ میں مہاجرین سے مشورہ کر کے تم کو جواب دوں گا، چنانچہ اپنے ایک اجتماع  
 طلب فرمایا اور جو کچھ ان کے اور آپ کے درمیان گفتگو ہوئی تھی وہ پبلک کے سامنے رکھی  
 مشورہ کے بعد مسلمانوں کی شان پر بھی بیان کی گئی ہے کہ مشورہ سے جو بات طے  
 پائے اس کی پابندی کی جائے۔

طاعة و قول معروف فانما  
 اطاعت اور قول معروف ہے۔ اور جب ایسا بات  
 عزم الامر فلو صدقوا اللہ  
 طے ہو جائے تو پھر جو لوگ اللہ سے سچے ہوں گے

لہ سنن ترمذی ج ۱ کتاب النایب لہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۰ باب من نکث بیعتہ۔

لکان خیر اللہ  
 ان کے لئے یقیناً بہتر ہو گا۔  
 اب ہاٹرز جمہوری حکومت اب تو اس میں شبہ نہیں کہ اپنی اصل اس پرٹ اور روح کے  
 اعتبار سے اسلامی طرز حکومت جمہوری ہی ہے۔ چنانچہ :-  
 را خلیفہ کا انتخاب رائے عامہ سے ہوتا ہے، خلیفہ کی بیعت کی نوعیت بالکل وہی ہے  
 جو آج کل دوٹ کی ہوتی ہے۔

۱) ہر شخص کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ خلیفہ کے کسی عمل یا فعل پر نکتہ چینی کرے۔  
 ۲) خلیفہ اپنے آپ کو لوگوں سے ممتاز یا برتر نہیں جانتا۔ بلکہ ان کا خادم سمجھتا ہے  
 اور اس وجہ سے اس تک پہنچنے میں کسی کو دشواری نہیں ہوتی لہ  
 ۳) خلیفہ جب کبھی کوئی اہم کام کرتا ہے۔ تو رائے عامہ ضرور طلب کرتا ہے اور ایسا نکتہ  
 و نظر سے مشورہ کرتا ہے۔ اور قطعاً استبداد نہیں برتتا۔

۴) لیکن ہاں اس مشورہ کے بعد وہ اس کا پابند نہیں ہے کہ اکثریت کی رائے پر عمل بھی  
 کرے بلکہ اگر چاہے تو اپنا فیصلہ اسکے خلاف بھی دے سکتا ہے۔ آنحضرتؐ کا  
 معمول یہی تھا۔ قرآن میں بھی یہی فرمایا گیا ہے۔

وشاورهم فی الامر فاذا  
 اور آپ معاملات میں لوگوں سے مشورہ کیجئے  
 عزمت فتوکل علی اللہ  
 لیکن جب ارادہ کر لیں تو پھر اللہ پر توکل کیجئے  
 تم پڑھ آئے ہو کہ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد ہی صحابہ کرام کی عظیم اکثریت  
 اسکے حق میں نہیں تھی کہ حضرت اسامہ کو عرب و شام کی سرحد پر بھیجا جائے لیکن حضرت

لہ اس سلسلہ میں حضرت عمر نے ایک مرتبہ بڑی عمدہ بات کہی۔ ایک مرتبہ اپنے مشرف خاص سے پوچھا  
 میں ایک شخص کو لیرنا چاہتا ہوں۔ بتاؤ کسی کو بناؤں؟ لوگوں نے درباؤ کیا۔ آپ کو کس قسم  
 کا آدمی چاہئے۔ حضرت عمر نے جواب دیا۔ رجل اذا کان امیرہم کانه رجل منہم و اذا لہم  
 امیرہم کانه امیرہم (مجھ کو اب شخص چاہئے کہ جب مسلمانوں کا امیر ہو تو ایسا معلوم ہو کہ گویا  
 انہیں میں کا ایک ہے۔ لیکن جب امیر ہو تو (اپنے کلمات داد و ہاتھ کی دہر سے ان کو  
 امیر ہی معلوم ہوتا ہے۔) منتخب کنز العمال بر مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۱۴۳

ابو بکر نے اسکو نہیں مانا۔ اسی طرح اکثر صحابہ بائعین نکولہ سے قتال کرنے سے عہد نہیں تھے لیکن حضرت ابو بکر نے اس رائے کی مخالفت کی اور آخر وہی کیا جو خود ان کے نزدیک حق تھا اسکے بعد شام پر لشکر کشی کا ارادہ ہوا تو تمام صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا صحابہ بس وپیش میں تھے۔ لیکن حضرت علی نے حضرت ابو بکر کے موافق رائے دی اور آخر اپنے ہی پرکھا لیکن آج کل کی اصطلاح میں جس کو جمہوری نظام حکومت کہتے ہیں اسمیں اور اسلامی جمہوریت میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں عددی اکثریت ہی تمام فیصلوں کا دار و مدار ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی طرف اکا دن دوٹے ہوں اور وہ سب کے سب جاہل و خور و غرق اور معاملہ نا فہم لوگوں کے ہوں اور اس کے برخلاف دوسری ایک دوٹ کم سو یعنی بجا ہیں ہوں۔ لیکن ہر سب معاملہ منہم اور صائب الرائے لوگوں کے ہوں تو فیصلہ اس سے حتی میں ہو گا۔ جس کو ایک دوٹ کی اکثریت حاصل ہے۔ اسلامی جمہوریت میں اس عددی اکثریت کی کوئی اہمیت نہیں ہے جیسا کہ خلیفہ کے انتخاب کے عنوان کے ماتحت گذر چکا ہے۔

علاوہ بریں موجودہ جمہوریت میں جتنے کام ہوتے ہیں پارٹی کی بنیاد پر ہوتے ہیں پارٹی کا ہر فرد مجبور ہوتا ہے کہ ہر معاملہ میں اپنی پارٹی کے حق میں دوٹ دے اور اس کی حمایت کرے۔ اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی کی جاتی ہے لیکن اسلامی جمہوریت میں اس پارٹی کی عصمت کا کہیں وجود نہیں ہے حضرت ابو بکر کے عہد میں خود صحابہ میں پارٹیاں تھیں۔ ایک مہاجرین کی مدبری انصار کی اور ہمسری بنو ہاشم کی۔ لیکن شبھی ایسا نہیں ہوا کہ محض پارٹی عصمت کی بنیاد پر کسی کوئی رائے دی ہو جس بات کو جو شخص حق جانتا تھا اس کی حمایت میں رائے دیتا تھا۔

عرض کہ اسلام کا طرز حکومت کچھ اس قسم کا ہے کہ آج کل کے مرد و جہلڑ ہائے حکومت میں

لے انہیں دجورہ کی بنا پر ہمارے زمانہ کی جمہوریت بھی درحقیقت ڈیکٹیٹر شپ کی ہی ایک قسم ہو کر رہ گئی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ڈیکٹیٹر شپ میں فرد و احد کی مطلق العنان حکومت ہوتی ہے اور اس جمہوریت میں ایک پارٹی کی حکومت ہوتی ہے جو پارلیمنٹ یا اسمبلی میں اپنی عددی اکثریت کے ذریعے

سے ہر طرز میں جتنی خوبی اور عمدگی ہے وہ اسلام نے لے لی ہے اور اس میں جو حقہ مفرد لائق مذمت تھا اس کو ترک کر دیا گیا ہے۔ اس بنا پر ہمارے نزدیک اسلامی طرز حکومت کے لیے موزوں پر "شورادی حکومت" کا نام ہو گا۔

حضرت ابو بکر کا دستور حکومت اسلامی طرز حکومت پر ایک عام اجمالی تقریر کرنے کے بعد ہم کو بتانا چاہئے کہ حضرت ابو بکر کا دستور دائیں حکومت کیا تھا؟ چونکہ اسلامی حکومت پانچوں کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہوتی ہے اس بنا پر حضرت ابو بکر کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو سب سے پہلے اس کا حکم قرآن مجید میں تلاش کرتے تھے اگر وہاں نہ ملتا تو حدیث کی طرف رجوع فرماتے۔ اگر اس خاص معاملہ کے متعلق حدیث میں بھی کچھ نہ ملتا تو مسلمانوں کا ایک حلیہ طلب فرماتے ان میں سے اگر کسی کو کوئی حدیث یاد ہوتی اور وہ پڑھ کر سنا دیتا تو آپ کو بڑی خوشی ہوتی اور خدا کا شکر ادا کرتے کہ سنت رسول کے جاننے والے ان کو مدد کو موجود ہیں۔ اگر کسی کو کوئی حدیث بھی یاد نہ ہوتی تو پھر اہل رائے سے مشورہ لیتے تھے۔

مجلس شولبی صحابہ کرام میں جو حضرات معاملہ فہمی اور تدبیر دیاست میں امتیاز رکھتے تھے حضرت ابو بکر نے ان کو اپنا مشیر خاص بنا رکھا تھا۔ جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا ان حضرات سے مشورہ کرتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے۔

ان ابابکر الصدیق کان اذا نزل بہ امر یرید فہ مشاورۃ اهل الراۃ و اهل الفقہ و دعا رجا لامن المہاجرین و الانصار دعا عمر و عثمان و علیسا و عبد الرحمن بن عوف و معاذ بن جبل و ابی بن حکب و زید بن ثابت لہ

اور زید بن ثابت کو بلاتے تھے۔ اور حضرت علی بن ابی طالب سے تو حضرت ابو بکر کی مدت خلافت کل دو برس تھی چھ ماہ تک لے طبقات ابن سعد قسم ثانی جز ثانی ص ۱۹ لکھ دو برس تین مہینے گیارہ دن ہے۔

بھی اسلامی مملکت کے اندرونی اور بیرونی استحکام اور فتوحات میں بسرورگی لیکن اسکے باوجود حضرت ابوبکر نظم و نسق سے غافل نہیں تھے اور اسلامی مملکت کا رقبہ جتنا وسیع ہوتا جاتا تھا اسی قدر نظم و نسق کے دائرہ کو وسعت ہوتی جاتی تھی حضرت ابوبکر نے آج کل کی مہذب اور ترقی یافتہ حکومتوں کی طرح پوری مملکت کو مختلف صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے جدا جدا حاکم مقرر کئے تھے جیسا کہ نقشہ ذیل سے اسکی وضاحت ہوگی۔

مقام حکومت	حاکم کا نام	کیفیت
۱) مکہ (حجاز)	حضرت عثمان بن اسید	
۲) طائف	حضرت عثمان بن ابی العاص	
۳) صنعاء (یمن)	مہاجر بن ابی امیہ	
۴) حرموت	زیاد بن لبید الصاری	
۵) خولان	یعلیٰ بن مینہ	
۶) زبید و ریح	ابو موسیٰ اشعری (یمن میں ایک علاقہ کا نام)	
۷) جند	معاذ بن جبل	
۸) بحرین	علاء بن الحضرمی	
۹) بخران	جریر بن عبد اللہ البجلی	
۱۰) رومہ الجندل	عیاض بن الغم	
۱۱) عراق	مشیٰ ابن حارثہ	
۱۲) جرجن	عبد اللہ بن ثور	
۱۳) حمص (شام)	ابو عبیدہ بن الجراح	
۱۴) اردن	شرحبیل بن حسنہ	
۱۵) دمشق	یزید بن ابی سفیان	
۱۶) فلسطین	عمر بن العاص	
(۱۷) مدینہ	دہ دارا حکومت تھا جو براہ راست خلیفہ کے ماتحت تھا	

عہدہ داران حکومت کا انتخاب ایک حکومت کے بہترین نظم و نسق کا دار مدار بنیادی طور پر اس بات پر ہے کہ جس عہدہ کیلئے جس شخص کا انتخاب کیا جائے وہ ہمہ جہہ ہو اس کیلئے موزوں ہو اس سبب زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ فرماں روا نے وقت میں مردم شناسی کا جوہر ہونا چاہئے۔ مالک بن نویرہ کے واقعہ میں تم پرٹھ آئے ہو کہ حضرت خالد کے متعلق حضرت عمر کو کس قدر شدید اصرار تھا کہ ان کو معزول کیا جائے لیکن حضرت ابوبکر نے ایک نئی نئی۔ آنجناب حضرت خالد کے جوہر کھلے تو حضرت عمر کو خود اقرار کرنا پڑا کہ مجھ میں حضرت ابوبکر کے برابر کوئی مردم شناس نہیں تھا۔

انتخاب کے معاملہ میں حضرت اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر کے دو اصول تھے۔  
 ابوبکر کے اصول  
 ۱) جو شخص جس عہدہ پر آنحضرت کے عہد میں مقرر تھا۔  
 حضرت ابوبکر اس کو اسی عہدہ پر رکھتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت سے زیادہ صحیح انتخاب کس کا ہو سکتا تھا چنانچہ عیش اسامہ کی روانگی کے وقت حضرت امہ کی امارت پر سب سے ہی اعتراض کیا مگر آپ نے مانے۔ حضرت عمر نے جب حضرت خالد کو معزول کا مطالبہ کیا تو کہنے لگے صاف فرمایا کہ جس تلوار کو رسول اللہ نے پیام سے باہر کیا ہو میں اس کو کیونکر پیام میں رکھ سکتا ہوں مگر میں عثمان بن ابی العاص۔ صنعاء میں مہاجر بن ابی امیہ۔ حضرت موت پر زیاد بن لبید اور بحرین پر علاء الحضرمی۔ آنحضرت کے عہد میں حامل تھے تو عہد صدیقی میں بھی اسی عہدہ پر رہے۔  
 ۲) دوسرے اصول جس کی طرف حافظ ابن حجر نے الامصار میں متعدد مواقع پر اشارہ کیا ہے یہ تھا کہ وہ اس شخص کا انتخاب کرتے تھے جس کو آنحضرت کی فیضان تربیت سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہونے کا موقع ملا ہو۔ چنانچہ جو لوگ فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے تھے۔ ان کو ترجیح دیتے تھے۔

اقربا نوازی سے اجتناب ایک فرماں روا کیلئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ وہ عہدوں کا تقصیر کے معاملہ میں اقربا نوازی اور عینہ داری سے اجتناب کرے اور عہدہ اس شخص کو ہی سپرد کرے جو بہتر وجوہ اس کا اہل ہو۔ حضرت ابو بکر کا خود بھی اس پر بڑی سختی کے ساتھ عمل تھا اور اپنے عمال کو بھی اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔

یزید بن ابی سفیان کو شام کی امارت پر روانہ کیا تو فرمایا۔

یا یزید ان لك قرابة

یعنی ان تو شہرہ بالا ماری

وذلك اكبر ما اخاف عليك

فان رسول اللہ قال من جلی

من امر المسلمین شیئاً قام علیہم

احداً محاباةً فعلیہ لعنة اللہ

لا یقبل اللہ عنہ صرفاً ولا عدلاً

حتی یدخلہ جہنم لہ

جنہم میں بھجھ لگا۔

عالم کے تقریباً عالی ظرفی ایک طرف اقربا نوازی سے یہ اجتناب اور دوسری جانب عالی ظرفی کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی شخص کی نسبت یہ بھی معلوم ہوتا کہ وہ آپ کی ذات کے ساتھ رنجش رکھتا ہے لیکن آپ جو عہدہ اس کو دینا چاہتے اسکے لئے وہ آپ کے رائے میں موزوں ہوتا تو اسکی ذاتی رنجش کا خیر سال اس کو عہدہ دینے میں مانع نہیں ہوتا تھا۔ شام کی مہم روانہ کرنے کے وقت خالد بن سعید کو بھی اپنے ایک علم غنایت فرمایا تو اگرچہ حضرت عمر نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ خالد آپ کی خلافت سے خوش نہیں تھے اور انہوں نے آپ کی برخلاف بنو ہاشم کو بھڑکایا تھا لیکن حضرت ابو بکر نے اس کی فدا برداری نہیں کی اور تقریباً کجاں رکھا لہ

عالم حکومت کی دلجوئی اور انکا احترام ایک حکومت کی سائنسنگی اور اسکے مہذب ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ عمال حکومت کا ان کے مرتبہ و منصب کے لحاظ سے پورا احترام ملحوظ رکھا جائے اور ان کے ساتھ جبر و تحکم کا رونا ڈنہ کیا جائے حضرت ابو بکر ان دونوں باتوں کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے۔ جلیش اسامہ کو روانہ کرنے کے وقت حضرت ابو بکر جانتے تھے کہ حضرت عمر اس جلیش میں نہ جائیں اور مدینہ میں رہ کر ان کے خصوصی مشیر کار کی حیثیت سے کام کریں لیکن چونکہ امیر المومنین حضرت اسامہ تھے اسلئے اپنے حضرت عمر کے متعلق خود کو کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے اسامہ سے درخواست کی کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو حضرت عمر کو ان کے پاس ہی چھوڑ جائیں۔ پھر دلجوئی کا یہ عالم تھا کہ حضرت اسامہ کا لشکر روانہ ہوا تو اسامہ سواری پر بیٹھے ہوئے تھے لیکن خلیفہ رسول دور تک ان کی مشالیت کو پیدل گیا اور حضرت اسامہ کے سخت اصرار کے باوجود نہ خود سواری پر بیٹھے اور نہ اسامہ کو سواری سے نیچے اترنے دیا۔ اسی طرح یزید بن ابی سفیان شام کی مہم پر روانہ ہوئے تو آپ نے دور تک ان کی پاپا دہ مشالیت کی۔

انتخاب میں امتیاطِ عمری کا مشہور مقولہ ہے ”سل المجرّب ولا تسأل الحکیم“ اسکے مطابق جن لوگوں نے کسی وجہ سے اپنا اعتماد کھو دیا تھا حضرت ابو بکر تائب اور جانتے کے بعد بھی انکو ذمہ داری کا کام سونپنا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت خالد کو عراق کی مہم پر روانہ کیا تو انکو جہاں اور ہدایات دیں ایک ہدایت یہ بھی کی کہ جو لوگ مرتد ہو گئے تھے ان کو فوج میں بھرتی نہ کیا جائے ان لوگوں کے ساتھ حضرت ابو بکر کا یہ معاملہ اس وقت تک رہا جب تک کہ ان کے صدق و خلوص اہل ایمان کی پختگی کا آپ کو یقین نہیں ہو گیا یہی وجہ ہے کہ عراق کی مہم کے زمانہ میں ان لوگوں پر جو رکاوٹ تھی۔ شام کی مہم کے زمانہ میں باقی نہیں رہی تھی۔

آزمائشی تقریر آج کل کے عام قاعدہ کے مطابق جب تک کسی شخص کے متعلق اسکی حسن کارگزاری کی وجہ سے یقین نہیں ہو جاتا تھا کہ وہ اس عہدہ کا اہل ہے اس کا تقریباً طوری طور پر کرتے تھے مستقل ہونے اور ترقی پانے کی شرط حسن کارکردگی ہوتی تھی۔ یزید بن ابی سفیان

کونام کی ہم پر ایک دستہ فوج کا امیر مقرر کر کے روانہ کیا تو ان کو بہت سی ہدایات دیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے ان ہدایات کا آغاز اس طرح کیا تھا۔

انی قد ولتک لابلوک  
واجربک واخرجک  
فان احنت رد ذلک الی  
عملاک و ذلک وان  
اسات عزلتک له

بیت تم کو اس لئے والی بنا لیا ہے کہ میں تمکو آزادوں  
تمہارا تجربہ کروں اور تمام کوڑھیں گدوں اگر تم نے  
اچھا کام کیا تو میں اس عہدہ پر تم کو برقرار رکھوں گا  
اور ترقی کروں گا۔ اور اگر تم نے بڑا کام کیا تو میں  
عہدہ سے الگ کر دوں گا۔

عقال کی معزولی | تقریر کے بعد اگر کوئی عہدہ دار نااہل ثابت ہوتا تھا تو حضرت ابو بکرؓ  
کو فوراً معزول بھی کر دیتے تھے اور اس میں تاخیر روا نہیں رکھتے تھے۔ گزریا ہے کہ  
حضرت ابو بکرؓ نے خالد بن سعید کو عرب و شام کی سرحدی پراس کی نگرانی اور دیکھ بھال  
کیلئے مقرر کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جب تک ان کو اجازت نہ ملے پیش قدمی نہ کریں  
لیکن خالد بن سعید نے سرحد پر رومی افواج کا اجتماع دیکھا اور ادھر خالد کی مدد کیلئے مدینہ  
تازہ دم فوج پہنچ گئی تو انہوں نے پیش قدمی کی اجازت کا انتظار نہیں کیا اور حملہ کیا نتیجہ  
پر ہوا کہ اسلامی فوج پسا ہو گئی۔ حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع ہوئی تو خالد بن سعید کو سخت  
تہدید کی خط لکھا اور ان کے عہدہ سے ان کو معزول کر دیا۔ خط کے الفاظ یہ ہیں۔

اقوم مکاتک۔ فلعمری انک مقدم  
مجاجم فجاج من العنزات لا تخوصھا  
الی حق ولا تصبر علیہ

تم اپنی جگہ ہی بڑے ہو۔ تم بڑے پیغمبر کی نذر ہے  
ہو لیکن گہرائیوں میں گھسنے سے بھاگتے ہو۔ نہ تم ان  
میں درست طریقہ پر گھسنے ہو اور نہ ان پر میرے کرتے ہو۔

پھر جب خالد مدینہ آئے تو ان سے زبانی کہا کہ تم لڑائی کے موقع پر بڑی بزدلی  
دکھاتے ہو۔ جب خالد چلے گئے تو اس وقت جو لوگ آپ کے پاس تھے ان سے فرمایا  
کہ عمر مد علی خالد سے اچھی طرح واقف تھے اگر میں ان کی بات مان لیتا تو خالد سے پہلے ہی  
بچتا۔ لہٰذا یعنی ان کو عامل نہ بناتا۔

گورنوں کے فرائض | آج کل کی اصطلاح میں حضرت ابو بکرؓ کی حکومت کو فوجی حکومت  
کہہ سکتے ہیں۔ یعنی جو گورنر زیادتی ہوتا تھا وہی فوج کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک گورنر  
کے فرائض حسب ذیل تھے۔

۱) مسجد میں جماعت کی امامت اور خصوصاً جمعہ کے روز خطبہ دینا۔  
۲) فوج کی نگرانی اور ان کی تنخواہ وغیرہ کا بندوبست کر کے اے تقسیم کرنا۔  
۳) تمام محصولات کا جمع کرنا اور درآمد برآمدات شیا کی نگرانی کرنا۔  
۴) اپنے علاقہ میں امن و امان کی حفاظت کرنا اور لوگوں کی اخلاقی حالت برقرار  
۵) حدود و اشعار کی کسے مجرموں کو سزا دینا۔

۶) فتنہ پروروں کے خلاف جنگ کرنا اور اس میں جو مال غنیمت ہا تھا آئے اس کو مسلمان  
فوجیوں میں تقسیم کرنا۔ اور اس کا خمس مرکز کو بھیجنا۔  
۷) ہر سال حج کیلئے جانوالے مسافروں کے قافلوں کا بندوبست کرنا اور ان کو حفاظت  
کے ساتھ سہولت بہم پہنچانا۔

۸) ضعیف العمر یا بیویوں کی پنشن امدان کے متعلقین کی معاشی مدد کا انتظام و انصرام  
۹) کسانوں کا خاص طور پر خیال رکھنا اور جہاں تک ممکن ہو علاقہ کی زراعت کو  
ترقی دینا۔ [عہدوں کی تقسیم] لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک گورنر ہی تنہا سب کا  
انجام دیتا تھا بلکہ انتظامی امور کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے ہر شعبہ کو ایک ایک ذمہ  
دارانوں کی نگرانی میں دیدیا جاتا تھا۔ خود آنحضرتؐ کے عہد میں یہی دستور تھا۔ اور  
آپ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے بھی اسی پر عمل کیا۔ چنانچہ خلافت صدیقی میں عمال و دولات  
کے علاوہ اور جن عہدوں کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہیں۔

عہدہ قضا | عام طور پر مشہور ہے کہ قضا کا محکمہ سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے قائم کیا  
مولانا شبلی نے الفاروق میں اور پروفیسر بھی ”تاریخ عرب“ میں یہی لکھا ہے۔ لیکن  
حقیقت یہ ہے کہ خود عہد نبوت میں قائم ہو چکا تھا۔ کتب حدیث میں ”کتاب الاقضية“

کے عنوان سے جو باب ہے اس میں ایسی احادیث و روایات مقبول ہیں جو صحاح  
معلوم ہوتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے قاضی کے فرائض و واجبات - عہدہ کے شرائط و آداب شہادت  
کے احکام و غیر ذہنہایت تفصیل سے بیان فرمائے تھے۔ اگرچہ معاملاتِ خصوصیت میں  
آخری فیصلہ آپ ہی کا نافذ ہوتا تھا۔ لیکن مملکت میں ترویج کے باعث ہر معاملہ اور مقدمہ  
آپ خود فیصلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے مختلف علاقوں میں اپنی جانب سے قاضی بھی  
مقرر فرمادیتے تھے۔ اور ان کو اس سلسلہ میں خاص خاص ہدایات دی تھیں چنانچہ حضرت  
علیؑ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ میں تو کم عمر ہوں اور مجھ کو قضا  
کا کوئی علم نہیں ہے آنحضرتؐ نے جواب دیا "اللہ تمہارے قلب کو راہ دکھلائیگا اور  
تمہاری زبان کو استقامت بخشنے کا جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکاڑے بیٹھو تو  
جس طرح تم نے پہلے فریق کی بات سنی ہے اسی طرح جب تک نہ  
کی نہ سن لو۔ کوئی فیصلہ نہ کرو۔ یہی طریقہ ہے جس سے فیصلہ کرنا تمہارے لئے آسان ہوگا۔  
اسی طرح حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو آنحضرتؐ نے پوچھا "جب تمہارے سامنے  
خصوصیات آئیں تو تم کیونکر حکم (قضا) کر دگے۔ انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ کی روشنی میں پھر  
دریافت فرمایا۔ لیکن اگر کتاب اللہ میں زیادہ تو عرض کیا "تسئل رسول اللہ کی روشنی میں  
اب سوال ہوا" اگر سنت رسول اللہ میں بھی زیادہ انہوں نے جواب دیا "اسی صورت میں  
اپنی رائے سے اجتہاد کرو لگا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ ہونے دو لگا اور پرس کر آنحضرتؐ  
نے مرت سے حضرت معاذ کا سینہ تھپتھپایا اور فرمایا "جمع حمد اس اللہ کے لئے ہے جس  
رسول اللہ کے رسول کو اس کی توفیق دی جو رسول اللہ کا پسندیدہ ہے لکہ

حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے عہد میں حضرت علیؑ اور حضرت معاذ اور بعض اور صحابہ  
کو جن کے نام آگے آتے ہیں اس خدمت قضا پر مامور رکھا۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے  
کہ کتب تاریخ و سیر میں ان حضرات کو عہد صدیقی کے اربابِ افتخار کہا گیا ہے اور جلیا  
کہ علامہ سرخسی نے تصریح کی ہے۔ صدرِ اہل میں قاضی کو بھی مخصی کہتے تھے۔ یہ حضرات  
تھا کا نام ہے

لہ سن ابی داؤد باب کیف القضاء لہ سن ابی داؤد باب اجتہاد الراہی بالقضاء لہ المسجود ص ۱۱ ص ۱۰۹

لیکن حضرت عمر فاروق قاضی القضاة۔ یعنی چیف جسٹس کے عہدہ پر مامور تھے اور  
اہم معاملات کا فیصلہ آپ ہی کرتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ تاریخوں میں حضرت  
عمر کے لئے اتنا و کا نہیں بلکہ صرف قضا کا لفظ آتا ہے۔

طبری میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو حضرت عمر نے خود فرمایا "انا الفیض  
القضاة" میں آپ کیلئے قاضی کا کام کروں گا۔ لیکن چونکہ وہ خیر القرون کا دور تھا  
اس لئے سال بھر تک باہمی خصوصیت کا کوئی معاملہ ہی حضرت عمر کے سامنے پیش نہیں آیا۔  
طبری کے علاوہ ابن اثیر میں ہے -

وفیہا استقضى ابوبکر عمر بن الخطابؓ اور اس سال ابوبکر نے عمر بن الخطاب کو قاضی بنایا  
کان یقضى بین الناس خلافتہ کلھا اور خلافت صدیق مہر قضا کا کام کرنے سے۔

حضرت عمر اپنے اس حق قضا کو آزادی کے ساتھ استعمال کرتے تھے اور حضرت ابوبکر  
کی رائے کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ قرع بن حابس اور عبید بن جحش  
حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور ایک بے کار زمین جو ان کی طرف پڑھی ہوئی تھی۔

اس کا مطالبہ کیا۔ چونکہ یہ دونوں مولفۃ القلوب میں سے تھے اس لئے حضرت ابوبکر  
نے ان کی درخواست منظور کر لی اور زمین کا پٹہ انکے نام لکھ دیا۔ اب یہ دونوں  
حضرت عمر کے پاس آئے تاکہ پروردانہ مخالفت کی ان سے توثیق کرائیں لیکن حضرت عمر نے  
دیکھتے ہی سخت غضب ناک ہوئے اور پروردانہ ان کے ہاتھوں سے لے کر چاک کر دیا۔

اور فرمایا رسول اللہؐ اس زمانہ میں تمہاری دل جوئی کرتے تھے جبکہ اسلام کمزور تھا اب  
اسلام کا فی مضبوط ہے۔ تم سے جو کچھ ہوسکے کر دکھیو یہ دونوں وہاں سے لوٹ کر بیٹھے  
حضرت ابوبکر کی خدمت میں آئے اور بولے خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ "حضرت ابوبکر

نے جواب دیا خلیفہ تو عمر ہی ہوتے اگر وہ جانتے" یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ حضرت  
عمر بھی غضب میں بھرے ہوئے آپہنچے اور حضرت ابوبکر سے باز پرس کرنے لگے کہ آپ  
نے یہ زمین کا ٹکڑا ان دونوں کو کس طرح دیا؟ یہ آپ کی ملکیت ہے یا مسلمانوں کی

لہ طبری ج ۲ ص ۶۱۷ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶ لکہ الامار ج ۳ ص ۵۶ ذکری بن جحش الفزاری -

حضرت ابو بکرؓ بڑے "مسلمانوں کی" حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر آپ کو کیا حق تھا کہ ان دو آدمیوں کو بخش دیں، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اس وقت جو لوگ میرے پاس موجود تھے میں نے ان سے مشورہ کر لیا تھا۔ آخر حضرت ابو بکرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور حضرت عمرؓ کے فیصلہ کو بحال رکھا بلکہ ایک روایت میں تو یہ بیان تک ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی تحریر چاک کر دی تھی۔ اس کے بعد عیینۃ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں آیا اور درخواست کی کہ ایک دوسری تحریر لکھ دیں تو آپ نے فرمایا "لا اجل لہ شیئاً من ذلک عمر" میں اس کی تجدید نہیں کروں گا جس کو عمرؓ نے رد کر دیا ہے لے

ایک نکتہ اس واقعہ سے ایک یہ نکتہ بھی ہاتھ آتا ہے کہ اگرچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جس طرح صیغہ عدالت (JUDICIAL) محکمہ امر و تنفیذ (EXECUTIVE) سے باقاعدہ الگ قائم کر دیا گیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں ایسا نہیں تھا۔ لیکن جہاں تک اصل اسپرٹ اور اس احساس کا تعلق ہے کہ یہ دونوں صیغہ الگ الگ ہونے چاہئیں جیسا تہذیب و تمدن کے دور ترقی میں ہوتا ہے وہ بہر حال عہد صدیقی میں بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔

وزارت عظمیٰ اگرچہ اس زمانہ میں وزارت کا عہدہ باقاعدہ نہیں تھا۔ لیکن جہاں تک وزارت کے فرائض کا تعلق ہے وہ بھی حضرت عمرؓ سے متعلق تھے۔ آپ حضرت ابو بکرؓ کے میسر خصوصی اور اور مملکت میں دست راست تھے اور اسی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ ان کو اپنے ساتھ مدینہ میں ہی رکھتے تھے کسی ہم پر نہیں بھیجتے تھے، آنحضرتؐ نے جیش اسامہ میں شرکت کیلئے جن کو نامزد کیا تھا ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ لیکن لشکر کی روانگی سے قبل حضرت ابو بکرؓ نے حضرت اسامہ سے درخواست کی کہ اگر وہ عرفان دوق کو مدینہ ہی میں چھوڑ جائیں تو بہتر ہے تاکہ وہ امور خلافت میں ان کے مشوروں سے فائدہ اٹھا سکیں لے

وزارت خزانہ بیت المال کا قیام آنحضرتؐ کے عہد میں ہی عمل میں آ گیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کا اہتمام و انتظام حضرت عبیدہ کے سپرد کیا جو بیت المال کی آمدنی اور خرچ کا پورا حساب رکھتے اور اس کی نگرانی کرتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ

لے کتاب الاموال ابو عبیدہ ص ۲۷۷ لے تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۲ لے طبقات ابن سعد ص ۱۵۱ ج ۱

سے پوچھا کہ شروع سے اس وقت تک خزانہ میں مال کس قدر آیا ہو گا۔ انہوں نے جواب دیا۔ "دو لاکھ دینار" لے

عہدہ کتابت | جو محکمہ اسم فرامین و احکام کتابت کو ہی کہتے ہوتے ہیں اس لئے کتابت کا عہدہ بھی بڑا اہم ہے۔ حضرت ابو بکرؓ اس عہدہ کا کام وقتی طور پر ان لوگوں سے بھی لے لیتے تھے جو ضرورت کے وقت ان کے پاس موجود ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ جو خط خاص اسی کام پر متعین تھے۔ وہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عثمان بن عفان ہیں عمال کے نام احکام | عمال کو حضرت ابو بکرؓ کوئی حکم بھیجتے تھے تو آپ کا طریقہ وہی ہوتا تھا بھیجے کا طریقہ | جو خود آنحضرتؐ کا تھا۔ یعنی من ابی بکر الی فلاں سے آغاز کرتے تھے۔ یہ طریقہ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کے ابتدائی دور تک قائم رہا۔ جب ولید بن عبد الملک خلیفہ ہوا تو اس نے اس کو بدل دیا۔ اور حکم دیا کہ لوگ ہم کو اس طرح خطاب نہ کریں۔ جس طرح وہ آپس میں ایک دوسرے سے خطاب کرتے ہیں۔ لے

عہدہ افتاء | افتاء یعنی شرعی حکم بتانے کے لئے تقویٰ و مہارت کے علاوہ تفقہ کی ضرورت ہے۔ اور بہ محض ایک وہی دولت ہے خدا جس کو چاہے بخشے۔ ہر عالم دین اس سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں جو حضرات فقیر سمجھے جاتی تھے اور اس بنا پر افتاء کا عہدہ ان کے سپرد تھا تھا ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت علی۔ حضرت معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود لے

پولیس | اردو زمرہ کے انتظام کیلئے غالباً مستقل پولیس کی شکل میں کوئی خاص جماعت نہیں تھی اور حق یہ ہے کہ اس زمانہ غیر القرون میں اس کی ضرورت ہی کیا تھی؟ تاہم ضرورت پیش آتی تھی تو فوری طور پر چند بہادروں کو اس کام پر مامور کر دیا جاتا تھا چنانچہ جیش اسامہ کی مدینہ سے روانگی کے بعد بعض قبائل کی طرف سے مدینہ پر حملہ کا خطرہ ہوا تو حضرت علی اور بعض دوسرے صحابہ سے یہ کام لیا گیا۔

عمال کو ہدایات | حضرت ابو بکرؓ جب کسی شخص کو کوئی ذمہ داری سونپتے یا کسی عہدہ پر لے طبری ج ۱ ص ۶۱ لے العقد الفریدی باب التوظیفات فصل استفتاح الکتاب لے تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۱

اسکو مقرر فرماتے تو اس سے متعلقہ فریق ایک ایک کر کے بیان کرتے اور اس عہد لینے کے وہ اس پر عمل کر لیا حضرت اسامہ کی قیادت میں اپنے جو لشکر عرب و شام کی سرحد پر روانہ کیا تھا جب وہ چلنے لگا۔ تو اپنے اس کردار کو دس ہدایتیں دیں یہ اپنے فرمایا۔

ایہا الناس قفوا وصیکم بعشر  
فاحفظوها عنی ولا تحزنوا ولا تغلوا  
تعدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا طفلاً  
صغیراً ولا شیئاً کبیراً ولا امرأة  
ولا تعقروا انخلاً ولا تحرقوه ولا  
تقتلوا شجرة مثمرة ولا تلجوا  
شاة ولا بقرۃ ولا بعیراً الا مالکة  
وسوف تمرون باقوم قد فرغوا انفسهم  
فی الصوامع قد عوهم وما فرغوا انفسهم  
لہ وسوف تقدمون علی قوم یا توکم بانیۃ  
فیہا الوان الطعام فاذا اکلتم منها شیئاً بعد  
شیئاً فاذکروا اسم اللہ علیہا و  
تلقون اقواماً قد مخصوا اوساط  
رؤوسہم وترکوا حولہا مثل  
المصابیب فاخفقوہم بالسیف خففاً  
ان دعوا باسم اللہ اتنا کو اللہ بطعن  
والطاعون لہ

اسی طرح شام کی طرف لشکر روانہ کئے تو ایک لشکر کے قائد حضرت زید بن ابی سفیان کو مفصل ہدایات دیں۔ یہ اگر چہ طویل ہیں لیکن درمستحک دنیا کا شاہکار ہے اس لیے ہم ذیل میں تمباہا نقل کرتے ہیں۔ ارشاد ہوا۔  
لہ طبری ج ۲ ص ۲۹۳

علیک یتقوی اللہ فانہ یرمن  
باطنک مثل الذی من ظاہرک  
وان اولی باس اشدھم تولیاً لک  
واقرب الناس من اللہ اشدھم  
تقرباً الیہ بعملہ وقد ولیتک  
عمل خالد قیالک وعبیۃ الجاہلیۃ  
فان اللہ ینغمسہا ویغضب اهلہا  
واذا قدمت علی جندک فاحسن  
صحبتہم وابدانہم بالخیر۔  
وعدہم ایاہ۔ واذ او عظمتہم  
فاوجز۔ فان کثیر الکلام۔ ینسی  
بعضہ بعضاً واصلح نفسك۔ یصلح  
لک الناس وعل الصلوات لا وقاہا  
باتمام رکوعہا وجمودہا والتخ  
ینہا۔ واذ اقدم علیک رسول  
عدوک فاکرمہ واطل لبثہم۔  
حتی ینحرجوا من عسکک وھم  
جاھلون بہ۔ ولا ترینہم فیروا  
خلدک ویعلموا علمک وانزلہم  
فی ثرۃ عسکک وامنع من قتلک  
من محاد تہم وکن انت المثلوی لکل  
ولا تجعل سیرک لعلائیک فیخلط  
امرک واذ استشرت فاصدق الحدیث

تم اللہ سے تقویٰ کو لازم پکڑو۔ کیونکہ وہ تمہارے  
باطن کو تمہارے ظاہر کی طرح دیکھتا ہے اور اس  
میں شک نہیں کہ اللہ کے نزدیک سب زیادہ  
بہتر آدمی وہی ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے  
محبت رکھتا ہے۔ اور اللہ کا سب سے زیادہ مقرب  
بندہ وہی ہے جو اپنے عمل کے ذریعہ سب سے زیادہ  
تقرب ہے۔ میں نے تم کو خالد کا کام سب دیکھا ہے  
اس لیے تم جاہلیت کی باتوں سے بچو۔ کیونکہ اللہ  
ان باتوں کو اور ایسے لوگوں کو مغضوب رکھتا ہے اور  
تم جب اپنے لشکر کے پاس پہنچو تو خوش طبعی  
کے ساتھ پیش آؤ اور بھلائی کے ساتھ اپنے حاکم  
کا آغاز کرو اور ان سے اس کا وعدہ پوچھ کر  
اور جب ان کی نصیحت کرو تو اختصار سے کام لو  
کیونکہ کثرت کلام میں آدمی بھول جاتا ہے کہ  
اسے کہا گیا تھا۔ اپنے نفس کی اصلاح کرو تو لوگ  
تمہارے لئے ٹھیک رہیں گے اور نمازیں مع مکمل  
رکوع و سجود اور شترع کے انکادات میں  
ادا کرو جب دشمن کے قاصد تمہارے پاس آئیں تو  
ان کا اکرام کرو۔ اور ان کا قیام مختصر رکھو تاکہ وہ  
تمہارے لشکر سے جائیں تو اس سے باخبر نہ ہوں  
اور ان کو اہل کرمت دکھاؤ ورنہ وہ تمہارا  
غلل دیکھ لیں گے۔ اور تمہارے حال سے واقف  
ہو جائیں گے۔ ان قاصدوں کو کٹ کر کی اجازت  
ہو۔



تصدق المشورة ولا تخزن عن المشير  
 خبيرك فتوتى من قبل نفسك واسم  
 بالليل في اصحابك - تا تك الاخبار  
 وتكشف عندك الامتار - واكثر  
 حرسك وبدوهم في عسكرك  
 واكثر مفا تهم في محار سهو لغير  
 علم منهم بك فغن وحدته  
 عقل عن محرسه فاحسن اديه  
 وعاقبه في غير افراط واعقب ايته  
 بالليل واجعل النوبة الا ولى اطول  
 من الاخرة فانها اليسرهما لقر بها  
 من النهار ولا تخف من عقوبة  
 المستحق ولا تلجن فيها ولا تسرع  
 اليها ولا تتخذ لها ولا تنقل  
 عن اهل عسكرك فتنفدك ولا  
 تجس عليهم فتفرضهم ولا تكتف  
 الناس عن اسرارهم واكتف ببلانتهم  
 ولا تجالس العبا تين وجالس اهل  
 الصدق والوفاء واصدق القاد ولا  
 تجبن فحين الناس واجتنب الغلول فانه  
 يقرب الفقر ويدفع النمر وتجدوا  
 حبوا النفسه في الصوامح - فدعاه  
 وما حبسوا الفهم له

اور اپنے لوگوں کو ان سے بات چیت کرنے سے منع  
 کرو۔ تم خود ہی ان سے گفتگو کرو۔ اپنے بھید کی پڑ  
 کھو اور نہ معاملہ کرو بڑھو جا لیا۔ بات سچ کہو تو سزہ  
 بھی سچ ہوگا۔ امد اپنی کئی بات اپنے منہ سے چھپاؤ  
 در نہ بات تمہاری سر پر ہے گی اور رات تو اپنے ساتھیوں  
 کے ساتھ بات چیت کا کرو۔ تاکہ کوئی نہیں سہم سہوں اور کڑوا  
 باتوں کا تم کو علم ہو۔ اپنے حماقتیں کا تدار زیادہ  
 رکھو اور اپنے لشکر میں ان کو بھلا دو۔ امد با افات  
 ان کی بے خبری میں ان کی جو کمپوں پر پہنچ جا جا کر دیکھو  
 جس شخص کو اپنی جگہ سے غافل بناؤ اسکی اچھی طرح  
 مرز نش کرو۔ اور بغیر زیادتی کے اس کو سزا دو۔  
 رات کو اتنے دربان باری مقرر کرو اور پہلی باری کو  
 بہ نسبت دوسری کے زیادہ طویل کرو۔ کیونکہ دن سے  
 قریب ہو چکی باعث پہ زیادہ آسان ہوگی مستحق سزا  
 کو سزا دینے میں نہ بھی کٹا سزا کے معاملہ میں زیادہ  
 تردد کرو اور نہ جلدی کرو سادہ اسکو بے اثر کرو اور  
 وہ اپنے اہل لشکر سے غافل مت۔ پٹھو در نہ تم اسکو خبر کرو گے  
 اور زیادہ اچھی کھوج کرید بھی نہ کرو در نہ تم انکو سزا کرو گے  
 لگوں کو بھید موم کر نیکی کو کشش نہ کرو۔ اور جوان کے غا احوال  
 ہوں ان پر بس کہہ بیجا ڈھیل کے پاس نہ پٹھو اور جو کڑو  
 اور بزدلی نہ دکھاؤ اور نہ لوگ بزدلی دکھائیں کہ نہ خیانت نہ پڑ  
 کیونکہ خیانت فوج کا باعث ہوتی ہے اور مدد کو در نہ دہتی ہے  
 اور تم کو اپنے لوگوں جو عمارت گاہوں میں گزشتہ نہیں ہو کر بیٹھ گئے ہیں تاکہ  
 انکمال پڑھو۔

تقوی و طہارت کی عام تاکید یہ ہدایات وہ ہیں جو ہر شخص کو الگ الگ اس  
 کے عہدہ اور منصب کے اعتبار سے دی جاتی تھیں ان کے علاوہ تقوی و طہارت -  
 خوف خدا - فرائض کی انجام دہی میں امانت و دیانت ان چیزوں کی تاکید و ہدایت تو  
 آپ ہر خطبہ میں، ہر فرمان اور خط میں، ہر مجلس اور محفل میں کرتے رہتے تھے۔

مثلاً عمرو بن العاص اور ولید بن عقبہ کو قبیلہ بنو قحطان پر عامل صدقات مقرر کر کے روانہ کیا تو  
 انکی مشابہت کے لیے کچھ دور تک خود تشریف لائے اور رخصت ہوتے وقت ہر ایک کو یہ ہدایت کی۔

إِنَّكَ مِنَ الَّذِينَ يَتَّقُونَ اللَّهَ  
 فَانَّهُ مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ  
 مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا  
 يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفُرْ  
 عَنْهُ سَيَاتِهِ وَيُعْطِ لَهُ أَجْرَهُ  
 فان تقوی اللہ خیر ما تو اوصی بہ  
 عباد اللہ۔ انک فی سبیل من سبل  
 اللہ لا یسعک فیہ الا دھان و  
 التقریط والغفلة عما فیہ قوام

باطن و ظاہر میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ جو شخص اللہ سے  
 ڈرتا ہے۔ اللہ اس کیلئے سہولتیں پیدا کر دیتا ہے اور  
 جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا وہاں سے اس  
 کو رزق دیتا ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے  
 گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کا اجر بڑھاتا ہے۔  
 بے شبہ اللہ سے تقوی ہنگام خدا کی آپس میں بہترین  
 نصیحت ہے تم اللہ کیلئے راستہ میں ہو جس میں افراط  
 و تفریط اور ملائت کی گنجائش نہیں ہے جس میں دین  
 کا استحکام اور خلافت کی حفاظت کا راز مضمر ہے۔

دینکم وعصمتہ امرکم۔ فلا تن ولا تقتر۔ پس تم سستی اور کاہلی مت اختیار کرو۔  
 یزید بن ابی سفیان کو ہدایات دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے لکھا  
 ومن اعطی احد احمی اللہ فقد  
 انتہک فی حمی اللہ شیاً بغیر حقه  
 فعلیہ لعنة اللہ لہ  
 اور جو شخص کسی کو اللہ کی چراگاہ عطا کرے (کوئی عہد دے)  
 اور وہ بغیر کسی حق کے اس چراگاہ میں ارتکاب جرات کرے  
 (عہدہ میں خیانت کرے) تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔

عمال و امراء سے احتساب مفصل ہدایات اور احکام دینے کے بعد کوئی عہدہ دار خواہ کتنی ہی  
 دور اور نظروں سے اوجھل ہوتا حضرت ابو بکر بہ حال اسکی ایک ایک حرکت پر کڑھی نگاہ رکھتے تھے

اور جہاں اور جب کوئی نقص نظر آتا فوراً اس پر مقبرہ فرماتے یا با زہر پس کرتے تھے۔ چنانچہ ہاجر بن ابی امیہ کی نسبت معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک عورت جو مسلمانوں پر سب و خشم کرتی تھی اس کے دانت اکھڑا دیئے ہیں۔ تو فوراً ان کو سخت سرزنش کا خط لکھا جس میں دلائل سے یہ ثابت کیا تھا کہ ان کا یہ عمل صریح ظلم اور ناجائز ہے اور آخر میں تحریر کیا کہ چونکہ یہ تمہارا پہلا جرم ہے اس لیے معاف کرتا ہوں۔ ورنہ سزا دیتا۔

حضرت ابو بکرؓ حضرت خالد کے کس درجہ قدردان اور مداح تھے؟ یہ صفحات گزشتہ سے معلوم ہو چکا ہے بایں ہمہ جنگ یمامہ کے فوراً بعد ہی انہوں نے مجاہد کی لڑکی سے نکاح کر لیا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کو سخت تہدید کی خط لکھا کہ۔

لعصری یا ابن ام خالد انک بے شبہ اے خالد کی ماں کے بیٹے تیرا دل بڑا  
لفارغ تنکح النساء وبشاء بیتک بے رحم ہے تو عورتوں سے نکاح اس وقت کرنا  
دم الف ومائتے رجل من المسلمین جبکہ تیرے گھر کے صحن میں بانہ سو مسلمانوں کا  
لہم یحفظ بعدک لہ خون ابھی تک خشک نہیں ہوا ہے۔

طبری بیان ہے یہ خط اس درجہ غضب آلود تھا کہ گویا اس سے خون ٹپک رہا تھا۔ اس کے بعد عراق میں جنگ فراض کے ختم ہوتے ہی حضرت خالدؓ حضرت ابو بکرؓ کی اجازت کے بغیر چھپ چھپا کر حج کر آئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع ہوئی تو سخت عتاب کا خط لکھا۔

طبری کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالدؓ کو شام کی ہم پر جو روانہ کیا تھا وہ حضرت خالد کے اسی جرم کی پاداش میں تھا اور ساتھ ہی تاکید کی کہ آئندہ وہ اس کا ارتکاب نہ کریں۔  
معمولی غلطیوں سے انماض ایک فرمانروا کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ عمال و کارکنان حکومت کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے اور جب ان سے کوئی غلطی ہو تو احتساب کرے ساتھ ہی اس میں اس درجہ تحمل ہونا چاہیے کہ معمولی بھولن چوک سے چشم پوشی کرے اور اگر ضرورت ہو تو تھوڑی بہت تنبیہ کر دے۔ معمولی معمولی باتوں پر سرزنش کرنا اصول حکمرانی کے خلاف ہے حضرت ابو بکرؓ میں احتساب کی قوت کے ساتھ یہ وصف بھی بدرجہ اتم تھا۔ طبری میں ہے۔

لہ طبری ج ۲ ص ۵۰ ۵۱۹ ۵۸۴ لہ ایضاً ص ۵۸۴

وکان ابو بکر لا یقید من عمالہ ابو بکر اپنے عمال اور کارپردازان حکومت پر زیادہ  
ولا وزعتہ لہ داروگیر اور خریدہ گیر ہی نہیں کرتے تھے۔  
عمال کی تنخواہ اعمال و کارپردازان حکومت کی تنخواہ کا رواج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے  
زمانہ سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ تنخواہ کی مقدار کی تعیین میں عہدہ کی حیثیت اور اس کے ضروری  
اخراجات و لوازم کی رعایت بھی ہوتی تھی مثلاً گھوڑا۔ ہتھیار۔ خادم وغیرہ۔ حضرت علیؓ فرمایا  
کرتے تھے۔ "ہم میں سے جو کوئی شخص بھی دالی ہو" اگر اس کے بیوی نہ ہو تو بیوی کے نوکر  
نہ ہو تو نوکر رکھے۔ گھر نہ ہو تو گھر بنائے یا کرایہ پر لے۔ سواری کا جانور نہ ہو تو وہ لے اس سے  
زیادہ جو لے گا وہ یا خائن ہے یا چور لہ

گورنر یا کوئی اور عہدہ دار تو الگ رہا۔ خود خلیفہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس  
کی روایت ہے کہ اللہ کے مال میں سے خلیفہ کے لیے صرف دو پیالے لینا جائز ہیں ایک  
پیالہ اہل و عیال کیلئے اور دوسرا لوگوں کی خاطر مدارت کے لیے لہ

عتاب بن اسید جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مکہ کے عامل تھے اور عہد  
صدیقی میں بھی اسی عہدہ پر فائز رہے۔ انکو تیس درہم ماہانہ تنخواہ ملتی تھی لکھا ہے یہ قلیل  
تنخواہ ناگزیر ضروریات زندگی کی ہی کفیل ہو سکتی تھی اس میں اتنی گنجائش کہاں تھی کہ وہ پس انداز  
کر سکیں چنانچہ اس منصب سے سبکدوش ہونے کے بعد اس زمانہ کی کمائی کی یادگار جو چیز ان کے  
پاس بھی تھی وہ صرف دو کپڑے تھے جو انہوں نے اپنے غلام کے سان کو پھنادیتے تھے لہ

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں برنسبت عہد نبوی کے ریاستی آمدنی بڑھ گئی تھی۔ اس بنا پر  
تنخواہوں کی مقدار میں بھی اضافہ ہوا ہوگا۔ بہر حال حضرت ابو بکرؓ کا اصول یہ تھا کہ تنخواہیں اصل  
ضروریات زندگی کے لحاظ سے سب کی برابر رکھتے تھے۔ مؤرخ یعقوبی کا بیان ہے۔

وقسم ابو بکر بین الناس بالسویۃ اور ابو بکرؓ لوگوں میں برابر سب تقسیم کرتے تھے کما  
لہ یفضل احداً علی احد لہ کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔

لہ طبری ج ۲ ص ۵۰ ۵۱۹ ۵۸۴ لہ کنز العمال بر حاشیہ مندرجہ  
ص ۴۲ لہ ترتیب الاداریۃ الکتابی ج ۱ ص ۲۶۴ ۵۱ ص ۲۶۴ لہ کنز العمال بر حاشیہ مندرجہ  
ص ۲۶۴ لہ

ایک مرتبہ مال آیا اور آپ نے اس کو حسب معمول برابر برابر تقسیم کر دیا اور فرمایا ”مجھ کو یہ پسند ہے کہ میں بقدر ضرورت لینے پر اکتفا کروں۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کیا ہے وہ خالص اللہ کے لیے رہے لے

حضرت ابو بکرؓ کی تنخواہ | حضرت ابو بکرؓ شروع میں تو کوئی تنخواہ لیتے ہی نہیں تھے سچ میں جو تجارت ان کا ذریعہ معاش تھی اسی پر گزار بسر کرتے تھے۔ لیکن جب امور خلافت میں اہمک بڑھا تو اب چونکہ تجارت میں مشغولیت فریض خلافت کی بجائے اس میں رخصتہ انداز ہو سکتی تھی اس لیے حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کے کہنے پر آپ نے بقدر ضرورت اپنی تنخواہ بھی مقرر کر لی لیکن اس تنخواہ کی مقدار کیا تھی؟ اس میں مختلف روایات ہیں۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ آپ تین درہم پومیر لیتے تھے لہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ ہزار درہم سالانہ لیتے تھے اور ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے کل مدت خلافت میں بیت المال سے اپنے گھر کے خرچ کے لیے صرف چھ ہزار درہم لیے تھے۔ لیکن وفات کے وقت اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کو وصیت کی کہ یہ رقم بھی ان کی جائیداد کو فروخت کر کے بیت المال میں جمع کر دی جائے لے

اس بنا پر ہمارا خیال ہے کہ شروع میں حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کے کہنے سننے سے اپنا وظیفہ مقرر ضرور کر لیا تھا لیکن اس کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ زندگی بہت سادہ اور گھر کی ضرورتیں مختصر تھیں۔ اس لیے صرف بقدر ضرورت لیتے تھے اور اگر کبھی گنجائش دیکھی اور کوئی غیر معمولی ضرورت اچانک پیش آگئی تو مقررہ رقم سے زیادہ بھی لے لیتے تھے اور یہ جو کچھ کرتے تھے اہل شوریٰ کے مشورہ اور ان کی اجازت سے کرتے تھے۔

غور کرو! کیا اس سے بڑھ کر جمہوری سوشلسٹ گورنمنٹ دنیا کی تاریخ میں کوئی اور بھی ہوئی ہے۔

## مالی نظام ریاست کے ذرائع آمدنی اور مصارف

حضرت ابو بکرؓ کا مختصر عہد خلافت جو کچھ بھی تھا تمام تر جزیرہ عرب کے اندرونی استحکام قومی وحدت اور بیرونی حملوں سے اس کی حفاظت کے کاموں میں مصروف رہا اس لیے آپ کو اتنی فرصت نہیں ملی کہ حضرت عمرؓ فاروق کی طرح حکومت کے مختلف کاموں کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے ہر ایک شعبہ کیلئے جدا جدا محکمہ قائم کرتے ہر محکمہ کے الگ الگ عہدہ دار مقرر فرماتے اور اس کیلئے آئین و ضابطہ کی حد بندی کرتے۔ اس بنا پر عہدہ صدیقی کے نظم و نسق اور معاملات و مسائل حکومت و ریاست میں وہی سادگی پائی جاتی ہے جو آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں پائی جاتی تھی۔ اس بنا پر حضرت ابو بکرؓ کے مالی انتظامات کو سمجھنے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ خود عہد نبوتؐ میں مالی نظام کیا تھا۔

عہد نبوتؐ میں نظام مالی | دوسرے احکام کی طرح انفاق مال سے متعلق احکام دفعہ نازل نہیں ہوئے بلکہ تدریجی طور پر حسب موقع و ضرورت نازل ہوئے یا زبان حق ترجمان نبوتؐ سے ادا ہوتے رہے اس سلسلہ میں سب سے پہلی منزل تو ترغیب دعوت کی تھی۔ یعنی اس وقت تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آنحضرتؐ مکہ میں قیام رکھتے تھے اور مختلف ضرورتوں کے لئے روپیہ درکار تھا چنانچہ آپ نے فرمایا، اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کیلئے تم کو خرچ کرنا چاہیے خواہ وہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو، لے اس کے علاوہ قرآن میں بھی

بہت سی ترغیبات ہیں اس کے بعد جب آپ نے ہجرت کی اور صحابہ کرام اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ آنے لگے تو اب سب سے بڑا مسئلہ ان مہاجرین کی آباد کاری کا تھا اور ظاہر ہے روپیہ کے بغیر یہ حل نہیں ہو سکتا۔ آپ نے اس پیچیدہ ترین گتھی کو اس خوبی کے ساتھ حل کیا کہ تاریخ میں اس جیسی نظیر مشکل سے ہی مل سکتی ہے آپ نے انصار اور مہاجرین میں مواخات کرادی۔ اس مواخات میں یہ شرط تھی کہ مہاجر اور انصار دونوں ایک ساتھ مل کر کام کریں گے اور وراثت تک میں ایک دوسرے کے شریک رہیں گے۔ اس طرح مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ لیکن دوسرے کاموں کیلئے روپیہ کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے اب صدقات و خیرات کے کارخیز ہونے کا اعلان ہوا آنحضرتؐ نے اس کا یہ نظم قائم کیا کہ تمام صدقات و خیرات خود وصول فرماتے اور ارباب حوارج پر تقسیم فرمادیتے، لیکن یہ خیر خیرات خود آپ کے اور بڑا ہاتھ کیلئے حاکم تھی۔ اس طرح آنحضرتؐ نے ان بد عنوانیوں کا خاتمہ کر دیا جو عام طور پر پبلک فنڈز کے ذرائع سے صادر ہوتی ہے بلکہ دنیا کی عظیم الشان بادشاہتوں کا تو خلی ہی یہ رہا ہے کہ پبلک کا جو روپیہ خزانہ نہیں آتا ہے وہ بادشاہ کی پبلک ہے اور اس کو حق ہے کہ اس روپیہ کو اپنی ذات اور اپنے متعلقین پر جس طرح چاہے خرچ کرے

رد بہ میں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجاست  
اس سلسلہ میں سب سے پہلے سلسلہ میں صدقہ الفطر واجب ہوا۔ اس کے بعد صدقہ و خیرات کا عام حکم نازل ہوا۔ لوگوں نے پوچھا، حضور! ہم کیا خرچ کریں؟ ارشاد ہوا، ضروریات زندگی پوری کرنے سے جو بچ کر رہے، "لَسْئَلُوا نَكَ مَا ذَا يُنْفِقُونَ ه قُلِ الْعَفْوَ" پھر جب مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہوئیں، زمینیں اور جاگیریں ہاتھ آئیں اور تجارتی کاروبار کو فروغ ہوا تو اب حکم ہوا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ أَمْوَالِكُمْ ذَاتِ بَيْنٍ وَأُولِي الْقُرْبَىٰ وَأُولِي الْأَرْحَامِ  
ماکبتم و مما اخرجنا لکم من الارض۔ (بقوم) تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے اس میں سے

خرچ کر

لیکن اس وقت تک چونکہ تمام عرب مطیع نہیں ہوا تھا، اسلام صرف ایک تحریک کی صورت میں تھا اور باقاعدہ کوئی سیاست (STATE) قائم نہیں ہوئی تھی۔

اس لیے انفاق مالی اور اس کے جمع و خرچ کا کوئی باقاعدہ نظم قائم نہیں ہوا۔ اس میں بکری کی فتح کے بعد آخر اس کا بھی وقت آگیا اور اس کا پورا نظام قائم کر دیا گیا اس سلسلہ میں پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔

اے محمد! آپ ان لوگوں کے مالوں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول  
رَخَدْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً  
لِطَهْرَتِهِمْ هُمْ وَ لِتُرْكِيهِمْ دِيَارَهُمْ۔  
کیجئے تاکہ آپ انکو اس ذریعہ سے پاک و صاف بنا دیں۔  
اس کے بعد سورہ توبہ کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں زکوٰۃ کے احکام اسکی

اہمیت و ضرورت۔ اور اس کے مصارف اور ساتھ ہی جزئیہ کا حکم۔ یہ سب کچھ نازل ہوا۔ ان کی روشنی میں سلسلہ میں آنحضرتؐ نے باقاعدہ عدالت و محصلین کا تقرر فرمایا۔ زکوٰۃ کے احکام و قوانین مرتب فرمائے اور ان احکام کیساتھ عدالت کو زکوٰۃ وصول کرنے کی غرض سے مختلف علاقوں اور قبیلوں میں روانہ کیا یہ وہ وقت ہے جب زکوٰۃ کی حیثیت ایک ریاستی ٹیکس (STATE PUTY) کی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بیت المال کا قیام بھی عمل میں آیا۔

زکوٰۃ کی شرح | دولت کے سرچشمے دراصل تین ہی ہیں۔ سونا۔ چاندی۔ جانور اور زمین کی پیداوار  
آنحضرتؐ نے ان میں سے ہر ایک کی شرحیں الگ الگ مقرر فرمائیں۔ سونے چاندی میں سبب حصہ جانوروں کی زکوٰۃ کی شرح ان کی مختلف قسموں کے لحاظ سے جدا جدا متعین ہوئی اور بڑی تفصیل کیساتھ۔ مثلاً اونٹ کیلئے نصف زکوٰۃ پانچ مقرر کیا گیا۔ اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ پانچ اونٹ ہوں تو ایک بکری نو اونٹوں تک، دس سے چودہ تک دو بکریاں، پندرہ سے انیس تک تین بکریاں بیس سے چوبیس تک چار بکریاں۔ پچیس سے پتیس تک اونٹ کا ایک سال کا بچہ۔ چھتیس سے پینتالیس تک دو سال کا بچہ۔ چھیالیس سے ساٹھ تک تین سال کا۔ اسیٹھ سے پچھتر تک چار سال کا۔ چھتر سے نو تک ٹھیک دو برس کے دو بچے۔ اکیانوے سے ایک سو بیس تک تین سال کے دو بچے۔ ایک سو بیس کے بعد ہر چالیس پر دو سال کا بچہ اور پھر ہر پچاس پر تین برس کا بچہ اسی طرح کے مفصل احکام بکری، گائے، بھینس وغیرہ کے متعلق ہیں۔

یہ تمام شرحیں وہ ہیں جو آنحضرتؐ نے اپنے ایک فرمان خصوصی میں درج فرمادی۔  
تھیں۔ لیکن ابھی ان کو عدالت کے ہاتھ روانہ نہیں کیا گیا تھا کہ دنیا سے تشریف لے گئے آپ کی بعد

حضرت ابو بکرؓ نے اسپر عمل کیا اور اس کی نقولِ عمال صدقات کے پاس بھیج دیں  
عبداللہ بن النضر سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کے والد النضر کو عامل صدقہ  
(مصطلق) بنا کر روانہ کیا تو انہیں اپنی ایک تحریر عنایت فرمائی جس پر آنحضرتؐ کی مہر لگی ہوئی تھی۔  
حضرت النضر نے اس کو کھول کر دیکھا تو اس میں جانوروں کی زکوٰۃ کے متعلق مفصل احکام و ہدایات  
تھے۔

زمین پر محصول | زمین اگر مسلمانوں کی مملوکہ ہے تو وہ دو قسم کی ہو سکتی ہے ایک وہ جس کے جوتے  
اور بونے میں نہروں کے ذریعے آبپاشی یا موسمی خصوصیات کے باعث کاشتکار کو محنت نسبتاً  
کم کرنی ہوتی ہے اور دوسری وہ جس کی آبپاشی کیلئے کاشتکار کو کنویں سے پانی نکالنا ہوتا ہے اس  
لیے اس کو مشقت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ پہلی قسم کی زمین پر عشرتین پیداوار کا پانچ حصہ دینا ہوگا  
خواہ وہ روپیسی شکل میں ہو یا جنس کی صورت میں، دوسری قسم کی زمین کا محصول عشرت کا آدھا  
یعنی  $\frac{1}{2}$  ہے

لگان اجارہ | حکومت کی آمدنی کا ایک ذریعہ لگان اجارہ یا ٹھیکہ بھی تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ زمین  
کا کوئی ٹکڑا کسی کاروبار کیلئے ایک شخص کو دے دیا جاتا ہے اور یہ شرط ہوتی تھی کہ وہ اس کاروبار  
کے منافع میں سے ایک متعین رقم بیت المال میں داخل کرے گا۔ چنانچہ بنو منعمان کا ایک شخص  
جس کا نام ہلال تھا اس نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ ایک وادی جس کا نام سلبہ تھا اس کیلئے  
مخصوص کر دی جائے تاکہ وہ اس میں شہد کی مکھیوں کی پرورش کر سکے۔ آنحضرتؐ نے اس شرط  
پر کہ وہ شہد جو کچھ پیدا ہوگا اس کا عشرت بیت المال میں جمع کرے گا اس کی درخواست منظور فرمائی حضرت  
عمرؓ کے دورِ خلافت میں طائف کے گورنر سفیان بن وہب نے خلیفہ دوم سے ایک مرتبہ اس کی  
بابت دریافت کیا تو اپنے فرمایا: اگر یہ شخص شہد کا عنتراب بھی اس طرح ادا کرے جس طرح وہ آنحضرتؐ  
کو ادا کرتا تھا تو یہ وادی اس کیلئے مخصوص رہنے دو۔ ورنہ اس وادی کی مکھیاں جنگل کی مکھیوں  
کی طرح ہیں جو شخص چاہے ان کا شہد کھا سکتا ہے

خراج | آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ جو اسلامی فتوحات کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ خراج بھی تھا۔ خراج  
مل یا زمین کی پیداوار کی اس مقدار معین کو کہتے ہیں جو مفتوحین کی زمین پر بطور محصول مقرر کر دی گئی

چنانچہ جب آنحضرتؐ نے خیبر فتح کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم ان زمینوں کے مالک ہیں اور ان کو جوتنا  
بونام تم سے زیادہ جانتے ہیں، اس لئے ہمارے ساتھ بٹائی پر معاملہ کر لو۔

آنحضرتؐ نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی اور نصف الصغی پر معاملہ ہو گیا، فدک کے لوگوں  
کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے بھی ایسا ہی معاملہ کرنا چاہا۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کی درخواست بھی قبول کر لی  
حضرت ابو بکرؓ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں ان لوگوں کیساتھ یہی معاملہ قاسمت یعنی بٹائی کا  
رکھا ہے لیکن حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں عراق اور شام کے جو حصے فتح ہوئے تھے۔ اپنے ان پر سری  
طور پر کچھ رقم متعین کر دی تھی اس سے یہ ثابت ہوا کہ امام کو اختیار ملتا ہے وہ اگر چاہے تو مفتوحہ  
زمین پر بٹائی کا معاملہ کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو ایک خاص رقم مقرر کر دے۔ بہر حال یہ یاد رکھنا چاہئے  
کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ زمین بزرگ شمشیر فتح کی گئی ہو۔ اور امام نے اس کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم نہ کیا ہو  
جز یہ کہ یہ ٹیکس بھی غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا۔ لیکن اس میں اور خراج میں فرق یہ ہے کہ خراج  
کیلئے کوئی قرانی نص نہیں ہے بلکہ آنحضرتؐ کی سنت اور آپ کے عمل سے ثابت ہے۔ اس کے برخلاف  
جزیہ کا ذکر خود قرآن میں ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ خراج زمین کا ٹیکس ہے۔ بعد میں اگر مالک زمین  
مسلمان بھی ہو جائے تو زمین خراج ہی رہتی ہے لیکن جزیہ فرد کا ٹیکس ہے اور اس حیثیت سے وہ  
بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ مسلمان پر زکوٰۃ اگر یہ شخص مسلمان ہو جائے تو جزیہ اس سے ساقط ہو جائیگا۔  
اگرچہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جزیہ کی شرح متعین کر دی تھی۔ لیکن عہد نبوی  
اور اس کے بعد عہد صدیقی میں اس کی کوئی شرح مقرر نہیں تھی۔ بلکہ سہولت کیساتھ جو شخص جتنا دے  
سکتا تھا اس سے اتنا ہی لیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے۔

لیس فی اموال اهل الذمۃ  
ابن ذہب کے ماموں میں سے اتنا ہی لیا جائیگا جو ان کی  
ضرورتوں سے زائد ہو۔  
الا اضعو۔ ۳

اہل یمن تجارت پیشہ ہونیکے باعث مالدار اور خوش حال تھے اس لیے آنحضرتؐ نے ان پر  
فی کسی ایک دینار جزیہ مقرر کیا تھا۔ بحران اور بحران کے لوگوں کو آپ نے مکتوب گرامی  
ارسال فرمایا تھا اس کی تصریح تھی کہ اگر اسلام قبول نہیں کیا تو انہیں جزیہ دینا ہوگا۔

۱۔ کتاب الخراج قام ابو بکرؓ ص ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

حضرت ابو بکر صدیق کے عہد میں جرہ صلحا فتح ہوا تھا اس لیے حراج کا تو سوال ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ البتہ حضرت خالد نے ان لوگوں سے فی کس دس درہم کے حساب سے جرہ وصول کیا اور اس کو مدینہ روانہ کیا۔

نے اور غنیمت آملی کا ایک ذریعہ فے اور غنیمت بھی تھا۔ دونوں میں یہ فرق ہے کہ فے اس بل کو کہتے تھے جو فرق محارب سے بغیر قتال و جلال کے حاصل ہوتا تھا۔ اور بحالت جنگ جو مال ملتا تھا وہ غنیمت کہلاتا تھا۔ آنحضرت کے عہد میں اس کی تقسیم اس طرح ہوتی تھی کہ اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ چار حصے مجاہدین پر تقسیم ہو جاتے تھے اور ایک حصہ کو پھر پانچ حصوں پر تقسیم کر کے اس طرح بانٹ دیا جاتا تھا کہ ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول کا۔ دوسرا آنحضرت کے ذوی القربی کا۔ تیسرا یتیموں کا۔ چوتھا مسکینوں کا اور پانچواں مسافروں کا عہد نبوی میں اسی پر عمل ہوتا تھا۔

جاگیر بخشی | عہد نبوت میں جاگیر بخشی کا رواج تھا اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو زمین کا ایک ٹکڑہ اس شرط پر عطا فرمادیتے تھے کہ وہ اس کو جوت بو کر آباد کرے گا اور اس کی آمدنی کا ایک حصہ بیت المال میں داخل کرے گا۔ ایک مرتبہ اپنے قبیلہ مزینہ کے چند لوگوں کو ایک زمین عطا فرمائی۔ لیکن ان لوگوں نے اس کو جوتے بونے کی زحمت کو ادا نہ کی۔ کچھ دوسرے لوگوں نے اسمیں کاشتکاری کر لی۔ اب مزینہ والوں نے اس زمین کو پھر واپس لینا چاہا۔ معاملہ حضرت عمر کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے فیصلہ دیا جو شخص تین برس تک زمین کو لوہی نہ ڈالے رکھے اور پھر کوئی شخص اس کو آباد کر دے تو یہ دوسری زمین کا زیادہ حقدار ہو گا۔

حضرت ابو بکر نے بھی اس طریقہ کو اسی طرح قائم رکھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت نے یمامہ کے مجاہد نامی ایک شخص کو ایک درخواست پر اپنے ایک فرمان خصوصی کیساتھ یمامہ کو کچھ زمینیں عطا فرمائی تھیں، اور فرمان میں یہ بھی لکھا تھا کہ "اگر تم سے کوئی شخص جھگڑا کرے تو میرے پاس آنا،" آنحضرت کی وفات کے بعد مجاہد بن مرارہ حضرت ابو بکر کی خدمت میں حاضر ہوا۔

لے کتاب الاموال ص ۲۷۱ سے کتاب الاموال ابو عبیدہ ص ۲۷۲ سے المخطوط ج ۱ ص ۱۸۲ ایک علاوہ احکام السلطانیہ للامدادی میں از صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۵ اس زمینوں کا ذکر تفصیل کیساتھ مذکور ہے۔

اور مزید ایک زمین کی درخواست کی تو حضرت ابو بکر نے ایک زمین جس کا نام خضارہ تھا اس کو عطا فرمادی لے

ایک مرتبہ اپنے طلحہ بن عبد اللہ کو ایک جاگیر عطا فرمادی اور اس کیلئے ایک تحریر بھی لکھ دی طلحہ یہ تحریر لیکر حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اس پر مہر لگا دیجیے۔ حضرت عمر نے انکار کیا اور بولے کہ وہ کیا اور لوگوں کو چھوڑ کر یہ ساری زمین تم کو ہی ملے گی، طلحہ کو یہ سن کر غصہ آ گیا۔ اسی حالت میں حضرت ابو بکر کے پاس واپس لوٹے اور کہا تجھ میں نہیں جانتا کہ خلیفہ آپ میں یا عمر میں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا در نہیں عمر ہی خلیفہ ہیں۔ لیکن انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔

لیکن اس موقع پر یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عہد نبوت میں اور اس کے بعد عہد خلفاء میں بھی جو زمین جاگیریں کسی کو دیجاتی تھیں وہ اس کی اپنی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ ان زمینوں کو جوت بو کر کارآمد بنایا جائے اور ان سے وہ شخص اور اس کے متعلقین فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ان زمینوں کو بیکار چھوڑ دیتا تھا تو وہ اس سے واپس لے لی جاتی تھی اور کسی اور کو دیدی جاتی تھیں، جاگیر اور زمین چونکہ کسی ملکیت نہیں ہوتی تھی اس بنا پر خلیفہ کے عہد میں بڑی تجدید کی ضرورت بھی ہوتی تھی چنانچہ آنحضرت نے تمیم بن اوس الداری کو جیرون اور بیت عنین نام کے دو قریب عنایت فرمائے تھے اور ایک فرمان کے ذریعہ اس کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ جب آپ کی وفات ہو گئی تو حضرت ابو بکر کے عہد میں پھر اس کی تجدید ہوئی اور آپ نے بھی قریب قریب اسی مضمون کا ایک فرمان صادر کیا، " لے

معادن ٹیکس | عہد نبوت میں یہ تو ثابت ہے کہ آنحضرت نے معادن بعض لوگوں کو دیے ہیں مثلاً بلال بن الرزنی کو قبیلہ (ساحل سمندر پر مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر ایک علاقہ کا نام ہے) کے معادن عنایت فرمائے۔ اسی طرح صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ راکاز (مدفون خزانہ یا معدن) پر تک ایک خمس واجب ہے۔ لیکن یہ ٹیکس خود آپ نے وصول کیا ہوا اس کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ابن سعد کا بیان ہے کہ نبو سلیم کی معدن حضرت ابو بکر نے لے

لے کتاب الاموال ابو عبیدہ ص ۲۸۱ لے کتاب الاموال ابو عبیدہ ص ۲۷۶ لے کتاب الاموال ابو عبیدہ ص ۲۷۵

عہد میں فتح ہوئی تو اس کی آمدنی بیت المال میں داخل کی گئی۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کے پاس قبیلہ اور جمہور کی معدنوں سے بھی کثیر مال آتا تھا۔

بعض اور آمدنیاں [مذکورہ بالا ذرائع کے علاوہ آمدنی کے دوسرے ذرائع اور بھی تھے مثلاً کوئی شخص اگر لاوارث ہوتا تھا یا اس کا وارث تو ہوتا تھا لیکن غلامی یا وجوب قتل وغیرہ کوئی چیز اس کے لیے مانع وراثت ہوتی تھی تو متوفی کی پوری املاک و جائیداد حکومت کے قبضہ میں چلی جاتی تھی اس کے علاوہ تجارتی اموال و اجناس پر بھی ٹیکس لگتا تھا اور اس سے حکومت کو آمدنی ہوتی تھی۔

حضرت عوفاروقؓ کے عہد خلافت میں آمدنی کے بعض نئے ذرائع پیدا ہوئے جو عہد نبوت اور عہد صدیق میں نہیں تھے۔ مثلاً اسلامی مملکت میں باہر کے ملکوں کا جو مال آتا تھا اس پر محصول (IMPORT DUTY) کی وصولیابی عہد فاروقی کا کارنامہ ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ رحمت عالمؐ کی شان اسی کی مقتضی تھی کہ بین المملکتی تجارت کو آزاد رکھا جائے اور اس پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے اور چونکہ عہد صدیقؓ درحقیقت عہد نبوت کا ہی آئینہ تھا اس لیے جو چیز آنحضرتؐ نے اختیار نہیں کی حضرت ابو بکرؓ اسے کیونکر مروج کر سکتے تھے اور حضرت عمرؓ نے اپنے یہاں اس کو رائج کیا بھی تو اس مجبوری سے کہ دوسرے ممالک کی حکومتیں مسلمان تاجروں سے یہ ٹیکس وصول کرتی تھیں۔

البتہ ہاں سمندروں سے جو منافع حاصل ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر بھی ٹیکس لگایا لیکن عہد نبوت اور عہد صدیقؓ میں اس کا پتہ نہیں چلتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں کا قبضہ سمندروں پر نہیں ہوا تھا۔

یہ وہ ریاستی آمدنی کے ذرائع تھے جو آنحضرتؐ کے عہد میں پائے جاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو جوں کا توں باقی رکھا اور اس میں جہاں کہیں کوئی رخصتہ پڑتا نظر آیا اس کو پوری قوت کے ساتھ روکا اور بند کیا۔

زکوٰۃ کی حیثیت اسٹیٹ ڈیوٹی کی ہے [آنحضرتؐ کی وفات کے بعد منکرین زکوٰۃ کا جو قبضہ اٹھا تھا اور حضرت ابو بکرؓ نے اس کا جس طرح قلع قمع کیا اس کا ذکر گزر چکا ہے اس سلسلہ میں یہاں

لے طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۱ ۲ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو مشورہ کہتے ہیں۔

یہ جان لینا ضروری ہے کہ مالغین زکوٰۃ دراصل دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو سرے سے زکوٰۃ کی فرضیت کے ہی قائل نہیں رہے تھے اور دوسرے وہ لوگ تھے جو زکوٰۃ کو فرض تو مانتے تھے لیکن اس بات کیلئے آمادہ نہیں تھے کہ ان کی زکوٰۃ مدینہ بھیجی جائے۔ آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا "لَوْ خَذُ مِنْ أَعْيُنَاءِ هَمْ وَ تَرَكَ إِلَى فُقَرَاءِ الْهَجْرِ"، دوسرا گروہ اس ارشاد نبویؐ سے استدلال کرتا تھا کہ زکوٰۃ جس قبیلے کے امیروں سے وصول کی جائے گی۔ اسی قبیلے کے غریبوں پر خرچ ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کا خیال یہ بھی تھا کہ چونکہ آنحضرتؐ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اس بنا پر آپ کو تو بیشک اس بات کا حق تھا کہ سب قبائل کی زکوٰۃ وصول کریں۔ لیکن آپ کے بعد یہ حق کسی اور کو نہیں پہنچتا۔ اس لیے ان پر ضروری ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ مدینہ بھیجیں۔ زکوٰۃ کو مدینہ بھیجنا ان کے نزدیک ایک طرح کا ڈانڈ یا تاولن تھا۔ جیسا کہ قرۃ بن ہبیرہ اور حضرت عمر بن العاصؓ کی گفتگو سے ظاہر ہے جس میں قرۃ نے زکوٰۃ کیلئے داتا وہ، کا لفظ استعمال کیا ہے لے

حضرت ابو بکرؓ کا جہاد ان دونوں گروہوں کے خلاف تھا آپ نے فرمایا کہ جس طرح آنحضرتؐ زکوٰۃ لیتے تھے اسی طرح میں بھی لوں گا۔ اور اگر انہوں نے اونٹ کی ایک رسی جس کو عہد نبویؐ میں دیتے تھے مجھ کو اس کے دینے سے بھی انکار کیا (لو ممنعونی عقلا) تو میں ان سے جہاد و قتال کروں گا۔ حضرت ابو بکرؓ کا یہ ارشاد فقہی اعتبار سے نہایت اہم ہے جس کی طرف کم لوگوں کی نگاہ گئی ہے۔ آپ نے یہ فرمایا کہ جہاں پہلے گروہ کی خام خیالی کا رد کر کے یہ حقیقت واضح کر دی کہ زکوٰۃ بھی اسی طرح فرض اور عبادت ہے جس طرح کہ نماز ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ساتھ ہی دوسرے گروہ کی تردید کر کے صاف بتلادیا کہ زکوٰۃ دراصل اسٹیٹ ڈیوٹی یعنی اسلامی حکومت اگر قائم ہو تو یہ اس کا ٹیکس ہے۔ اس لیے جب تک آنحضرتؐ رہے آپ وصول فرماتے رہے اب صدر ریاست میں ہوں تو میں وصول کروں گا۔ پس زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت یہی ہے۔ کسی شخص یا کسی قبیلہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے طور پر زکوٰۃ نکال دے اور حکومت کے خزانے میں اس کو جمع نہ کرے۔

حضرت ابو بکرؓ کا یہ فیصلہ چونکہ نہایت اہم تھا اور دقیق و غامض بھی اس لیے حضرت عمرؓ جیسے نکتہ شناس شریعت نے اس کی داد دی اور صاف طور پر فرمایا -

فعرفت انه الحق لے پھر مجھ کو معلوم ہو گیا کہ واقعی حضرت ابو بکرؓ کی رائے ہی درست تھی -

حکومت کے مصارف | مذکورہ بالا ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ خلیفہ کے اختیار اور اس کی رائے سے حکومت کے تمام شعبوں پر خرچ کی جاتی تھی۔ عمال صدقات کا روزیہ تو انہیں کے جمع کیے ہوئے صدقہ سے دیا جاتا تھا اس کے علاوہ باقی تمام کار پر دوازیں حکومت کی تنخواہیں خلیفہ کی تنخواہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے فوج کیلئے سامان رسد، آلات حرب کی فراہمی انکی دیگر ضروریات سماجی اور معاشرتی کام - دینی اور مذہبی امور رفاہ عامہ ان سب کی تکمیل میت المال سے ہوتی تھی -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کی تکمیل | چونکہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں جو علاقے فتح ہوئے ان میں سے بعض وہ تھے جن کی فتح کی پیشگوئی آنحضرتؐ کر چکے تھے اس لیے اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضورؐ کا کسی سے وعدہ بغیر تکمیل کے رہ جائے آپ نے اعلان عام کر دیا تھا کہ جس کسی شخص سے آپ نے کوئی وعدہ کیا ہو وہ میرے پاس آئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بحرین کا مال آیا تو ایک شخص ابن ابی بھجج نے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھ سے آنحضرتؐ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو دو دنوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے، میں تم کو اتنا اور اتنا دوں گا حضرت ابو بکرؓ نے کہا راجھا تو یہ دونوں ہاتھوں سے اٹھا لو، اس شخص نے اٹھایا اور گنا تو پانچ سو درہم تھے۔ چونکہ اس شخص نے ہاتھوں سے دو مرتبہ اشارہ کیا تھا اور ایک مرتبہ کی معنی بھرنے میں پانچ سو درہم آئے تھے اس لیے اس رقم کو دو گنا کر کے حضرت ابو بکرؓ نے اس کو ایک ہزار درہم عطا فرمادے۔

لے ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ - یہ نہ بھولنا چاہیے کہ یہ حکم اسی وقت تک کیلئے ہے جبکہ مسلمانوں کی اپنی کوئی حکومت اور اجتماعی نظام قائم ہو اور حکومت کی جانب سے زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے عمال و محصلین مقرر ہوں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک ہی نظام قائم رہا اہلسن کی ضرورت بھی تھی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں حکومت بہت متزلزل ہو گئی اور روپیہ کی ریل میں بڑھ گئی تو زکوٰۃ کو انفرادی طور پر ادا کرنے کی اجازت دیدی گئی لہٰذا کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۳۲

تقسیم میں مساوات | آنحضرتؐ کے وعدوں کی اس طرح تکمیل کرنے کے بعد باقی جو رقم بچتی تھی حضرت ابو بکرؓ اس کو عورت مرد، چھوٹا بڑا، غلام اور آزاد سب پر برابر تقسیم کر دیتے تھے کیونکہ یہی دستور آنحضرتؐ کا بھی تھا۔ ایک مرتبہ بحرین سے مال آیا آپنے اس کو علی السو بیہ تقسیم کیا تو فی کس سوا سات درہم آکر پڑا۔ دوسرے سال مال زیادہ آیا اور حسب سابق برابر تقسیم کیا گیا تو فی کس بیس درہم حصہ میں آئے بعض لوگوں نے ازراہ نکتہ چینی کہا کہ اے خلیفہ رسولؐ! آپنے مال برابر تقسیم کر دیا ہے حالانکہ لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو دو درہم پر تقدم اور تفوق حاصل ہے اگر آپ ان کے سبقت الی الاسلام اور فضیلت کی رعایت رکھتے تو بہتر ہوتا آپنے جواب دیا کہ جسے جن فضائل و سوابق کا ذکر کیا ہے ان کو مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے؟ لیکن یہ چیزیں وہ ہیں جن کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔ یہ بہر حال معاش کا معاملہ ہے اس میں برابر ہی کا معاملہ کرنا ترجیح دینے سے بہتر ہے لے خمس مال غنیمت کی تقسیم | پہلے گزر چکا ہے کہ عہد نبوت میں جو مال غنیمت آتا تھا اس کا خمس پانچ حصوں پر تقسیم کر لیا جاتا تھا اور اس میں سے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا اور دو حصہ آنحضرتؐ کے ذوی القربی کا ہوتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی خمس کی تقسیم کے اسی قاعدہ کو باقی رکھا اور اس میں ذرا کی بیشی یا قطع برید نہیں کی۔ عہد نبوت میں حضرت علیؓ پورا خمس خود لیتے تھے اور پھر اس کو ذوی القربی پر حسب مراتب و مدارج تقسیم کر دیتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں خمس آنحضرتؐ کی حیات میں تقسیم کرتا تھا۔ اس لئے ابو بکرؓ نے بھی مجھ کو اس کا متولی بنا دیا اور ان کی زندگی میں بھی خمس میں ہی تقسیم کرتا تھا لے ابو عبیدہؓ نے ابن شہاب الزہری کا ایک قول نقل کیا ہے اس سے بھی اس کی تصدیق و تائید ہوتی ہے انہوں نے فرمایا

وکان ابو بکر لیتقسّم من الخمس نحو قسم ابو بکر خمس کو اسی طرح تقسیم کرتے تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے

ایک غلط روایت | اس پر یہ عقائدینا بھی ضروری ہے کہ قاضی ابویوسف نے ایک روایت نقل کی ہے

لے کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۲۲ اصل کتاب میں «الاسوة» چھپا ہوا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے صحیح السو بیہ ہے اور اصل فقہ یوں ہے «السو بیہ خیر» الاثرۃ، لے کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۲۲ لے کتاب الاموال ص ۲۲۱ باب سہم ذی القربی من الخمس -



جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے خمس میں سے رسولؐ اور ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط کر دیا تھا۔ اور صرف تین حصے باقی رکھے تھے اے لیکن یہ روایت بالکل لغو ہے۔ کیونکہ اس کا راوی محمد بن السائب الکلبی ہے اور وہ محدثین کے نزدیک مجروح اور ناقابل اعتبار ہے۔ حضرت سفیان الثوری کہا کرتے تھے

القول الکلبی کلہی سے بجز

لوگوں نے کہا "تو پھر آپ اس سے کیوں روایت کرتے ہیں؟" فرمایا "میں اس کے جھوٹ پر سبھی پرکھ رکھتا ہوں،" یزید بن زریح جو مشہور امام حدیث ہیں انہوں نے ایک مرتبہ کلبی سے کوئی روایت کی تو ساتھ ہی فرمایا کہ کلبی سب ان تھا حضرت اعمش نے یہ سن کر کہا کہ سب انوں سے بچنا چاہیے میں ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں بے لوگوں ان کو کذاب کہتے ہیں

کلبی کا یہ حال تو علم ہے پھر روایت زیر بحث کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اسناد ہے عن ابی صالح عن ابن عباس اور محمد بن السائب الکلبی کی اس خاص اسناد کے متعلق ائمہ حدیث کا اتفاق ہے کہ اس اسناد سے جو روایت ہوگی وہ جھوٹی ہوگی۔ چنانچہ خود حضرت سفیان جنہوں نے کلبی سے روایت کہے فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک مرتبہ کلبی نے کہا تھا کہ میں البرصالح سے جو روایت بھی کروں گا وہ جھوٹی ہوگی ابن عدی کا قول ہے۔

واضافی الحدیث فضئلہ مناکیر حدیث کے سلسلہ میں کلبی سے بہت سی منکر

وخاصة اذاروی عن ابی احادیث مردی ہیں اور خاص طور پر وہ روایت

صالح عن ابن عباس جو ابن عباس سے بواسطہ البرصالح مردی ہیں۔

حدیث کے علاوہ اس شخص کا تفسیر میں یہی حال تھا کلبی نے امام احمد بن حنبل سے

پوچھا کیا محمد بن السائب الکلبی کی تفسیر کو دیکھنا جائز ہے؟ فرمایا "نہیں،" اے

غیر مسلموں کا سماجی تحفظ | غیر مسلم جب جزیہ دینے کی حامی پھر کرا اسلامی حکومت کی اطاعت

قبول کرتا ہے تو وہ ذمی کہلاتا ہے اور اس کیلئے اسلام کا صاف حکم یہ ہے "لہم مال المسلمین و علیہم ما علی المسلمین،" ان کے حقوق وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہوں گے اور ان پر وہ سب کچھ واجب ہوگا جو مسلمانوں پر ہوتا ہے اس مساوات حقوق کی بنا پر جس طرح مسلمان محتاجوں اور ایسا، بچوں کی خبر گیری اور ان کا معاشی تکفل اسلامی بیت المال کا فرض ہے ٹھیک اسی طرح ازکار رفتہ غیر مسلموں کی حفاظت اور ان کے روزینہ کا انتظام بیت المال کے ذمہ ہے۔ چنانچہ حیرہ کی فتح کے موقع پر خالد بن الولید نے حضرت ابو بکرؓ صدیق کی طرف سے اہل حیرہ کے نام جو عہد نامہ لکھا تھا اور جو دنیا کی تاریخ جنگ و صلح میں اپنی نظیر نہیں رکھتا اس میں اور چیزوں کے ساتھ ایک اہم دفعہ یہ بھی تھی۔

ایما شیخ ضعف عن العجل او جو کئی (غیر مسلم) بڑھا ازکار رفتہ ہو جائے یا جس کی غیر مسلم احیاء افاہة من الافات اور غنیاً کو کئی آفت پہنچے یا وہ مالدار ہو اور پھر غیر ہو جائے اور فاقر و دصار اهل دینہ یتصدقون اس کے اہل مذہب اس کو خیر خیرات دینے لگیں تو اس کا علیہ حرکت جزئیة و عیال من جزیرہ معان ہو جائیگا اور مسلمانوں کے بیت مال میں سے اس کا بیت المال المسلمین و عیالہ ما اقام اور اس کے متعلقین کا اس وقت تک برابر تکفل کیا جائے بدار لہججہ و دار الاسلام گاجب تک لوگ مدینہ اور اسلامی ملک میں رہیں گے۔

عہد نامہ کے آخر میں یہ بھی تحریر تھا، جو بوطرھے، جوان، عزیز اور امیر۔ تندرست اور بیمار سب غیر مسلموں کیلئے عام تھا۔

فان طلبو عوناً من المسلمین یہ لوگ مسلمانوں سے اگر کوئی مدد طلب کریں گے تو ان کی

اعینوبہ و مؤنۃ العون من مدد دی جائے گی اور اس مدد کے سلسلہ میں جو اخراجات

بیت مال المسلمین نے ہوں گے وہ بیت المال کے ذمہ ہوں گے

جن چیزوں پر نہیں ہے اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں

جن کو عطیہ و فطرت، سمجھا گیا ہے۔ یعنی یہ چیزیں خود پیدا ہوتی ہیں اور انسانی محنت کو

اس میں دخل نہیں۔ اے ابن خلدون نے ان کو دالفلاحۃ، کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ۲ مثلاً گھانس۔ بانس۔ لکڑی۔ نمک۔ پانی۔ جنگل جانور۔ جنگل وغیرہ۔ اگرچہ ہمارے زمانہ کی مہذب حکومتوں تک نے ان پر ٹیکس لگایا ہے۔ لیکن اسلام نے ان چیزوں کو ٹیکس سے بالکل آزاد رکھا ہے اور ہر شخص کو خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم پوری آزادی ہے کہ وہ حسب ضرورت ان سے استفادہ کرے۔ اس سے کسی قسم کا کوئی محصول نہیں لیا جائیگا۔ کتاب الخراج قاضی ابویوسف اور کتاب الاموال ابو عبیدہ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ عہد نبوت اور اس کے بعد عہد صدیقی میں اسی پر عمل ہوتا تھا۔

## فوجی نظام

یوں تو عرب پیدائشی جنگجو تھے لیکن ان کا باقاعدہ کوئی فوجی نظام نہیں تھا، وہ گریز یا جنگ جس کو آج کل کی اطلاع میں گوریلا وار کہتے ہیں اسکے عادی تھے۔ لیکن آنحضرت نے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ زندگی کی بھی تنظیم کی، اسی تنظیم کا نتیجہ تھا کہ ان لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق کے عہد میں اس زمانہ کی سب سے زیادہ مہذب، متمدن اور طاقتور حکومتوں ایران اور روم کی فوجوں کو اپنی قلت تعداد اور سامان کی کمی کے باوجود شکست پر شکستیں دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ یونہی بخت و اتفاق کا نتیجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اے ہم نے عربوں کے جس طریقہ جنگ کو گریز یا جنگ کہا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اس کو روم کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ اس طریقہ کے برخلاف عجم میں صفت بستہ ہو کر لڑنے کا (جس کو عربی میں زحف کہتے ہیں اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اسی معنی آیا ہے) طریقہ رائج تھا۔ آنحضرت نے حسب موقع و محل دونوں طریقے اختیار کیے۔ لیکن

اے میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب نے حال ہی ایک بڑی قابل قدر کتاب "حدیث دفاع کے نام سے بھی ہے جو بڑی تقطیع کے ۳۲۶ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور فیروز منزل لاہور نے اسکو شائع کیا ہے۔ جدید فوجی حرب کے ماہر کی حیثیت سے میجر صاحب نے اس کتاب میں شائع کیا ہے کہ آنحضرت خالص فنی نقطہ نظر سے بھی دنیا کے سب سے بڑے فاتح جنرل اور اصول حرب و ضرب کے ماہر تھے آپ نے جنگ کے دو اصول وضوابط متین کے صحابہ کو جنگ کرنیکی جسطرح تربیت دی اور پھر خود جسطرح فتح کی قیادت کی اور اسکے لئے جو طریقے اختیار کئے، چودہ سو برس زیادہ گزرنے کے باوجود علوم و فنون کے اس دست ترقی میں بھی اسپر ایک حرب کا اضافہ نہیں ہو سکا ہے۔ اسپس شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بالکل اذکی اور لائق مطالعہ ہے۔

۱۔ مشکوٰۃ مجتہبائی پریس ص ۲۵۹ مالہ لتعمل یدالک

۲۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۳۲۱ - ۳۲۲

جہاں دشمن کی فوجیں صف بستہ ہوتی تھیں وہاں زحف کا طریقہ بھی اختیار کرتے تھے قرآن مجید نے اسی کو ”كَانَ لَهُ بُنْيَانٌ مُّشْتَرِكٌ“ گویا وہ لوگ ایک مضبوط بنیاد ہیں“ کہلے ہے۔

**لشکر کے مختلف حصے** عربی میں لشکر کو خمیس بھی کہتے ہیں۔ جو خمس (پانچ حصے) میں ہے یہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لشکر پانچ حصوں میں تقسیم ہوتا ہے ایک دستہ فوج جس میں امیر لشکر ہوتا تھا۔ قلب کہلاتا تھا۔ امیر لشکر کے دائیں جانب والے حصے کو مہینہ اور بائیں جانب والے حصے کو میسرہ کہتے تھے۔ لشکر کا پچھلا حصہ ساقہ اور اگلا حصہ مقدمہ الجیش یا طلیعہ کہلاتا ہے۔ لشکر کی ترتیب دو قسم کی ہوتی تھی ایک ترتیب قریب جس میں لشکر کے سب حصے پاس پاس ہوتے تھے۔ اس کو تعبیر کہتے تھے اور دوسری ترتیب بعید جس میں لشکر کے مختلف حصے ایک دوسرے سے فاصلے پر ہوتے تھے اس وقت لشکر کے ہر حصے کو کردس کہتے تھے۔ آنحضرتؐ کے عہد میں تعبیر کا رواج تھا لیکن حضرت ابو بکر کے عہد خلافت میں حضرت خالد نے شام پہنچ کر جب دیکھا کہ دشمن کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار ہے اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف چھتیس ہزار ہے۔ تو اپنے اسلامی فوج ۳۶ سے ہم تک دستوں (کرادیں) میں بانٹ دیا۔ اس طرح گویا ہر دستہ میں ایک ایک ہزار مجاہد تھے۔ اور ہر دستہ کا ایک ایک امیر مقرر کر دیا۔ قلب کے جو دستے تھے ان کے امیر ابو عبیدہ بن الجراح۔ مہینہ کے دستوں کے امیر عمر بن العاص اور شرجیل بن حسنہ، میسرہ کے دستوں کے امیر یزید بن ابی سفیان تھے اور پھر ہر دستہ کا الگ الگ بھی ایک امیر تھا۔ جو شجاعت اور بہادری میں نامور تھا مثلاً قعقاع بن عمرو و عبد اللہ بن مسعود۔ قباث بن اشیم کہ دشمن کی کثرت تعداد کو دیکھ کر کسی نے کہا کہ ہائے ابروئیوں کی تعداد کس قدر زیادہ ہے اور اسکے مقابلہ میں مسلمان کس قدر کم ہیں، حضرت خالد نے فرمایا، نہیں مسلمان کس قدر زیادہ ہیں اور وہ جی کتنے تھوڑے ہیں“ اس کے بعد کہا کہ کثرت و قلت کا دار و مدار کامیابی اور ناکامی پر ہے۔

لے مقدمہ ابن خلدون باب القسم سابع فی الحرب لے تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۸۲

یعنی ان کو یقین تھا کہ نتیجہ جنگ انہیں کے حق میں ہوگا۔ لے لشکر میں وعظ و کلام حضرت ابو بکر کے عہد میں اس کا بھی اہتمام ہوتا تھا کہ چند ایسے حضرات لشکر کے ساتھ بھیجے جاتے تھے جو اپنے دلولہ انگیز خطبوں اور قرآن مجید کی آیات جہاد کی تلاوت سے مجاہدین میں جوش پیدا کرتے تھے چنانچہ شام کی جنگ کے موقع پر یہ خدمت ابو سفیان بن حرب کے سپرد تھی، ان کے علاوہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے مقداد تھے طبری نے روایت کی ہے کہ غزوہ بدر کے بعد سے آنحضرتؐ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ دشمن کے بالمقابل صف آرا ہونے کے بعد آپ سورہ انفال کی آیات تلاوت فرماتے تھے آپ کے بعد بھی یہ دستور باقی رہا۔ لے

**جنگ کے ہتھیار** لشکر میں شہسوار اور پیادہ دونوں قسم کے لوگ ہوتے تھے اور جنگ میں یہ لوگ جو ہتھیار استعمال کرتے تھے ان کے نام یہ ہیں۔ زره۔ تلوار۔ رمح یعنی بڑا نیزہ۔ حربہ (چھوٹا نیزہ) الخط الحجر بن کا ایک ساحلی علاقہ ہے یہاں نیزہ بہت عمدہ بنتے تھے اور الرمح الخطی کہلاتے تھے۔ اسی طرح ہند میں تلواریں بہت عمدہ بنتی تھیں اور السیف الہندی کہلاتی تھیں۔ یہ اسلحہ تو وہ ہیں جو عام طور پر مروج ہیں ان کے علاوہ آنحضرتؐ سے جن اور دوسرے اسلحہ کا استعمال مروی ہے ان کے نام یہ ہیں۔ منجیق، اس کی شکل توپ یا گان کی سی ہوتی ہے۔ اور اس کے ذریعہ دشمن پر پتھر پھینکے جاتے تھے جو گولہ باری کا کام کرتے تھے۔ ابن ہشام کی روایت ہے کہ اسلام میں منجیق کا استعمال سب سے پہلے آنحضرتؐ نے کیا ہے لے

دبا بے۔ اس کا ایک بڑا نخل ہوتا تھا۔ فوجیوں کی ایک بڑی تعداد اس کے اندر بیٹھ جاتی تھی اور اس کو دھکیلتے ہوئے دشمن کے قلعہ کی دیوار تک لے جاتے تھے، اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ان فوجیوں پر دشمن کے قلعہ کے اوپر سے اگر تیر بھی برسے تھے تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور اس طرح وہ محفوظ طریقہ پر قلعہ کی دیوار تک پہنچ جانے کے بعد قلعہ پر حملہ کر سکتے تھے۔

لے تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۸۳ لے طبری ج ۲ ص ۵۹۴ لے سیرت ابنی ج ۲ ص ۳۰۳

الضیورہ۔ یہ بھی دباہ کی طرح ہوتا ہے اور ایسی لکڑی سے تیار ہوتا تھا جسپر کھال چڑھی ہوتی تھی۔ اس کا فائدہ بھی یہی تھا کہ حملہ آور سپاہی اس کے خول میں چھپ کر بیٹھ جاتے تھے اور حفاظت سے دشمن کے قلعہ تک پہنچ کر حملہ کرتے تھے۔ یہ دونوں ہتھیار خود آنحضرتؐ نے استعمال کئے تھے۔ لہ

فوجی لباس | جہاں تک لباس کا تعلق ہے اگرچہ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ خاص جنگ کے وقت کوئی لباس لکڑی پر بنیاد کی طرح ہوتا تھا یا نہیں تاہم حفاظت کیلئے زرہ اور خود پہننے کا عام رواج تھا اور سپر بھی رکھنے کا دستور تھا۔ البتہ ڈاکٹر محمد رحمان ابراہیم نقل کیا ہے کہ پاپیادہ سپاہی چھوٹی قبائیں جو گھٹنوں تک دراز ہوتی تھیں پہنتے تھے اور تہد کی بجائے پاجامے اور جوتے جو ہمارے زمانہ میں اہل افغان کا شعار سمجھے جاتے تھے۔ عورتیں بھی ساتھ ہوتی تھیں | فوج کے ساتھ عورتیں بھی ہوتی تھیں جن کا کام زخموں کا مرہم پیچ کرنا اور پانی پلانا وغیرہ ہوتا تھا۔ دف اور طبل جنگ بھی بجاتی تھیں تاکہ فوج میں جوش پیدا ہو۔ اگر کوئی نازک موقع آتا تھا تو جنگ میں بھی حصہ لیتی تھیں چنانچہ عہد نبوت میں اور پھر عہد صدیقی میں اس قسم کے بعض مواقع پیش آئے تھے۔ لہ فوج کا معائنہ آنحضرتؐ کا طریقہ جس کو آپ نے غزوہ بدر کے موقع پر خاص طور سے برتا تھا یہ تھا کہ جنگ شروع ہونے سے قبل اسلامی لشکر کو قطاروں میں تقسیم کر کے باقاعدہ صف بندی کرتے اور ان کا معائنہ کرتے تھے اور جہاں کوئی آدمی آگے پیچھے نظر آتا تھا۔ چھڑی کے اشارے سے اس کو درست کر دیتے تھے۔ اس کے

لہ عربوں کے جنگی ہتھیاروں کی مفصل معلومات کیلئے دیکھو ابن قتیبہ کی عمیون الاخبار ج ۱ ص ۱۲۱  
۱۲۲ لہ تاریخ الاسلام سیاسی ج ۱ ص ۲۰۲۔ حضرت خالد بن الولید نے حضرت ابو بکر کی طرف اہل جہ  
کیلئے جو عہد نامہ لکھا تھا اسی میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ ذمی جو لباس پہنتے ہیں وہ پہنیں اور سر کوئی  
روک ٹوک نہیں ہے۔ البتہ وہ مسلمانوں کا ساختگی لباس (زنی الحرف) نہیں پہنیں گے۔ دیکھو کتاب  
الخزاج قاضی البریوسف ص ۱۷۲ | اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنگ کا لباس فرد کوئی تھا جس  
میں پہننے والا جست اور چاقو دچر بند رہتا تھا۔ لہ فتوح الشام لواء قدسی ذکر عہد صدیقی۔

ساتھ ہی آپ فوج کے مختلف حصوں پر افسر تعینات کرتے اور ان کے الگ الگ علیبر دار بھی مقرر فرماتے تھے۔ اس کے بعد فوج کو ہدایات دیتے کہ جب تم اجازت نہ ملے صف بندی ہرگز نہ توڑیں۔ خود اپنی طرف سے لڑائی شروع کرنے میں پہل نہ کریں۔ دشمن اگر فاصلہ پر ہو تو تیر چلا کر اس کو ضائع نہ کریں، نزدیک آئے تو تیر چلائیں، قریب ہو تو مجتہق استعمال کریں اور زیادہ نزدیک آئے تو نیزوں سے روکیں۔ اور سب سے آخر میں تلوار نکالیں۔ لڑائی میں شور و غل عام بات ہے لیکن آپ نے منع فرما دیا تھا کہ منہ سے آواز تک نہ نکلے۔ لہ

کمانڈر انچیف | عہد نبوت میں چونکہ آنحضرتؐ غزوات میں خود شریک رہتے تھے کا عہدہ | اس لئے فوج کی اعلیٰ قیادت۔ اس کا معائنہ اور اس کو ہدایات دینا یہ سب کام آپ ہی کرتے تھے لیکن عہد خلافت میں حضرت ابو بکر خود جنگوں میں شرکت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ کی حیثیت جنگ کے معاملہ میں ذیہر جنگ کی سی تھی اور خاص محاذ جنگ کے لئے آپ نے یہ انتظام کیا کہ ایک کمانڈر انچیف کا عہدہ قائم کیا جو پورے میدان جنگ کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا اور تمام فوج کی نقل و حرکت اس کے زیر حکم و قیادت ہوتی تھی۔ چنانچہ جلیسا کہ گزر چکا ہے محاذ خیام پر حضرت ابو بکر نے ہر دستہ فوج کا الگ الگ ایک امیر مقرر کیا تھا لیکن ان سب کے امیر حضرت خالد بن ولید مقرر کئے گئے تھے لہ

حضرت ابو بکر کو حضرت خالد پر کس قدر اعتماد تھا جو بالکل حق بجانب ثابت ہوا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب محاذ خیام پر مسلمانوں کی اور رومیوں کی فوجیں بہت دنوں تک آمنے سامنے پڑی رہیں اور کسی طرف سے کوئی اقدام نہیں ہوا تو حضرت ابو بکر نے فرمایا۔

واللہ لانیسین الروم وساوس الشیطان بخالد لہ  
خدا کی قسم ارمیوں کے دلوں میں جو دوسرے ہیں وہ سب میں خالد کو (عراق سے شام) بھیج کر بھلا دوں گا

فوج کیلئے انتخاب میں احتیاط اور عہد ثبوت اور عہد صدیقی میں فوج کا کوئی مستقل  
 اہل لگ صیغہ نہیں تھا۔ اور نہ فوجی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام تھا بلکہ پوری قوم  
 ہی ایک فوج تھی، ضرورت پڑنے پر اعلان کر دیا جاتا تھا اور جو لوگ رضا کارانہ طور  
 پر اپنی خدمات پیش کرتے تھے ان کو لے لیا جاتا تھا۔ البتہ حضرت ابو بکر صدیق  
 انتخاب کرتے وقت اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ مشتبہ لوگوں کو شریک فوج نہ ہونے  
 دیں۔ چنانچہ شام کی ہم کو سر کرنے کیلئے آپ نے جو فوج ترتیب دی اس میں  
 ابتداءً ان لوگوں کو شرکت کی اجازت نہ تھی جن کے دامان اطاعت فرمانبرداری  
 پر امتداد کا داع لگ چکا تھا، خالد بن سعید بن العاص کو روانہ کرتے وقت حکم دیا  
 و ان یدعو من حولہ من العرب کہ تمہارے ادھر ادھر جو عرب ہیں انکو جنگ میں  
 الا من ارتد۔ لہٰ شریک کی دعوت دینا مگر جو لوگ مرتد ہو گئے تھے انکو نہیں  
 بجا ہدین اسلام کی قدر اندازی اگرچہ مسلمانوں کی فوجی تعلیم و تربیت کا اس وقت کا باقاعدہ  
 انتظام نہیں ہوا تھا۔ لیکن درحقیقت اس کی ضرورت بھی نہیں تھی تینوں بزرگ عرب فطرتاً جنگجو  
 ہوتے تھے اور شمشیر زنی اور تیر اندازی ان کا خاص فن تھا، چنانچہ عراق میں انبار کی  
 جنگ کے موقع پر ایرانیوں کا لشکر جو ایک نہایت تجربہ کار اور آزمودہ جنرل شیزاد  
 کے ماتحت تھا بڑی شان و شوکت اور طعراق کے ساتھ تھا۔ اور اس کو اپنی طاقت  
 کا بڑا گھمنڈ تھا، لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت خالد بن ولید نے خندق کا  
 چکر لگایا، اتنے میں گھسان کا سن پڑنے لگا تو آپ تیر اندازوں کے دستہ کے پاس  
 پہنچے اور ان سے کہا کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ (دشمن) طریقہ جنگ سے  
 ناواقف ہیں تم ان لوگوں کی آنکھوں کو نشانہ بنا کر تیر چلاؤ، تیر اندازوں نے اس  
 حکم کی پلس طرح تعمیل کی کہ دشمن کی فوج کے ایک ہزار سپاہیوں کی آنکھوں کو  
 تیروں سے پھید دیا دشمن نے یہ منظر دیکھا تو چیخ اٹھا اور خبر اڑا دی گئی کہ اہل انبار سے  
 کے سب اندھے ہو گئے۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اس جنگ کو "ذات العیون" آنکھوں

لہ طبری ج ۲ ص ۶۰۲

والی جنگ بھی کہتے ہیں۔ شیزاد نے گھبرا کر صلح کی پیش کش کی۔ لہٰ  
 سامان جنگ کی فراہمی اسلحہ اور سامان جنگ کا یہ حال تھا کہ لوگ اپنے اپنے اسلحہ لیکر  
 آتے تھے اور جو خود ان کا انتظام نہیں کر سکتے تھے، ان کا انتظام چندہ کے ذریعہ کر دیا  
 جاتا تھا۔ تاہم حضرت ابو بکر نے اس میں اتنا اضافہ کیا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی  
 اُس کا ایک حصہ اسلحہ اور دوسرے سامان جنگ کی خریداری کیلئے وقت کر دیتے تھے قرآن  
 نے مال غنیمت میں اللہ اور اُس کے رسول کا جو حصہ مقرر کیا تھا، اسکو بھی اسی کام میں لاتے تھے کہ  
 مدینہ میں ایک جگہ تعلق تھی۔ آنحضرتؐ نے اسکی چراگاہ کو جنگی گھوڑوں کے لئے مخصوص  
 کر دیا تھا لہٰ حضرت ابو بکر نے بھی اس کو اسی طرح باقی رکھا، بعد میں البتہ حضرت عمرؓ نے ریزہ  
 کی چراگاہ کو بھی صدقہ اور زکوٰۃ کے اونٹوں اور گھوڑوں کیلئے اس غرض سے مخصوص کر دیا تھا۔  
 اگرچہ اتنا کام حضرت ابو بکر بھی کرتے تھے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کے جو اونٹ و بیل پتلے ہوتے  
 تھے ان کو ریزہ اور اس کے قریب دجوار میں بھیج دیتے تھے لہٰ

امرائے فوج کو ہدایات لیکن یہ سب فوج کے ظاہری اور مادی انتظامات تھے ماحصل چیز  
 جو سپر فوج کی کامیابی کا انحصار ہے وہ ہے اعلیٰ نصب العین زندگی اور بلند اخلاقی  
 کردار اور کیر کر حضرت ابو بکر کو اس چیز کا خاص اہتمام رہتا تھا، اور جب فوج روانہ ہوتی  
 تھی تو آپؓ پیادہ اس کو رخصت کرنے کیلئے مدینہ سے باہر دور تک تشریف لاتے تھے  
 امرائے فوج کی سخت امرار کے باوجود ان کو سواری سے اترنے نہیں دیتے تھے اور خود  
 سواری پر بیٹھتے نہیں تھے۔ اور جب فوج روانہ ہوتی تھی تو آپؓ اس کو مفصل احکام و  
 ہدایات دیتے تھے جن میں جہاد کا مقصد اس کی اہمیت و ضرورت خلوص و دلہیت اور  
 خلد وندی و ثواب اخروی دنیا اور اس کی زندگی کی بے حقیقی وغیرہ جیسی چیزیں پر بڑے  
 موثر انداز میں روشنی ڈالتے تھے اور ساتھ ہی ایسے جنگی احکام دیتے تھے جن سے  
 آپؓ کی مہارت فن حرب، حسن تدبیر، بیدار مغزی اور دشمن اور اس کے ملک سے کمال  
 واقفیت کا ثبوت ملتا تھا۔

لہ کتاب الخراج تاملی ترجمہ ص ۱۱۱ کتاب الاموال ابو سعیدہ ص ۲۰۸ لہ کنز العمال ج ۵ ص ۲۵۹ رقم ۱۲۰ لہ طبری ج ۲ ص ۲۵۸

حضرت اسامہ اور یزید بن ابی سفیان کو آپ نے جو ہدایات دی تھیں انکا ذکر گزر چکا ہے حضرت خالد خود ایک نامور جہل تھے۔ لیکن جب ان کو ذوالقصد کی طرف مزیدین سے جنگ کرنے کیلئے روانہ کیا ہے تو ان کو بھی ہدایات دیں اور فرمایا۔

”تمہارے ادھر ادھر قبیلہ طے پڑیگا، اگرچہ تمہارا رخ برا ہے ہی کی طرف ہوگا۔ لیکن تم ابتداء طے ہی سے کرنا۔ بزاخہ سے فارغ ہو کر بطرح جاؤ، بطرح کامرکہ سرکر لو تو اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹو جب تک میں تم کو ملک نہ بھیج دوں“

حضرت ابو بکر نے ایک طرف تو حضرت خالد کو یہ ہدایت دیکر روانہ کیا۔ دوسری طرف تبیر یہ کی کہ مشہور کر دیا کہ وہ خود خیر جارہے ہیں اور وہاں سے پلٹ کر وہ اکناف سلمیٰ میں خالد بن انولید کے لشکر سے آئیں گے۔ اس خبر کے اٹنے سے دشمنوں پر دہشت بیٹھ گئی اور قبیلہ طے کے سرکش لوگ رام ہونے لگے لے

عراق کی مہم پر حضرت خالد اور عیاض بن غنم کو روانہ کیا تو حضرت خالد کو حکم دیا کہ وہ عراق کے حصہ نہریں سے جائیں اور عیاض کو ہدایت دی کہ وہ بالائی علاقہ سے سفر کریں اور پھر فرمایا کہ تم دونوں میں سے جو شخص بھی حیرہ پہلے پہنچ جائیگا وہی حیرہ کی مہم کا لیر ہوگا اس کے بعد آپ نے کہا کہ حیرہ پہنچتے پہنچتے تو تم لوگ عرب اور ایران کے درمیان جو فوجی چھاؤنیاں ہیں۔ ان کو برباد کر ہی چکے ہو گے اور اب تم کو اس بات کا اطمینان ہو چکا ہوگا۔ کہ مسلمانوں پر پشت کی جانب سے حملہ نہیں ہو سکتا اس بنا پر حیرہ پہنچنے کے بعد تم دونوں میں سے ایک شخص حیرہ میں ہی قیام کرے اور دوسرے آئے برطھ کر دشمن سے جنگ آنا ہوں۔

یہ ہدایات تو خاص جنگی ہدایات تھیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔ کہ!

”و ادعیاں! اللہ سے مدد مانگنا۔ اس سے ڈرنا۔ آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنا۔ تم ایسا کرو گے تو دنیا اور آخرت تم کو دونوں چیزیں ملیں گی۔ اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینا۔ ورنہ دونوں کا خسارہ ہوگا۔ اور خدا نے تم کو جن چیزوں سے بچنے کا حکم کیا ہے ان سے بچنا“

لے طبری ج ۲ ص ۲۸۲ لے طبری ج ۲ ص ۵۴۳ - ۵۴۴ -

معاصی سے الگ رہنا۔ اگر کوئی معصیت ہو جائے تو فوراً توبہ کرنا اور کبھی کسی پر امرت کرنا حضرت ابو بکر کی بیدار مغزی اور واقفیت کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ خود مدینہ میں ہوتے تھے لیکن بیٹروں میں ددر کا میدان جنگ نگاہ میں رہتا تھا اور حسب موقع مصلحت اس کے لئے احکام بھیجتے رہتے تھے۔ خالد بن سعید کو تیار دانا کیا تو تاکید کر دی کہ جب تک ان کا حکم نہ پہنچے اقدام نہ کریں۔ لیکن خالد بن سعید اس کی پابندی نہ کر سکے تو نہریت سے مچھل ہونا پڑا لے حضرت خالد بن ولید حضرت ابو بکر کی ان معاملات میں اصابت اٹے سے واقف تھے اسلئے حضرت ابو بکر کا کھلمکھم ان کی طبیعت کے خلاف بھی ہوتا تھا تو بھی اسکی پابندی کرتے تھے، چنانچہ حیرہ کی فتح کے بعد حضرت ابو بکر نے حکم بھیجا کہ اب پیش قدمی نہ کریں حضرت خالد اس حکم کی تعمیل کیلئے سال بھر تک معطل پڑے رہے اور اس سے اسقدر اکتائے تھے کہ اس سال کو وہ خود عورتوں کا سال کہتے تھے۔ لیکن ان کی مجال نہ تھی کہ بالنگاہ خلافت کے حکم کے خلاف عمل کر سکیں۔ ایک اور موقع پر بھی ایسا ہی ہوا اور اس کی وجہ سے بعض لوگوں میں کچھ چرمی گوئی ہوئی تو حضرت خالد نے ان لوگوں سے کہا کہ خلیفہ کی رائے یہی ہے، اور ان کی رائے پوری قوم کی رائے کے برابر ہے لے

اس طرح شام کی طرف آئے متعدد لشکر یک وقت روانہ کئے تو چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ رومیوں کی جنگی چالیں کیا ہیں اور انہوں نے کہاں کہاں محاذ بنایا ہے اسلئے امر لے عساکر اسلام کو ہدایت کی کہ کون کس راستے سے جائے۔ اس سلسلہ میں طبری کا بیان ہے کہ وسعی لٹھو امصار لثام۔ ان لوگوں کے لئے شام کے شہر ہرک تھیں کر دئے۔ اس کے بعد فرمایا۔ ان الروم ستغلبھو فاجب ان یصعد رومی ٹھو ایک محاذ پر جمع کر کے تم سے ٹھیک کرنا چاہیں گے المصوب و یصوب المصعد لئلا اسلئے میں جاہز لگاؤ تم میں سے نشی علاقہ سے جاہز لانا بالائی راستے سے جائے اور بالائی راستے سے جاہز لانا نشی راستے سے

یتواکلوا لے

لے فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۴ لے طبری ج ۲ ص ۵۴۴ لے طبری ج ۲ ص ۵۸۹ اسی طرح حضرت خالد جب عراق پہنچ گئے تو ان کو حکم لکھا کہ وہ کاروانی اور سندھ کی سرحد یعنی انبہ سے شروع کریں اور طرفہ یہ کہ اس کاروانی کو شروع کرنے کیلئے دن تک کا تعین بھی خود ہی کر دیا تھا۔ (طبری ج ۲ ص ۵۸۴)

(یعنی راستے بدل کر جاؤ) تاکہ رومی دستوں کو مجتمع ہونے کا موقع نہ ملے۔

حضرت عروہ جو اس روایت کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر نے جو کچھ فرمایا تھا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔

فوجی مراکز کا معائنہ حضرت ابو بکر صدیق فوج کو صرف ہدایات بھیج دینے پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ وقتاً فوقتاً خود بھی چھاؤنیوں اور فوجی مراکزوں کا معائنہ کرتے تھے اور جہاں کہیں کوئی خرابی نظر آتی تھی اس کا فوراً تدارک کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک مہم کے سلسلہ میں مقام جرف میں فوجیں اکٹھی تھیں آپ معائنہ کیلئے پہنچ گئے، ہنزواہ کے کیمپ میں پہنچے تو یہ لوگ سرودھ کھڑے ہو کر تعظیم بجالائے حضرت ابو بکر نے انکو خیر مقدم کہا اس کے بعد ان لوگوں نے کہا "یا خلیفہ رسول اللہ! ہم لوگ گھوڑے کی سواری بہت عمدہ جانتے ہیں، اس لئے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں۔ آپ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ ارشاد ہوا "خدا تم کو اور ہمت اور برکت عطا فرمائے۔ لیکن بڑا جھنڈا تم کو نہیں مل سکتا۔ وہ بنو عبس کے حصہ میں آچکا ہے۔ ایک فراری کھڑا ہو کر بولا "ہم لوگ بنو عبس سے بہتر ہیں۔ حضرت ابو بکر نے خفا ہو کر کہا "چپ بدتمیز تجھ سے ہر عبسی بہتر ہے۔ ایک عبسی شخص بھی کچھ بولنا چاہتا تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر نے اس کو بھی جھپٹ کر خاموش کر دیا۔ اور فرمایا فقد کفیت یعنی میں تمہاری طرف سے کچھ چکا ہوں۔

حضرت ابو بکر کے احکام و ہدایات کا اثر حضرت ابو بکر کی اس بیدار مغزئی، روشن ضمیری احکام و ہدایات اور غلطیوں پر بروقت تہنید کا نتیجہ یہ تھا کہ پوری فوج اودا کے لہرا، ہر وقت ہوشیار رہتے تھے۔ ان میں ڈسپلن قائم رہتا تھا۔ بلند ترقیب العین زندگی نظر کے سامنے رہتا تھا اور ان میں کبھی اخلاقی پست ماندگی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اور حقیقت یہی ہے کہ مادی آلات و اسباب سے قطع نظر یہی چیزیں ایک فوج کی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں، چنانچہ۔

مغزنی مصنفین کی رائے مغزنی مصنفین نے بھی اسکا اعتراف کیا ہے۔ پروفیسر ہی لکھتے ہیں "مسلمان عرب فوجوں کی طاقت کا اصل راز نہ تو انکی اسلحہ و جنگ کی برتری میں ہے اور نہ انکی اعلیٰ درجہ کی تنظیم میں ہے، بلکہ درحقیقت اس اعلیٰ گیر کٹر اور اخلاقی کردار میں ہے جس کے پیدا کرنے میں بے شبہ ان کے مذہب کا بہت بڑا حصہ تھا اور اس صبر و تحمل کی طاقت میں ہے جس کو ریگستانی سنگی سے بڑا سہارا ملا تھا، لہ

مشہور ولندیزی مستشرق دغنی (DR. GUEGE) اقرار کرتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے فوجوں کو جو ہدایات دی تھیں ان میں اعتدال اور معقولیت کی جو روح کار فرما ہے۔ اسکے باعث ان کی بجا طور سے داد دینی پڑتی ہے۔ کہ یہ ہی مستشرق اپنی کتاب فتوحات شام میں (از صفحہ ۱۰۴ تا صفحہ ۱۰۶) لکھتا ہے کہ۔

"درحقیقت شام میں لوگ عربوں کی جانب بہت مائل ہو گئے تھے اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ کیونکہ عربوں نے مغزولین سے جو برتاؤ کیا اگر اسکا مقابلہ دلوں کے سابق مالکوں کے بے اصول ظلم سے کیا جائے تو بڑا ہی سخت فرق نظر آتا ہے۔ شام کے جو عیسائی فیصلہ کالسی ڈون (CHALCEDON) کو نہیں مانتے تھے، قیصر روم کے حکم سے ان کے ناک کان کاٹے جاتے اور ان کے گھر ڈھائے جاتے تھے، اس کے برخلاف عرب مسلمان جو حضرت ابو بکر کی ہدایتوں پر عمل کرتے تھے وہ مقامی باشندوں کا دل موہ لیتے تھے اور سب سے زیادہ اپنی بات کا پاس کرتے رہے، ان فتوحات کے پندرہ سال بعد ایک نستوری پادری لکھتا ہے کہ یہ عرب جن کو خدا نے آج کل حکومت عطا کی ہے ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں۔ مگر وہ عیسائی مذہب سے بالکل برسر پیکار نہیں۔ اسکے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور قدسیوں کا احترام کرتے ہیں۔ اور ہمارے گرجاؤں اور

لکھنوی آف دی ایس جوتھا اڈیشن ص ۱۲۴ لکھنوی رسول اللہ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید الرحمن ۲۸

لکھنوی اعمال ج ۵ ص ۲۶۱ رقم ۲۳۱۰

عبادت خانوں کو جاگیریں (DON) عطا کرتے ہیں“ لہ  
مشہور پادری کارالیفس (C. KARALEVSKS) فرانیسی انسائیکلو پیڈیا میں  
شہر انطاکیہ کے حالات لکھتے ہوئے رقم طراز ہوتا ہے۔

» مسلمان عربوں کو یعقوبی عیسائیوں (JACOBITES) نے بھی اپنے  
نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھیوں ہاتھ لیا۔ مسلمانوں کی سب سے  
بڑی جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا۔ یہ تھی کہ

ہر مذہب کے پیروں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا جائے۔ اور اسی مذہب  
کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیوی عدالتی اقتدار عطا کیا جائے

کسانوں کا خاص خیال | ہدایات میں حضرت ابو بکر کی جہاں یہ تاکید ہوتی تھی کہ مذہبی  
پیشواؤں اور عبادت گزاروں سے تعزین نہ کیا جائے، بوڑھوں، عورتوں اور  
بچوں پر تلوار نہ اٹھائی جائے، درخت نہ کاٹے جائیں،

نخلستان پر باد نہ کئے جائیں، ساتھ ہی جس ملک میں جنگ ہوتی

تھی اس کے کسانوں اور ارباب زراعت کی نسبت اس بات کی سخت تاکید ہوتی تھی، ان  
لوگوں کو ذرا ہاتھ نہ لگایا جائے۔ چنانچہ غزوات السلاسل کے ذکر میں طبری لکھتے ہیں۔

ولم یحرک خالداً و امراؤہ | اور خالد اور ان کے امرانے اپنے فتوحات کے دوران

الفلاحین فی شئ من فتوحہم | میں کسانوں کو ذرا ہاتھ نہ چھوڑا۔ کیونکہ ابو بکر ان لوگوں

لتقدم ابی بکر الیہ فیہم لہ | کے بارے میں پہلے ہی حکم بھیج چکے تھے۔

اہل دیہات کے ساتھ معاملہ | قاعدہ ہے کہ حیب کسی ملک پر حملہ ہوتا ہے تو شہری

آبادی کی بر نسبت اہل دیہات پر اس کا زیادہ برا اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں

حفاظت اور بچاؤ کے سامان ایسے نہیں ہوتے جیسے کہ شہروں میں ہوتے ہیں

لیکن حضرت ابو بکر اس بات کا برابر خیال رکھتے تھے کہ دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ ہو۔  
چنانچہ حضرت عیاض بن غنم نے جب حران کو صلحاً فتح کیا تو اس شہر کے دیہات والوں  
نے کہا ”نحن اسوۃ اہل مدینتنا و رؤسائنا“ ہم سے وہی معاملہ کیجئے جو

آپ نے اہل شہر اور ہمارے رؤسا سے کیا ہے، حضرت عیاض بن غنم نے اس کا کیا  
جواب دیا۔ قاضی ابویوسف نے اس سے لا علمی ظاہر کی ہے لیکن اسکے بعد ہی لکھلے کہ  
فاما من ولی من خلفہ المسلمین بعد | مسلمانوں کے جوفلحا اسکی فتح کے بعد اس کے

فتحہا فانہم قد جعلوا اہل الرسایق | دالی ہوئے انہوں نے گاؤں والوں کے ساتھ وہی معاملہ

اسوۃ اہل المدائن لہ | کیا جو اہل شہر کے ساتھ کیا تھا۔

اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عیاض بن غنم کا جواب کیا ہو گا۔

فریق محارب سے برتاؤ | ایک قوم کی اخلاقی بلندی اور اس کے کردار کی عظمت کا  
اندازہ زیادہ صحیح طور پر اس سے ہوتا ہے کہ فریق محارب کے ساتھ جنگ میں اسکا

برتاؤ کیا ہوتا ہے، اس پر اس کو بزرگ شمشیر فتح حاصل ہوتی ہے تو اس وقت وہ اس کے ساتھ

کیا سلوک کرتی ہے اور اگر فریق محارب مغلوب ہو کر صلح کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے

تو اس کی طرف سے صلح کی شرائط کی نوعیت کیا ہوتی ہے اور وہ ان شرائط کی پابندی کس

حد تک کرتی ہے، قدیم زمانہ میں آذربائیجان کی حکمران شمنوں کے ساتھ جنگ میں کیا معاملہ

کرتی تھیں۔ اسکو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے یہ دیکھو کہ اس دور تہذیب و تمدن میں بھی

گذشتہ دو عالمگیر جنگوں میں دولت متحدہ نے جرمنی کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

اطلی اور جاپان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا؟ اور جب ان سے صلح کی گئی تو اس کے شرائط

کیا تھے؟ ان مفتوح اقوام کی شہری آزادی کس حد تک باقی رکھی گئی، ان کی قومی

انفرادیت کہاں تک آزاد رہی؟ اور ان کے انسانی حقوق کا احترام کس درجہ تک ملحوظ

رکھا گیا۔

لہ بخوالہ رسول اکرم کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ ص ۲۸۲ تا ایضاً ۲۸۳

لہ طبری ج ۲ ص ۵۵۶

لہ کتاب الخراج ص ۳۰



حضرت خالد کی شجاعت و دلیری، اُنکی حربی قابلیت اور جنگی قیادت کی اعلیٰ صلاحیت کا حال تم پر پڑھ چکے ہو۔ اب یہ بھی سنو کہ یہی شیر بیشہ شجاعت بحالت جنگ یا بحالت صلح دشمنوں کے ساتھ کس طرح پیش آتا تھا، سواد (عراق) کے دیہات با نقیبا بارما اور الیس کا سردار ابن حلو با تھا۔ حضرت خالد سے وہ صلح کرنے پر مجبور ہوا تو حضرت خالد نے جو صلح نامہ لکھا اس کا مضمون یہ تھا۔

انك آمن يا مان الله اذ حقن دماءك  
تو اللہ کی پناہ میں ہے، جزیہ ادا کرنے کے بعد  
باعتطاء الجزية وقد اعطيت عن نفسك  
تیری جان محفوظ ہو گئی اور تو نے اپنی طرف سے  
وعن اهل خربك وجزيرتك ومن  
اپنی رعایا اپنے جزیرہ اور با نقیا اور بار دھماکے لوگوں  
كان في قريتك با نقيا وبار وسمالفا  
کی طرف سے ایک ہزار درہم جو دیئے وہ میں نے قبول کیے  
درهم فقبلتها منك ورضي من معي  
اور جو میرے ساتھ مسلمان ہیں وہ بھی اس پر رضا  
من المسلمين على ذلك ولك نعمة الله  
مند ہیں۔ اور اب تو اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں  
وذمة محمد صلى الله عليه وسلم وذمة  
کی ذمہ داری میں آ گیا ہے۔  
المسلمين على ذلك - له

صلح نامہ حیرہ اہل حیرہ کے نام جو عہد نامہ حضرت ابو بکر کے حکم سے لکھا گیا تھا وہ کافی طویل تھا۔ اُس کے اہم دفعات یہ ہے۔

(۱) ان لوگوں کا اگر حملہ یا عبادت گاہ یا کوئی قہر جس میں یہ لوگ جنگ میں قلعہ بند ہوتے تھے، منہدم نہیں کیا جائے گا۔

(۲) ناقوس بجانے سے ان کو نہیں روکا جائے گا۔

(۳) نیز تہوار کے موقع پر صلیب کا جلوس نکالنے سے انکو منع نہیں کیا جائے گا۔

(۴) یہ لوگ جزیہ ادا کرتے رہے تو ان کے ساتھ معاہدے کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ اور ان کی حفاظت ہمارا فرض ہوگا۔

(۵) ان لوگوں کے مذہبی پیشوا اور عابد و زاہد جزیہ ادا کرنے سے مستثنیٰ ہوں گے۔

(۶) ان میں جو بڑھے اور ناکارہ اور اپاہج ہونگے ان کا خرچ بیت المال کے ذمہ ہوگا۔  
(۷) ان کو مسلمانوں کے فوجی لباس کے علاوہ اپنا ہر قسم کا لباس پہننے کی آزادی ہوگی۔

(۸) ان کا کوئی غلام اگر مسلمان ہو جائے گا۔ تو بازار میں اس کی زیادہ سے زیادہ جو قیمت ہو سکتی ہے اُس قیمت میں بغیر عجلت کے اور بغیر کسی گھاٹے کے اسکو فروخت کیا جائے گا اور وہ قیمت اس کے مالک کے حوالہ کر دی جائے گی۔

(۹) یہ لوگ اگر مسلمانوں سے کسی قسم کی امداد طلب کریں گے تو ان کو وہ مدد بیت المال سے دی جائے گی۔

ان دفعات و شرائط صلح کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ سب کچھ کتنی رقم کے بدلہ میں ہوا تھا؟ ان لوگوں کی اصل تعداد سات ہزار تھی، ایک ہزار ان میں وہ تھے جو اپاہج۔ معذور یا مذہبی پیشوا تھے۔ ان کو خراج کر کے اب صرف چھ ہزار بچے ان پر جو جزیہ لگایا گیا وہ ساٹھ ہزار درہم لائے تھے یعنی دس درہم فی کس لے کر معذور کرو۔ نوادری اور دشمن کے ساتھ حسن معاملہ کی اس سے بہتر کوئی اور بھی مثال ہو سکتی ہے۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صلح یا امان بخشی کا یہ معاملہ خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی دونوں حالتوں میں یکساں ہوتا تھا۔

اسلامی فوج کے اس فیاضانہ سلوک کا اثر یہ تھا کہ جنگ کے ختم ہوتے ہی اصل شہری زندگی پورے امن و اطمینان کے ساتھ لوٹ آتی تھی، کھیتی باڑی، باغات و نخلستان کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ مقامی باشندے آزادی کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتے تھے۔ امدان کو مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کا خوف و ہراس یا بے اطمینانی نہیں ہوتی تھی۔

## تعزیرات و حدود

تعزیرات و حدود (سزائیں) کا اصل مقصد انسدادِ جرائم ہے لیکن مجرم مجرم میں فرق ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے جرم کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ بعض اوقات ایک شریف اور نیک نفس انسان سے بحالتِ اضطراب کسی جرم کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں عدالت والی صاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مجرم خود اپنے جرم پر نادم اور پشیمان ہے اور سچے دل سے وہ اس سے توبہ کر رہا ہے تو حاکم کو چاہئے کہ اس سے اعفایں کرے، اور سزا دیکر اس کو ارتکابِ جرم پر مزید جبری نہ کرے۔ گویا ایسے مجرم کو سزا نہ دینا ہی تعزیرات و حدود کے مقصد کو پورا کر دیتا ہے۔ اور اس کے برعکس سزا دینے سے اس کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ بات ڈھکی چھپی ہو۔ اور اگر جرم فاش ہو جائے تو پھر سزا دینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

چنانچہ آنحضرتؐ کا معمول یہی تھا۔ جیسا کہ آپ نے ماعز بن مالک اور بعض دوسرے اشخاص کے بارے میں کیا، اس کے علاوہ خود آپ کا ارشاد یہی ہے کہ!

تعا فوا الحدود فیما بینکم فما بلغنی تم حدود کو آپس میں نہٹا دیا کرو۔ لیکن جب بات من حد فقد وجب۔ مجھ تک پہنچے گی تو حدود واجب ہو جائیں گے۔

مجرم سے اعفایں اس ارشادِ نبوی کے مطابق حضرت ابو بکر کا دستور تھا کہ جب تک جرم فاش نہیں ہوتا تھا۔ وہ کوشش کرتے کہ مجرم سزا سے بچ جائے، خود ان کا بیان ہے کہ ماعز بن مالک نے جب تیسری مرتبہ بھی اعتراف جرم کر لیا۔ اور آنحضرتؐ نے اس کو بھی رد کر دیا تو اب خود حضرت ابو بکر نے ماعز سے کہا کہ اگر تم نے جو تھی مرتبہ بھی اعتراف جرم کر لیا تو پھر رسول اللہؐ تم کو رجم کر دیں گے۔ لہذا اس کہنے کا بالواسطہ نشا یہی تھا کہ ماعز جو تھی مرتبہ اقرار نہ کریں تاکہ سنگسار ہونے سے بچ جائیں۔ لیکن ان پر خوفِ خدا غالب تھا وہ نہ مانے اور آخر رجم ہونا پڑا۔

لے ابرو ادر دوج ص ۲۳۰ مصری لکھ مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۸

مزیدین کے احوال میں تم پڑھ چکے ہو کہ اشعث بن قیس جب گرفتار ہو کر آیا ہے اور اس نے صدق دل سے توبہ کر لی تو حضرت ابو بکر نے نہ صرف یہ کہ اس کی جان بخشی کی بلکہ اسکی درخواست پر اپنی بہن ام زردہ کا اس سے نکاح بھی کر دیا۔

عزتناک سزا لیکن اگر جرم کی نوعیت شدید ہوتی اور بجائے ذاتی ہونے کے قومی جرم ہوتا ہے تو پھر حضرت ابو بکر اس کو معاف نہیں کرتے تھے بلکہ بے حد سخت سزا دیتے تھے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ ایسا السلی جس نے ارتداد سے توبہ کرنے کے بعد بد عہدی کی اور مسلمانوں کو قتل کرنا اور لوٹنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے متعلق حضرت ابو بکر نے نہایت سخت حکم بھیجا کہ اس کو گرفتار کر کے آگ میں جلا دیا جائے لے

حد شرب خمر آنحضرتؐ کے عہد میں شارب خمر کے لئے کوئی خاص سزا متعین نہیں تھی، بلکہ حسب موقع و مصلحت کبھی اس کو سزا دیتے تھے تاکہ وہ نادم ہو کر آئندہ کیلئے توبہ کر لے۔ اور کبھی کوڑے لگواتے تھے۔ ان کوڑوں کی تعداد چالیس تھی حضرت ابو بکر نے بھی بعینہ اسی کو جاری رکھا۔ اور اس میں کوئی تغیر و تبدیل نہیں کیا۔ لیکن جب حضرت عمر فاروق کے عہد میں اس طرح کے واقعات زیادہ ہونے لگے تو آپ نے کوڑوں کی تعداد دو گنی یعنی چالیس سے اسی کر دی۔ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے۔

عن السائب بن یزید قال کنا لوفی سائب بن یزید سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ  
بالشارب علی عہد رسول اللہؐ آنحضرتؐ کے عہد میں اور ابو بکر کے عہد خلافت  
وامرۃ ابی بکر وصدرا من خلافتہ اور عہد فاروقی کے آغاز میں کوئی شاب خمر  
عمر فنقوم الیہ بایدینا ہمارے پاس لگاتا تو ہم اپنے ہاتھوں جو توں اور

۱۰ جبری ج ۲ ص ۴۹۳۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت ابو بکر نے بمقتضائے سیاست و مصلحت اس وقت تو ایسا کو یہ سزا دلا دی، لیکن چونکہ کسی انسان کو آگ میں زندہ جلا نا خواہ وہ کتنا ہی بڑا مجرم ہو۔ اسلام میں پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لئے حضرت ابو بکر کو اس کا برابر لال رہا۔ اور وفات کے وقت اپنے یرتنا ظاہر کی تھی کہ اسے کاش اپنے ایسا نہ کیا ہوتا۔ اس کا مفصل ذکر آگے اپنے موقع پر آئے گا۔

ونعالنا واردیتنا حتی کان  
 چادروں کے ساتھ اسکی طرف کھڑے ہو  
 کان آخر امرۃ عمرہ جلد  
 جاتے تھے لیکن آخر عہد فاروقی میں حضرت عمر  
 اس کو چالیس کوڑے مارنے لگے اس کے بعد  
 جب ان لوگوں میں سرکشی اور فحش بڑھ گیا تو پھر  
 جلد ثمانین لے  
 اسی کوڑے مارنے لگے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس کوڑوں کی سزا حضرت عمر نے ایجاب کی تھی  
 حالانکہ یہ سزا خود عہد نبوت اور عہد صدیقی میں بھی دی جاتی تھی، چنانچہ عثمان بن عفان  
 کی خلافت کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ولید بن حقیقہ گرفتار ہو کر آیا اور دو شخصوں  
 کی گواہی سے اس کا شراب نوشی کا جرم ثابت ہو گیا تو حضرت عثمان نے حضرت علی سے کہا  
 کہ آپ اس پر حد جاری کیجئے، حضرت علی نے عبد اللہ بن جعفر کو حکم دیا۔ انہوں نے ولید  
 کے کوڑے مارنے شروع کئے، حضرت علی انہیں شمار کرتے جاتے تھے جب پورے  
 چالیس ہو گئے تو حضرت علی نے فرمایا۔ بس ختم کرو۔ کیونکہ رسول اللہ نے چالیس ہی کوڑے  
 مارے ہیں۔ اور میں نے ان کو شمار کیا ہے اور اس کے بعد ابو بکر کے عہد میں بھی چالیس  
 ہی کوڑے مارے گئے ہیں۔ البتہ عمر نے اسی کوڑوں کی سزا دی ہے۔ لیکن مجبوراً وہ  
 اس کے علاوہ رسول اللہ کی دوسری سنتیں زیادہ محبوب ہیں لہذا اور یہی روایت زیادہ  
 قرین قیاس ہے کیونکہ لوگوں کا ہاتھوں یا جو تلوں سے پٹینا ایک ہنگامی تعزیر ہو سکتی ہے  
 اس کو حد نہیں کہہ سکتے اسکے علاوہ اگر کوڑوں کی سزا عہد نبوی میں بالکل نہوتی تو  
 حضرت ابو بکر اپنے مذاق طبعی کے مطابق خود یہ بدعت ایجاب نہیں کر سکتے تھے۔

حد سرقہ اسرقہ کی حد قرآن میں منصوص ہے اس لئے اسکی نسبت اختلاف نہیں ہو سکتا  
 البتہ حاکم کو اس بات کا اختیار ہے کہ اگر وہ یہ سمجھے کہ سارق نے بحالت اضطرار سرقہ کیا ہے تو  
 اسکو معاف کر سکتا ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں اس طرح کے متعدد واقعات پیش  
 آتے تھے جن میں سارق پر حد سرقہ جاری نہیں کی گئی تھی حضرت ابو بکر کا بھی معمول یہ تھا نابالغ چور کو حد جاری نہیں کرتے

لہ بخاری ج ۲ ص ۱۰۶ لکھ ابو داؤد باب الحد فی الخمر ج ۲ ص ۲۴۱ لکھ کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۱۲۵

حد زنا | آنحضرتؐ نے ایک غیر شادی شدہ شخص کو جس سے زنا صادر ہو گیا تھا کوڑے  
 لگانے اور اس کے بعد جلا وطنی کی سزا دی تھی حضرت ابو بکر نے بھی اس پر عمل کیا اور  
 ان کے عہد میں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا تو یہی سزا دی لے  
 ذاتی معاملہ میں مساحت | اگرچہ حضرت ابو بکر قومی و اجتماعی جرم کے باب میں کسی قسم  
 کی زرمی اور ملاطفت کو روا نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اگر کوئی جرم خود ان کی ذات یا  
 شخصیت سے متعلق ہوتا تھا تو اس میں چشم پوشی یا اغماض سے کام لیتے تھے، ایک مرتبہ ایک  
 شخص نے کوئی ناگوار حرکت کی۔ تو ابو بکر اس پر سخت غضب ناک ہوئے۔ ایک شخص نے کہا،  
 اے خلیفہ رسول! حکم کیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، یہ سنتے ہی حضرت ابو بکر کا  
 عصبہ بالکل فرو ہو گیا۔ اور اس شخص سے تعجب سے کہا کہ اگر میں تم کو حکم کرتا تو کیا واقعی تم  
 اس کی گردن اڑا دیتے، اس کے بعد فرمایا یا دیکھو! آنحضرتؐ کے بعد یہ کسی  
 سے لئے جائز نہیں ہے۔ لہ

لہ از الہ الحفا مقصد دوم ص ۲۸ بحوالہ لغوی لکھ مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶

## دینی خدمات

اصلاح عقائد اگرچہ حضرت ابو بکر کا مختصر عہد خلافت اندرونی اور بیرونی استحکام کی مہمات میں معروف رہا اور یہ جو کچھ بھی تھا، دین کیلئے ہی تھا، تاہم عام اصطلاح میں جس کو دینی خدمات کہا جاتا ہے، آپ اس سے بھی غافل نہیں رہے، اس سلسلہ میں آپ کی بڑی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں میں اسلام اپنی اصل شکل و صورت میں قائم رہے۔ اور اس کے سرخ روشن پر غلط افکار و توہمات اور بدعات کی گرد نہ پڑنے پائے چنانچہ وفات نبوی کے وقت آپ نے جو خطبہ دیا اس نے یہ حقیقت ثابت کر دی کہ پیغمبر صاحب شریعت ہوتا ہے۔ اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور اس حیثیت سے اس کا ہر عمل اسوہ اور اس کا ہر قول واجب الاتباع ہوتا ہے۔ لیکن بہر حال وہ ہوتا ہے بشری اور اس کے لئے بشری حوائج و ضروریات کا جہاں تک تعلق ہے اس میں اور دیگر انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے اگر حضور دنیا سے تشریف لے گئے تو یہ کوئی ایسی افکھی بات نہیں ہے جو خلاف توقع ہو۔

پھر خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں صاف صاف یہ بتا دیا کہ خلیفہ بھول چوک اور غلطی سے سزا نہیں ہوتا۔ کیونکہ پیغمبر کی طرح اس کے پاس وحی نہیں آتی۔ اس بنا پر اگر خلیفہ سے غلطی ہو جائے تو اسلامی جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس پر خاموش نہ رہے اور خلیفہ کی اصلاح کرے۔ آپ نے صاف فرمایا۔

”وان زغت فقومونی“ بتاؤ اس آزادی ضمیر و قول کی مثال کسی جمہوریت میں مل سکتی ہے؟ کسی نے آپ کو خلیفۃ اللہ کہہ کر لپکارا تو اس کی بھی اصلاح کر دی کہ نہیں میں اللہ کا نہیں بلکہ رسول اللہ کا خلیفہ ہوں۔

تعیین زکوٰۃ کے خلاف آپ نے جو جہاد کیا وہ اس بات کی دلیل تھا کہ فرض فریضہ سب برابر ہیں۔ شریعت میں قطع و برید نہیں ہو سکتا جو اس کو قبول کر لیا، کل کو قبول کر لیا

اور ایک جز کا انکار کرنا کل کے انکار کے مترادف ہو گا۔  
امر بالمعروف | قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا تَعْلَمُوا أَيْمَانَكُمْ تَحْتِهَا حَتَّىٰ تَتَّبِعُوا النِّهَايَةَ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ تُذَلَّ إِذَا هْتَدَيْتُمْ هَٰذَا تَدْرِكُونَ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ يُبَدَّلُ لَكُمْ تَدْرِكُونَ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ يُبَدَّلُ لَكُمْ تَدْرِكُونَ  
تو وہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بشرطیکہ تم ہدایت یافتہ ہو۔

اس آیت سے غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ جب معاملہ اپنی اپنی ہی فکر کرنے کا ہے تو پھر اب امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر اور تبلیغ و دعوت الی الحق کی ضرورت ہی نہیں ہے، حضرت ابو بکر نے ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے یہ آیت پڑھی اور اس کے بعد فرمایا تم لوگ یہ آیت پڑھتے ہو اور اس کی مراد صحیح نہیں سمجھتے، میں نے آنحضرت سے سنا ہے کہ اگر لوگ اپنے درمیان منکرات و فواحش ہوتے دیکھیں اور اس پر اپنی طرف سے ناراضگی کا اظہار نہ کریں تو بعید نہیں کہ ان گناہوں کی پاداش میں مرتکب اور غیر مرتکب دونوں ہی شامل کر لئے جائیں گے۔

بدعات پر تنبیہ | ایک مذہب کے لئے سب سے بڑا فتنہ بدعات ہیں، حضرت ابو بکر کو اس کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اور جب ان کے علم میں کوئی بدعت آتی تھی تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے تھے ایک مرتبہ حج کے موقع پر آپ کو معلوم ہوا کہ قبیلہ اہمس کی ایک عورت جس کا نام زینب تھا حج کر رہی ہے اور اس دوران میں کسی سے بات نہیں کر رہی ہے آپ فوراً اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو بتایا کہ حج کے اثناء میں گفتگو نہ کرنا اور خاموش رہنا جاہلیت کا طریقہ ہے۔ لے

تبلیغ و اشاعت اسلام | حضرت ابو بکر جو فوج یا دستہ کہیں بھیجتے تھے اس کو یہ تاکید ہوتی تھی کہ محض اعلا، کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام ان کا مقصد ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عدی بن حاتم کی کوشش سے بنو طے خود بخود ارتداد سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے مثلی بن حارثہ کی دعوت پر بنو اہل کے بہت سے بت پرست اور عیسائی حلقہ تلبس اسلام

لے مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۹ لکھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۱ باب ایام الحجابیہ

ہوئے، حضرت خالد کی مساعی سے عراق عرب اور حدود شام کے اکثر قبائل نے اسلام قبول کیا۔ طلحہ جو خود مدعی نبوت تھا۔ شام میں پناہ گزین ہو کر مسلمان ہو گیا اور بطور محدث یہ شعر لکھ کر بھیجے۔

فہل یقبل الصدیق انی مراجعہ  
و معط بما احدثت من حدث یدی  
والی من بعد الضلالة شاہد شہادۃ  
حق لت فیہا ملسد لہ

کیا ابو بکر صدیق اس کو قبول کریں گے کہ میں  
دراپس آ جاؤں، اور جو کچھ میں نے گناہ کئے ہیں  
ان کی تلافی کر دوں، اور میری جگہ کے بعد میں سچی  
گواہی دیتا ہوں جس میں ٹھنڈے والا نہیں ہوں۔

اس کے علاوہ حیرہ کے متعدد عیسائی راہبوں نے خود بخود اسلام قبول کیا۔

## جمع قرآن

اس سلسلہ میں آپ کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی کام قرآن مجید کا جمع کرنا ہے اس کی تقریب اس طرح پیدا ہوئی کہ جنگ یمامہ میں ایک ہزار دو سو مسلمان شہید ہوئے تھے جن میں انٹالس (۲۹) کبار صحابہ اور حفاظ قرآن شامل تھے، یہ صرف ایک جنگ کا حال تھا۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اور دوسری جنگوں میں جو نقصان ہوا اگر اس کو بھی ملا لیا جائے تو تعداد کہاں تک پہنچتی ہے اس کا احساس یقیناً حضرت ابو بکر کو ہو گا لیکن وہ اپنے مذاق طبعی کے بنا پر کسی ایسے کام کو کرنے کیلئے آمادہ نہیں تھے۔ جو خود بخود انہوں نے یہ کیا ہو۔ حضرت عمر نے جرات کی اور خدمتِ صدیقی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یمامہ کی جنگ میں قرآن و حفاظ قرآن کا شدید نقصان ہوا ہے۔ اس لئے اگر آپ نے قرآن کو جمع کرنے کا بندوبست نہیں کیا تو اندیشہ ہے کہ قرآن کا بڑا ضائع ہوجائے گا۔ حضرت ابو بکر کا جواب وہی تھا کہ جس کام کو آنحضرت نے نہیں کیا میں اسے کیسے کر سکتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا یہ کام تو خیر ہے، انہوں نے بار بار یہی بات کہی تو حضرت ابو بکر کو اطمینان اور شرح ہوا

لہ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۵

اب انہوں نے حضرت زید بن ثابت کو بلایا اور ان سے کہا، تم جو ان آدمی ہو مجھ سے  
ہو۔ تم تم کو متمہ نہیں کر سکتے، تم رسول اللہ کے کاتب وحی تھے، اس لیے قرآن کا  
تبع (ادھر ادھر سے فراہم) کرو اور اس کو یک جا کرو، زید بن ثابت کا بیان ہے۔  
کہ اگر حضرت ابو بکر مجھ کو کسی ایک پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دینے کا حکم کرتے تو وہ  
اس حکم سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔ اس کے بعد انہوں نے بھی وہی اشکال ظاہر کیا جو شروع  
میں حضرت ابو بکر نے کیا تھا۔ لیکن ان کے جواب میں حضرت ابو بکر نے وہی بات کہی جو  
حضرت عمر نے خود آپ سے کہی تھی یعنی یہ کام تو خیر ہی ہے آخر کچھ رو دک کے بعد زید بن  
ثابت کو بھی اطمینان ہو گیا۔ اور انہوں نے قرآن مجید کے مختلف اجزا جو کٹڑوں کے  
ٹکڑوں، درخت کی چھالوں اور کھجور کے پتوں پر لکھے ہوئے، یا سینوں میں محفوظ تھے  
ان سب کو کمال احتیاط سے یکجا کر دیا۔ یہاں تک کہ خود زید بن ثابت کہتے ہیں کہ سورہ توبہ  
کی دو آیتیں ”لَقَدْ جَاءَكَ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ وَعَزَّىٰ عَلَىٰ مَا حَضَرُوا مِنْ أَرْفَافٍ  
أَنْ تَوَلَّوْا أَفْقَالٍ حَسْبَىٰ اللَّهُ“ خزیمہ الانصاری کے پاس ہی محفوظ تھیں وہ بھی ان  
سے لے لیں اس کے علاوہ سورہ احزاب کی ایک اور آیت تھی جسکو زید بن ثابت آنحضرت  
سے سن چکے تھے، جب مصحف کی تدوین ہو چکی تو دیکھا کہ اس میں وہ آیت نہیں ہے  
آخر وہ بھی حضرت خزیمہ کے پاس ملی۔ دو آدمیوں کی شہادت لے کر اس کو بھی قرآن  
میں شامل کر دیا گیا۔ یہ تمام صحیفہ جن میں قرآن یک جا کیا گیا تھا، حضرت ابو بکر سے  
کے پاس محفوظ تھے، آپ کے بعد حضرت عمر نے ان کی حفاظت کی، جب آپ کی بھی وفات  
ہو گئی تو یہ امانت حضرت حفصہ کے حصہ میں آئی۔

ایک غلط روایت ایک روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے جمع قرآن کا کام حضرت عمر  
بن خطاب نے کیا ہے۔ لہٰذا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا یہ روایت صحیح نہیں ہے، اس میں  
شک نہیں ہے کہ جمع قرآن کی سب سے پہلے تحریک کرنیوالے حضرت عمر ہی ہیں لیکن اس  
کی تکمیل خلافتِ صدیقی کا کارنامہ ہے، راوی نے غلطی سے تحریک جمع قرآن کو خود جمع قرآن سمجھا لیا ہے۔

لہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳

چنانچہ خود حضرت علی سے منقول ہے، ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ابو بکر پر اللہ کی رحمت نازل ہوں۔ جمع مصاحف کے باب میں ان کا اجر سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ پہل انہوں نے ہی کی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کی شہادتیں اسی مضمون کی ہیں جو حدیث تواتر کو یہ بھی ثابت ہیں۔ لے

جمع قرآن کی اصل حقیقت قرآن مجید کی جمع و ترتیب کے متعلق عام طور پر خیال یہ ہے کہ اور ایک غلط فہمی کا زائلہ آنحضرتؐ کی وفات تک قرآن کی آیات منتشر تھیں، وہ ایک دوسرے سے مربوط نہ تھیں اور نہ سورتوں میں کسی قسم کی ترتیب تھی اور نہ ان سورتوں کے نام متعین ہوئے تھے، اس لئے عہد صدیقی میں جو کام ہوا وہ انہیں آیات و سورتوں کی ترتیب تھی۔ اس خیال کو بعض مستشرقین اور خصوصاً عمر و ولیم موریہ اور آرتھر جیفری نے کتاب المصاحف لابن ابی داؤد کو بڑی محنت سے ادا کر کے مصر سے شائع کیا ہے۔ بہت زیادہ پھیلا کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ موجودہ قرآن اس قرآن سے مختلف ہے۔ جو آنحضرتؐ کے عہد میں تھا۔

اس قسم کا خیال کرنا صرف علمی گمراہی نہیں بلکہ علمی بددیانتی بھی ہے کیونکہ قری دلائل و براہین سے یہ ثابت ہے کہ قرآن کی آیات و سورتوں کی ترتیب خود عہد نبوت میں ہو چکی تھی۔ اور آنحضرتؐ کے حکم احد آپ کے ارشاد کے مطابق ہی ہوتی تھی زید بن ثابت کا بیان ہے کہ میں نے پورا قرآن رسول اللہؐ کے سامنے پڑھا ہے بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ چار شخصوں نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا اور یہ چاروں انصار تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید بلکہ محمد بن اسحاق نے الفہرست میں سات صحابہ کے نام لکھے ہیں۔ جنہوں نے عہد نبوت میں قرآن جمع کیا تھا۔ دراصل آنحضرتؐ کا معمول یہ تھا کہ آپ کے خاص خاص کااتب تھے جن پر آپ کو اعتماد تھا جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ ان کا بتیں وحی سے فرما دیتے تھے کہ

لہ کتاب المصاحف ابن ابی داؤد ص ۵۔ لہ بخاری ج ۲ ص ۲۸

اس آیت کو نفل سورت میں شامل کر لو مذکورہ بالا روایت میں من چار انصار کا ذکر آیا ہے۔ ان کا کام درحقیقت قرآن کی کتابت کر کے اپنے پاس محفوظ کرنا تھا۔ اسی حقیقت کو جمع کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت انس نے چار شخصوں کی جو شخصیں کی ہے تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان، حضرت علی اور عبداللہ بن عمرو بن العاص بھی اس شرف کے حامل تھے، اس بنا پر حضرت انس کی روایت کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ انصار میں بھی چار کااتب تھے، غیر انصار دوسرے بھی تھے۔

اس کے علاوہ روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ سال میں ایک مرتبہ قرآن مجید حضرت جبریلؑ کو سنایا کرتے تھے۔ اور جس سال آپ کی وفات ہوئی ہے اس مرتبہ آپ نے دو مرتبہ قرآن سنایا ہے۔ لہ سطور بالا سے یہ صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید آنحضرتؐ کے عہد میں منتشر اور پراگندہ نہیں تھا بلکہ مرتب تھا۔ چنانچہ خود قرآن بھی اپنے متعلق یہی کہتا ہے۔ قرآن کو جگہ جگہ الکتاب کہا گیا ہے جس کے معنی مرتب اور نوشتہ کے ہیں۔ سورۃ المزمل میں فرمایا گیا۔

وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا - اور آپ قرآن ترتیل کے ساتھ تلاوت کیجئے

ظاہر ہے اگر قرآن مرتب ہی نہیں تھا تو پھر ترتیل کس چیز کی ہوگی۔ ترتیب سورتوں عہد نبوت میں اب رہی یہ بات کہ سورتوں کے نام بھی عہد نبوت میں متعین ہو گئے تھے۔ تو اس کے ثبوت میں ایک دو نہیں متعدد روایات صحیحہ پیش کی جا سکتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ میں نے آنحضرتؐ کے وہاں مبلغ سے تیس سورتیں پڑھی تھیں لہ

حضرت عمر فاروق کے اسلام لانے کے واقعہ میں مذکور ہے کہ جب وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک صحیفہ ہے اور اس میں سورہ

لہ بخاری ج ۲ ص ۲۸ لہ بخاری ج ۲ ص ۲۸

ظہر لکھی ہوئی ہے۔  
بعض اوقات کئی کئی آیات اک ساتھ نازل ہوتی تھیں اور آنحضرتؐ ان آیات کو تلاوت فرمانے کے بعد کاتبین وحی کو حکم دیتے تھے کہ فلاں آیت فلاں سورت میں لکھی جائے۔

اس کے علاوہ متعدد احادیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نماز میں اور نماز کے علاوہ یوں بھی مکمل سورتیں پڑھتے تھے۔ مثلاً البقرہ۔ آل عمران۔ النساء وغیرہ یا پھر متعدد احادیث میں بعض خاص سورتوں مثلاً سورۃ البقرہ۔ الکہف۔ سورۃ الرحمن اور سورۃ یسین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں ان کے علاوہ بعض خاص سورتوں کا ذکر ہے کہ آنحضرتؐ ان کو خاص خاص نمازوں میں پڑھتے تھے۔ مثلاً صبح بخاری میں ہے کہ آپ نے مغرب میں اعراف پڑھی، سورۃ انفلاں پڑھی، اور دوسری نمازوں میں آل عمران اور تکوین کی۔ یہ روایات اس کثرت سے منقول ہیں کہ حدیث کی کوئی کتاب مشکل سے ہی ان کے ذکر سے خالی رہے گی اور جو کچھ سمنے لکھا ہے اس سے امور ذیل صاف طور پر ثابت ہو گئے۔

۱، قرآن کی کتابت آنحضرتؐ کے عہدِ مہمیت میں ہوئی تھی اور اس شد و مد کے ساتھ کہ آپ نے فرمایا تھا۔

لا تکتبوا عنی غیر القرآن  
قرآن کے علاوہ مجھ سے تم کچھ اور نہ لکھو۔  
(۲) ایک سورۃ میں آیات کی ترتیب بھی عہدِ نبوت میں اور آپ کے حکم سے ہو گئی تھی۔ (۳) سورتوں کے نام کی تعیین بھی آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہو گئی تھی۔

صدیقی کا نامہ کی نوعیت اب دیکھنا چاہئے کہ جب یہ سب کچھ عہدِ نبوت میں ہی ہو چکا تھا تو پھر حضرت ابو بکر کے عہد میں جو جمع قرآن ہوا اس کی کیا حقیقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ اگرچہ عہدِ نبوت میں نفس قرآن مرتب تھا، لیکن اس کے اجزاء منتشر تھے، کسی کے پاس کوئی جز تھا اور کسی کے پاس کوئی اور جز۔ کسی کے

۱۔ تفصیل کیلئے دیکھئے صبح بخاری ج ۲ ص ۲۶۹ و ۵۰۔ درسالہ فضائل القرآن ابن کثیر

پاس سورت کامل تھی اور کسی کے پاس ناقص اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو اس وقت تمام کاتبین وحی تو موجود ہوتے نہیں تھے جو قرآن کی آیات کو براہِ راست آپ سے نہیں سن سکتے تھے۔ اس لئے ان تک وہ سور یا آیات بالواسطہ پہنچتی تھیں اور وہ بھی کبھی پوری اور کبھی ادھلی غرض کہ آنحضرتؐ کی وفات تک قرآن ایک مصحف کی شکل میں بین الدفتین موجود نہ تھا، وہ خود مرتب تھا، لیکن اس کے اجزاء یک جا نہیں تھے۔ متفرق حفاظ و قرا کے پاس متفرق اجزاء تھے، اسی وجہ سے یمامہ کی جنگ میں حافظ اور تاری کثرت سے شہید ہوئے تو حضرت عمر کو اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے یعنی یہ ممکن تھا کہ جو حضرات شہید ہو جائیں قرآن کے بعض اجزاء صرف انہیں کے پاس ہوں اور کسی دوسرے کے پاس نہ ہوں اگر ایسا ہوا تو ان حضرات کی شہادت کے بعد وہ اجزاء پھر کہیں اور ملیں گے ہی نہیں اور دنیا ہمیشہ کے لئے ان سے محروم ہو جائے گی۔ یہاں ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حضرت زید بن ثابت کو حضرت خزیمہ کے پاس سورۃ توبہ کی دو آیتیں یا سورۃ احزاب کی جو ایک آیت ملی تو آخر انہوں نے یہ کس طرح پہچانا کہ یہ آیات توبہ اور احزاب کی سورتوں کی تھیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورتوں کی ترتیب اور ان کے ناموں کی تعیین خود آنحضرتؐ کی حیات میں ہی ہو گئی تھی لہ

بہر حال عہدِ صدیقی میں جو کام انجام پایا وہ یہی تھا کہ قرآن مجید کے متفرق اجزاء کو ایک مصحف کی شکل میں یک جا کر دیا گیا، پھر پانچ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

قد اعلو اللہ تعالیٰ فی القرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ پہلے ہی بتا دیا تھا کہ لہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت زید بن ثابت نے دو آدمیوں کی گواہی لی کہ ان آیتوں کو جو مصحف میں داخل کر دیا۔ تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بس یہ دو گواہ تھے، یقیناً اور بھی بہت سے لوگ اسے شاہد ہوئے اور خود حضرت زید کو ان کے قرآنی آیات ہر نیک اور علم تھا، اسی وجہ سے تو وہ انکی تلاش کر رہے تھے لیکن چونکہ قانون کا منشا دو آدمیوں کی گواہی پر ہوتا ہے اس لئے صرف دو گواہی پر قانون

باندہ مجموعہ فی الصحف فی قولہ تیلوا  
صحفا مطهرة المایة وكان القرآن  
مکتوباً فی الصحف لکن کانت متفرقة  
فجمعها ابو بکر فی مکان واحد له  
ده صحیفوں میں جمع ہے، چنانچہ اُس نے  
فرمایا تیلوا صحفاً مطهرة۔ اور قرآن صحیفوں میں  
لکھا ہوا تھا، لیکن وہ صحیفے (مختلف اجزا جو  
اللہ الگ لکھے ہوئے تھے) منفرقتھے پس ابو بکر نے  
ان کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

حضرت ابو بکر کے | عندک رد محافظ صاحب نے کیا عجیب نکتہ پیدا کیا ہے، یہ خیال ہو سکتا تھا  
تأمل کی وجہ | کہ جب جمع قرآن کی حقیقت اتنی ہی تھی تو پھر آخر حضرت ابو بکر کو اس میں  
پس و پیش کیوں ہوا؟ اور انہوں نے یہ کیسے فرمایا کہ جس کام کو آنحضرت نے نہیں کیا۔  
میں اس کو یوں نہ کر سکتا ہوں؟ محافظ صاحب کی تقریر بالاسے واضح ہو گیا کہ حضرت  
ابو بکر کے تأمل کی وجہ سے یہ تھی کہ قرآن نے آنحضرت کی صفت یہ بیان کی ہے کہ آپ  
لوگوں کے سامنے صحف (نہ کہ صحیف) کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن آپ کی دفات  
میک رہا۔ بھی صحف کی ہی شکل میں نہ کہ صحف کی صورت میں اب حضرت ابو بکر اسکو  
صحف کی شکل میں جمع کرائیں گے تو وہ کہیں بدعت اور اسوۂ رسول سے تجاوز تو  
نہیں ہو جائیگا۔ پس یہ خیال تھا جس کے باعث حضرت ابو بکر کو تأمل ہوا۔ لیکن  
بعد میں حضرت عمر کے بار بار کہنے سے آپ کو اطمینان ہو گیا۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان | اگرچہ جمع قرآن دراصل حضرت ابو بکر کا کارنامہ ہے لیکن  
کے جمع قرآن میں فرق | اس سلسلہ میں سب سے زیادہ شہرت حضرت عثمان خلیفہ  
سوم کی ہے اور عام طور پر ان کو ہی جامع قرآن سمجھا جاتا ہے لیکن دونوں کے  
کارناموں میں بڑا فرق ہے۔

حضرت عثمان کے جمع قرآن کی حقیقت یہ ہے کہ شام اور عراق کی فتح کے بعد  
جب اسلامی مملکت کے حدود وسیع ہو گئے تو مختلف مصاحف جو مختلف صحابہ کے  
پاس محفوظ تھے وہ تمام مملکت میں پھیل گئے اور ہر شہر کے لوگوں نے اپنے اپنے مقام

حفاظ قرآن کی قرأت کے مطابق اس کو پڑھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اہل کوفہ عبداللہ  
بن مسعود کے نسخہ، مصحف کے مطابق قرأت کرتے تھے۔ اہل بصرہ ابو موسیٰ اشعری اہل  
دمشق مقداد بن الاسود، اور اہل شام ابی بن کعب کے نسخوں کے مطابق قرأت کرتے  
تھے یہ اختلاف اگرچہ قرأت کا تھا۔ لفظ اور عبارت کا نہیں تھا۔ لیکن قرأت کا یہ  
وسیع اختلاف لفظوں کے الٹ بھرتیک بھی وسیع ہو سکتا تھا۔ اور ضرورت تھی کہ اسکی  
حد بندی کی جائے۔ اور اس سلسلہ میں حکومت کی طرف سے کوئی قدم اٹھا یا جائے۔ اسی اثنا میں ایک  
واقعہ یہ پیش آیا کہ آرمینہ اور آذربائیجان کی سرحد پر جنگ ہو رہی تھی۔ وہاں حضرت خذیفہ  
بن الیمان نے دیکھا کہ اہل عراق اور اہل شام کی قرأت میں بڑا شدید اختلاف ہے یہ  
دیکھ کر ان کو بڑی تشویش ہوئی حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے  
امیر المؤمنین قبل اسکے کہ یہ امت گمراہ ہو اور وہ اپنی کتاب (قرآن) میں ایسے ہی باہمگ  
مختلف ہوں جیسے کہ یہود و نصاریٰ ہیں آپ اس کا سدباب کیجئے حضرت عثمان  
نے حضرت حفصہ بنت عمر کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابو بکر کا جمعہ)  
جو صحف ہے اس کو بھجھ دیجئے۔ ہم اس کے متعدد نسخے تیار کرالیں گے اور آپ  
کے پاس آپ کا نسخہ واپس بھیج دیں گے حضرت حفصہ نے تعمیل کی اب حضرت عثمان  
نے مصحف ابی بکر کی نقل پر حضرت زید بن ثابت، سعید بن العاص، عبدالرحمن بن  
الحارث اور عبداللہ بن زبیر کو مقرر فرما دیا۔ اور ان حضرات میں تین جو قریشی تھے  
ان کو حکم دیا کہ جس قرأت کے متعلق تم میں اور زید بن ثابت میں اختلاف ہو اس  
میں قریش کی زبان کی پیروی کرو۔ کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے جب  
یہ سب نسخے تیار ہو گئے تو خلیفہ ثالث نے ایک ایک نسخہ ایک ایک صوبہ میں  
بھیج دیا۔ ان کے علاوہ جتنے نسخے اور تھے ان کو سپرد آتش کرنے کا حکم دیا۔ لہ  
اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر نے قرآن مجید کے مختلف اجزا



کو جو پر لگندہ اور بکھرے ہوئے تھے ان کو ایک جگہ بین اللوحین میں جمع کیا تھا اور اختلافِ قرأت سے تعرض نہیں کیا تھا۔ اس کے برخلاف حضرت عثمان نے اسی مصحفِ ابی بکر پر اعتماد کر کے اور اس کو بنیاد قرار دے کر قرأتیں متعین کر دی تھیں جو سب سے قرأت کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ باقی قرأتوں کو غیر مستند قرار دیا گیا۔ اور ان قرأتوں کے حامل جو نسخے تھے ان کو جلا دیا گیا۔ چنانچہ علامہ حلال الدین السیوطی نے قاضی ابوبکر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا لہو لقصده عثمان قصد ابی بکر فی جمع نفس القرآن بین اللوحین وانما قصد جمعہم علی القراءات الثابتة اطرفہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والغاء ما لیس کذا لک لہ

دوسروں قرأتیں ہیں ان کو ضائع کریں۔ صدیقی کا نام کی اہمیت حضرت ابوبکر کے اس عظیم الشان کارنامہ کی اہمیت اور عظمت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں۔ یہی جمع قرآن در مصاحف ہے جسیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَاَنَّا لَکُمۡ لِحٰی فَطُوۡنٌ مُّنتَقِبٰتٌ ہوتا ہے اور جس کی بشارت "اِنَّ عَلَیْنَا جَمَعَهُ وَقُرْاٰنَہٗ" میں موجود ہے لہ جب تک دنیا میں قرآن اور ایک کلمہ کو بھی موجود ہے حضرت ابوبکر احسان سے امت مسلمہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔

## عہدِ صدیقی میں تمدنی حالت

آنحضرتؐ کے عہد میں ہی اگرچہ عربوں کی تمدنی زندگی پر بدادت

لہ الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۱۰۳ - لہ ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۵

کی جگہ حضرات کا رنگ چڑھنا شروع ہو گیا تھا، چنانچہ زمانہ قبل اسلام میں گھروں کے اندر بیتِ اخلا کا رواج نہیں تھا۔ مدینہ کی ہجرت کے بعد اس کا رواج ہوا اور اسمیں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ بیتِ اخلا گھر کے اندر تو نہ ہوں مگر ان سے متصل ہوں لہٰذا اہل کے علاوہ لباس میں وضع قطع میں نشست و برخاست میں تہذیب و شائستگی پیدا ہوئی تاہم سادگی برابر قائم رہی اور تکلفات کا کبھی کوئی دخل نہیں ہوا۔ سادگی کا یہ انداز عبدالمطلبی میں بھی رہا۔ تاہم عراق اور شام میں اس زمانہ کی دو مہذب اور ترقی یافتہ قوموں ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ اختلاط کے باعث کچھ کچھ تکلفات کا عمل دخل ہونا شروع ہو گیا تھا چنانچہ حضرت ابوبکر اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کے درمیان اول الذکر کے مرض و وفات میں جو مکالمہ ہوا ہے اس میں حضرت ابوبکر نے استخلافِ حضرت عمر کے سلسلہ میں بطور طعن و تعریض فرمایا ہے کہ تم لوگ دیبا کے گونے بچھونے اور ریشمین پر دے استعمال کرنے لگے ہو اور آذر با بیجانی ادن کے بنے ہوئے کپڑوں سے تم کو تکلیف ہوتی ہے لہٰذا

عرب زمانہ قبل از اسلام سے ہی ایک درمیانی منزل تھے جس کے ذریعہ چین، ہندوستان اور ایران کے مصنوعات اور پیداوار چیزیں مصر اور مغربی ممالک میں آتی جاتی تھیں۔ اس تقریب سے عربی شاعری میں ہندی تلواروں، ہند مسالوں، عود و صندل، کافور اور زنجبیل وغیرہ کا ذکر ملتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چیزیں عرب میں مستعمل تھیں۔

لباس | عربوں کا لباس شروع میں عموماً ایک ردا، اور ایک ازار پر مشتمل ہوتا تھا لیکن بعد میں جب تمدن نے ترقی کی تو درم (کرتر) قمیص - پاجامہ (سروال) اور بنیان وغیرہ بھی مستعمل ہونے لگا۔ جس پر عربی زبان کے الفاظ شعرا اور وثار دلالت کرتے ہیں اس کے علاوہ مرد باہر نکلتے تھے تو سر پر عامہ باندھتے اور جبہ پہنتے تھے اور عورتوں سر پر ردا باندھتی تھیں یا اڑھنی اور عصی تھیں جس کو خمد یا مچھرتے ہیں

لہ صحیح بخاری ج ۲ حدیث الافک لہ الکامل للبروج ص ۵

ریورات میں بازو بند کر کے ربالی امداد کو ٹھہرا دیا اور چھلے کا استعمال کرتی تھیں، ہار  
لونگ کا بھی استعمال ہوتا تھا جسے سمخاب کہتے ہیں۔ بخزودہ بنی مصطلق کے سفر  
میں حضرت عائشہؓ کا جو بارگم ہو گیا تھا۔ مہرہ میانی کا تھالہ سرمہ اور مہندی کا  
استعمال بھی ہوتا تھا۔ درس ایک قسم کی سرخ گھاس ہے جو کہ بطور غاذہ چہرہ پر لیتی  
تھیں، خوشبو میں مشک، عنبر اور زعفران کا استعمال ہوتا تھا۔

غذا عام طور پر سادہ ہوتی تھی، دودھ بکھورا اور گوشت عربوں کی محبوب غذا تھی  
گوشت مختلف ترکیبوں سے پکایا جاتا تھا جس کا ثبوت ان کثیر التعداد الفاظ سے  
ہوتا ہے جو عربی میں گوشت کیلئے اس زمانہ میں مروج تھے اور جن کی فہرست  
شعالی کی کتاب فقہ اللغۃ میں یکجا مل سکتی ہے۔ اسی طرح بکھورا اور دودھ کو بھی  
متعدد طریقوں پر استعمال کیا جاتا تھا۔ مکھن اور پنیر کا بھی رواج تھا۔ حریرہ بھی استعمال  
تھا۔ ترکاریوں میں کدو حقدار کا ذکر احادیث میں بھی ہے، کدو حقدار کو بھی بہت  
مرعوب تھا۔ باقلا کا بھی ذکر آیا ہے۔ سرکہ کو آنحضرتؐ نے بہترین سالن فرمایا ہے۔  
مزید تفصیلات بخاری کے باب کتاب الاطعمہ اور زاد المعاد بن تیمم سے معلوم ہو سکتی ہے۔  
ذرائع معاش | یورپین مصنفین کا عام خیال ہے کہ اسلام کے بعد مسلمانوں کی معاش  
کا سب سے بڑا ذریعہ مال غنیمت تھا، یہ بالکل غلط خیال ہے کیونکہ مال غنیمت میں حصہ دار  
صرف وہی لوگ ہو سکتے تھے جو جہاد میں شریک ہوتے تھے اور ظاہر ہے ان کی تعداد  
عام آبادی کی تعداد کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہوتی تھی۔ عہد نبوی اور اس کے بعد  
عہد صدیقی میں بھی اصل اسلامی معاشرہ کے عناصر ترکیبی مہاجرین

اور انصار یہ ہی دو گروہ تھے اور ان میں سے ہر ایک کا طبقاتی ذریعہ معاش الگ الگ  
تھا۔ مہاجرین تجارت کرتے تھے اور انصار کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے چنانچہ  
حضرت ابو ہریرہؓ پر جب کثرت روایت کی وجہ سے بعض لوگوں نے نکتہ چینی کی تو  
آپ نے فرمایا: میرے مہاجرین بھائی تجارتی کاروبار میں مصروف رہتے تھے۔  
لہ سنن ابوداؤد باب الیتیم۔ لکھ صحیح بخاری کتاب البیوع

اور میرے انصار بھائی کھیتی باڑی کرتے تھے اور میں آنحضرتؐ کی خدمت میں ہر  
وقت موجود رہتا تھا لہذا مہاجرین میں جو تجارت میں نامور تھے ان میں  
حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت  
سعد بن ابی وقاص خاص طور پر مشہور ہیں۔ مہاجرین کا اصل پیشہ اگرچہ تجارت تھا لیکن  
مدینہ میں انصار کے ساتھ مواخات کے باعث ان میں سے بعض کھیتی باڑی کرنے  
لگے تھے۔

آزاد تجارت | اسلام سے پہلے عرب کے مشہور بازار عکاظہ ذوالحجۃ امد ذوالحجاز  
تھے جہاں مختلف قبائل کے لوگ اپنا اپنا تجارتی مال لے کر آتے تھے اور بیچتے  
تھے، لیکن ان کی یہ تجارت آزاد نہیں تھی ان سے محصول لیا جاتا تھا۔ لیکن آنحضرتؐ  
نے مدینہ میں ایک اور بازار قائم کیا تھا۔ اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہاں کوئی ٹیکس  
نہیں دینا پڑتا تھا۔ آپ نے جب اس کو قائم کیا تو فرمایا۔

ہذا سوا فکھ الاخراج علیکھ فیدہ یہ تمہارا بازار ہے تمہیں کاروبار کرنے پر کوئی ٹیکس نہیں ہے  
گھریلو دستکاری اور آرائش | تجارت اور فلاحیت کے علاوہ صحابہ کرام کا ذریعہ معاش  
گھریلو دستکاری اور دوسری قسم کے محنت مزدوری کے کام بھی تھے، اسلامی  
تعلیمات کے زیر اثر کسب حلال کا ادنیٰ ذریعہ اختیار کرنے میں بھی ان کو ذرا جھجک  
نہیں ہوتی تھی اور اس میں ان کو عار نہیں آتی تھی۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی چٹائی  
بنتے تھے لہذا حضرت سعد الانصاری پتھر پر پھاوڑا چلاتے تھے لہذا بعض صحابہ شہید کی  
کھینوں کی پرورش اور ان کی نگہداشت کا کام کرتے تھے حضرت سعدہ طائف  
کے چمڑے کا کاروبار کرتی تھیں جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواج مطہرات  
سے بہتر تھی، کچھ صحابہ حدادی اور بخاری کا پیشہ کرتے تھے، بعض نے معادن کا  
ٹھیکہ لے لیا تھا۔ جس کا ذکر قاضی ابویوسف کی کتاب الخراج میں ہے۔

لہ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۰۱ لکھ استیعاب تذکرہ حضرت سلمان فارسی لکھ اسد الغابہ  
تذکرہ سعد الانصاری لکھ سنن ابی داؤد باب زکوٰۃ العسل۔

عہد مدینتی میں وظائف حضرت عمر فاروق نے اپنے عہد خلافت میں سب لوگوں  
 نہ ہونے کی وجہ کے حسب مراتب وظیفہ مقرر کر دیئے تھے۔ لیکن چونکہ

حضرت ابو بکر اس نکتہ سے واقف تھے کہ وظائف کی وجہ سے لوگوں میں تن آسانی  
 پیدا ہو جاتی ہے۔ اور محنت و جفاکشی کی عادت باقی نہیں رہتی، اس لئے آپ  
 نے کسی تندرست آدمی کا وظیفہ مقرر نہیں کیا جو کچھ آیا اس کو اسی وقت تقسیم کر کے  
 برابر کر دیا۔ چنانچہ جب حضرت عمر نے سب مسلمانوں کے وظائف مقرر کرنے کا

ارادہ کیا تو اس پر حضرت ابوسفیان بن حرب نے یہ اعتراض کیا تھا کہ  
 ان فرصت للناس اتكلوا على الديوان اپنے اگر سب کا وظیفہ مقرر کر دیا تو لوگ سپر  
 و ترکوا التجار تہ لہ بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور کاروبار چھوڑ بیٹھیں

عام سماجی حالت اسلامی معاشرہ بہترین معاشرہ تھا جس میں عورتوں کو پورے حقوق  
 حاصل تھے۔ غلاموں اور باندیوں کے ساتھ نہایت شریفانہ اور فیاضانہ معاملہ  
 کیا جاتا تھا ملک میں مکمل امن و امان تھا۔ حضرت عمر صدیقی دور میں چیف جسٹس  
 تھے لیکن دو برس تک ان کے پاس کوئی مقدمہ ہی نہیں آیا خلیفہ عمال حکومت اور  
 عام مسلمان ان کے طرز رہائش میں کوئی فرق ہی نہیں تھا۔ ایک معمولی حیثیت کا  
 مسلمان بھی بلا تردد خلیفہ وقت کے کسی فعل پر برسر عام نکتہ چینی اور خردہ گیری  
 کر سکتا تھا، غیر مسلموں کو مکمل طور پر مذہبی آزادی حاصل تھی اور مسلمانوں کے  
 اور ان کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار اور سہمردانہ تھے، اور ان کو ترقی  
 کرنے، علم حاصل کرنے کے پورے مواقع حاصل تھے۔

## اجتہاد و قیاس

قیاس عہد نبوت میں قرآن و سنت میں اگرچہ اصول و کلیات کے علاوہ سینکڑوں  
 جزئی مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ تمدن اور اجتماع کی ترقی کے

لے متوجہ البلدان بلاذری ص ۳۶۳

ساتھ ساتھ سینکڑوں نزاروں ایسے مسائل پیش آتے رہتے ہیں۔ جن کا ذکر قرآن  
 و حدیث میں نہیں ہے۔ ایسے مسائل کو حل کرنے کا طریقہ اسکے سوا کوئی اور نہیں  
 ہو سکتا کہ اجتہاد اور قیاس سے کام لیا جائے، چونکہ شریعت کی جامعیت اور عالمگیری  
 کے ساتھ اس چیز کا بہت گہرا تعلق ہے اس لئے خود آنحضرتؐ کے عہد میں اسکو  
 صاف طور پر بتا ڈل گیا تھا۔ چنانچہ تم پہلے بڑھ آئے ہو کہ آنحضرتؐ نے حضرت معاذ  
 بن جبل کو جب قاضی بنا کر مین بھیجا تھا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کے  
 درمیان کس طرح فیصلہ کرو گے؟ متعدد سوال و جواب کے آخر میں انہوں نے کہا کہ اگر میں  
 کسی کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہیں پاؤں گا تو اجتہاد لائی، میں اپنی رائے  
 استعمال کروں گا، لہ ظاہر ہے اس اجتہاد بالرائی کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ جو معاملہ  
 پیش آئیگا اس پر قیاس کر کے اس کا حکم قرآن و سنت میں تلاش کروں گا اور معاملہ  
 زیر بحث کو اس پر قیاس کر کے اس کا حکم اسپر لگا دوں گا۔ اور یہی تعریف قیاس شرعی  
 کی ہے جو استنباط احکام کے اصول اربعہ میں سے ایک اصل ہے۔ ورنہ کتاب  
 و سنت سے قطع نظر محض رائے زنی کوئی دلیل شرعی نہیں ہو سکتی۔ آنحضرتؐ  
 نے معاذ بن جبل کا یہ جواب سن کر ان کو آفریں کہی اور خوشی سے ان کے سینہ پر دست  
 مبارک رکھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیاس کا وجود خود آنحضرتؐ کے عہد میں  
 پایا جاتا تھا اور اسکے دلیل شرعی ہونے کی توثیق خود اپنے کردی تھی لہ

استنباط احکام کے اصول ثلاثہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت ابو بکر کا معمول تھا کہ جب کوئی  
 مسئلہ ان کے سامنے آتا تھا تو کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، اگر اس  
 میں مل گیا تو اس پر عمل کرتے تھے۔ ورنہ سنت رسول اللہ سے مراجعت کرتے تھے  
 اگر اس میں کامیابی نہ ہوتی تو پھر مسلمانوں کو جمع کر کے دریافت کرتے کہ کیا تم میں سے

لہ مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۰ لہ لیکن انہوں نے مولانا شبلی صاحب اس شوق میں  
 کہ قیاس کی ایجاد اور اسکو حجت شرعیہ بنانے کا سہل حضرت عمر فاروق کے ربانہ ہوتے ہیں اسکو  
 تسلیم نہیں کرتے اور ساتھ ہی اسکے منکر یہی کہ حضرت ابو بکر کے عہد میں قیاس کا وجود پایا جاتا تھا۔

کسی کو اسکے متعلق آنحضرتؐ کا کوئی عمل معلوم ہے۔ اگر ایسا کوئی شخص مل جاتا تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے اور اگر اس میں بھی ناکامی ہوتی تو منتخب اور اعلا علم کے صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے اور جس پر سب متفق ہو جاتے اس کا حکم دیتے چنانچہ ایک مرتبہ دادی کی وراثت کا مسئلہ پیش آیا، قرآن مجید میں اس کے متعلق کوئی حکم تھا نہیں اس لئے آپ نے سنت کی طرف رجوع کیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے بتایا کہ آنحضرتؐ جدہ (وادئ) کو ایک سدس یعنی ۱/۶ حصہ دلاتے تھے حضرت ابو بکر نے اس پر شہادت طلب کی۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت مغیرہ کی تصدیق کی اور آپ نے یہی حکم نافذ کر دیا۔

اصل رابع یعنی قیاس | ان روایتوں سے استنباط احکام کے اصول ثلاثہ یعنی قرآن و سنت اور اجماع کا مجدد صدیقی میں معمول بہا ہونا ثابت ہوتا ہے، رہی اصل رابع یعنی قیاس تو حضرت ابو بکر اجماع نہ ہونے کی صورت میں قیاس سے کام لیتے تھے۔ اور جو بات حق معلوم ہوتی تھی اس کا اعلان کر دیتے تھے، چنانچہ کلالہ کے متعلق آپ سے پوچھا گیا تو چونکہ قرآن و سنت میں اس کا مفہوم واضح نہیں تھا اسلئے آپ نے فرمایا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اگر صواب ہو تو اللہ کی طرف سے ہوگا۔ ورنہ شیطان کی طرف سے، پھر مانعین زکوٰۃ کے معاملہ میں ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمر فاروق تک کی رائے خلاف تھی لیکن حضرت ابو بکر نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کیا، کیونکہ فرسیت و اہمیت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا اور پھر جس طرح نماز کا منکر مرتد ہے اسی طرح مانعین زکوٰۃ کو مرتد قرار دے کر ان سے قتال کو واجب قرار دیا۔ عوز کرو کیا یہ صورت بعینہ قیاس کی نہیں ہے؟ شاہ ولی اللہ حضرت ابو بکر کے طرز استدلال کے متعلق فرماتے ہیں۔

”آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ جب لوگ لا الہ الا اللہ کہیں گے تو انکی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ الا بحقہا۔ مگر ہاں اس وقت نہیں جب کہ وہ

لے سن ابی داد کتاب الفرائض باب فی الجدة لے سن الدارمی ج ۲ ص ۶۵ مطبوعہ دمشق

کسی ایسی چیز کا ارتکاب کریں جس کی وجہ سے ان سے قتال کرنا ضروری ہوگا۔ اس حدیث کو حضرت عمر جو مانعین زکوٰۃ کیسا تھے قتال کرنے کے حق میں نہیں تھے اپنے استدلال میں پیش کرتے تھے اور ان کے استدلال کی تقریر یہ تھی کہ نماز کا الا بحقہا کے ماتحت شامل ہونا مسلم ہے اور چونکہ زکوٰۃ بھی نماز کی ہی طرح ایک اہم فرض اور دین کی بنیاد ہے اس لئے زکوٰۃ کے منح کرنے والوں کا حکم بھی وہی ہوگا۔ شاہ صاحب کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

”و زکوٰۃ مقیس است بروئے بقیاس جلی لے“

اسی طرح حضرت ابو بکر سے ایک مرتبہ جد (دادا) کی وراثت کا حکم جو قرآن میں مذکور نہیں ہے اور جس کے متعلق آنحضرتؐ کا کوئی عمل بھی معلوم نہیں تھا پوچھا گیا تو آپ نے اس کو اب (باپ) پر قیاس کر کے فرمایا کہ میراث کے معاملہ میں دادا کا حکم وہی ہے جو باپ کا ہے۔ اس کی مزید تشریح آگے آتی ہے۔ مالک بن نویرہ کے واقعہ میں حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کی طرف سے جو خوبیاں ادا کیا تھا وہ بھی بر بنائے قیاس تھا، کیونکہ آنحضرتؐ نے خود حضرت خالد کے اسی طرح کے ایک واقعہ میں ایسا ہی کیا۔ خیر و فذک کا مسئلہ | اسی ذیل میں خیر و فذک کا مسئلہ آتا ہے، یہ مسئلہ ایک مدت تک مسلمانوں میں بحث و تکرار کا موضوع بنا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت علی اور حضرت عباس کو جو اصرار رہا اور جو ناگواری پیش آئی اس نے واقعہ کی اہمیت بڑھا دی ہے، اس لئے ہم اس پر تفصیل سے کلام کرتے ہیں۔

اصل واقعہ اصل واقعہ یہ ہے کہ خیر کی فتح کے بعد آنحضرتؐ نے اس کو ۲ حصوں پر تقسیم کیا، ان میں سے ۱۸ حصے اپنے لئے مخصوص کئے اور باقی حصص دوسرے لوگوں پر تقسیم کر دیئے۔ اس سے فراغت کے بعد جب آپ واپس ہوئے تو محیصہ بن مسعود الانصاری کو دعوت اسلام کی غرض سے اہل فذک کے پاس بھیجا۔ یوشع بن نون ان کا سردار تھا، اہل فذک نے صلح کی درخواست کی اور نصف زمین

معاهدہ میں دینی منظور کی۔ آنحضرتؐ نے اس کو قبول فرمایا اس وقت سے زیر میں آپ کے لئے مخصوص ہو گئی لے آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ اور حضرت عباس حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خیر و فدک کی زمینوں میں آنحضرتؐ کا جو حصہ تھا اس کا بحیثیت وارث مطالبہ کیا، اسکے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا "میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوگا۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہوگا۔ اور آل محمدؐ اس مال میں سے کھائیں گے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے کہا کہ آنحضرتؐ جس کام کو جس طرح کرتے تھے میں اس کو اسی طرح کروں گا۔ حضرت فاطمہ یہ سن کر کبیدہ خاطر واپس چلی گئیں اور جب تک زندہ رہیں حضرت ابوبکر سے کلام نہیں کیا لگہ

اصل واقعہ | اسی قدر ہے لیکن طبری اور بلاذری نے اس سلسلہ میں جو اور چند روایات نقل کی ہیں ایک فن کا نکتہ شناس پہچان سکتا ہے، کہ وہ وقت کی رنگ آمیزی سے خالی نہیں بہر حال ہم کو اس وقت ان کی تنقید مقصود نہیں ہے صرف اسپر بحث کرنا ہے۔ کہ اس مسئلہ میں حضرت ابوبکر نے جو فیصلہ کیا وہ کہاں تک حق بجانب تھا اور کیوں تھا؟

حضرت ابوبکر کے فیصلہ کے وجہ | اس میں تک نہیں کہ خیر اور فدک میں آنحضرتؐ کا جو حصہ تھا وہ آنحضرتؐ کے لئے مخصوص تھا چنانچہ حضرت عمر کے سامنے جب یہ معاملہ آیا تو آپ نے آیت ذیل پڑھی۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولٍ مِنْهُمْ فَمَا  
أَوْجَعْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا مَرْكَبٍ  
وَلَكِنَّ اللَّهَ يَسْطُرُ سُلْطَةً عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ  
وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اور اللہ نے اپنے رسول کو جو چیز پر طرے کے ذریعے  
تو تم نے اس پر اپنے گھوڑے یا سواریاں نہیں دوڑائی  
تھیں لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو  
سلطہ کر دیتا ہے اور اللہ ہر شے پر اپنی قدرت والا ہے

خالصہ رسول ہونے کا مطلب | اور اس آیت میں جس نے کا ذکر ہے اس سے خیر اور فدک

لئے فتوح البلدان بلاذری ص ۳۲ و ۳۳ کہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۹۱ کتاب الغنائم میں روایت بخاری میں تھوڑے بہت الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ باب الخمس اور باب المغازی میں بھی ہے۔

مراد لے اور ساتھ ہی فرمایا۔ فَمَا كُنْتَ تَخَالِصُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ لِيَكُنَ مِنْكُمْ رِيَالٌ  
بادشاہ اور ایک صدر ریاست کے لئے کسی چیز کے خاص ہونے کی دو صورتیں ہو  
سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز اس کی ملکیت فاتی ہو اور دوسری یہ کہ صدر ریاست  
ہونے کی حیثیت سے وہ اس کے اخراجات کے لئے وقف ہو۔ پہلی صورت میں  
صدر ریاست کے انتقال کے بعد وہ شے اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جاتی ہے۔  
لیکن دوسری صورت میں چونکہ وہ ذاتی نہیں ہوتی اس لئے وارثوں میں تقسیم  
نہیں ہوتی، بلکہ اس کے بعد جو شخص صدر ریاست ہوتا ہے اس کی طرف منتقل  
ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر (اور حضرت عمر بھی) خیر اور فدک کو ایسے شہ آنحضرتؐ کے لئے  
خاص مانتے تھے، لیکن پہلی صورت کا خاص ہونا نہیں جسمیں وراثت جلتی ہو۔  
بلکہ دوسری صورت کا جس کو لازمی طور پر خلیفہ رسول کی طرف منتقل ہونا چاہیے  
مسند امام احمد بن حنبل میں بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر کے  
پاس پیغام بھیجا کہ رسول اللہؐ کے وارث آپ ہیں یا ان کی اولاد تو حضرت ابوبکر  
نے جواب دیا "میں نہیں بلکہ آپ کے متعلقین (اہل)!" اب حضرت فاطمہ نے  
کہلا یا کہ اچھا! تو پھر رسول اللہؐ کا حصہ کہاں ہے؟ اس کا جواب حضرت ابوبکر نے دیا  
کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کھلاتا ہے۔ لیکن جب  
اس کو دنیا سے اٹھالیتا ہے تو جو اس نبی کا حصہ ہوتا ہے۔ وہ اس شخص کی تحویل میں چلا  
جاتا ہے۔ جو اس کا قائم مقام ہوتا ہے لگہ"

اس کے علاوہ حضرت عمرو بن الزبیر سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہؐ کی وفات  
کے بعد ازواج مطہرات حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور خیر و فدک میں سے اپنے حصہ کا  
مطالبہ کیا۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا "کیا تم کو خوف خدا نہیں ہے؟ کیا تم نے آنحضرتؐ  
سے نہیں سنا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوگا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہوگا۔"

جیسا میں دنیا میں نہ رہوں تو میرا حصہ اس شخص کیلئے ہو گا جو میرا خلیفہ ہو حضرت عائشہ کی یہ تقریر سن کر ازواجِ مطہرات نے اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔ لہٰذا حضرت ابوبکر کے بعد جب یہ معاملہ حضرت عمر کے سامنے آیا تو کہنے لگی یہی فرمایا۔ ہا صدقۃ رسول اللہ ﷺ کا نثار خیر اور فدک دونوں رسول اللہ کے صدقہ لِحَقْوَقَةِ التَّيِّبَةِ تَعْرِوهُ وَنَوَابِئَهُ (وقف تھی اور آپ کے ذمہ جو حقوق تھے انکے لئے اور آپ کی مزدوریوں کیلئے تھے اور انکا وہما علیٰ ذالک الیوم لہ معاملہ اس شخص کے سپرد ہے جو خلیفہ ہو اور

یہ دونوں آج تک اسی حالت اور حیثیت میں ہیں۔ خیر و فدک کے مصارفِ خیر و فدک کی اس حیثیت کے متعین ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر کو حق تھا کہ صدر ریاست اور خلیفہ رسول کی حیثیت سے خیر و فدک کی آمدنی کو اپنی ذات اور اپنے بال بچوں کے اخراجات کیلئے مخصوص کر لیں۔ لیکن ادب و احترام نبوی اور اہلبیت اطہار کے ساتھ آپ کو جو محبت و عقیدت تھی۔ اس کا تقاضا تھا کہ آپ نے ان دونوں کی آمدنی کے مصارفِ بعینہ وہی قائم رکھے جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں تھے۔ اور اس کا حسب بھی اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے روایتیں رکھا عہد نبوی میں خیر و فدک کا مصرف یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے متعلقین کا سال بھر کا خرچہ اسی میں سے پورا کرتے تھے اور اس کے علاوہ مسلمانوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتے تھے لہٰذا حضرت ابوبکر کا بھی یہی معمول رہا۔ جہاں تک اہل بیت کا تعلق ہے۔ آپ نے فرمایا۔

والذی نفسی بیدۃ لقرابۃ رسول جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اسی قسم اللہ ﷻ احب الی من ان اصل من رسول اللہ کے شترے دار مجھ کو اس سے زیادہ عزیز ہیں کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی قرابتی لہ

مزید ارشاد فرمایا۔

سہت ان النبی لایورث و لکنی اعول میں نے سنا ہے کہ نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا  
من کان رسول اللہ ﷺ یعسول و انفق لیکن اس کے باوجود میں ان سب کی سرپرستی  
علی من کان رسول ﷺ ینفق لہ کرونگا جن کی سرپرستی آنحضرت ﷺ کرتے تھے  
اور ان سب پر خرچ کروں گا جن پر آپ خرچ کرتے تھے۔  
عزیز و فرض اور محبت کے درمیان حسن توازن و تناسب کی مثال کیا کوئی اس سے  
بہتر بھی ہو سکتی ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں۔

مد مشکل آنکہ اگر میراث دہند مخالف قاعدہ شرع باشد و اگر دہند مدلال  
خاطر اہل بیت لازم آید۔ حضرت صدیق دریں باب حدیثی روایت کرد کہ  
میراث بدون راز پیغامبر ﷺ و بدون این قری مملوک و سے ہر دو مقدمہ  
را منع نمود و با حضرت فاطمہ و سائر اہل بیت آں قدر ملاطفت  
فرمود کہ جبر نقصان آن آزر دگیا شد لہٰذا

حضرت فاطمہ زہرا کا طرز عمل اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ابوبکر کے اس سب کچھ  
کرنے کو ماننے کے بعد بھی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا کا دل ان کی طرف سے صاف ہوا؟  
اگرچہ متعدد روایات میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ نے آخر عمر تک حضرت ابوبکر سے  
کلام نہیں کیا، لیکن اول تو جن رادیوں نے یہ نقل کیا ہے صرف ان کا ایک اندازہ اور  
قیاس ہے۔ پھر ان روایات کے جو راوی ہیں ان میں بعض وہ بھی ہیں جن میں تشیع  
پایا جاتا تھا۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں۔

ولعلہ روی بمعنی ما فہمہ اور شاید بعض رادیوں نے جیسا سمجھا اسکو  
بعض الرواۃ و فیہم من فیہ تشیع ہی بالمعنی روایت کر دیا اور یہ بھی معلوم رہنا

لہ فتوح البلدان بلاذری ص ۳ لہ مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۰  
لہ صحیح بخاری ج ۲ کتاب الفرائض لہ مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۰

لہ مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۰ لہ ازالۃ الخفا و حصہ دوم ص ۲۹

فلیعلموا ذلك له  
چاہئے کہ ان راویوں میں بعض وہ بھی ہیں جن میں تشبیح تھا۔

جن راویوں نے حضرت فاطمہ کی تادقت و فوات ناراضگی بیان کی ہے وہ حضرت فاطمہ کا کوئی فقرہ ایسا نقل نہیں کرتے جو انہوں نے حضرت ابو بکر سے گفتگو کے بعد کہا ہو اور جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حدیث نبوی سننے کے بعد بھی ان کا ملال خاطر دور نہیں ہوا۔ اس بنا پر قیاس یہی ہو سکتا ہے کہ یہ محض راوی کا اپنا احساس ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ایک اور روایت ہے جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر کی زبان سے حدیث نبوی سننے کے بعد حضرت فاطمہ نے فرمایا۔  
فلنت وما سمعت من رسول الله تو بھر آپ نے رسول اللہ سے جو سنا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اعلو له آپ اس کو زیادہ جانتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کو کوئی ملال نہیں رہا تھا اور قرن قیاس و مقتضائے روایت بھی یہی ہے، حضرت ابو بکر کی زبان سے ارشاد نبوی سننے کے بعد حضرت فاطمہ کے سامنے صرف دو ہی صورتیں تھیں یا تو وہ اس حدیث کا انکار کرتیں اور یا اس کو صحیح تسلیم کرتیں، پہلی صورت ناممکن تھی اسلئے کہ اول تو خود حضرت ابو بکر کا کسی حدیث کو بیان کرنا اس کی صحت کی سب سے بڑی دلیل تھا۔ اور پھر یہاں تو حضرت صدیق تنہا نہیں تھے، بلکہ ازواج مطہرات۔ حضرت علی، عباس عثمان، عمر فاروق، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ یہ سب حدیث کی صحت کے گواہ تھے۔ جیسا کہ بخاری کتاب الفرائض کی روایت سے ظاہر ہے، اس بنا پر حضرت فاطمہ کے لئے حدیث کی عدم صحت کا تصور کرنا بھی ناممکن تھا۔ اب لا محالہ دوسری صورت باقی رہتی ہے تو کیا ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت فاطمہ کی نسبت باور کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کی صحت تسلیم کرنے کے باوجود ان کا تکدر طبع مدبر نہیں ہوا اور انہوں نے اپنا مطالبہ بخوبی

واپس نہیں لے لیا، صاف و صریح ارشاد نبوی سننے کے بعد اپنے مطالبہ پر اصرار ایک ادنیٰ درجہ کے مسلمان سے متوقع نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ سیدۃ النساء حضرت زہرا بتول سے جو معدن الفقر فخری کا گوہر تابندہ اور ملک درویشی و بے نفسی کا مادہ درخشندہ تھیں۔ سرور عالم کی جس لخت جگر نے پہلی پیس پیس کر اپنے ہاتھوں پر گٹے ڈال لئے ہوں اور کبھی اُن کی، کبھی دولت و ثروت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا ہو کہ یہی استغنا اور یہی شان فقر اس خاواذہ قدس کا طفل لے اتیا د تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ چند قرصہائے سیم و زر کی وراثتی ملکیت کے داغ اپنے دامان فقر و استغنا پر گوارا کر سکتی تھی؟ فہل من مدکر! لہ

حضرت ابو بکر کی بچہ تانہ بالغ نظری | پھر بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ وقتی طور پر ایک معاملہ پیش آیا اور حضرت ابو بکر نے اس کا جواب دیدیا، بلکہ درحقیقت حضرت ابو بکر کا فیصلہ جو فرمودہ نبوت کی روشنی میں تھا آنحضرت کی پیغمبرانہ عظمت و شان کو قائم رکھنے کا ضامن تھا، حیات انبیا کا جو عقیدہ ہے اس کی رسمی توضیح و تشریح سے قطع نظر یہ مسلم ہے کہ آنحضرت کی وفات پر وہ تمام احکام جاری نہیں ہوئے جو عام لوگوں کی موت پر طاری ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی ازواج مطہرات عدت میں نہیں بیٹھیں اور آپ کے بعد ان سے کسی اور کا نکاح کرنا جائز نہیں تھا۔ اس بنا پر حضرت

لے اسکی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو حافظ عماد الدین ابن کثیر نے حافظ ابو بکر البقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر حضرت فاطمہ کی علالت کے دنوں میں عیادت کیلئے تشریف لینگے تو حضرت فاطمہ نے آپ کو گھر میں بلا لیا اور دنوں میں گفتگو ہوئی اور آخر حضرت فاطمہ حضرت ابو بکر سے خوش ہو گئیں، ابن کثیر نے اس روایت کو سن کر جو حدیث قوی کہا ہے (البدایہ ج ۵ ص ۲۸۹) اس پر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ بہر حال اس روایت سے بھی یہ تو ثابت ہو ہی گیا کہ حضرت فاطمہ ناراض تھیں اگرچہ بعد میں ان کا دل صاف ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کو کچھ ناگواری ہوئی یا نہیں اس سے قطع نظر حضرت ابو بکر اسکا خیال مزور ہو گا کہ مگر گوشہ رسول نے بہت مطالبہ کیا اور وہ اسکی تعمیل کر کے بس صرف یہی غلش تھی جسکی وجہ سے حضرت فاطمہ کے پاس موزن خواہی

الو بکر کو اس بات کا یقین تھا کہ داشت بھی جو عام اہل دنیا کے عوائدِ سیمہ میں سے ہے ایک پیغمبرِ آخر الزماں کے شایانِ نشان نہیں۔ آنحضرتؐ کی شان تو یہ تھی کہ جو کچھ آپؐ کے پاس تھا اس کو اپنے صرف اپنی ذات اور اپنی صلبی اولاد کے لئے کبھی مخصوص نہیں رکھا بلکہ اس پر سب مسلمانوں کا حق تھا چنانچہ آپؐ نے فرمایا۔

انا اولیٰ بالملوئمتین من انفسہم  
فمن مات وعلیہ دین ولس  
یترک وفاء فعلینا قضاءہ و  
من ترک ما لافلورثتہ لہ

میرے اور مسلمانوں کا حق اتنا ہے کہ خود  
اپز بھی انکا نہیں ہے، اس لئے جو مسلمان مقرر  
مر جائے اور کافی ترکہ چھوڑے تو اس قرض  
کو ادا کرنا ہمارے ذمہ ہے اور جو شخص کچھ  
مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کیلئے ہوگا۔

اسی بنا پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فدک کے متعلق ایک مرتبہ ایک جماعت کو  
خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

فدک رسول اللہؐ کے لئے تھا، آپ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور اسی میں  
سے نبوہاشم کے فقر پر خرچ کرتے تھے ان کی بن بیابھی روکیوں کا نکاح کرتے  
تھے۔ حضرت فاطمہؑ نے ایک مرتبہ درخواست کی کہ آپ فدک ان کے نام ہبہ کر دیں  
تو آپ نے انکار فرمادیا لہ

پس عجز کر دیجس رحمت عالم کی یہ نشان ہوا اور جس نے زکوٰۃ اور صدقہ وغیرت

لہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۰ کہ سنن ابی داؤد کتاب العرائض باب فی صفا یا رسول اللہؐ حضرت  
عمر نے حضرت علیؑ وعباسؑ وغیرہ ہما کے سامنے آیت وما اذنا اللہ علیٰ رسولہ الایۃ پڑھی اور  
اس سے استدلال کیا کہ آنحضرتؐ کے پاس جو کچھ تھا اس میں ایک مسلمان بھی ایسا نہیں تھا جس کا حق  
نہ ہو نیز یہ کہ آنحضرتؐ اسی خیر و فدا کی آمدنی سے مسلمانوں کیلئے اکلہ اور گھوڑے وغیرہ خریدتے  
تھے اور اپنا اور اپنے متعلقین کا سال بھر کا خرچ پورا کر کے بعد قومی دہلی مصارف میں خرچ  
کرتے تھے اصل الفاظ جو بخاری میں بھی ہیں وہ یہ ہیں فیصلیٰ یصلیٰ مال اللہ بخاری ج ۲ ص ۹۹۰ سنن ابی داؤد  
کتاب العرائض

کو اپنے خاندان کے لئے ناجائز قرار دیدیا ہو۔ کینز کمر ممکن تھا کہ اس کے دنیا سے  
ردپوش ہوتے ہی اس کے ترکہ کے حصے بخرے کر لئے جاتے اور چند افراد  
خاندان میں اس کو محدود کر کے عام مسلمانوں کو اس کے انتفاع سے محروم  
کر دیا جاتا، آپ کا ارشاد و ما ترکنا صدقہ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں گے وہ سب مسلمانوں  
کے لئے وقف ہوگا۔ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی گروہ کشائی خلیفہ کربلا  
کے ناخن اجہتا دے کی۔

حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ جہاں تک اس واقعہ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کی ذات کا تعلق  
کا اصرار ہے مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے لیکن آخر میں بحث کو مکمل

کرنے کی غرض سے مختصر اس قدر لکھ دینا ضروری ہے کہ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے  
کہ اچھا مانا! حضرت فاطمہؑ کو حضرت ابو بکرؓ کی زبان سے ارشاد نبوی سننے کے بعد  
اطمینان ہو گیا لیکن اسکی کیا وجہ ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ کو پھر بھی اصرار  
رہا اور ان کی تشقی نہیں ہوئی، اسس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک وراثت کا  
معاملہ تھا اس کے متعلق ان دونوں حضرات کو بھی اطمینان اور اس بات کا یقین  
ہو گیا تھا کہ خیر و فدا وقف ہیں لیکن وہ اس چیز کو ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ خلیفہ  
وقت ہی اس کا متولی ہو۔ ان کا ذاتی خیال تھا کہ آنحضرتؐ کے اہل قرابت کو اس  
کا متولی ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ ان حضرات کا خیال یہ بھی تھا کہ یہ صرف آنحضرتؐ  
کے اقربا کے لئے وقف ہیں نہ کہ تمام مسلمانوں کیلئے، حضرت عمر فاروق اور حضرت علیؑ

وعباس میں جو طویل مکالمہ اکابر مہاجرین کی موجودگی میں ہوا ہے اور جو صحیح  
بخاری میں متعدد ابواب کے ماتحت مذکور ہے اس کو دیکھو تو صاف نظر آسکا کہ مکالمہ  
کا موضوع وراثت نہیں بلکہ اصل یہی دو چیزیں ہیں ان میں سے پہلی چیز یعنی وقف  
کا متولی ہونا تو چونکہ خلیفہ کا حق تھی اور ایک صاحب حق اگر چاہے تو وہ کسی دوسرے  
کے حق میں اس سے دست بردار ہو سکتا ہے اس بنا پر اہل بیت اطہار کی دلجوئی کی  
خاطر حضرت عمر نے خیر و فدا کی تولیۃ ادا اس کا انتظام و افرام حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ



کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ لیکن دوسری چیز یعنی مصارفِ وقفِ فدک تو چونکہ ماترکنا صدقہ کے ارشادِ نبوی کے ماتحت منصوص تھی اسلئے حضرت عمر باکمی اور شخص کو اس میں تغیر و تبدیل کرنے کا حق نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عمر نے مذکورہ بالا دو لڑن حضرات کو جب فدک کی ولایت سپرد کی تو ان سے صاف لفظوں میں اس بات کا عہد کرایا کہ وہ اس کی آمدنی ان تمام مصارف کے لئے کھلی رکھیں گے جن میں آنحضرتؐ اس کو صرف کرتے تھے اس کے بعد بتائید فرمایا۔

فان عجزتما فادعنا ہا الی فانی اگر تم دونوں اس شرط کو پورا نہ کرکو گے تو تم یہ مجھ واپس کر دو۔ تمہاری طرف سے اکفیکما ہا۔

میں اس کا انتظام کر دوں گا۔

ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت علی کے عہد میں بھی فدک مسلمانوں کیلئے صدقہ ہی تھا [کلامہ کی بحث] حضرت ابو بکر صدیق کے مجتہدات و قیاسات میں ایک مشہور مسئلہ دادا کی وراثت کا بھی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے

یستقونک - قل اللہ یفتیکم فی الکلالة ان امرؤ ہلک لیس لہ ولد و لہ اخت فلہا نصف ماترک و ہویرثہا ان لہ یکن لہا ولد (نساء)

اے محمد! لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ کلامہ کے بارہ میں تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد لا ولد مرے اور اسکی بہن مر جائے اور اسکی اولاد نہ ہو تو یہ بھائی اس کا وارث ہوگا۔

اس آیت میں جو لفظ کلامہ آیا ہے اس میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کلامہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی وفات پر نہ اس کے باپ ہو اور نہ بیٹا۔ لیکن آگے چل کر اختلاف اس میں ہو گیا کہ کلامہ کے مضموم میں دادا کا نہ ہونا۔

لے صحیح بخاری ج ۱ اہل طحا ۴ ذ ۲ ص ۹۹۶ بعض محدثین کا خیال ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی اور عباس کو جس کا متولی بنایا تھا وہ خیر و فدک نہیں بلکہ مدینہ میں آنحضرتؐ کا جو خالصہ تھا وہ تھا لیکن بخاری کی روایات سے ایسی کوئی تخصیص ظاہر نہیں ہوتی۔

بھی داخل ہے یا نہیں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس کی رائے یہی تھی کہ داخل ہے یعنی دادا کا حکم وہی ہے جو باپ کا ہے حضرت ابو بکر کے عہد میں تو کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی لہٰذا لیکن بعد میں متعدد صحابہ کی رائے اس کے خلاف ہو گئی۔

اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فرض کر دیا کہ شخص کا انتقال ہوا اور اس اپنے بعد ایک دادا اور بہن، بھائی، چھوٹے تو اب سوال یہ ہے کہ دادا کے ہوتے ہوئے بہن بھائی کو ورثہ ملیگا یا نہیں حضرت ابو بکر کی رائے کے مطابق جواب نفی میں ہے۔ کیونکہ دادا کا حکم وہی ہے جو باپ کا ہے۔ پس جس طرح باپ کی موجودگی سے بہن بھائی محبوب الارث ہو جاتے اسی طرح دادا کی موجودگی سے بھی ہو جائینگے۔

اس مسئلہ میں حضرت ابو بکر کا استدلال یہ تھا کہ۔

ما، قرآن مجید میں ایک اور آیت ہے جس میں کلامہ کا لفظ ہے۔

وان کان رجل یورث کلالۃً او امرأۃ و لہ اخت فلکل واحد منہما التمس ط

اگر ایک مرد کلامہ ہونے کی حالت میں مر جائے یا کوئی عورت اور اس کے ماں شریک بہن بھائی ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اس آیت میں کلامہ سے مراد سب کے نزدیک وہ شخص ہے جس کے نہ باپ ہو اور نہ دادا، چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر دادا ہو گا تو پھر علاتی بہن بھائی محبوب الارث ہو جائیں گے۔ اس بنا پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ جب یہاں کلامہ کے معنی میں دادا کو باپ کے برابر رکھا گیا ہے تو یہی شریح پہلی آیت میں ملحوظ نہ رکھی جائے۔

(۲) جہاں تک حاجب ہونے کا تعلق ہے ابن الابن یعنی پوتے کا وہی حکم ہے جو ابن کا ہے۔ پس جب فروع میں یہ حال ہے تو کیا وجہ ہے کہ اب اللاب یعنی دادا کا حکم باپ کا سا اصول میں نہ ہو۔

لے بخاری ج ۲ کتاب الفرائض

(۲) جدِ باپ کی طرح اصل نسب ہے اس لئے جو حکم باپ کا ہو گا وہی دادا کا ہونا چاہئے۔  
عرض کہ حضرت ابو بکر صدیق اسلام میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اجتہاد کینیڈے  
قاعدے اور منابیط مقرر کئے۔ آج تک مسلمانوں کا عمل انہیں منوالط پر ہے۔ شاہ  
دلی اللہ لکھتے ہیں -

” اہم مہمات نزدیک حضرت صدیقین آن بود کہ برائے امت آنحضرت قاعدہ  
مرتب فرمایند اور مسائل اجتہاد یہ بکدام راہ سلوک نمایند و ترتیب اولہ  
شرعیہ بچہ اسلوب عمل آرندالی یومناذا۔ ہمہ مجتہدین بر ہمیں قاعدہ عمل  
می کنند و در رضی اللہ عنہ شیخ داستا جمیع مجتہدین شد“ لہ  
بچہ کس کو دیا جائے کس بچہ کے ماں باپ میں اگر جدائی ہو جائے تو بچہ کس کے پرد  
کیا جائے۔ اس بارہ میں حضرت ابو بکر کا فیصلہ یہ تھا کہ ماں کے سپرد کیا جائے چنانچہ  
حضرت عمر نے ایک انصاریہ عورت سے شادی کی تھی۔ اور اس کے بطن سے ایک  
بچہ جس کا نام عام تھا پیدا بھی ہو چکا تھا۔ بعد میں حضرت عمر نے بیوی کو طلاق بھی  
دے دی۔ اس کے بعد ایک دن حضرت عمر قبائش شریف لے گئے تو دیکھا کہ عام  
مسجد کے صحن میں کھیل رہے ہیں۔ شفقت پداری نے جوش مارا۔ حضرت عمر  
نے بچہ کا بازو دیکھ کر اپنے پاس سواری پر بٹھایا۔ اتنے میں بچہ کی نانی آگئی اور  
اب دونوں میں کشمکش ہونے لگی آخر اسی حالت میں دونوں حضرت ابو بکر کی  
خدمت میں پہنچے اور ہر ایک نے کہا کہ بچہ میرا بیٹا ہے حضرت ابو بکر نے حضرت  
عمر کو حکم دیا کہ بچہ نانی کے حوالہ کر دیں۔ حضرت عمر نے اس فیصلہ کے سامنے تسلیم  
نہم کر دیا۔ اور پلٹ کر کوئی بات نہیں کہی۔ امام مالک اس روایت کو نقل کرنے  
کے بعد فرماتے ہیں ”اس مسئلہ میں اس روایت کی وجہ سے میرا فتویٰ بھی ہے  
فراست ایمانی کسی معاملہ یا قضیہ کا صحیح فیصلہ کرنے کے لئے بیرونی شہادتوں کے  
لئے تفصیل کے لئے دیکھئے احکام القرآن ابو بکر جصاص از صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۸ لہ اذالہ  
اخذاف مقصد دوم ص ۳۱ لہ مؤطا امام مالک کتاب الاقضية باب من احن بالولد لہ

علاوہ خود قاضی کی اپنی ذہانت اور فراست کی بھی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ حدیث  
میں عام مومنین کی فراست کے متعلق کہا گیا ہے کہ تم اس سے بچو۔ کیونکہ مومن اللہ  
کے نور سے دیکھتا ہے چونکہ حضرت ابو بکر صدیق سب سے زیادہ قوی الایمان تھے۔  
اسلئے ان کے نور فراست کا یہ عالم تھا کہ مرض و نجات میں حضرت عائشہ سے فرمایا۔  
کہ بیٹی! میں نے تم کو جو جائیداد دی ہے میرے بعد تم کتاب اللہ کے قانون کے  
مطابق اس کو اپنے بھائیوں اور بیٹوں میں تقسیم کر لینا، تو حضرت عائشہ بولیں ”  
اباجان! میری بہن تو ایک ہی یعنی اسماء ہیں۔ پھر آپ سے ”بہنوں“ کیسے فرما دیا  
اس وقت صدیق اکبر کی بیوی حبیبہ بنت خاریجہ جمل سے تھیں۔ حضرت ابو بکر نے اس  
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ اُر اھا جاریۃ میرا خیال ہے کہ بچی  
پیدا ہوگی لہ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

## علمی مفاخر و کمالات

اسلام سے پہلے عرب میں اگرچہ روحانیت کا فقدان تھا لیکن ان کا اپنا ایک  
ضابطہ اخلاق تھا جو المرقۃ کہلاتا تھا، جو لوگ اس ضابطہ اخلاق میں اعلیٰ  
درجہ کا کمال رکھتے تھے وہ نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے  
اس کے علاوہ شاعری اور قوت تقریر و خطابت اور اعلیٰ النجا میں جو لوگ ممتاز ہوتے  
تھے وہ قوم کے سردار مانے جاتے تھے۔ حضرت ابو بکر تمام اوصاف و کمالات  
کے جامع تھے۔

لہ مؤطا امام مالک باب الایجوذ من النخل۔ لہ کتاب میں حتی المقدور کوشش کی ہے کہ واقعات  
کی تکرار نہ ہونے پائے لیکن اس باب میں بعض اوقات جو ضمنی طور پر پہلے گزر چکے ہیں مگر آگئے ہیں اور  
ایسا ہونا ناگزیر تھا۔ کیونکہ جس واقعہ کا جس عنوان سے خاص تعلق ہے۔ اگر اس کے ماتحت اس کو  
اس بنا پر ذکر کیا جاتا کہ اس کا ذکر اجمالی طور پر پہلے آچکا ہے تو یہ عنوان پر بظاہر ہوتا۔

علم الانساب میں مہارت | علم الانساب حضرت ابو بکر کا خاص فن تھا حضرت علی فرماتے ہیں  
 وکان ابو بکر مقدماً فی کل خیرٍ ابو بکر ہرچھ کام میں آگے آگے رہتے تھے  
 کان رجلاً کسابةً لہ اور علم الانساب میں بڑے ماہر تھے۔  
 اس سلسلہ میں حضرت علی ہی اپنا ایک چشم دید واقعہ سناتے ہیں کہ جب آنحضرت  
 کو حکم ہوا کہ قبائل میں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں تو ایک دن آپ - ابو بکر اور میں  
 ہم تینوں عربوں کے ایک اجتماع میں پہنچے۔ حضرت ابو بکر نے ان سے پوچھا :  
 آپ لوگ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ وہ بولے "ربیعہ" سے اسکے بعد حسب  
 ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو بکر - ربیعہ کے اونچے طبقہ سے یا ادنیٰ طبقہ سے؟

اہل قبائل :- اونچے طبقہ سے۔

ابو بکر :- اونچا طبقہ کونسا؟ ذہل الاکبر یا ذہل الاصغر؟

اہل قبائل :- ذہل الاکبر۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر نے چند ناموران عرب کے الگ الگ نام لے کر پوچھا  
 کہ کیا یہ شخص تمہارے ہی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا؟ یہ لوگ ہر ایک کا جواب نفی  
 میں دیتے رہے آخر حضرت ابو بکر نے کہا "تو پھر تم لوگ ذہل الاکبر سے نہیں۔ بلکہ ذہل الاصغر سے تعلق رکھتے ہو۔"

ان لوگوں میں ایک بڑا آغاز نوجوان تھا، اب وہ آگے بڑھا اور بولا "اپنے تو ہم سے سوالات کر لیے لیکن  
 اب ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم بھی آپ سے کچھ پوچھیں حضرت ابو بکر نے کہا شوق سے لیکن اب اس نوجوان نے سوالات کیے

سلسلہ شروع کیا وہ کہیں جا کر رکنا ہی نہیں تھا۔ آخر حضرت ابو بکر تنگ آ کر اذیتیں  
 پر بیٹھ چلے گئے۔ اس پر نوجوان نے ایک شعر پڑھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ کبھی

جت اور کبھی بیٹ - آنحضرت کو یہ دیکھ کر بے اختیار منہسی آگئی لکھ  
 جبیر بن مطعم نسبانی میں تمام عرب میں ممتاز تھے گروہ بھی کہتے تھے کہ میں یہ فن حضرت ابو بکر سے سیکھا

لہ العقول الفرید ج ۲ ص ۲۴۲ لہ ایضاً ج ۳ ص ۲۰۵ لہ برت ابن ہشام باب سبأ و النبی و اولادہ  
 اسماعیل

حضرت ابو بکر کی یہ نسب دانی اسلام کے بھی کام آئی۔ قریش کے مشرکین میں سے بعض  
 لوگ آنحضرت کی ہجو میں اشعار کہتے ہیں۔ دربار نبوت کے خاص شاعر حضرت حسان بن  
 ثابت نے اجازت چاہی کہ وہ بھی قریش کی ہجو کریں۔ آنحضرت نے پوچھا "جب میں  
 خود قریش میں سے ہوں تو تم ان کی ہجو کیسے کرو گے حسان بولے "در میں آپ کو  
 ان سے اس طرح الگ کر لوں گا جس طرح بال کو آٹے میں سے نکال لیتے ہیں پس  
 پر آنحضرت نے اس کو مشورہ دیا کہ حضرت ابو بکر کے پاس جائیں کیونکہ وہ ان (حسان)  
 سے زیادہ قریش کے انساب سے واقف ہیں چنانچہ حسان حضرت ابو بکر کی خدمت  
 میں حاضر ہو کر باقاعدہ درس لیتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ قریش حضرت حسان کے  
 اشعار سننے سے تو فوراً پہچان جاتے تھے کہ انکی تصنیف ہیں۔ حضرت ابو بکر کا مشورہ  
 شامل ہے۔ لکھ

ایام العرب | علم الانساب کی طرح ایام العرب یعنی عربوں کی خانہ جنگی کی تاریخ  
 کے بھی بہت بڑے عالم تھے حضرت عائشہ جو اپنے زمانہ میں علم مجدث العرب  
 والنسب سمجھی جاتی تھیں ان کا یہ علم و فضل بھی درحقیقت حضرت ابو بکر کا ہی فیضان  
 تعلیم و تربیت تھا، چنانچہ حضرت ہشام بن عروہ روایت کرتے ہیں۔

کان عروہ یقول لعائشۃ یا اماتک  
 لا اعجب من فہمک، اقول زوجۃ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و  
 بنت ابی بکر و لا اعجب من علمک  
 بالشعر و ایام الناس اقول امینۃ  
 الی بکر کان اعلم الناس و لکن اعجب  
 علمک بالطب کیف ہو و من این  
 ہو؟ قال فضربت علی منکبہ

لہ استیعاب ابن عبد البر باب حسان

وقالت ای عروہ ان رسول اللہ کان  
 یسقم عندا آخر عمره فکانت تقدم  
 علیه وفود العرب من کل وجه فقلت  
 له الالانات فکنت اعالجها له  
 فن شہ له

بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گاندھ پانہ  
 اور فرمایا کہ سنو! رسول اللہ ﷺ آخر عمر میں بیمار  
 تھے اور آپ کے پاس عرب کے وفد آجاتے تھے وہ  
 طرح طرح کی دوائیں اور اچھے ادویات بیان کرتے  
 تھے اور میں ان دوائوں کو تیار کرتی تھی پس میرا  
 علم طب اسی وجہ سے ہے۔

ذوق شعر و سخن | شعر و شاعری کا ذوق عرب کے بچے بچہ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا جو اچھے لفظ  
 وجودتِ طبع کی دلیل تھا۔ حضرت ابو بکر بھی اس سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ خود بھی شعر  
 کہتے تھے۔ چنانچہ ابن سعد نے آپ کے وہ اشعار نقل کئے ہیں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ  
 کی وفات پر کہے تھے۔ ابن رشیق نے پندرہ اشعار کی ایک نظم نقل کی ہے۔ جو  
 آپ کی طرف منسوب ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں شعر کہتے ہونگے۔  
 اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے کوئی شعر نہیں کہا اور حق یہ ہے کہ جس رسول جتنا  
 کیلئے قرآن میں۔

وما علمنا الشعر وما یبلغی لدی  
 ہمنے اس پیغمبر کو شعر نہیں سکھایا اور یہ اچھے نوزد  
 کہا گیا ہوا اچھے خلیفہ ادرین کی شان سے یہ لعید بھی تھا، چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں  
 ان ابابکر ما قال بیت شعر  
 بل شبہ ابو بکر نے اسلام کے زمانہ میں اپنی  
 فی الاسلام حتی مات لہ  
 وفات تک کبھی ایک شعر بھی نہیں کہا۔  
 ابن رشیق نے جو اشعار نقل کئے ہیں ان کے متعلق ابن ہشام اور سہیل دونوں نے  
 بیان کیا ہے کہ اکثر اہل علم حضرت ابو بکر کی طرف ان کا انتساب صحیح نہیں مانتے۔  
 البتہ کبھی کبھی شعر طے پھینا ثابت ہے۔ چنانچہ آپ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے جو  
 خود آپ کے حسب حال تھا۔

لے مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۶۷ کتاب العمدہ ج ۱ ص ۱۹ لے استیعاب

حرف العین لے الروض الالف ج ۲ ص ۵۵

اذا اردت شریف الناس کلہم  
 فانظر الی ملک فی زمی مسکین لہ  
 اگر تم لوگوں میں سب سے شریف انسان کو دیکھنا چاہو تو اس بادشاہ کو دیکھو جو فقیر کی گڈری میں تھو  
 تقریر و خطابت | شاعری کی طرح تقریر و خطابت کا فن بھی عربوں کا خاص فن تھا۔  
 جس میں وہ دوسری قوموں سے ممتاز تھے، قرآن نے ایک خاص اسلوب بیان ایک  
 نیا انداز فکر، ایک وسیع مگر ٹھوس نقطہ نظر دیا تھا اس لئے اسلام کے بعد عربوں کے  
 اس فن کو غیر معمولی ترقی ہوئی اور اسکی فطری صلاحیت خطابت اسلام کی سان پر  
 جلا پانے لگا۔ شہرہ دور دم بن گئی۔ تاہم شاعری کی طرح تقریر و خطابت کا فن بھی کبھی  
 سے زیادہ وہی اور ایک ملکہ خدا داد ہے جو فطری استعداد و مناسبت کے بغیر محض  
 مشق و تمرین سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور اس میں امتیاز و کمال پیدا نہیں ہو سکتا حضرت  
 ابو بکر صدیق میں بھی یہ ملکہ خدا داد تھا، اس سلسلہ میں عہد جاہلیت کا تو کوئی ایسا  
 واقعہ نظر سے نہیں گزرا جس میں انہوں نے اپنی اس قابلیت کا مظاہرہ کیا ہو۔ البتہ  
 زندگی کے اسلامی دور میں انہوں نے جو تقریریں کیں اور خطبے دیئے وہ اس بات  
 کا بین ثبوت ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے بلند پایہ اور نہایت ممتاز خطیب تھے۔

ایک تقریر یا خطابت کا سب سے بڑا معیار کامیابی یہ ہے کہ مقرر کی زبان سے جو  
 لفظ نکلے سامعین کے دلوں میں گھر کرنا چلا جائے اور بڑے سے بڑا مخالف بھی  
 اسکو سننے کے بعد محسوس کرے کہ مقرر نے جو کچھ کہا ہے وہ گویا خود اسکے اپنے دل  
 کی بات تھی، چنانچہ قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا۔

وقل لہم فی انفسہم قولاً  
 لے پیغمبر! آپ ان لوگوں کے دل میں اتر کر  
 ان سے بلیغ کلام میں خطاب کیجئے۔

اسی مضمون کو غالب نے اس طرح ادا کیا ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا  
 میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میری دل میں ہے

ایک تقریر میں یہ بات اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ حسب ذیل چیزیں باہمی تعلق  
را مقرر جو کچھ کہے اس کو خود پہلے اس کا کمال یقین اور اذعان ہو اور اس کے متعلق  
وہ کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہو۔

(۲) سامعین کی نفسیات سے پوری طرح واقف ہو کہ انکو کونسی چیز زیادہ اپیل  
کر سکتی ہے۔

(۳) تقریر فصیح و بلیغ ہو یعنی کلام مقنعانہ حال کے مطابق اور الفاظ بھی عام فہم  
دلنشین اور مؤثر ہوں۔

(۴) آواز میں عزم و اعتماد اور ذمہ داری کا پورا احساس پایا جائے۔

حضرت ابو بکر کی خطابت میں یہ تمام اوصاف تمام و کمال پائے جاتے تھے اور  
اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ اس کو سننے کے بعد کوئی شخص ان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔  
تھا سامعین کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا اب تک ان کی فہم و بصیرت پر پردے  
بڑے ہوئے تھے۔ تقریر سن کر وہ سب پردے اٹھ گئے ہیں۔

صحابہ کرام کیلئے دفاتِ نبوی سے بڑھ کر اور کونسا حادثہ ہو سکتا تھا۔ حضرت  
عمر فاروق جیسے شیر دل انسان کے ہوش و حواس بجا نہیں رہتے تھے۔ اس عالم  
میں یہ ربط باتیں عموماً زبان سے نکل جاتی ہیں۔ اور شدتِ غم کا ایسا غلبہ ہوتا ہے  
کہ اچھی سے اچھی تقریر کا اثر نہیں ہوتا۔ لیکن صدیق اکبر کی تقریر سننے ہی با دل  
چھٹ گئے اور مطلع یک قلم صاف ہو گیا۔ جس کا اعتراف خود حضرت عمر نے کیا ہے۔ سقیفہ  
بنو ساعدہ کا موقع کس قدر سخت تھا۔ حضرت عمر اس کے لئے پہلے سے تقریر سوچ کر  
اور اسکو دماغ میں جا کر گئے تھے۔ لیکن حضرت ابو بکر نے فی البدیہہ جو تقریر کی وہ  
اس درجہ مؤثر اور دلنشین تھی کہ حضرت عمر کو محسوس ہوا کہ جو باتیں سوچ کر وہ  
آئے تھے۔ حضرت ابو بکر نے وہ سب نہایت خوبی اور بلاغت سے ادا کر دی ہیں۔

حضرت ابو بکر کے بعض خطبوں کے ٹکڑے اپنے مواقع پر ہم پہلے نقل کر آئے ہیں  
ذیل میں چند خطبوں کے اقتباسات اور نقل کرتے ہیں ان سے زور کلام فصاحت

و بلاغت۔ اور حکیمانہ اسلوب بیان کا اندازہ ہو گا۔ ایک موقع پر آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا۔

اوصیکم بتقوی اللہ وان تتنوا علیہ  
بما هو اھلہ وان تخلطوا الرغبۃ  
بالرہیۃ وجمعوا الالحاف بالمللۃ  
فان اللہ اثنی علی ذکریا وعلی اھل  
بیتہ فقال انہم کانوا یسارعون  
فی الخیرات ویدعوننا رعباً ورھباً  
وکانوا لنا خاشعین ثم اعلموا

عباد اللہ ان اللہ قدر لھن بحقہ  
الفسک و اخذ علی ذالک مواثیقکم  
وعوض بالقلیل الغانی الکثیر الباقی  
وھذا کتاب اللہ فیکملہ لا تفتنی لعلی  
ولا یطفئ نورہ فتقوا بقولہ و استحقوا

بکتابہ فانہ خلقکم بعدادہ و وکل  
بکم الکرام الکاتبین لعلہم انما  
تفعلون ثم اعلموا عباد اللہ انکم

تعدون و تروحون فی اجل قد  
غیب عنکم عملہ۔ فان استطعتہم  
ان تنقضی الاجال وان تم فی عمل اللہ  
ولن تسطیعوا ذلک الا باللہ۔

فابقوا فی مہل باعما لکم فان اقواماً  
جعلوا اجالہم لبعیرھم فانھا کم  
ان تکونوا امثالھم فالوھا

میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ  
سے ڈرتے رہنے کی۔ اور اس بات کی کہ تمہیں  
اسکی شایان شان تعریف کرنی چاہئے اور  
اس کی طرف رغبت کے ساتھ نہا رہے۔ دلوں  
میں اسکا ڈر بھی موجود رہے۔ اور اس سے سوال  
کرنے میں خوب لجاج و زاری کیا کرو۔ اسلئے  
کہ اللہ تعالیٰ احقرت ذکر کیا اور انکے اہل بیت  
کی تعریف میں فرماتا ہے۔ یہ لوگ نیکیوں میں  
ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے تھے  
اور ہم سے اپنی حاجت چاہتے تھے کڑ گڑا  
کر اور عجز و انکسار سے اور یہ لوگ ہمارے  
حضور میں فروتنی کرنے والے تھے۔

بندگانِ خدا۔ تمہیں یہ بھی جانا چاہئے کہ  
اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے عوض تمہاری  
جائیں گروسی رکھی ہیں۔ اور اس معاملہ کا تم  
سے پختہ عہد لیا ہے اور کتر فانی چیز کا عوض کتر  
باقی سے دیا ہے۔ اور یہ کتاب اللہ تمہارے ہوا  
جس کے عجائب ختم ہوئے نہیں اور جسکی کشتی ناہ  
نہیں پڑے گی۔ پس اللہ کے فرمان پر ایمان رکھو  
اور اسکی کتابت فائدہ اٹھاتے رہو۔ اس پر  
پہنکی کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور تم پر مجاہدین  
کو مقرر کر دیا ہے۔ جو تمہارا افعال کو جلتے ہو

ان تکونوا امثالھم فالوھا

الوحائش والنجا النجاء فان وراءكم  
طالباً حينئذ امره سليمان سيده  
له

خدا کے بندوں میں یقین مانو کہ تمہاری صبح و شام  
اس تفریح و وقت میں ہوتی رہے گی جس کی حد  
تمہیں معلوم نہیں پس اگر تم سے یہ ہو سکے کہ اللہ کی  
الطاعت میں رہنے ہوئے تمہارا وقت پورا ہو  
جائے (اور ایسا ہونا تو فریق الہی کے بغیر ممکن نہیں) تو  
زندگی کی فرصت میں سے عمل میں ہمیشہ  
تدبی کرنا سیکھو کہ بہت سی فرصتیں فرصت  
کے لمحات و دوسروں کی نذر کر چکی ہیں تمہیں  
انہی مانند نہ ہونا چاہئے پس تمہاری رفتار  
تیز ہونی چاہئے۔ بہت ہی تیز اسلئے کہ تمہارا  
پچھا کرنے والا بڑا ہی تیز رفتار ہے۔

ایک مرتبہ خطبہ دیا تو حمد و صلوة کے بعد فرمایا۔

انہی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ بزرگ بڑے  
کا ڈر بہر کام میں اور ہر حال میں تمہارے پیش  
نظر رہے۔ اور اپنی پسند یا ناپسندیدگی کے بارے  
میں حق کا التزام رہے۔ سچائی سے ہٹ کر خبر نہیں  
دروغ گوئی سے انحراف کرتا ہے۔ اور حق سے  
انحراف کرنا (الانجام کار) ہلاک ہو جاتا ہے۔  
خبردار! اپنی بڑائی نہ کرنا، خاکی مخلوق جو پھر  
خاک میں مل جائیگی اسے بڑائی کب زیب دیتی ہے؟  
جو آج زندہ ہے اور کل مردہ۔ عمل جاری رکھو  
اور اپنا شمار مرنے والوں میں کرتے رہو  
جو بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے اسے اللہ کے حوالے

انی اوصیکم بتقوی اللہ العظیم فی کل  
امرو علی کل حال ولزوم الحق فیما  
احییتم وکروہتم فانہ لیس فیہادون  
الصدق من الحدیث یخبر من ینکذب  
یفجرو من ینفجرو یمیلک۔ وایاکم والفخر  
وما فخر من خلق من تراب والی  
التراب لیعود، ہوا الیوم حی وعداً  
میت فاعملوا وعدوا انفسکم فی  
الموتی او ما اشکل علیکم فرداً لواعلمہ  
الی اللہ وقد موالا انفسکم خیراً  
تجدوہ محضراً۔ فانہ قال عزوجل  
لہ العقد الفرید ج ۲ ص ۱۳۶

یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر  
مخفراً وما عملت من سوء لود لو  
ان بینہا وبنینہ آمد البعد الہ

اپنے فائدے کیلئے اچھے اعمال پہلے سے کر رکھو  
کل یہی ذخیرہ تمہارے پاس ہوگا، خدا نے بڑے  
فرماتا ہے جس دن ہر شخص اپنے اچھے  
اعمال کو سامنے جائے گا اور اپنے بُرے اعمال کا سامنا  
کرتے وقت ہی چاہے جاکر کاش اسکی بدی اس سے کوئی  
دور ہوتی۔

حضرت ابو بکرؓ نے فطرۃ تخطیب کی اس لئے آپ کی معمولی گفتگو بھی فصاحت و بلاغت  
کی جان ہوتی اور خطبہ سے کم نہیں ہوتی تھی۔ عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ میں انکدن  
حضرت ابو بکرؓ کے مرضِ ذنات میں عیادت کیلئے حاضر ہوا اور کہا! الہ خلیفۃ رسول اللہ  
اب تو آپ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ تو فرمایا۔

انی علی ذالک لشدید الوجع ولما  
لقیت منکم یامعشر المهاجرین اشد  
علی وجعی انی ولیت خیبو کونی نفسی  
فکلکم ورم الفہ ان ینکون لہ  
الامر من دونہ واللہ لنتخذن  
نضائکم الدیبا ج وستور الحریر  
ولتأطن النوم علی الصفا الاذری  
کما یالہ احدکم علی حسک  
السعدان والذی نفسی بیدہ  
لان یقدم احدکم فتضرب عنقہ  
فی غیر حد خیر لہ من ان یخوض غرماً  
الدنیایا ہادی الطریق جبر النما هو و  
الفجر او البجر۔ لہ

سنو! میں اس کے باوجود شدید درد میں مبتلا ہوں  
اور جو کچھ لے کر وہ ہاجرین میں تمہارا تباد  
دیکھا ہے وہ میرے درد سے زیادہ میرے حق تکلیف  
ہے میں اپنے نزدیک جو تم میں سے زیادہ بہتر ہے  
(حضرت عمر) اسکو تمہارا ولی بنایا لیکن تم میں سے  
ایک کی ناک پھول گئی کہ خلافت اس کے علاوہ  
کسی اور کو کیوں ملے۔ بخدا تم لوگ دنیا کے  
گدے اور تیشیں پر سے پسند کر دے گا اور آذر  
بالی جان امن سے تمکو تکلیف ہوگی جیسے کسی کو چراگاہ  
سعدان کے کانٹوں سے ہوتی ہے جسے قبضہ میں  
میری جان ہے اسکی قسم! تم میں سے کسی شخص کی  
گردن بغیر کسی جرم کے اڑا دی جائے۔ بہ اس کے لئے اس  
بہتر ہے کہ وہ دنیا کی ہر شے میں گھسے۔ اے نبی!

تو نے سے تجاؤ رکھنا ہے بس اب صورتیں صرف وہی ہیں یا تو صحیح  
 کے وقت رشتہ میں چلو یا اندھیرے میں چل کر مصیبت میں پڑ  
 تحریر و کتابت | جو رنگ تقریر و خطابت کا تھا وہی تحریر و کتابت کا تھا۔ حضرت خالد عراق  
 کے ہم سے فارغ ہو کر حضرت ابو بکر کی اجازت کے بغیر چپ چپاتے حج کرائے تھے  
 حضرت ابو بکر کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالد کے نام ایک عتاب نامہ لکھا۔  
 سوجھی تاتی جموع المسلمین بالیوم وک  
 فانہم قد شجوا فاشجوا وایا اذ ان تعود  
 مثل ما فعلت فانہ لم یشتم الجموع  
 من الناس لبعون اللہ شجاک ولع  
 ینزع الشعبی من الناس نزعا فلیہذا  
 اباسیمان النیة والمحظوة فاتمرو  
 یتعمر اللہ لک ولا یدخلک عجب  
 فتخسر وتخذل وایا اذ ان تدل الیل  
 فان اللہ عزوجل له الامن وهو  
 ولی الجزاء -

تم جل پڑو یہاں تک کہ بیرونک میں مسلمانوں کے  
 لشکروں سے مل جاؤ۔ کیونکہ وہ پریشان  
 ہیں، غمزدہ ہیں اور مشکلات میں پھنس گئے ہیں  
 اور خبردار پھر آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا (بیرونک) چاہے  
 کا حکم اس لئے دیا جا رہا ہے) کہ دشمن کی فوجوں  
 کو تم زیادہ ترک چھو چکا سکتے ہو۔ اگر اللہ کی  
 مدد شامل رہی اور لوگوں کی مشکلات کا ازالہ  
 تم سے بہتر کسی اور سے ممکن نہیں ہیں اسے  
 ابوسلیمان تمہاری نیت اور منزلت باعث  
 برکت ہو۔ تم پوری خدمت انجام دو۔ اللہ  
 تمہیں پوری جزا دیگا۔ تمہارا کھل میں پندرہ پیدائز  
 دینے لگھائے میں رہو گے اور تائید الہی سے محروم  
 ہو جاؤ گی۔ اور اپنے کسی کارنامہ پر خبردار نہ اترانا  
 اس لئے کہ احسان جتنا عرف اللہ تعالیٰ کو شیامان  
 ہے اور وہی بدلہ دینے والا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین نامزد کیا تو پردانہ نیابت کی عبارت یہ تھی۔  
 ہذا ما عہدہ ابو بکر خلیفۃ محمد  
 رسول اللہ عند اخر عہدہ بالدنیا  
 پردہ پرواز ہے جو ابو بکر محمد رسول اللہ کا خلیفہ  
 اس وقت لکھ رہا ہے جب کہ دنیا کیسما تھ

واول عہدہ بالآخرۃ فی الحال التی  
 یومن فیہا الکافر ویتقی الفاجرانی  
 استعملت علیکم عمر بن الخطاب  
 فان برّ وعدل فذلک علی بہ  
 ورائی فیہ۔ وان جار وبلبل فلا علہ  
 لی بالغیب والخیرات۔ ولکل امرئ ما  
 اكتسب وسیعلہ الذین ظلموا الی  
 منقلب ینقلبون ہ

اس کے تعلق کی آخری گھڑی اور آخرت کے  
 ساتھ اسکی تعلق کی پہلی گھڑی شروع ہو رہی ہے  
 اور یہ تحریر ایسے عالم میں لکھی جا رہی ہے  
 جب کہ کافر بھی مطمئن ہو جاتا ہے اور گنہگار  
 ناجر بھی ڈرنے لگتا ہے۔ میں نے عمر کو تم پر حکم دیا  
 اگر انہوں نے نیکی کی راہ اختیار کی اور عمل کیا تو  
 یہ وہی بات ہوگی جو میں انکے متعلق جانتا ہوں  
 اور جو میری رائے انکے بارہ ہیں۔ لیکن اگر انہوں نے  
 ظلم کیا اور وہ بدل گئے تو مجھ کو عین کا حکم نہیں ہے اور  
 میں نے تو خیر خواہی کا ارادہ کیا ہے۔ ہر حال ہر انسان صیا  
 کریگا ویسا پائیگا۔ اور جو لوگ ظالم ہیں انکو جلد پتہ چل  
 جائیگا کہ وہ کسی پٹی کھلتے ہیں۔

اہل ازماد و بغاوت کے نام جنگ شروع کرنے سے قبل جو ایک طویل تحریر بھی تھی جس کی  
 حیثیت جلیغ کی تھی اس میں ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

وانی اوصیکم بتقوی اللہ وحکمک ونصیکم  
 من اللہ وما جاء بہ ینکم وان تقندوا بہ یدہ  
 وان تعصموا بیدین اللہ عزوجل فانہ من لہ  
 یهد اللہ ضل۔ وکل من لہ یعافہ مبتلی وکل  
 من لہ ینصرہ یخذول۔ فمن هدہ اللہ کان مہتدا  
 ومن امنہ اللہ کان ضالا۔ ولہ یقبل منہ  
 فی الدنیا عمل حتی یقر بہ فلہ یقبل لہ  
 فی الاخرۃ صرف ولا عدل فمن امن فهو  
 خیر لہ ومن ترکہ قلن ینجز اللہ۔

میں تم کو اللہ سے ڈرو اور اللہ کے  
 اللہ کی طرف سے جو تمہارا حصہ مقرر ہوا ہے اور  
 تمہارے بنی تمہارے پاس جو چیز لائے ہیں اسکو قبول  
 کرو اور نہی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو اور اللہ  
 کے دین کی رسی کو مضبوط پکڑو۔ کیونکہ جس شخص کو  
 اللہ ہدایت نہیں دیتا وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور  
 ہر وہ آدمی جو اللہ سے ڈرتا نہیں لکھتا وہ عیار  
 ہو جاتا ہے اور جس کی مدد اللہ نہیں کرتا وہ سبلا  
 ہو جاتا ہے جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے وہ ہدایت

یافتمہ ہوتا ہے اور جس کو اللہ گراہ کر دیتا ہے وہ گراہ ہو جاتا ہے اور (ہجر) دنیا میں اس کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا جو اس کو خدا سے قریب کر دے اور آخرت میں اس کی طرف سے کوئی فدیہ یا بدلہ نہیں لیا جاتا۔ پس جو شخص ایمان لائے گا وہ اس کیلئے بہتر ہو گا اور جو اس کو چھوڑ دے گا تو اس کو معلوم رہنا چاہئے کہ وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا۔

فن کتابت | اسلام سے پہلے عرب میں چند ہی لوگ تھے جو لکھنا جانتے تھے اور اس وجہ سے وہ سب میں ممتاز تھے، انہیں چند لوگوں میں سے حضرت ابو بکر صدیق بھی تھے چنانچہ آپ کا شمار خود کاتبین وحی کے زمرہ میں بھی ہے لے

علم القرآن | اب تک جن کمالات کا ذکر ہوا ہے وہ تھے جن کی استعداد حضرت ابو بکر میں فطری اور طبعی طور پر تھی، اب ہم ان علوم و کمالات کا ذکر کرتے ہیں جو آپ میں اسلام کے بعد پیدا ہوئے۔ حضرت ابو بکر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت میں آغازِ بعثت سے لیکر آخری لمحہ حیات تک بطوت میں اور خلوت میں، سفر میں حضر میں، رزم اور بزم میں، ہر جگہ اور ہر موقع پر برابر ساتھ رہے تھے، اس بنا پر آپ کا سینہ و حقیقت علوم و کمالات نبویہ کا ذخیرہ بن گیا تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں

”ازیں جادوانستہ شد کہ حضرت صدیق را با پیغامبر چہ نسبت بود و علوم پیغامبر در نفس و در رضی اللہ عنہ چگونہ منقطع می شد“ لے

اسی خصوصیت کے باعث صحابہ عام طور پر کہا کرتے تھے کہ ھووا ابو بکر الصدیق اعلیٰ ما برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے ظاہر ہے کہ ان علوم و کمالات میں سب سے اول نمبر علوم قرآنی کا ہے۔ حضرت ابو بکر ایک آیت کو سننے کے بعد اس کی اصل روح اور اس پر ط کو معلوم کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ان کا ذہن ان نکات و رمزات کی پہچان کرتا تھا

لے استیعاب بن عبد البر نے ذکر حضرت ابو بکر لے از الہ الخفا مقصد دوم میں لے انزالہ الخفا مقصد دوم ص ۲۰

جہاں تک دوسروں کی رسائی نہیں ہوتی تھی، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ کو مکہ کے لوگوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا تو حضرت ابو بکر صدیق نے کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ ان لوگوں نے اپنے نبی کو ترک وطن پر مجبور کیا ہے۔ یہ ضرور ہلاک ہوں گے، اس پر یہ آیت اتری۔

اَذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ بِاَنھُمْ ظَلَمُوْا وَاِنَّا لِلّٰهِ عَلٰی نَصْرٍھُمْ لَقٰدِرُوْنَ۔ جو رگ قتال کرنا چاہتے ہیں اسلئے کہ وہ مظلوم ہیں انھوں کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور اللہ انکی مدد کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔

حضرت ابو بکر اس کو سننے کے بعد ہی سمجھ گئے کہ جہاد کا حکم نازل ہو گا لے وفات نبوی کے وقت ایک کھرام برپا تھا۔ بعض کی سمجھ میں تو آ رہی نہیں رہا تھا کہ پیغمبر کی بھی وفات ہو سکتی ہے۔ لیکن جو نبی حضرت ابو بکر نے قرآن کی آیت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھی سب کی آنکھیں کھل گئیں اور حضرت عمر تک کو یہ محسوس ہوا کہ گویا انہوں نے یہ آیت اس سے پہلے سنی ہی نہیں تھی لے

ہر وقت کی معیت کی وجہ سے حضرت ابو بکر کو یہ موقع تھا کہ جس کے متعلق ان کو کچھ پوچھنا ہوتا تھا بے تکلف پوچھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اس آیت کے بعد اب کیا چارہ ہے۔ کیا ہم کو ہر بے کام کا بدلہ دیا جائے گا؟

لیس یا مانیکم ولا امانی ساھل الکتاب (انجات) نہ تمہاری آرزوں پر موقوف ہے اور نہ من یعمل سواہ تجزیہ۔ اہل کتاب کی آرزوں پر جو شخص براہ کرم کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا ”اے ابو بکر! خدا تمہاری مغفرت کرے۔ کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم کو کوئی رنج اور صدمہ نہیں ہوتا؟ کیا تم کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی؟ یہ سب انہیں اعمال بد کا نتیجہ اور بدلہ ہے لے

ایک مرتبہ کتبھی قسم کھا کر اس کو توڑ دینا بند لی اور غیر مستقل مزاجی کی دلیل ہے اس وجہ سے

لے از الہ الخفا مقصد دوم ص ۲۰ لے حضرت عبد اللہ بن عمر کے الفاظ یہ ہیں فولدی نفسی بنیدہ فکانفا کانت علی وجوہنا اسطیہ فکشفت یہ روایت طبری کے حوالہ سے پہلے گزری ہے لے سند امام احمد بن حنبل ۱۱ ج ۱ ص ۱۱



حضرت ابو بکر بھی قسم کھا کر توڑتے نہیں تھے۔ لیکن جب قرآن میں کفارہ یمن کی آیت نازل ہو گئی تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے اس سے بہتر کوئی دوسری چیز ہو تو قسم توڑ دی جائے۔ محض بات کی تیج کی وجہ سے اپنی قسم پر قائم رہنا کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ ان ابا بکر لہ یکن یحنت فی یمنی قط ابو بکر بیکرہ قسم کھا اس کو توڑتے نہیں تھے لیکن حتی انزل اللہ کفارۃ الیمنی فرأیت جب کفارہ قسم کا حکم نازل ہوا تو کہا کہ اب میں غیر ہا خیراً منها الا التی الذی قسم کھانے کے بعد اس سے بہتر کوئی چیز پاؤں گا ہو خیر و کفرت عن یمینی لہ تو میں اس کو اختیار کروں گا و قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ حضرت ابو بکر کے اس ارشاد سے فقہانے استدلال کیا ہے کہ صورت مذکورہ میں حنت بذات خود کوئی گناہ نہیں اگرچہ کفارہ ادا کرنا بہر حال ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ ہے جس کا ذکر کرنا بے محل نہیں ہوگا۔ حضرت ابو بکر کے صاحبزادہ حضرت عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر چند مہمان آئے تھے۔ رات ہوئی تو میرے والد ابو بکر صدیق نے مجھ سے کہا کہ میں اس وقت رسول اللہ کی خدمت میں جا رہا ہوں واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ تم مہمانوں کو کھانا کھلا دینا۔ عبدالرحمن کہتے ہیں میں نے اس حکم کی تعمیل میں مہمانوں سے درخواست کی کہ کھانا کھالیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ جب تک صاحب خانہ نہیں آئیں گے ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس میں رات زیادہ ہو گئی، اب حضرت ابو بکر گھڑ آئے اور معلوم ہوا کہ مہمانوں نے اب تک کھانا نہیں کھایا ہے تو سخت برہم ہوئے اور اسی برہمی میں قسم کھالی کہ اب اس رات کھانا ہی نہیں کھائیں گے۔ یہ دیکھ کر مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گے ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابو بکر کو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ فوراً کھانا طلب کیا اور تڑپ کر پہلے خود دو چار نوالے تناول فرمائے اور پھر مہمانوں کو شریک کیا لہ

قرآن نہیں میں حضرت ابو بکر کو جو مقام رفیع حاصل تھا اسکی وجہ سے حضرت ابو بکر اگر

قرآن کے کسی ایک لفظ کی مراد متعین کر دیتے تھے تو اکابر صحابہ تک کو اسکی مخالفت کی جرأت نہیں ہوتی تھی، چنانچہ کلالہ کے لفظ کی مراد اور اسکے صحیح معنوم ومعنی کا مسئلہ نہایت پیچیدہ تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر نے اپنی رائے سے جب اسکے ایک معنی متعین کر دیئے اور اسکے بعد حضرت عمر فاروق سے ان کے عہد خلافت میں اس کے متعلق استفسار کیا گیا تو فرمایا۔

انی لاستحیی اللہ ان اردینا قالہ ابو بکر لہ مجھ کو لڑنے سے اس باتیں شرم آتی ہے کہ لو اب بکر نے کہا ہے میں کوہ کو کلا صیح بخاری کے حوالہ سے پہلے گزرا ہے کہ حضرت ابو بکر کے عہد میں کلالہ کی تفسیر کے بارہ میں کسی نے حضرت ابو بکر کی مخالفت نہیں کی۔

حدیث علوم نبوت میں قرآن کے بعد حدیث کا مرتبہ ہے۔ ظاہر ہے نبوت کی وحی و شام کے تمام جلوے حضرت ابو بکر کی نگاہ میں بسے ہوئے تھے اس بنا پر آنحضرت کے اعمال و اقوال کا جو خزانہ ان کے سینہ میں محفوظ ہو گا کوئی دوسرا مشکل سے ہی اس میں ان کا حریف ہو سکتا تھا۔ لیکن اس باب میں وہ حد درجہ محتاط تھے۔ علامہ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ رسول اللہ سے احادیث روایت کرتے ہو اور پھر ان میں اختلاف کرتے ہو۔ جب تمہارا یہ حال ہے تو تمہارا یہ بعد جو لوگ آئیں گے وہ تم سے بھی زیادہ اختلاف کریں گے۔ اس لئے تم رسول اللہ سے کوئی چیز نقل مت کر دو مگر ہاں جب تم سے لوگ کچھ دریافت کریں اس وقت بیشک تم کچھ ضرور کہو اور دیکھو تمہارا درمیان اللہ کی کتاب ہے، پس جو چیز کتاب اللہ میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو چیز اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو لہ

عزیز کر و خلیفہ رسول نے اس ارشاد میں کس بلاغت کے ساتھ حدیث کا مرتبہ اور اسکے نقد کا معیار بیان کر دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت نے کسی وقت کسی ضرورت سے کوئی حکم دیا ہے اور کسی وقت کسی ضرورت سے کوئی اور پھر سننے والے اعرابی اور غیر اعرابی ذہین اور غیر ذہین، اقرب التعلق اور بعید التعلق ہر قسم کے لوگ تھے کسی کنسی بات پوری

سنی اور کسی نے ادھوری، کسی نے کسی جملہ کا مطلب لیا اور کسی نے کچھ اور، پھر آنحضرتؐ کے الفاظ عین دین کس کو یاد رہے ہوں گے اس لیے جو روایت ہوگی وہ عموماً روایت بالمعنی ہوگی اور اس میں ایک دو لفظوں کا ادھر ادھر ہو جانا مستبعد نہیں ہے لیکن ان دو ایک لفظوں کے الٹ پھیر سے معنی کچھ سے کچھ سو سکتے ہیں ان وجوہ کی بنا پر حضرت ابو بکر یہ سمجھتے تھے اور بالکل صحیح سمجھتے تھے کہ اگر روایات کی کثرت شروع ہو گئی اور جس کسی نے آنحضرتؐ سے محفوظ ابہت جو کچھ بھی سنا ہے اس کو وہ بغیر حزم و احتیاط کے نقل کرنے لگا تو اس سے طرح طرح کے اختلاف پیدا ہونے لگے۔ اور ان کا اثر اصل دین اور شریعت کے استحکام پر پڑے گا، اس صورت حال کا اندازہ کرنے کی غرض سے ہی آپ نے ایک طرف تو اس کی تاکید کی کہ روایت ضرورت ہی روایت کریں اور دوسری جانب اسکی تصریح فرمادی کہ کسی حدیث کے صحت و سقم کو پرکھنے کی اصل سوطی قرآن مجید ہے۔ جو روایت قرآن کی نص مرتح کے خلاف ہوگی مقبول نہیں ہوگی۔

حافظ ذہبی نے حضرت عائشہ کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو بکر نے پانچو احادیث جمع کی تھیں۔ لیکن ایک شب دیکھا کہ وہ بہت مضطرب اور بے چین تھے۔ آخر صبح ہوتے ہوتے اس ذخیرہ کو نذر آتش کر دیا۔ ان سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا "مجھ کو اس کا اندیشہ تھا کہ میں مریاؤں اور اس ذخیرہ کو اس حالت میں چھوڑ جاؤں کہ اس میں کچھ احادیث ایسی بھی ہوں جن کو میں نے ایک ایسے شخص سے لیا ہو جس کو میں ایماندار اور معتبر سمجھتا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ روایت ایسی نہیں تھی جیسی کہ اس نے مجھ سے بیان کی تھی، تو اب ایسی صورت میں اس روایت کو بیان کرنے کی ذمہ داری درحقیقت میرے سر ہو گئی ہے۔"

اگرچہ حافظ صاحب نے اس روایت کو بغیر صحیح کہا ہے لیکن حضرت ابو بکر کا جو مزاج اور لفظ و نظر تھا اس کے پیش نظر اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو روایت

کے خلاف ہو خود آنحضرتؐ نے قرآن جو کہ اصل و اساس شریعت ہے اس کو محض سفسطہ و ادہام بننے اور التباس مع الغیر سے بچانے کے لئے ایک مرتبہ حکم دیا تھا کہ "لا تکتبوا یعنی عید القرآن" قرآن کے علاوہ تم مجھ سے کوئی روایت مست لکھو، حق یہ ہے کہ حدیث کی روایت کے بارے میں حضرت ابو بکر کی یہ غایت حزم و احتیاط اسی ارشاد نبوی کی اصل روح اور اسپرٹ کی آئینہ دار تھی اور بس درنہ ان کا منشا ہرگز نہیں تھا کہ روایت حدیث کا باب ہی سر سے بند کر دیا جائے بلکہ مقصد یہ تھا کہ جس طرح بضرورت روایت حدیث سے اجتناب کرنا چاہئے اسی طرح عند الضرورت خاموش بھی رہنا چاہئے۔

چنانچہ خود حضرت ابو بکر کا اپنا عمل بھی یہی تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ ان سے جو مرتفع احادیث مروی ہیں وہ تعداد میں زیادہ نہیں ہیں کیونکہ بلا ضرورت وہ روایت بیان ہی نہیں کرتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ ضرورت پڑتی تھی تو پھر خاموش بھی نہیں رہتے تھے اور فوراً حدیث بیان کرتے تھے تم پڑھائے ہو کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں جب انصار و مہاجرین کے درمیان ہنگامہ برپا ہوا تو اپنے حدیث "الائمة من قریش" سنا کر اسپرٹا بویا، وفات نبوی کے وقت اسپرٹنگ ہوئی کہ جسرا اظہر کو دفن کہاں کیا جائے تو اپنے ہی ارشاد نبوی سنا کر اسکا قطعی فیصلہ کیا۔ حضرت فاطمہ اور حضرت علی و عباس کی جانب سے فدک و خیر کا مطالبہ ہوا تو اپنے حدیث نبوی پر ہی اپنے جواب کی بنیاد رکھی، مخالف و معصین صدقات کے نام لٹاب و مقدار زکوٰۃ کے متعلق مفصل ہدایات روانہ کیں تو انکی اساس احادیث نبوی ہی تھیں۔

لے شاہ ولی اللہ صاحب نے از الہ الخفا میں حضرت ابو بکر کی قلت روایت کے وجوہ یہ لکھے ہیں کہ (۱) رسول اللہ کے بعد بہت کم زندہ رہے وہ حضرت ابوبکر ہی تھے اور ان کے انصاف و انصاف اور وہ خود حاملین روایات تھے اس لیے صدیق اکبر کو استغنا تھا ہم کو اس کے انکار نہیں کہ حضرت ابو بکر کی قلت روایت میں ان ہر سہ امور کا دخل ہے لیکن اس کا اصل سبب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور درحقیقت یہی حضرت ابو بکر کی علت ثرون نگاہی اور دقیقہ ساسی شریعت کی دلیل ہے بعد میں مسلمانوں میں جو فتنے کھڑے ہوئے طرح طرح کے فرقہ پیدا ہوئے اور ان میں غریب و نشت عام ہوا غزیرہ تو سنی تہ میں بھی کثرت دیا گیا اور تہ ظاہر

خبر واحد کے متعلق اصول | اس سلسلہ میں حضرت ابو بکر کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے خبر واحد کے متعلق ایک یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ ایسی روایت اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگی جب تک کہ اس روای کیلئے کوئی دوسرا شخص گواہ نہ ہو یعنی اس روایت کی تائید کسی اور طریق سے نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ تم پر طبع آئے ہو کہ میرا جدہ کے بارے میں حضرت ابو بکر نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت سننے کے بعد آج گواہ طلب کیا اور جب انہوں نے محمد بن مسلمہ کو بطور گواہ پیش کر دیا تو وہ ٹریت قبول کی اسی طرح جمع قرآن کے سلسلہ میں کوئی آیت اگر کسی ایک صحابی کے پاس ملتی تھی تو آپ بغیر شہادت کے اسے قبول نہیں کرتے تھے اسکے علاوہ ابھی گزر چکا ہے کہ خبر واحد سے قرآن پر زیادتی یا اس میں کمی کرنے کو وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔ لہذا حضرت ابو بکر کی رعایت کی تعداد | علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ایک سو بیالیس روایتیں یک جا جمع کی ہیں جو حضرت ابو بکر سے مروی ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل میں بھی روایات حضرت ابو بکر کی روایت کردہ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں صحابہ میں حضرت عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمن بن عوف، ابن عمر، ابن عمرو، عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت، حذیفہ، معقل بن یساف، عتبہ بن عامر، انس، ابو ہریرہ، ابوامامہ، ابو بزرہ، ابو موسیٰ اور آپ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت عائشہ اور اسماء اور کبار تابعین میں انصاری، مرثد بن شراحیل، واسط، ابجلی، قیس، ابن ابی حازم اور سوید بن غفلہ کے اسمائے گرامی لکھے ہیں جنہوں نے حضرت ابو بکر صدیق سے حدیث کی روایت کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اصل روایت کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے صرف لکھا جا رہا ہے۔

ذنا بعین کے نام ہیں۔

لہذا استنباط احکام کے اصولِ ربیعہ کی طرح خبر واحد کے قبول سے متعلق اس قاعدہ کی تائید و توثیق بھی مولانا شبلی نے الفاروق میں حضرت عمر فاروق کی ہی طرف منسوب کی ہے، حالانکہ حدیث اور فقہ کے باب میں قواعد و ضوابط کی تعیین کا جہاں تک تعلق ہے وہ سب حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے لئے ہیں اور اس معاملہ میں وہ اپنی نقش قدم پر چلیں، ہاں البتہ حضرت عمر نے انکا توسیع اس طرح ضروری ہے کہ بعد میں وہی چیزیں نقلی بنیاد بنیں۔

فقہ | استنباط احکام فقہیہ کے اصول چار ہی ہیں۔ کتاب اللہ سنت رسول اللہ۔ اجماع اور قیاس ان چاروں اصولوں کی تشخیص و تعیین سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے کی اور آج تک مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ اصول ربیعہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وكانت هذه الاصول مستخرجة عن ادريه اصول ادامل صحابه كعمل ادران كالتصريات صنيح الاوائل وتصريحاً تاهله من مستنبطهين۔

یہ ادائل کا عمل ادران کی تصریحات کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے سب سے پہلے حضرت ابو بکر کے تعامل کے متعلق میمون بن مہران کی وہ روایت نقل کی ہے جو ہم اجتہاد و قیاس کے باب میں سنن الدارمی کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں۔ حضرت عمر فاروق نے اس بارہ میں جو کچھ کیا اور ولایت و قضاة کو جو ہدایات بھیجیں وہ سب حقیقت اسی متن کی شرح تھیں جو حضرت ابو بکر نے تیار کیا تھا۔ وکفی بده فخراً۔

فقہ کے لئے سب سے ضروری وصف نفقہ ہے جو محض ایک وصف خدا داد ہے۔ حضرت ابو بکر میں یہ وصف کس درجہ کمال کا تھا۔ کتاب میں جگہ جگہ عموماً اور اجتہاد و قیاس کے زیر عنوان خصوصاً اس کی مثالیں گزر چکی ہیں یہاں انکے اعادہ کی ضرورت نہیں تعبیر دیا | علوم نبوت میں ایک علم تعبیر دیا بھی ہے۔ خود روئے صالح کو صحیح حدیث میں بنیاد کا چالیسواں حصہ اور بعض میں ستواں جز کہا گیا ہے تعبیر دیا میں پروفیسر کو جو کمال حاصل تھا اسکا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ چونکہ اس فن کا تعلق عالم مادیات کے بجائے عالم روحانیت سے زیادہ ہے۔ اس لئے جس شخص میں روحانی لطافت و نظافت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کو اس فن میں دستگاہ ہوگی۔ حضرت ابو بکر کو اس میں بھی کمال حاصل تھا فن تعبیر کے امام ابن سیرین کا قول ہے

كان ابو بكر آ عبه هذه الامة بعد ابو بكر رسول اللہ کے بعد تعبیر دیا کے فن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

لہذا حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۱۹ باب الفرق بین اہل الحدیث و اصحاب الرای۔

آنحضرتؐ جب کبھی کوئی اہم خواب دیکھتے تھے تو حضرت ابو بکر سے اسکا تذکرہ کرتے تھے اور حضرت ابو بکر اس خواب کی جو تعبیر بیان کرتے تھے آپ اسکی توثیق و تصدیق فرماتے تھے چنانچہ غزوہ طائف کے موقع پر جبکہ صحابہ کرام شہر کا محاصرہ کے اُٹھے تھے آپ نے ایک خواب دیکھا کہ آپکو ایک پیالہ بھرا ہوا دیدیا گیا ہے لیکن ایک مرغ نے اسمیں کھونٹ مار دی اور اسکی وجہ سے پیالہ میں جو کچھ تھا گر پڑا۔ حضرت ابو بکر نے سنتے ہی عرض کیا یا رسول اللہ! میں نہیں سمجھتا کہ اس موقع پر آپ کو کونسا میاں ہوگی " ارشاد ہوا " تم میرا خیال بھی ہی ہے " لہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے حجرہ میں تین چاند گر پڑے ہیں حضرت ابو بکر سے اس کا ذکر آیا اور پھر جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی اور حضرت عائشہ کے حجرہ میں آپ دفن ہوئے تو حضرت ابو بکر نے فرمایا " اے ایک چاند تو رسول اللہؐ ہی ہیں جو تمہارا حجرہ میں صرف دفن سزا ہے " شاہ ولی اللہ نے اور بھی اسی طرح کے متعدد واقعات لکھے ہیں جو حضرت کو اسکا ذوق ہودہ واجت کرکتے ہیں اس سلسلہ میں شاہ صاحب کا یہ فقرہ بہت اہم ہے لکھتے ہیں۔

"تعبیر سے (صدیق اکبر) خواہاں ہمارے مردم را و اصابت عجیب در آن تا آنکہ آنحضرتؐ خواب سے خود را بر صدیق اکبر عرض می فرمود در خواست تعبیر می نمود" لکھ

تصوف دین کے دو پہلو ہیں ایک صوری دوسرا معنوی۔ صوری پہلو کا نام شریعت ہے جس کا تعلق احکام ظاہری کے ایتار و امتثال ہے اور معنوی پہلو کا نام طریقت یا تصوف ہے جس کا تعلق قلبی سوز و گراؤ و روحانی لطافت و دلہارت سے ہے اور جبکا مقصد یہ ہے کہ تہذیب نفس اور تصفیہ باطن کے ذریعہ ایک انسان اپنے جذبات اور امیال و خواہشات کو مصلحت خداوندی کے اسطرح تابع کرے کہ احکام الہی خود اسکا عذیر اور داعیہ نفس بن جائیں اور وہ سراپا عبادت و بندگی ہو جائے۔ شریعت اور طریقت دونوں میں جسم اور روح کا تعلق ہے اور ایک وجود دوسرے کے بغیر جہاں تک دین کی اصل روح کا تعلق ہے یعنی ہے اگر صرف ظاہری اور رسمی طریقہ پرانے روزہ اور نکوۃ حج ہو لیکن دل حب الہی اور عشق ربانی کی نعمت سے محروم ہو تو وہ اس پھول کی مانند ہے جو خوش رنگ اور سوزوں ہر سوزے باوجود بغیر خوشبو کے ہوا اگر محض حب الہی ہو تو اسکا مثال اس نغمہ کی ہے جو بے آہنگ اور بے سرو۔ اس بنا پر یہی نقطہ

لے طبری ج ۲ ص ۳۵۵ سے ازالۃ الخفاف ج ۲ ص ۲۰ بحوالہ مولانا ماکہ دوسرے اور تیسرے چاند حضرت ابو بکر اور حضرت عمر ہیں۔ جو اسی حجرہ میں آنحضرتؐ کے پہلو میں مدفون ہیں لکھ ازالۃ الخفاف ج ۲ ص ۲۰

سے جب کبھی اسلام کی کسی بڑی شخصیت کا جائزہ لینا ہو تو لازمی طور پر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ تصوف اور طریقت کے اعتبار سے اس کا کیا مقام اور مرتبہ تھا اور نہ اس کی اصل شخصیت کا مرقع مکمل نہیں ہو سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے تصوف صدیق پر ایک طویل بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ کمال طریقت کیلئے جن اوصاف و ملکات نفسانی کی ضرورت ہے مثلاً توکل، احتیاط، کف لسان، تواضع، شغقت، بخل، خدائے خدا، غنا، نفی اولاد، زہد، خشیت، سیرت عجز و انکسار، رقت قلب، تحمل، فقر و درویشی یہ سب حضرت ابو بکر میں تمام و کمال پائے جاتے تھے اور اس بنا پر آپ کا لفظ اصفیاء و اہل طریقت کے سرخیل و امام تھے۔ علامہ سجوری کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ تصوف کی جڑ اور بنیاد صفا ہے اس صفت کی ایک اصل ہے اور ایک فرع اصل القطاع عن الاعیار ہے اور فرع دینا سے دل کا خالی ہونا ہے اور چونکہ صفا صدقیت کی صفت لازم ہے۔ اس بنا پر حضرت ابو بکر صدیقؓ امام اہل اس طریقہ ہیں " لہ حضرت ابو العباس بن عطاء، جو کار و دانش صرفیہ میں سے ہیں ان سے کسی نے پوچھا کہ کونوا ربانیین " کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا " اس سے مراد یہ ہے کہ ابو بکر صدیقؓ کی طرح ہو جاؤ ایک ربانی حقیقت و حقیقت و حقیقت سے کہ دونوں جہان زید و زبر ہو جائیں لیکن اسمیں کوئی تشویش اور اضطراب پیدا نہ ہو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان یہی ہے چنانچہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت تمام صحابہ ہی مضطرب اور پریشان تھے لیکن صدیق اکبرؓ میں کوئی اضطراب پیدا نہیں ہوا انہوں نے نہایت جرأت اور دلبری سے فرمایا " لوگو تم میں جو شخص محمدؐ کی پوجا کرتا تھا اسکو معلوم ہونا چاہئے کہ محمدؐ کا انتقال ہو گیا ہے لیکن ہاں البتہ جو شخص اللہ کی پوجا کرتا ہے تو اسے باوجود کہنا چاہئے کہ اللہ ہی ہے اور اسکو بھی اللہ کی غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت ابو بکر نے اپنا تمام اثاثہ سرور عالم کے قدموں پر لاکر ڈال دیا تھا جب آنحضرتؐ نے پوچھا کہ ابو بکر! تم نے اپنے مال بچوں کیلئے کیا چھوڑا ہے؟ تو بولے " اللہ اور اسکے رسول کو چھوڑا ہے " حضرت ابو بکر الواسطی فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ کا یہ فقرہ طریقت و معرفت کی دنیا میں وہ پہلا فقرہ ہے جس سے صوفیائے کرام نے بڑے اہم لطائف و رموز تصوف کا استخراج کیلئے لکھ

حضرت بکر بن عبد اللہ المزنی سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیقؓ جو تمام صحابہ کرام سے افضل تھے تو غارِ زندہ کی وجہ سے نہیں تھے بلکہ اس ایک چیز کی وجہ سے تھے جو ان کے قلب میں تھی اور وہ تھی اللہ کی محبت اور اس کیلئے جینا اور نکلنا حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ توحید سے متعلق سب سے زیادہ بلند و موقر ہے جو ابو بکرؓ کی زبان آدا ہوا تھا۔

لے بحوالہ ازالۃ الخفاف ج ۲ ص ۲۱ لکھ کتاب اللمع فی التصوف مطبوعہ لیدن ص ۱۲۱ اور لے کتاب اللمع فی التصوف مطبوعہ لیدن ص ۱۲۱ لکھ کتاب اللمع فی التصوف مطبوعہ لیدن ص ۱۲۳

سبحان من لم يجعل للخلق طرفا الى  
 باک وہ وہ ذات جس مخلوق کیلئے اپنی پہچان کا راستہ انکے  
 معرفتہ الا العجز عن معرفتہ لہ  
 سوا اور کچھ بتایا ہی نہیں کہ لوگ اسکی معرفت سے عاجز ہیں  
 معرفت و طریقت میں حضرت ابو بکر صدیق کا یہی وہ مرتبہ و مقام اعلیٰ ہے جس کی وجہ سے وہ ارباب  
 تقویٰ کے امام و پیشوا ہیں اور صوفیاء کے اکثر بڑے بڑے سلسلوں مثلاً چشتیہ اور نقشبندیہ وغیرہ  
 کی انتہا خلفائے راشدین میں حضرت ابو بکر اور حضرت علی انہی دو پر ہوتی ہے۔  
 عشق نبوی | بایں ہمہ اوصاف و کمالات حضرت ابو بکر صدیق کا اصل سرمایہ فخر و نازش وہ  
 عشق تھا جو آپ کو محبوب رب العالمین کی ذات سے تو وہ صفات کیساتھ تھا۔ اور جو درہن  
 کر رگ رگ میں سجان کے محض ہر وقت سدا رہتا تھا۔ یہ عشق ہی درحقیقت وہ سرچشمہ تھا  
 جس سے دوسرے کمالات پیدا ہوئے تھے جب تک رسالت و نبوت کا آفتاب جہاں تاب  
 اس عالم ناموست میں منور فگن رہا اس سے ایک دن کے لئے بھی جدا نہیں ہوئے۔ وفات  
 کے بعد حالت یہ ہو گئی تھی کہ زبان پر نام مبارک آیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی حضرت  
 عروہ بیان کرتے ہیں کہ وفات نبوی کے دوسرے برس حضرت ابو بکر ایک مرتبہ خطبہ  
 دینے کھڑے ہوئے تو ابھی اتنا ہی کہا تھا۔

قام فیما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الاول  
 رسول اللہ پہلے سال جب خطبہ دینے کھڑے ہوئے  
 کہ حضور کی وفات کا سانچہ یاد آگیا اور ہلک ہلک کر رونے لگے سنبھل کر پھر خطبہ شروع  
 کیا۔ لیکن پھر جھکی بندھ گئی۔ آخر تیسری بار ضبط سے کام لے کر خطبہ تمام کیا لے  
 حضرت ام ایمن نے آنحضرت کو گود کھلایا تھا۔ اس رشتہ سے آپ ان کے گھراتے  
 جاتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر نے بھی یہ وضع قائم رکھی۔ چنانچہ ایک دن  
 وہ اور حضرت عروہاں پہنچے تو ام ایمن ان کو دیکھتے ہی رونے لگیں، یہ دونوں بولے،  
 ”روتی کیوں ہو؟ اللہ کے رسول کیلئے بہتر یہی تھا کہ اللہ سے تقرب ہو جائے، حضرت ام ایمن  
 نے کہا۔ یہ تو میں بھی جانتی ہوں لیکن ہڈی اس بات کا ہے کہ اب وحی کا آنا بند ہو گیا۔ یہ سن کر  
 لے کتاب اللع فی التصرف ص ۱۲۴ دیکھو اسی مضمون کو کبر اللہ آبادی نے کس بلاغت سے ادا کیا ہے۔ شعر۔

تو دل میں تو اتنا ہی سمجھ میں نہیں آتا۔ بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے۔ لے مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۸

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر دونوں پر یہ اثر ہوا ہے ساختہ رونے لگے لے  
 طری اور ابن اثیر میں ایک روایت ہے کہ دراصل حضرت ابو بکر کی وفات کا باعث  
 ہی یہ ہوا کہ آنحضرت کی جدائی کا غم برداشت نہ ہو سکا۔ وہ سوزِ درد دل سے اندر ہی  
 اندر پکھلتے رہے اور آخر اپنے محبوب سے جلے۔

ایک مرتبہ آنحضرت کے کاشانہ قدس میں داخل ہو رہے تھے کہ حضرت عائشہ کو  
 دیکھا بلند آواز سے بول رہی ہیں۔ چونکہ آنحضرت کے سامنے رفع صوت خلاف ادب  
 تھا اس لئے غضب آگیا اور حضرت عائشہ کو مارنے کیلئے طہا پتھر اٹھایا لے  
 واقعہ انکے میں حضرت ابو بکر کو اپنی بیٹی کی بے گناہی کا یقین تھا۔ بایں ہمہ جب آنحضرت  
 حضرت ابو بکر کے مکان پر پیش رفت لائے۔ اور حضرت عائشہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ وہ اگر تم  
 تم اس تہمت سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری برأت کا اعلان کر دے گا۔ اور اگر تم  
 سے کوئی لغزش ہو گئی ہے تو تم اللہ سے استغفار کرو اور توبہ کرو کیونکہ بندہ جو توبہ  
 کر لیتا ہے تو اس کے سارے گناہ مہل جاتے ہیں۔ آنحضرت کی یہ تقریر سننے کے بعد  
 حضرت عائشہ نے اپنے پدر بزرگوار سے درخواست کی کہ میری طرف سے رسول اللہ  
 کو جواب دیجئے لیکن فرط ادب و احترام کے باعث حضرت ابو بکر کی زبان نہ کھلی اور  
 بولے ”میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں؟ واقعہ بایلا میں ازدواج مطہرات نے نان لقمہ کا  
 مطالبہ کیا تھا۔ اور آنحضرت نے ناراض ہو کر ایلا کر لیا تھا اس سے تمام صحابہ سخت پریشان تھے  
 خاص طور پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر جن کی صاحبزادیاں ازدواج مطہرات میں شامل تھیں  
 زیادہ پریشان تھے آخر دونوں بزرگ در دولت پر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ  
 فرمائیں تو دونوں (عائشہ محضہ) کی گردن اڑا دیں گے  
 حضرت محضہ بنت عمر پہلے شرم سے بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے

پیش کش کی کہ وہ ان سے نکاح کر لیں حضرت ابوبکر سنکر خاموش رہے حضرت عمر کو اس پر ناگواری ہوئی توجہ آنحضرتؐ نے حضرت حفصہ سے نکاح کر لیا ایک مرتبہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے فرمایا کہ تم نے مجھ کو حفصہ کی جو پیش کش کی تھی میں نے اسے صرف اس لئے قبول نہ کیا تھا کہ آنحضرتؐ کی ایک گفتگو سے مجھ کو یہ محسوس ہوا تھا کہ حضور خود ان سے نکاح کرنا چاہتے تھے اسوقت میں نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ کا بھید یہ ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ کے پاس دو لڑکیاں بیٹھی ہیں جو کانا نہیں جانتی تھیں لیکن لاشعریہم ایک گیت گارہی تھیں حضرت ابوبکر سے چپ نہ رہا گیا بولے "اے رسول اللہ کے گھر میں یہ گلے آنحضرتؐ منہ پھیرے لیٹے تھے حضرت ابوبکر کو یہ کہتے سنا تو فرمایا اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے۔ آج یہ ہماری عید ہے لہذا بعض مصنفین نے اس واقعہ کو حضرت ابوبکر کے تقویٰ کے واقعات کے ماتحت درج کیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ اگر تقویٰ کی بات ہوتی تو اس کا خیال آنحضرتؐ سے زیادہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا تھا، اصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اس چیز کو ادب و احترام نبوی کے خلاف سمجھتے تھے اور اسی لئے انہوں نے اسپر سخت الفاظ میں اپنی ناگواری خاطر کا اظہار کیا تھا۔

ناموس نبوی کی حفاظت و رعایت اس غایت تعلق کی بنا پر آپ کے علم میں اگر کوئی ایسا واقعہ آتا جس کا اثر آنحضرتؐ کی عزت و ناموس پر پڑتا تو سخت غضب ناک ہو جاتے تھے قتیبہ بنت قیس بن معد یکرب ایک خاتون تھی جو اشعث بن قیس کی بہن تھیں آنحضرتؐ نے مرض وفات میں یا اس سے دو ماہ پہلے (علی اختلاف الروایات) نکاح کیا تھا لیکن ابھی باقاعدہ حرم نبوی میں داخل نہیں ہوئی تھیں کہ حضورؐ دنیائے نعت ہو گئے اس کے بعد انہوں نے حکمرانہ بن ابی جہل سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابوبکر کو اسکا علم ہوا تو غصہ سے برہم ہو گئے اور ارادہ کیا کہ دو لڑکیوں کو نذر آتش کر دیں لیکن عجز امام ہوئے انہوں نے کہا کہ قتیبہ امہات المؤمنین میں داخل نہیں ہیں، وہ حرم نبوی میں شامل لہذا بخاری ج ۲ ص ۵۸۱ لہذا بخاری ج ۱ ص ۱۲۰ لہذا الاستیعاب بن عبدالرباب القاف۔

نہیں ہوئیں اور زمان کے لئے حجاب کا حکم ہوا لہذا رسول اللہؐ کی طرف سے حضرت ابوبکر خلیفہ رسول بھی تھے اور عاشق رسول بھی اس بنا قرض کی ادائیگی پر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اعلان کر دیا تھا کہ جس شخص سے آنحضرتؐ نے کوئی وعدہ کیا ہو یا جس کسی کا آپ کے ذمہ کوئی قرض ہو وہ میرے پاس آئے لہذا اہل بیت کے ساتھ محبت آنحضرتؐ کی ذات قدسی کیسا تھا غیر معمولی عشق و محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کو اہل بیت اطہار کے ساتھ بھی بڑی محبت تھی اور ان کا خود اپنے متعلقین سے زیادہ خیال رکھتے تھے، فدک و خیبر کی بخت میں ان کا یہ قول گزرا چمکے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہؐ کے اہل قربت مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہیں کہ میں اپنے اہل قربت کیسا تھا صلہ رحمی کا معاملہ کر دیا خلیفہ ہونے کے بعد جب حضرت ابوبکر حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں علی نے رسول اللہؐ سے اپنا تعلق بیان کرنا شروع کیا تو حال یہ تھا کہ حضرت علی اور بعض روایات کے مطابق حضرت فاطمہ ایک ایک بات کرتے جاتے تھے اور دھیر

حضرت ابوبکر اسے سن کر روتے جاتے تھے لہذا وفات نبوی کے چند ہی روز بعد کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے کہ حضرت حسن بن علی نظر آئے جو محلہ کے بچوں کیساتھ کھیل رہے تھے حضرت ابوبکر نے جگر گوشہ بتول کو دوش پر اٹھا لیا لہذا فتوحات عراق کے سلسلہ میں ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید غنیمت مدینہ بھیجا اس کے ساتھ ایک قیمتی طیلسان بھی تھا جو حضرت ابوبکر کے پاس بطور تحفہ بھیجا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے وہ طیلسان امام حسین ابن علی کی نذر کر دیا ہے حضرت ابوبکر اہل بیت اطہار کیساتھ لطف و مدارات کا معاملہ خود تنہا نہیں کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کو بھی عام طور پر اسکی تاکید کرتے تھے کہ ان کا خاص طور پر خیال رکھیں

لہذا الاستیعاب ابن عبدالرباب القاف لہذا بخاری ج ۱ ص ۴۴۲ ج ۲ ص ۶۲۹ لہذا طبری ج ۲ ص ۴۴۹ لہذا بخاری ج ۱ ص ۵۳۰ والبدایۃ ج ۵ ص ۲۸۶ لہذا فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۲

ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ ”ارقبوا محمدًا ۳۱ فی اہل بیتہ“ لے  
 عام روایت ہے کہ حضرت فاطمہ کی وفات ہوئی تو حضرت علی نے راتوں رات  
 انکی تجہیز و تکفین کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کر دیا۔ لیکن جعفر بن محمد نے  
 اپنے والد سے روایت کی ہے کہ جب حضرت فاطمہ کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر و عمر مکان  
 پر حاضر ہوئے جنازہ تیار ہو کر آیا تو صدیق اکبر نے ہی حضرت علی سے کہا چلئے نماز  
 جنازہ پڑھائیے۔ انہوں نے انکار کیا اور فرمایا ”آپ رسول اللہ کے خلیفہ ہیں آپ  
 آگے بڑھے اور نماز پڑھائیے“ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت ابوبکر نے امامت کی، لہ  
 یہی روایت قرین قیاس اور مقتضائے درایت ہے، ہم صفحات گزشتہ میں ثابت  
 کر چکے ہیں کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے بیعت عامہ کے دن ہی بیعت کی تھی  
 اور حضرت علی براہ حضرت ابوبکر کے رفیق اور ان کے معاون بنے رہے۔ حضرت فاطمہ  
 بھی ناراض نہیں رہی تھیں اور خلیفہ رسول کے تعلقات خاوندانہ نبوت سے ہرگز کشیدہ  
 نہیں تھے، بلکہ خوشگوار تھے، ان سب امور کے پیش نظر یہ کیونکر باور کیا جاسکتا ہے  
 کہ جنگ یارہ رسول کی وفات ہو جائے اور جانشین رسول کو اسکی خبر بھی نہ ہو اور  
 وہ ان کے جنازہ تک میں نہ شریک ہوں اصل یہ ہے کہ بنو امیہ میں کچھ لوگ ایسے  
 ضرور تھے جن کا آئینہ قلب گرد و گردت سے صاف نہیں تھا جیسا کہ عام طور پر  
 ہوتا ہے وہ لگائی بجھائی کی باتیں کرتے رہتے تھے، عام مجلسوں میں اسکا  
 تذکرہ ہوتا ہو گا اور اس سے بدگمانیاں پھیلتی ہوں گی، یہی وہ بدگمانیاں ہیں جنکا  
 اثر و ایات میں ظاہر ہے ایک حکمت شناس نفسیات معلوم کر سکتا ہے کہ ان روایات  
 میں کتنی بات واقعہ ہے۔ اور کتنی وہ ہے جو اس طرح کی عام بدگمانیوں کے ذریعہ اثر و ای  
 کا اپنا اضافہ اور خود اس کے اپنے احساس یا قیاس کا نتیجہ ہے۔

## مکارم اخلاق

اسلام کا اصل مقصد تزکیہ نفس اور تطہیر باطن کے ذریعہ اعلیٰ اخلاق و صفات  
 سے متصف کرنا آنحضرتؐ نے اپنی عمر من بعثت ہی مکارم اخلاق کی تکمیل و تمہید فرمائی ہے  
 بعثت لا تموم مکارم الاخلاق -

حضرت ابوبکر کی فطرت جو مکرم سعید تھی اسلئے آپ عہد جاہلیت میں بھی اخلاق حمیدہ  
 سے متصف تھے اس زمانہ میں بھی کبھی آپ ام البنات کو منہ نہیں لگایا۔ تمہار  
 کی مجلس میں کبھی شریک نہیں ہوئے کسی بت کے آگے سر کبھی تمہیدہ نہیں ہوا  
 حالانکہ یہ تینوں چیزیں عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں اس کے علاوہ غزیروں کی  
 خیر گیری، بے کسوں اور ابا بھول کی مدد۔ مسافر نوازی اور مہمان داری آپ کے خاص  
 اوصاف تھے، پھر شرف اسلام سے مشرف ہوئے تو ان اوصاف پر اور جلا ہوئی اور  
 آپ مکارم و محامد اخلاق کے پیکر اتم بن گئے۔

تقویٰ و طہارت آپ کے صحیفہ اخلاق میں سرفہرست تقویٰ و طہارت کا وصف تھا  
 جس طرح ایک تندہرست معدہ مکھی یا اسی طرح کی کوئی اور چیز کو برداشت نہیں  
 کر سکتا حضرت ابوبکر کا معدہ کسی ایسی چیز کو برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ جو معنوی نجاست و گندگی  
 رکھتی ہو چنانچہ حضرت ابوبکر کا ایک غلام تھا اس نے ایک مرتبہ کوئی چیز لا کر دی  
 حضرت ابوبکر نے جب اسکو کھا لیا تو غلام بولا ”آپ جانتے ہیں وہ کیا چیز تھی؟“ پوچھا  
 کیا تھی؟ اس نے جواب دیا کہ میں عہد جاہلیت میں جھوٹ موٹ کہانت کا کام کرتا تھا  
 یہ چیز اسی کا معاوضہ تھی، حضرت ابوبکر نے یہ سنتے ہی تے کر دی اور جو کچھ بیٹ میں تھا

ایک دفعہ حضرت ابوبکر آنحضرتؐ اور دوسرے صحابہ کیساتھ سفر کر رہے تھے، دریاں میں ایک جگہ ٹپاؤ ہوا سب  
 حضرات مختلف لوگوں کے ہاں ٹپکے، حضرت ابوبکر، ابوسید الخدیری وغیرہ کیساتھ ایک اعرابی کے گھر میں فریض ہوئے۔  
 اسے ساتھ ایک اعرابی اور تھا میرزاں کی بیوی حاضر تھی، اس اعرابی نے میرزاں کی بیوی سے شرط کر لی کہ اگر وہ ان سے کبری

کھلائی تو اس کو اٹھا لیا اور عورت نے یہ شرط منظور کر لی اور بکری نے کھاد چھو کر اسے لٹم پٹم کچھ مسجھ جیلے پر چڑھ کر کسی کا گوشت کھانے کے بعد جب حضرت ابو بکر کو پورا قصہ معلوم ہوا تو اسے برداشت نہ کر سکا اور آگے کر دی گئے۔

غایت تقویٰ و دلہات کے باعث جملہ صحابہ کرام مدینہ منورہ کی نامشروع چیز کو گرا نہیں کر سکتا تھا اسی طرح اچھے قدم اس راہ میں بھی نہیں اٹھ سکتے تھے جس میں فساق و فجار رہتے ہوں، ایک مرتبہ ایک شخص ایک ایک راستے سے اپنے گھر لے جا رہا تھا حضرت ابو بکر اسے واقف نہیں تھے پوچھا یہ کونسا راستہ ہے؟ اس شخص نے کہا اس راستے میں ایسے لوگ رہتے ہیں جیسے پاس سے گزرتے ہوئے بھی ہنکومت آتی ہے حضرت ابو بکر نے فرمایا "کیا خوب اگرتے ہو پھر شرم آتی ہے اور پھر بھی اسی راہ سے جا رہے ہو۔ تم جاؤ میں نہیں جاؤں گا لے"

حضرت ابو بکر کے تقویٰ کا یہ اثر تھا کہ کچھ گھر کی مستورات تک اسی رنگ میں رنگ گئی تھیں آپکی صاحبزادی حضرت اسماء کی ماں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا اور اسلئے حضرت ابو بکر نے ان کو طلاق دیدی تھی، ایک مرتبہ ماں کی مانتا نے جوش مارا تو بیٹی کے لئے کھانے کی چیزیں بطور تحفہ لائیں چونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد ماں کا تحفہ مشکوک تھا اسلئے حضرت اسماء نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا لیکن بعد میں جب حضرت عائشہ نے آنحضرتؐ سے سزا دریافت کیا تو اپنے قبول کرنے کی امانت دیا خوف خدا! حکمِ راس الحکمۃ خافۃ اللہ تقویٰ و دلہات اور تمام دوسری نیکیوں کی جڑ خوفِ خدا ہے حضرت ابو بکر پر خوفِ خدا کا اس قدر غلبہ تھا کہ ایک مرتبہ ایک چڑیا کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کو خطاب کر کے کہنے لگی واہ واہ! اے چڑیا تو کتنی خوش نصیب ہے اے کاش میں بھی تیرے جیسا ہوتا تو درخت پر بیٹھتی ہے پھل کھاتی ہے۔ اور پھر اڑ جاتی ہے تجھ سے نہ کوئی حساب ہے اور نہ کتاب۔ اے لے کاش میں ایک سر رہ کر عام ایک درخت ہوتا اور وہاں سے گزرتا مجھ کو کھڑا اپنا منہ مجھ پر مارتا۔ مجھ کو چھاتا اور اس طرح میری تحقیر کرتا اور پھر سینکڑی کی شکل میں مجھ کو خراج کر دیتا۔ یہ سب کچھ ہوتا مگر میں بستر نہ ہوتا لے"

ندامت اور پشیمانی اس خوفِ خدا کا یہ اثر تھا کہ اگر کبھی کوئی معمولی بھول چوک بھی ہو جاتی تھی تو بعد میں سخت ندامت اور پشیمانی ہوتی تھی اور جب تک وہ اسکی تلافی نہیں کر لیتے تھے انہیں چین نہیں آتا تھا ایک مرتبہ حضرت ابو بکر اور ربیعہ بن کعب الاسلمی میں زمین کے ایک ٹکڑے

کے بارے میں کچھ جھگڑا ہو گیا حضرت ابو بکر نے غصہ میں کوئی سخت بات کہہ دی۔ بعد میں ان کو خود احساس ہوا تو ربیعہ سے بولے تم بھی مجھ کو ایسی ہی سخت بات کہہ کر مجھ سے ملے لے لیکن ربیعہ نے انکار کیا۔ آخر حضرت ابو بکر بولے "اگر تم مجھ سے اپنا بدلہ نہیں لگے تو میں رسول اللہؐ سے جا کر تمہاری شکایت کروں گا" ربیعہ نے کہا "میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا اور نہ میرا بآں یہ کہا کہ زمین جو بس کی گانٹھ تھی اس سے ہی دست برداری دیدی حضرت ابو بکر نے ملنے، آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو نیکے لئے پہل پڑھے آگے آگے خود تھے پیچھے ربیعہ آ رہے تھے ربیعہ کے قبیلہ و آل نے یہ دیکھا تو وہ بھی ربیعہ کی حمایت کیلئے اٹھے ہو گئے اور کہنے لگے کیا خوب ایک تو ابو بکر نے تم کو ایسی ناسزا بات کہہ دی اور پھر اٹھے وہی رسول اللہؐ نے شکایت کر کے جا رہے ہیں ربیعہ نے کہا چپ ہو تم کو دیکھ لیا تو غضب ناک ہو جائیں گے انکے غضب کی وجہ سے رسول اللہؐ کو غصہ آئیگا اور ان دونوں کے غصہ کی وجہ سے اللہ غضبناک ہو جائیگا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ربیعہ تباہ و برباد ہو جائیگا، چنانچہ یہ سب لوگ واپس ہو گئے، اب حضرت ابو بکر نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر پورا ماجرا سنایا۔ آنحضرتؐ نے جب حضرت ربیعہ کا بیان بھی سن لیا تو فرمایا "ربیعہ! تم نے اچھا کیا کہ ابو بکر کو وہی بات پلٹ کر نہیں کہی جو انہوں نے تم سے کہی تھی۔ لیکن ہاں اب یہ کہو کہ اے ابو بکر اللہ آپ کی غلطی معاف کرے"

حضرت ربیعہ نے تعمیل ارشاد کی تو حضرت ابو بکر رو پڑے اور اسی حالت میں واپس ہو گئے۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمر کیساتھ کسی بات پر تیز کلامی ہو گئی اور انہیں سخت سست کہہ کر سے بعد میں اس کا احساس ہوا تو سخت ندامت ہوئی حضرت عمر سے بولے تم مجھ کو معاف کر دو، حضرت عمر نے انکار کیا تو تہجد کا ایک کوزہ پکڑے ہوئے جس سے آپ کے گھٹنے ظاہر ہو رہے تھے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور پوری روئیداد کہہ سنائی۔ آنحضرتؐ نے تین دفعہ فرمایا "ابو بکر خدا تمہاری حفاظت فرمائے۔ اب حضرت عمر کو بھی انہوں نے ہوا دھڑے ہوئے حضرت ابو بکر کے مکان پر آئے تو وہ وہاں تھے نہیں سیدھے خدمتِ نبوی میں یہونچے حضرت عمر کو دیکھتے ہی سرورِ عالم کے چہرہ مبارک کے تیور بگڑنے لگے حضرت ابو بکر کو



اندیشہ ہوا کہ میں حضرت عمر پر عتاب نہ ہو اسلئے فوراً دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور بڑی لجاجت سے عرض کیا کہ رسول اللہ خدا کی قسم! ظلم تو میں نے کیا تھا لہ  
 ایک مرتبہ کسی اپنے غلام سے کسی بات پر خفا ہو کر اس کو لعن ملعون کر دیا آنحضرت اس وقت موجود تھے، دو یا تین بار فرمایا لے ابو بکر صدیقین اور لعائن دونوں ہرگز ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، حضرت ابو بکر نے یہ سنتے ہی بطور کفارہ چند غلام آزاد کر دیئے اور عرض کیا اب میں بھی ایسا نہیں کروں گا۔ لہ

حضرت ابو بکر سے برنابائے بشریت زبان سے کبھی کبھی اس طرح کی لغزش ہو جاتی تو آپ پر نادم ہوتے تھے چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمر آپ کے پاس آئے تو دیکھا کہ اپنی زبان بکڑ کھینچ رہے تھے بولے خدا آپ کو معاف کرے ایسا کیجئے حضرت ابو بکر نے جواب دیا اسی زبان سے مجھ کو تباہ کیا ہے لہ  
 زہد و سرع اخذ کے خوف اور تقویٰ و طہارت کی وجہ سے انسان کے دل پر دنیا کی بے ثباتی کا نقش چم جاتا ہے اولاد کی طور پر زہد و سرع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے حضرت ابو بکر کے عہد میں ہی دنیا نے اپنا سرسلازن کے قدموں میں جھکا دینا شروع کر دیا تھا لیکن آپ نے زہد و سرع کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ اپنے پیسے کیلئے پانی مانگا لوگوں نے پانی اور شہدہ لاکر پیش کیا، اپنے نے پیالہ منہ سے لگا کر پٹایا اور سنا لگے جو لوگ پاس بیٹھے تھے انہیں ایسی رقت طاری ہوئی کہ وہ بھی رونے لگے آپ تعویذ پڑھنے کیلئے چھپ ہو گئے اور پھر رفا شروع کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں ایک دن آنحضرت کے ساتھ تھا میں دیکھا کہ آپ کسی کو دور دور کہہ رہے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کسی چیز کو دور دور کہہ رہے ہیں تو یہاں کوئی چیز دیکھتا نہیں ہوں ارشاد ہوا "دنیائے سائنے مجھ پر لگاؤ گی مجھے میں اس سے ہما کر میرے سامنے سے ہٹ جاؤ وہ ہٹ گیا، دیکھو پھر دوبارہ آئی اور کہا کہ آپ مجھ سے بچ کر نکل جائیں تو نکل جائیں لیکن آپ کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ بچکنیں جا سکتے یہ واقعہ بیان کر سکتے ہیں حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ اس وقت مجھ کو یہی بات یاد آئی اور مجھ کو خوف خدا ہوا کہ میں مجھ سے چھٹ رہا۔

حضرت رافع بن ابی رافع سے روایت ہے ایک مرتبہ میں حضرت ابو بکر کی خدمت میں حاضر رہا تھا ان کے پاس ایک نکی جانتا لہ وجہ وہ بڑا ڈرٹ لائق تھے تو ہم دونوں اس کو بھی استعمال کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت خالد بن الولید کو نصیحت فرمائی۔  
 فدر عن الشرفی بقیۃ الشرفی واحصر من بڑائی سے بھاگ کر تو بڑائی تمہارے پیچھے آئیگی اور رشتہ کی

لہ الادب المفرد باب من لعن عبدہ فاعتقہ ما لہ مولا امام مالک باب لجاؤ فیما یخاف من اللسان لکھ اسلافہ ج ۲ ص ۲۱۷ سنہ ۱۰۰۰ لہ القحط ج ۲ ص ۲۲ بحوالہ سند ابی شیبہ لہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۶

علی اللوات توہب لک الحیاة لہ آرزو کرو تو تم کو زندگی بخشی جائیگی۔  
 تواضع اور سادگی حضرت ابو بکر اگرچہ نہایت جلیل القدر خلیفہ تھے لیکن غریبوں اور ضرور مند لوگوں کا معمولی سے معمولی کام کرنے میں بھی ان کو درخیز نہیں ہوتا تھا اور نہایت خاموشی سے وہ ایسے کام کرنے میں بڑی ہمت محسوس کرتے تھے، مدینہ میں ایک نابینا عورت تھی جس کا کام کاج حضرت عمر آ کر کر دیتے تھے لیکن چند روز کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ ان سے پہلے کوئی اور شخص اس عورت کے تمام کاج کر جاتا ہے ان کو اب یہ معلوم کر نیکاشوق ہوا کہ یہ کون شخص ہے ایک شب وہ اسکی گھات میں کس جیسے بیٹھے رہے تو یہ دیکھ کر ایسی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ شخص حضرت ابو بکر تھے جو خلیفہ ہونے کے باوجود پورے طور پر اس نابینا عورت کے گھراتے تھے اور اسے تمام گھر بلو کام کر جاتے تھے لہ مسند خلافت پر جلوہ فرور ہونے سے پہلے محلہ کی لڑکیوں کی بکریوں کا دودھ وہ دیتے تھے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے زیادہ ایک بھولی لڑکی کو فکر ہوئی کہ اب ہماری بکریوں کا کیا ہوگا، حضرت ابو بکر نے سنا تو فرمایا خدا کی قسم! میں اب بھی بکریاں دودھ لگا، خلافت مجھ کو خدمت خلق سے باز رکھنے کا خلافت سے قبل آپ کا زلیخہ معاش تجارت تھا۔ انتخاب کے کچھ دنوں بعد تک بھی اس کو قائم رکھا ایک دن حسب معمول کندھے پر بٹوں کے کچھ تھان رکھے ہوئے بازار جا رہے تھے کہ راہ میں حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ مل گئے انہوں نے کہا لے خلیفہ رسول! آپ کہاں جا رہے ہیں، بولے بازار، انہوں نے کہا اب آپ مسلمانوں کے والی ہیں چلیے! ہم آپ کے لئے خلیفہ مقرر کر دیں گے لیکن ایک حدیث ہے کہ حضرت ابو بکر نے کچھ روز تو تجارت کا مشغلہ جاری رکھا لیکن جب آپ کو یہ محسوس ہوا کہ اس سے اثر و نفوذ خلافت کی انجام دہی میں کیسوی باقی نہیں رہتی اور اس میں خلل پڑتا ہے تو آپ نے خود صحابہ کو کام کے مشورہ سے بقدر ضرورت اپنا وظیفہ مقرر کر لیا۔ ہا

انکسار و تواضع اور فروتنی کی انتہا یہ تھی کہ لوگ خلیفہ کو رسول ہونے کی حیثیت سے تعظیم و تکریم کے آداب بجا لاتے تھے تو دل میں شرمساری محسوس کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ تم لوگوں نے مجھ کو بہت بڑا چڑھا دیا ہے۔ اگر کسی سے مدح و ستائش کے الفاظ سن لیتے تو دل میں کہتے کہ لے خدا تو

لہ مختصر القدر الفریض ص ۳ لہ ابن اثیر ملحد ص ۲۹۰ لہ طبقات ابن سعد ذکرہ حضرت ابو بکر و ابن اثیر ج ۱ ص ۲۹۱ لہ طبقات ابن سعد ذکرہ حضرت ابو بکر لہ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۹۱

مجھ کو ان لوگوں کے حسن ظن کے مطابق بنا سیکے گناہوں کو معاف کر دے اور ان لوگوں کی بیجا تہلیل پر میری پکڑ نہ کر لے

غیر طبعی طور پر لاکر نگرہ کی کوئی علامت آپ میں پائی جاتی تھی تو آپ پریشان ہو جاتے تھے ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو شخص اپنے پٹے از راہ نگر گھبے ہوئے چلتا ہے اللہ قیامت کے دن اسکی طرف نظر نہیں کریگا۔ صدیق اکبرؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرے کپڑوں کا ایک پہلو کبھی کبھی ہلک جاتا ہے اور مجھ کو اس کا خیال نہیں رہتا۔ ارشاد ہوا: "تم تو از راہ نگر لیا نہیں کرتے۔"

خود داری اگرچہ دوسروں کا معمولی سے معمولی کام کرنے میں بھی آپ کو عار نہیں آتی تھی لیکن خود داری کی وجہ سے دوسروں سے اپنا فدا سا کام لینا بھی گوارا نہیں کرتے تھے ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ بسا اوقات چلتے چلتے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ سے اونٹ کی ٹیل چھٹ کر گر پڑتی تھی تو اونٹ کو بٹھا کر ٹیکل اٹھاتے تھے ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا، آپ اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں ہم کو حکم کیا کیجئے ہم اٹھا دیں گے۔ فرمایا، میرے حبیب رسول اللہؐ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کروں لے

فقرو درویشی حضرت ابو بکرؓ بیت المال سے اپنے لئے وظیفہ لیتے تھے لیکن اسکی مقدار اتنی تھی اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ اسی بیوی کا جی چاہا کہ حلوہ کھائیں شوہر سے فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا کہ گنجائش نہیں ہے، بیوی نے کہا "کہ اچھا! آپ روزمرہ کے خرچ کیلئے جو مجھ دیتے ہیں اب میں اسی میں پس انداز کر دوں گی یہاں تک کہ حلوہ کی قیمت کے برابر ہو جائے حضرت ابو بکرؓ نے کہا "اچھا کرو" چند روز میں اتنے پیسے جمع ہو گئے کہ حلوہ خریدا جاسکے اب خلیفہ رسول کو اس کا علم ہوا تو فرمایا "معلوم ہوا کہ روزمرہ کا خرچ ان چند پیسوں کو کم کر دینے کے بعد بھی پیدا ہو سکتا ہے جو تم بتا رہے پس انداز کرتی تھیں، اس لئے اب آئندہ تم کو گھر کا خرچ اسی قدر کم کر دیا جائیگا اور جو رقم حلوہ کے نام سے پس انداز ہوئی تھی وہ بیت المال میں داخل کرنا اتفاقاً فی سبیل اللہ اچھے گزر چکا ہے اسلام قبول کرنے کے وقت آپ کے پاس چالیس زلدر درہم تھے مدینہ پہنچنے پہنچتے کل بائیس ہزار رہ گئے وہ بھی سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیئے، یہاں حضرت

لے اللہ الخابرج ۲ ص ۲۱۰ لے صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۰ لے مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۱۰ لے ابن اثیر ج ۲ ص ۱۹

خارجہ کی شرکت میں تجارت پھر شروع کی۔ اس سے بھی جو کچھ آمدنی ہوئی غزوہ تبوک میں سب حضورؐ کے قدموں میں لاکر رکھ دی، اور بال بچوں کے لئے صرف اللہ اور اسکے رسول کو چھوڑ دیا۔ یہ لائق تو خلافت سے پہلے کے تھے خلیفہ ہوئے تو تجارت ختم کر دی اور بہت معمولی طور پر گزار بسر کرنے لگے مرض و فوات میں حضرت عائشہؓ سے فرماتے ہیں جب میں خلیفہ ہوا ہوں میں نے مسلمانوں کا کوئی ایک درہم کھایا، نہ دینار، نہ مٹا چھوڑا وہ جو کھاتے اور پینتے ہیں وہی میں نے کھایا اور پہنایا ہے اور بسا وقت لے دے کہ میرا جو کچھ آنا شہہ وہ یہ ایک اونٹ، ایک غلام اور ایک چادر ہے لہ خود تنگی ترشی سے گزارتے تھے لیکن غریبوں اور محتاجوں کا اتنا خیال تھا کہ موسم سرما میں ان کو کپڑے تقسیم کرتے تھے لے

شجاعت شجاعت ایک ایسا وصف ہے جو عجز و مسکنت اور تواضع و بے نفسی کیساتھ بہت کم جمع ہوتا ہے لیکن اصلاح جو تزکیہ نفس کے ذریعہ اخلاق و ملکات کے اعتدال کا نام ہے اس کی تعلیمات اور آنحضرتؐ کے خاص فیض تربیت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرامؓ اشد اعلیٰ الکفلاء و صحابہؓ بینہم کی تصویر تھے شہنم کی لطافت کیساتھ سورج کی حرارت اور شیشہ کی نزاکت کے ساتھ پتھر کی سختی رکھتے تھے حضرت ابو بکرؓ اس وصف خاص میں بھی سب نمایاں تھے۔ محمد ابن عقیل کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی بن ابی طالب نے خطبہ دیتے دیتے پوچھا کہ بناؤ " دنیا کا سب بڑا ہا در کون ہے؟ "

ہم نے کہا "آپ" فرمایا "نہیں! اس کے بعد ارشاد ہوا "اشب الناس حضرت ابو بکرؓ تھے غزوہ بدر کے موقع پر ہم نے آنحضرتؐ کیلئے ایک کیمپ بنا دیا تھا جس میں آپ قیام فرمائیں پھر پہنچے پوچھا کہ اس کیمپ میں حضورؐ کی جو کیداری کی خدمت کون انجام دیکتا تو کسی نے پیش قدمی نہیں کی۔ البتہ حضرت ابو بکرؓ نے سبقت فرمائی اور شیشہ بہت آنحضرتؐ کی خدمت میں اس مستعدی اور آمادگی کے ساتھ پہرہ دیتے رہے کہ جہاں کسی نالکار نے ادھر کارخ کیا اور ابو بکرؓ اس پر جھپٹ پڑے۔ اسی طرح مکہ میں ایک مرتبہ قریش نے جب رسول اللہؐ کو اپنے زرغہ میں لیکر طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں تو اس وقت بھی تنہا ہی

لے ابن اثیر ج ۲ ص ۲۹۰ لے ایضاً

ابو بکر تھے۔ جو اس مجموعہ میں گھسے چلے گئے کسی کو دھکا دیا۔ کسی کے تھپڑ رسید کیا۔ کسی کو لٹ مارا اور کسی کو پیٹا اور مارا اور آخر یہ کہتے ہوئے کہ اسے ظالمو! کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے رسول اللہ کو زرعہ میں سے نکال لئے۔ رادی کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں تک کہہ پائے تھے کہ جی بھڑ آیا اور آنسوؤں کا دریا اُمڈ پڑا جس سے ریش مبارک تر بتر ہو گئی لے

حلم اور بردباری اعلیٰ کمال شجاعت کیساتھ علم اور بردباری کا ہونا بھی ضروری ہے ایک مرتبہ کسی شخص نے آنحضرتؐ اور بعض صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت ابو بکر کو سب و شتم کیا۔ آپ سن کر پکے اس شخص نے دوبارہ پھر وہی بدتمیزی کی۔ آپ اس مرتبہ بھی خاموش رہے لیکن جب تیسری بار اس نے پھر یہی حرکت کی تو آپ نے اس کا جواب دیا۔ تاہم آپ کو رسول اللہ کی رضا طلبی کا اتنا خیال تھا کہ حضرت ابو بکر کا جواب سنتے ہی آپ کھڑے ہو گئے تو معاً خیال آیا کہ آپ کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے عرض کیا اوجہ حدت علی یا رسول اللہ۔ لے رسول اللہ کیا آپ کو مجھ پر عذہ آیا۔ ارشاد ہوا ”یہ شخص تمکو جو کچھ کہہ رہا تھا۔ آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہو کر خود انکی تکذیب کر رہا تھا لیکن جب تم نے اس سے بدلہ لے لیا تو بیچ میں شیطان آدھمکا پھر میرے لئے مناسب نہ تھا کہ میں وہاں بیٹھا رہوں جہاں شیطان ہو۔ لے

حضرت ابو بکرؓ کی روایت سے یہ واقعہ پہلے ہی گزر چکا ہے کہ عہد خلافت میں ایک شخص نے حضرت ابو بکرؓ کو انکے منہ پر برا بھلا کہا اس پر ایک صحابی نے اس شخص کی گردن اڑا دینے کی اجازت طلب کی تو آپ نے سختی سے منع کیا اور فرمایا رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے علاوہ اور کسی کی گردن اڑانا جائز نہیں ہے۔

حسن خلق حسن خلق اسلامی اخلاق کا اصل عنوان ہے آنحضرتؐ کا ارشاد ہے، ”میزان قیامت میں حسن خلق سے زیادہ ذنی کوئی چیز نہیں ہے نیز فرمایا ”تم میں سے زیادہ بہتر وہی ہے جو اخلاق میں سب سے بہتر ہے حسن خلق کا مظاہرہ سب سے پہلے ملاقات کے وقت علیک علیک میں ہوتا ہے اس بارہ میں حضرت ابو بکرؓ کا طریقہ یہ تھا کہ سلام کرنے میں پہل لے کر احوال برسرند امام احمد ج ۳ ص ۲۵۹ لے سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الاتقلا

کرتے تھے اور اگر کوئی اس سلام کا جواب بڑھ چڑھ کر دیتا تھا تو آپؐ اس میں مزید اضافہ کر کے پھر سلام کی تکرار کرتے تھے، حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ ایک ہی عداوی پر بیٹھا جا رہا تھا کہ راستہ میں کچھ لوگ ملے حضرت ابو بکرؓ نے کہا السلام علیکم ان لوگوں نے جو برا دیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ اب حضرت ابو بکرؓ نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو ان لوگوں نے کہا ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ انہر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”آج یہ لوگ ہم سے بازی لے گئے۔ لے حضرت عبداللہ بن عمرؓ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک جھگڑا چکانکے لئے آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو میرے ساتھ روانہ کیا تو راستہ میں جو لوگ ملتے تھے وہ مجھ کو سلام کرنے میں پہل کرتے تھے حضرت ابو بکرؓ صلیقؓ نے یہ دیکھ کر مجھ سے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ لوگ تمکو سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں تو ثواب کے مستحق وہی ہوتے ہیں تم خود سبقت کر دو تا کہ تم کو ثواب ملے۔ لے

حسن خلق کی دوسری علامت یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے درد و غم میں شریک ہو حضرت ابو بکرؓ اسکا اسفندراہتمام کرتے تھے کہ عبداللہ بن سہیل ایک قریشی تھے غزوہ بدر کے موقع پر کفار کے ساتھ آئے تھے لیکن یہاں توفیق ایزدی نے دست گیری کی اور مسلمانوں کیساتھ آٹلے ہانکے لڑکر جام شہادت بھی نوش کیا۔ حج کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ انکے والد سہیل بن عمرو سے ملاقات ہوئی تو آپ نے بیٹے کی تعزیت کی لے

حسن خلق میں یہ بھی داخل ہے کہ دوسروں کے عیب سے چشم پوشی کی جائے اس وصف میں حضرت ابو بکرؓ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ فرمایا ”اگر میں چور کو پکڑتا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی کہ خدا اس کے جرم کی پردہ پوشی کرے لے

لیکن جہاں امر بالمعروف کا موقع ہو وہاں لین و ملاطفت کے کوئی معنی نہیں ایسے موقع پر تشدد برتنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ صحابہ کرام کسی جنازہ کیساتھ آہستہ آہستہ جا رہے تھے حضرت ابو بکرؓ وہاں آنکے تو کوٹا اٹھا کر فرمایا ”ہم لوگ آنحضرتؐ کیساتھ تیر زقاری سجایا

لے الادب المفرد ص ۱۴۵ باب فضل السلام لے الادب المفرد باب من بدأ بالسلام لے فتوح البلدان بلاذری ص ۹۲ لے ابن سعد تکرہ زبید بن الصلت

کرتے تھے لہ

مزاح | مزاح یعنی لطیف قسم کا مذاق تکلفتہ مزاجی اور جودت طبع کی دلیل ہے خود آنحضرت کے مزاح کے متعدد واقعات حدیث و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں پھر یہ کیوں ممکن تھا کہ خلیفہ رسول میں یہ وصف نہ ہوتا چنانچہ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے کہ امام حسن جو اس وقت کم سن تھے محلہ کے بچوں کیساتھ کھیلنے پر نظر آئے حضرت ابو بکر نے جگر گوشہ رسول کو فرط محبت سے گود میں اٹھالیا اور حضرت علی جو وہیں تھے اکیلا فاشادہ کر کے فرمایا یا بابا بنی شبہ النبی لیس شبیہا بعلی لہ لے وہ جو کبریٰ کے مشابہ ہے اور علی کے مشابہ نہیں تھے پھر فرمایا حضرت علی نے یہ سنا تو ہنسنے لگے۔

احتساب نفس | جو کچھ کہتے تھے ایک نفاذ کی حیثیت سے خود ہی اس کا جائزہ بھی لیتے رہتے تھے چنانچہ مرتضیٰ القات میں حضرت عبدالرحمن بن عوف سے بولے کہ ”مجھ کو کسی بات کا غم نہیں ہے البتہ تمہیں کام ایسے ہیں جو میں نہ کئے ہیں لے کاش کہ نہ کئے ہوتے، تین کام ایسے ہیں جو میں نے نہیں کئے کاش میں نے کئے ہوتے اور میں باتیں ایسی ہیں کہ لے کاش وہ ہیں رسول اللہ سے پوچھی ہوتیں، پہلی تین باتوں میں سے ابو عبیدہ نے ایک کا ذکر نہیں کیا باقی دو باتوں کے متعلق فرمایا ”میری تمنا ہے کہ سیف بنو ساعدہ کے روز میں نے ایک عمر یا ابو عبیدہ بن الجراح کو خلیفہ بنا یا ہوتا اور میں ان کا وزیر ہوتا دوسری بات یہ ہے کہ جب میں نے خالد بن الولید کو مرتدین سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا تھا تو میں خود ذوالقصر میں قیام کرتا۔ دوسری قسم کی تین باتیں یہ ہیں کہ لے کاش اشعث بن قیس جب گرفتار ہو کر آیا تھا تو میں نے اس کی گردن اڑادی ہوتی۔ الفجاءہ کو میں نے زندہ آگ میں جلوا دیا تھا لے کاش ایسا نہ کرتا اور قتل کر دیتا یا رہا کر دیتا اور خالد کو جب میں نے شام روانہ کیا تھا تو عمر کو میں عراق بھیجتا اس طرح اللہ کی راہ میں میں نے اپنے دانے اور دانے دو لڑا ہا تھا دراز کر دیئے ہوتے رہی وہ تین باتیں جو لے کاش میں نے رسول اللہ سے دریافت کی ہوتیں تو ان میں سے ایک تو خلافت کا معاملہ ہے۔ دوسری یہ کہ کیا انصار کا اس میں کوئی حصہ ہے تیسری یہ کہ پھر بھی اور بھتیجی میں کتنا حصہ ہے؟ لے

## فضائل و مناقب

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فضائل و مناقب کے ماخذ حسب ذیل ہیں۔

۱) قرآن مجید۔

۲) آنحضرتؐ کے ارشادات جو خاص حضرت ابو بکر کے متعلق ہیں یا حضرت ابو بکر کیساتھ

حضرت عمرؓ یا کسی اور صحابی کیساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مہاجرین سے متعلق ہیں۔

۳) صحابہ کرام کے وہ اقوال و ارشادات جو حضرت ابو بکر سے متعلق ہیں۔

استحقاق خلافت کے زیر عنوان سمجھے جو بحث کی ہے اسکے ضمن میں بہت کچھ فضائل و

مناقب کا ذکر آچکا ہے جو مذکورہ بالا تینوں ماخذ سے ثابت ہیں اس موقع پر عزراں باب کی مناسبت سے صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہو گا کہ حضرت ابو بکر کی فضیلت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہیں کہ ایک یہ کہ قرآن میں جس کثرت اور تکرار سے حضرت ابو بکر کے بعض خاص اعمال مثلاً تصدیق بجا یا بوالنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انفاق فی سبیل اللہ اور رفاقت نبوی کا ذکر آیا ہے کسی اور صحابی کا نام اور دوسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو جو محبت تعلق خاطر آپ کے ساتھ تھا اور جس وجہ کا اعتماد آپ پر تھا وہ کسی پر نہیں تھا۔ صحیح بخاری اور ترمذی کے کتاب المناقب میں اس مضمون کی ایک دو نہیں متعدد روایات موجود ہیں لیکن دراصل حضرت ابو بکر کی سب سے بڑی فضیلت اور تقویت جس پر دوسرے تمام فضائل و مناقب متفرع ہوتے ہیں یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے آپ کو صدیق کا لقب دیا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

مقام صدیقیت | حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے متعدد کتبوبات میں مقام صدیقیت پر بحث کر کے بتایا ہے کہ سلوک و معرفت کے بہت سے مدارج ہیں مثلاً ولایت شہادت لیکن ان میں سب سے اعلیٰ مقام صدیقیت کا ہے اور اس مقام میں اور نبوت میں کوئی واسطہ نہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) لے کتاب اللعوال ابو عبیدہ ص ۱۳۱ یہی روایت ابن جریر طبری جلد ۴ ص ۵۲

(برائے اطلاع) میں بھی ہے لیکن الفاظ میں کافی اختلاف ہے ہمیں یہاں اس بحث نہیں۔

لے البوداؤد کتاب الجنازات اسراع بالجناز لے صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰ لے (الکلی معجم پر بلا فہم)

و فرق آن (صدیقیت) مقایست الا النبوة علی اهلها الصلوات و التسلیمات  
و شاید کہ میان صدیقیت و نبوت مقامی بزرگ باشد بکمال محالست و این علم بر بحالیت او کشف مرتب و صحیح معلوم  
بعض ارباب معرفت کا خیال تھا کہ صدیقیت سے بھی او پر ایک اور مقام ہے جس کا نام قربت ہے اور  
فرماتے ہیں کہ جیسا کہ خواجہ بزرگ (خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی) نے فرمایا ہے در حقیقت وہی علوم و  
معارف ہیں جن کا علم اگر نظری اور استدلالی ہو تو وہ علوم شریعت ہیں اور اگر ان کا علم کشفی اور بدیہی  
طریقہ پر ہو تو وہ علوم سلوک و معرفت ہیں اس طرح سلوک اور شریعت میں جو فرق ہے وہ صرف اجال  
و تفصیل کا یا نظر و ضرورت کا اور یا استدلال و کشف کا ہے لیکن سلوک کا مرتبہ جو ہدایت اور ضرورت  
کا ہے یہ سب اعلیٰ مرتبہ ہے اور اسی کا نام صدیقیت ہے اسکے بعد جو مقام ہے وہ صرف نبوت کا ہے  
ایک پیغمبر کو وحی کے ذریعہ جن حقائق کا علم ہوتا ہے اور وہ اسکو دوسروں تک پہنچاتا  
ہے۔ ایک صدیق اسکی تصدیق بے چون و چرا کرتا ہے پیغمبر کی بیان کی ہوئی حقیقت کیسی ہی  
مابعد الطبیعی اور بالائے فہم و قیاس ہو بہر حال صدیق کیلئے وہ بدیہی سی چیز ہوتی ہے۔ اور وہ  
اسکو سنتے ہی قبول کر لیتا ہے لہ

محمد و صاحب نے جو لکھا ہے کہ نبوت اور صدیقیت کے درمیان کوئی فصل نہیں ہے اسکی  
تائید خود قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔

ومن یطع اللہ و الرسول فاولئک مع  
الذین انعم اللہ علیہم من النبیین و الصدیقین  
و الشہداء و الصالحین و حسن اولئک  
رفیقاً (المائدہ)

اسکے علاوہ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت آنحضرت عمر اور حضرت عثمان کے  
ساتھ جبل احد پر چڑھے تو پہاڑ پر لڑنے کی کیفیت طاری ہو گئی، یہ دیکھ کر آپ فرمایا۔  
اسکن احد فلیس علیک الا بنی و صدیق

لہ مکتوب محمد و الف ثانی حصہ اول دفتر اول مکتوب چہم لہ حضرت محمد و صاحب مکتوب چہم اول دفتر اول  
و مکتوب چہم و یک حصہ دوم دفتر اول میں مقام صدیقیت کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے سمجھنے اسکا خلاصہ ہے الفظ  
میں دیدیا ہے

## و شہیدان لہ

اور دو شہید ہی تو ہیں۔

دیکھو اس حدیث میں بھی نبی صدیق اور شہید میں ترتیب وہی ہے جو قرآن مجید میں اس سے صاف  
معلوم ہوتا ہے کہ نبی کے بعد جو مرتبہ ہے وہ صدیق کا ہی ہے اور درمیان میں کوئی اور مقام حاصل نہیں ہے  
حضرت محمد و صاحب نے اسی حقیقت کی توضیح کرتے ہوئے صاف صاف یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ایک  
نبی اور ایک صدیق کے علوم میں فرق صرف اس قدر ہے کہ نبی کے علم کا سرچشمہ وہی ہوتا ہے جس میں کشف  
مغربی کی گنجائش نہیں ہوتی اسکے برخلاف صدیق کا علم الہامی ہوتا ہے اس بنا پر ظاہر ہے کہ نظری  
اور غیر قطعی ہوتا ہے۔ لہ

چونکہ فرق صرف ذریعہ علم کا ہوتا ہے۔ اس بنا پر اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ جہاں تک قوی  
علمیہ عقلیہ اور اخلاق و ملکات کا تعلق ہے ایک صدیق بہت کچھ نبی کے مشابہ اور مماثل ہوتا ہے۔  
شاہ ولی اللہ صاحب نے مقام صدیقیت پر بڑی عمدہ اور بشوخیٹ کی ہے چونکہ یہ مقام بڑا  
نازک اور ذرا سی تبدیلی سے غلطی فہمی کا امکان ہے اسلئے ہم اپنی طرف سے کچھ بے بنیاد شہادتیں کی تقریر  
کا خلاصہ نقل کرتے ہیں لہ

تصرف کے مقامات و احوال کس طرح پیدا ہوتے ہیں اس سلسلہ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں  
جب کوئی شخص اللہ کی کتاب اور اسکے رسولوں پر اس طرح ایمان لاتا ہے کہ اسکے تمام قوائے قلبیہ و نفسیہ کی گنگ  
میں وہ نہایت کرجا ہے لکن بعد ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے اور اعتقاد و جو اس کیساتھ حق جو ہدایت ادا کرتا ہے اور  
ان اعمال کو برابر جی لاتا رہتا ہے تو ان تینوں لطیفوں (عقل، قلب، نفس) میں عبودیت کی روح حلول کر جاتی ہے اب  
تینوں لطیفہ عبودیت میں خرابی ہو کر اصل فطرت ہی بن جاتے ہیں اور چونکہ فطرت انسانی کے غلبہ کی حالت میں عقل کا  
مقتضی یہ ہے کہ جس چیز کے مناسبت اسکے سامنے آئیں وہ اس کی تصدیق کرے اس بنا پر عقل کی تہذیب کا تقاضا یہ ہے  
احکام شرعیہ پر اس طرح یقین کرے کہ گویا وہ اسکو صاف صاف نظر آ رہے ہیں جو مقامات اور احوال عقل سے تعلق رکھتے ہیں  
ان میں اصل چیز یقین ہے اور یقین سے ہی مختلف مقامات مثلاً توحید، توکل، شکر، انس، ہیبت، تقویہ، حیرت اور محبت  
لہم ج ۱ ص ۵۱۲ باب ثبات عثمان لہ مکتوبات حصہ دوم دفتر اول مکتوب چہم و یک لہ شاہ صاحب کی تقریر کا یہ خلاصہ  
مجہد کتابتہ ج ۲ باب بقیۃ مباحث الامان کا خود شاہ صاحب نے پر انشاء الخفا مقصد دوم میں بھی مختلف عنوانوں  
کا تحت لکھی ہیں لیکہ وہ مندرجہ ہیں اور مجہد اللہ ابالغز میں سب ایک جگہ جمع ہیں اسلئے ہمارا ماننا ہے کہ

اسکے بعد شاہ صاحب یقین کے مختلف مراتب پر گفتگو کی ہے اور اس ذیل میں لکھتے ہیں:

یقین کی تیسری شاخ صدیقیت اور محدثیت ہے اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ امت میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو فطرتاً ہی پیغمبروں کے شاہرہ ہوتے ہیں اب اگر یہ شاہرہ بہت قزاقی عقیدہ میں ہوتو اس شخص کو صدیق اور محدث کہتے ہیں۔ اور اگر قرآنِ عظیمہ میں ہوتو وہ شہید یا سحاری کہلاتا ہے۔

لیکن پھر صدیق اور محدث میں فرق یہ ہے کہ صدیق کی روح پیغمبر کا اثر بڑی تیزی سے قبول کرتی ہے جیسے گندھک آگ سے بہت جلد اثر پذیر ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر ایک صدیق جب پیغمبر کی زبان سے کوئی بات سنتا ہے تو وہ فوراً اس کے دل میں اتر جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس چیز کا علم اس کو خود بخود بغیر کسی کی تقلید کے حاصل ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کی نسبت یہ جو روایت ہے جب آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو وہ جبریل امین کی آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے تو اس بھی دراصل اسی بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔

اسکے علاوہ صدیق کے چند اور خصائص بھی ہیں مثلاً وہ اس حق کی جو نبی پر نازل ہوتی ہے محبت میں اپنی جان و مال تک قربان کر دیتا ہے۔ حق سے محبت کی وجہ سے کسی لہر میں اسکی مخالفت نہیں کرتا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ابوبکر کی ان تمام فداکاریوں کا اظہار فرمایا ہے حضرت ابوبکر کی یہ خصوصیت اسکے لیے تھی کہ وحی کے انوار آنحضرتؐ کی روح مبارک سے چھن چھن کر ابوبکر صدیق کی روح پر عکس نکلے ہوتے تھے اور اس بنا پر جب تاثیر و تاثر اور فعل و انفعال کے اس عمل میں شدت و تکرار پیدا ہوتی تو اس سے فنا اور فدا کا مقام حاصل ہو گیا۔

صدیق کی علامتیں متعدد ہیں مثلاً اسکا عالم بالرویا ہونا بغیر معجزہ کے سب سے پہلے ایمان لانا حبِ الہی میں عرق رہنا خوف و خشیت سے مغلوب رہنا۔ ظاہر ہے یہ تمام صفات کمال و تمام حضرت ابوبکر میں پائے جاتے تھے اس بنا پر آنحضرتؐ کی براہ راست خلافت کا مستحق آپ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔

اسکے بعد شاہ صاحب نے تجلیات کی بحث چھیڑ دی ہے اور اس سلسلہ میں بتایا ہے کہ حضرت ابوبکر کا کیا مقام تھا لیکن چونکہ یہ بحث بہت غامض اور دقیق ہے جبکہ عام قارئین متحمل نہیں

لے حجتہ اللہ البالغہ صفحہ دوم از مفر ۶۸ تا ۷۰

ہو سکتے اسلئے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں بہر حال اس تمام بحث سے اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت ابوبکر کا مقام صدیق ہونے کی حیثیت سے کس قدر ادا تھا اور حقیقت انکی سب سے بڑی فضیلت سب سے بڑی منقبت اور سب سے بڑی تعریف ان کا صدیق ہونا ہے۔ اور یہ ایک اتنا بڑا وصف کمال ہے جس میں حضرت ابوبکر اپنی نظیر آپ تھے۔ چنانچہ جب حضرت حسان بن ثابت نے آپ کی شان میں یہ شعر آنحضرتؐ کی فرمائش پر سنائے۔

وثانی اثین فی العار المنیف وقد طاف العدو بہ اذ صعد الجبلا  
وکان حب رسول اللہ قد علموا من البریة لہ یعدل بہ رجلا  
ترجمہ۔ اور ابوبکر بلذ غار (ثور) میں دو دینے ایک تھو۔ حالانکہ جب دشمن پہاڑ پر چڑھا تو اس نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا اور آپ رسول اللہؐ کے محبوب تھے۔ تمام صحابہ اس بات کو جانتے تھے کہ اس خصوصیت میں دنیا کا کوئی ایک شخص بھی آپ کا حریف نہیں ہے۔

توسرے عالم کو فرط مروت سے ہنسی اس طرح آگئی کہ دندان مبارک نظر آئے گئے اور ارشاد ہوا: "ہاں حسان! تم نے سچ کہا۔ بیشک ابوبکر ایسے ہی ہیں"۔ اے آپ کی یہ فضیلت بھی کچھ کم نہیں ہے کہ آپ کی چار نسلوں کو آنحضرتؐ کیساتھ صحبت و معیت کا شرف حاصل ہوا۔ ان چاروں کی ترتیب یہ ہے۔

۱) حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ۔ (۲) خود حضرت ابوبکر۔ (۳) حضرت ابوبکر کے صاحبزادہ عبدالرحمن۔ (۴) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کے صاحبزادہ حضرت محمد بن عبدالرحمن لے

## اولیات

محمد بن دہورین نے حضرت ابوبکر صدیق کے ان کارناموں کا الگ الگ ذکر کیا ہے جنہیں کہنے سے پہلے سبقت کی ذمہ ذیل میں ان کی فہرست یک جا دیتے ہیں۔

۱) مردوں میں سب سے پہلے اسلام آپ نے قبول کیا۔

۲) قرآن مجید کا نام سب سے پہلے آپ نے مصحف رکھا۔

۳) قرآن مجید کو سب سے پہلے آپ نے جمع کرایا۔

لے ابن سعد ج ۵ القسم الاول ص ۷ - لے الاستیاب تذکرہ محمد بن عبدالرحمن

(۴) سب سے پہلا شخص جس نے کفار قریش کیساتھ آنحضرتؐ کی حمایت میں جنگ لڑی اور مزاجات شدیدہ برداشت کیں حضرت ابوبکرؓ ہیں۔

(۵) اسلام میں سب سے پہلے جن نے مسجد نبویؐ وہ حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں۔ حضرت صدیق اولؓ کے است کہ مسجد بنا کر دو اعلام اسلام نمود، لہ

(۶) آنحضرتؐ کی حیات میں جسکو سب سے پہلے حج کی امامت کا شرف حاصل ہوا وہ آپ ہی ہیں۔ (۷) آنحضرتؐ نے جسکو باصرار نماز کی امامت کا حکم فرمایا اور خود بھی اسکے پیچھے اقتداء کی وہ حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔

(۸) سب سے پہلے خلیفہ راشد ہیں اور سب سے پہلے شخص ہیں جو اس لقب سے پکارے گئے۔ (۹) سب سے پہلے خلیفہ ہیں جن کو باپ کی زندگی میں خلافت ملی۔ (۱۰) سب سے پہلے خلیفہ ہیں جس کا نفعہ رعایا نے مقرر کیا لہ

(۱۱) سب سے پہلے بیت المال آپ نے قائم کیا۔

(۱۲) سب سے پہلے اجتہاد و استنباط احکام کے اصول اربعہ آپ نے مقرر کئے۔

(۱۳) سب سے پہلے دوزخ سے نجات کی خوش خبری آنحضرتؐ نے آپ کو ہی دی اور عتیق کے لقب سے مشرف فرمایا۔

(۱۴) سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے بارگاہ نبوت سے کوئی لقب حاصل کیا۔

(۱۵) سب سے پہلے آپ نے ہی فرمایا "السلامہ موکل بالملئطق"۔

## ذاتی حالات و سوانح

حلیہ حضرت عائشہؓ سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا حلیہ کیا تھا؟ کہنے فرمایا۔ وہ گورے پٹے دیبے پتلے آدمی تھے۔ دونوں رخسار سے ہونٹے تھے مگر ذرا خمیدہ تھی، تہمہ پر رک نہیں سکتا تھا۔ نیچے کھک جاتا تھا۔ چہرہ بڑیاں نکلا ہوا تھا۔ آنکھیں اندر کی جانب دھنسی ہوئی تھیں، پیشانی بلند۔ انگلیوں کے جوڑ گوشت سے خالی تھے پنڈلیاں اور

رائیں پر گوشت نہیں تھیں۔ قدموزوں تھا، مہندی کا خضاب لگاتے تھے لہ لباس و غذا انہایت سادگی پسند تھے کپڑے بھی موٹے جھوٹے پہنتے اور کھانا بھی سادہ کھاتے تھے۔ بعض اوقات فاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے انہیں اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں دیکھا کہ بیوک سے بیقرار ہیں، ارشاد ہوا "میں بھی تمہاری طرح سخت بھوکا ہوں حضرت ابو۔ البیہم انصاری کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے کھانے کا انتظام کیا۔

ذریعہ معاش | آپ کا اصل ذریعہ معاش تجارت تھا اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے ان کو خیر میں ایک جاگیر بھی عنایت فرمائی تھی، بحرین میں بھی آپ کو جاگیر ملی تھی اور اطراف مدینہ میں لہوال بنی النضیر میں سے بیر جمر تھا جو آنحضرتؐ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ آپ نے اس کی اصلاح کی اسمیں بھجور کے درخت لگائے اور پھر حضرت عائشہؓ کو دیدیا۔ اس طرح بحرین کی جاگیر بھی حضرت عائشہؓ کو سہہ کر دی تھی لیکن دفعت کے وقت ان سے واپس لے لی تھی تاکہ بہن بھائیوں کی حق تلفی نہ ہو۔ لہ

روزانہ خلافت | خلیفہ ہونیکے بعد قوم نے آپ کیلئے وظیفہ مقرر کر دیا تھا؛ لیکن اس کی مقدار کتنی؟ اسمیں اختلاف ہے۔ ابن سعد نے یہ تمام روایتیں نقل کر دی ہیں ہماری سائے میں ان روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کا وظیفہ دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوا تھا لیکن جب دیکھا کہ گزر نہیں ہوتی تو اسمیں اضافہ ہونے لگا اور ادھر فرعونات کے باحث اسلامی ریاست کی مالی حالت بھی بہتر ہوتی جا رہی تھی اس بنا پر شدہ شدہ آپ کا وظیفہ چھ ہزار درہم سالانہ ہو گیا اور اسکے علاوہ پہننے کیلئے آپ کو دو چادریں دی جاتی تھیں جب وہ پرانی ہو جاتی تھیں تو انکی جگہ دو اور چادریں دیدیتے تھے۔ اور وہ پرانی واپس لے لیتے تھے۔ سفر کرتے تھے تو سواری اور اہل و عیال کیلئے اتنا ہی خرچ ان کو ملتا تھا جو خلیفہ ہونے سے پہلے انکی اس کام کیلئے کافی ہوتا تھا کہ خلیفہ ہونیکے بعد کے معمولات | جب آپ خلیفہ منتخب ہوئے تو اس زمانہ میں مدینہ کے قریب ایک مقام "سبخ" میں اپنی بیوی صدیقہ بنت خارجہ کیساتھ رہتے تھے۔ جمعیت کے بعد بھی چھ مہینے تک آپ کا قیام وہیں رہا۔ اس مدت میں صبح کیوقت کبھی باپا دہ اور اکثر گھوڑے پر بیٹھ کر مدینہ آتے تھے، جسم پر تھمداد پھاڑ ہوتی تھی جو کیر و رنگ کی ہوتی تھی پلوڑا دن آپ مدینہ میں گزارتے لہ طبری ج ۲ ص ۶۱۵ لہ طبقات ابن سعد سیرت خلفاء راشدین کہ ابن سعد تذکرہ حضرت ابوبکرؓ

اور نمازوں میں امامت کرتے تھے جب آپ نہیں ہوتے تھے تو حضرت عمر نماز پڑھاتے تھے لے  
چھ مہینوں تک یہی معمول رہا۔ اس کے بعد مدینہ میں بھی مستقل سکونت اختیار کر لی۔  
عبادت | جب نماز پڑھتے تھے تو خشوع و خضوع کا اس درجہ غلبہ ہوتا تھا کہ ایک کڑی کپڑی  
سیدھے کھڑے رہتے تھے۔ لے

حقوق العباد کا خیال | حق اللہ کے سوا حقوق العباد کا بھی اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ ایک  
مرتبہ رسول اللہ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ آج تم میں سے روزہ دار کون ہے؟ حضرت  
ابوبکر بولے "میں یا رسول اللہ! پھر پوچھا" تم میں سے آج کس نے جنازہ کی مشالعت کی ہے تم میں  
میں سے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ کسی مریض کی عیادت کی ہے؟ جس شخص نے ان سب بات  
کا جواب اثبات میں دیا وہ صرف حضرت ابوبکر صدیق کی ذات تھی آنحضرتؐ میں سن کر ارشاد فرمایا  
"جس نے ایک دن اتنی نیکیاں کی ہیں وہ یقیناً جنت میں جائیگا لے

رقت قلب | قلب نہایت رقیق تھا۔ قرآن مجید جب پڑھتے تھے تو آنسوؤں کی جھری لگتی  
تھی اور اس طرح بلب بلب کر روتے تھے کہ جو لوگ اس وقت موجود ہوتے ان کا بھی بھر آتا اور رو  
لگتے تھے۔ سالہ میں جب حج کیلئے تشریف لے گئے تھے تو مکہ میں حضرت عمر بن ابی بکر  
اور کچھ دوسرے لوگ آنحضرتؐ کی تعزیت کیلئے آپ کے پاس آئے تو آپ کا حال یہ تھا کہ یہ  
حضرت تعزیت کرتے تھے اور حضرت ابوبکر روتے جاتے تھے ہم بات پر سردا کھینچنے کی  
وجہ سے آپ کا لقب ہی "اَوَاكُمْنِيْبٌ" ہو گیا تھا۔

قیم کس طرح کھاتے تھے | آپ کی بعض خاص عادتیں تھیں جو صحابہ کرام میں مشہور  
تھیں، مثلاً اگر کوئی قیم کھا کر یہ کہنا ہوتا تھا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، تو فرماتے تھے لاہا اللہ لاف  
ازواج | طبری میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے کل چار نکاح کئے ہیں۔ حکومت اسلام سے قبل اور حکومت  
اسلام کے بعد، اسلام سے پہلے آپ نے جن خواتین سے عقد کیا تھا ان کے نام (۱) قتیلہ بنت عبد العزی  
اور (۲) ام رومان بنت عامر بن عمیرہ ہیں اور اسلام قبول کرنے کے بعد جن خواتین سے شادی کی

لے ابن سعد تذکرہ حضرت ابوبکر صدیق لے کنز العمال برسر امام احمد ج ۲ ص ۲۶۰  
لے صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۴ لے ابن سعد تذکرہ حضرت ابوبکر لے بخاری ج ۱ ص ۵۵۸

ان کے نام حضرت اسماء بنت عمیس اور (۲) حبیبہ بنت خاریہ ہیں یہ سب بیکر چار بی بیوں  
لیکن بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپ نے بزرگ کی ایک عورت سے بھی  
جس کا نام ام بکر تھا شادی کی تھی اور ہجرت کے وقت الحوطلاق دے دی تھی لے  
ام رومان | قتیلہ بنت عبد العزی کا اسلام مشکوک ہے۔ حافظ ابن حجر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر وہ  
فتح مکہ تک زندہ رہیں تو غالب یہی ہے کہ مسلمان ہو گئی ہوتی۔ البتہ ام رومان کو یہ شرف حاصل تھا  
ام رومان سے پہلے عبد اللہ بن الحارث نامی ایک شخص کی بیوی تھی۔ عہد جاہلیت میں مکہ اگر اس شخص نے حضرت ابوبکر  
سے مخالفت کر لی تھی چنانچہ جب اسکا انتقال ہو گیا تو حضرت ابوبکر نے ام رومان کیساتھ شادی کر لی ہجرت کے وقت ابوبکر  
مکہ میں چھوڑ گئے تھے بعد عبد اللہ بن الرقیط کو بھی بکر ان کو بھی مدینہ بلوایا۔ حضرت ام رومان  
کے سال وفات میں بڑا اختلاف ہے ابن سعد ذی الحجہ ۱۱ھ لکھتے ہیں بعض محدثین ۱۲ھ یا ۱۳ھ  
کو ان کا سال وفات بتاتے ہیں لے لیکن صحیح ابن سعد کی ہی روایت ہے کہ یہ نہ کہ حدیث انک میں حضرت  
ام رومان کا نام آتا ہے۔ اور یہ واقعہ بے شبہ ہجرت سے پانچ سال بعد کا ہے حضرت ام رومان کی فضیلت  
اس پر بھروسہ ہوگی کہ جب آنحضرتؐ نے انکی نعش کو قبر میں اتار تو ان کیلئے دعا کے مغز کی اور فرمایا  
لے خذہم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ام رومان نے تیرے لئے اور تیرے

اسما بنت عمیس | قتیلہ ختم سے تعلق رکھتی تھیں آنحضرتؐ کی زوجہ حضرت میمونہ کی ماں بزرگ  
ہیں تھیں انہوں نے شروع میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت علیؑ کے حضرت جعفر سے  
ان کا پہلا نکاح ہوا تھا جب حبش کی ہجرت کا حکم ہوا تو میماں بیوی بھی دونوں حبش ہجرت  
کر گئے تھے۔ جعفر کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر نے نکاح کر لیا۔ ایک مرتبہ حضرت اسماء  
نے آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ یا رسول اللہ! لوگ ہمارے مقابلہ میں اپنی بڑی فضیلتیں جتاتے ہیں  
آپ نے فرمایا "ابے اگر کوئی تم سے ایسی بات کہے تو تم کہنا کہ تم لوگوں نے تو ایک مرتبہ ہجرت کی ہے  
مجھ کو دوسرے ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر بھی انکی  
فضیلت اور بزرگی کے قائل تھے۔ چنانچہ آنے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ ان کو  
عسل جنازہ حضرت اسماء دیں۔ لے حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد حضرت اسماء نے حضرت  
لے طبری ج ۲ ص ۱۱۶ ابن اثیر میں بھی یہی لکھ بخاری ج ۱ ص ۵۵۸ لے ابن سعد تذکرہ ام رومان لے ایضاً لے الاما بکر ج ۱ ص ۱۱۶



جذیبہ بنت خارجہ ان کے حالات کچھ زیادہ نہیں ملتے۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ مدینہ کی ہجرت کے بعد حضرت ابوبکر نے جن حضرت خارجہ کے ساتھ مواخات کی تھی حضرت جمیلہ نہیں کی بیٹی تھیں اور حضرت ابوجر کے ساتھ شادی کے بعد سح میں انہیں کیا تھہرتے تھے۔ حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد انہوں نے اسان بن عبتر بن عمر سے نکاح کر لیا تھا۔ ۱۰

**اولاد** حضرت ابوبکر کی اولاد چھ تھیں۔ تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں۔ عبدالرحمن۔ عبداللہ۔ محمد۔ اسماء۔ عائشہ اور ام کلثوم صاحبزادیوں کے نام ہیں۔ حضرت ابوبکر کے سب سے بڑے صاحبزادہ ہیں۔ حضرت ام رومان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ غزوہ بدر کے موقع پر مکہ سے قریش کے ساتھ آئے تھے۔ میدان جنگ میں یہ آگے بڑھے اور مبارز طلب ہوئے تو حضرت ابوبکر نے ان کے مقابلہ پر جانے کی اجازت طلب کی لیکن آنحضرت نے اجازت نہیں دی اس کے بعد غزوہ احد میں بھی یہ مشرکین کے ہمراہ تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام سے مشرف ہوئے اور مدینہ آکر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے۔ شجاعت اور تیراندازی میں تمام قریش میں ممتاز تھے اسلام قبول کرنے کے بعد لکھے یہ جبرہ دین حق کی حمایت و نصرت میں صرف ہونے لگے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد عہد نبوت میں جو غزوات پیش آئے ان میں برابر شریک رہے لیکن جنگ یمامہ میں تو انہوں نے کمال ہی کر دکھایا۔ دشمن کے ساتھ بڑے بڑے جنگی افسروں کو تنہا انہوں نے اپنے تیر کا نشانہ بنا کر ختم کر دیا تھا اسی طرح قلعہ یمامہ کی دیوار میں ایک شگاف تھا۔ مسلمان اسکے ذریعہ اندر داخل ہونا چاہتے تھے لیکن محکم بن طفیل نام کا ایک سردار اسکی حفاظت کر رہا تھا حضرت عبدالرحمن نے تاک کر اسکے سینہ پر ایسا تیر مارا کہ تڑپ کر خاک کا ڈھیر تھا۔ اور مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت عائشہ اور یہ دونوں گئے بہن بھائی تھے اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ چنانچہ ۳۷ھ میں انکا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ نے بڑی ہجرت سے

۱۰ لہ الاستیعاب تذکرہ اسماء بنت عیسٰی ۳۷ھ الامابہ ج ۲ ص ۲۶۱ ۱۱ لہ الاستیعاب برالاصابہ ج ۲ ص ۲۶۱

۱۲ لہ الاستیعاب برالاصابہ ج ۲ ص ۲۶۳۔ ۱۳ ہ اشعار صبیح بخاری میں بھی ہیں۔

وکنالکد مانی جذیمة حقبة  
من الدهر حتی قیل لن یتصدعا  
فلما تفرقنا کافی ومالکنا  
لطول اجتماع لہ نبت لیلۃ ما

عبداللہ یہ قتیلہ کے بطن سے تھے اور حضرت اسماء کے حقیقی بھائی تھے۔ حضرت ابوبکر نے جب اسلام قبول کیا تو عبداللہ نے بھی قبول کر لیا تھا۔ ہجرت مدینہ کے سلسلہ میں جب آنحضرت اپنے رفیقین کے ساتھ غار ثور میں مقیم تھے تو یہ خدمت حضرت عبداللہ ہی کے سپرد تھی کہ دن بھر کی قریش کی جو خبریں ہوتی تھیں وہ شام کو یہاں پہنچا دیتے تھے عبداللہ بن ارقیط جس نے ہجرت مدینہ کے وقت راہبری کی خدمت انجام دی تھی انہوں نے جب مکہ واپس پہنچ کر اطلاع دی کہ حضور بخیر و عافیت مدینہ پہنچ گئے ہیں۔ تو اب حضرت عبداللہ بن ابی بکر بھی حضرت ام رومان حضرت عائشہ اور حضرت اسماء کو لے کر مدینہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ فتح مکہ اور حنین و طائف کے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ اس آخری سفر مکہ (طائف) میں ہی ان کو ایک تیرا لگا جس سے شدید زخم پہنچا علاج معالجہ کے بعد زخم مندمل ہو گیا تھا کہ آنحضرت کی وفات کے چالیس روز بعد پھر پھوٹ پڑا اور وہ اس سے جان بڑھ کر گئے۔ ۱۰ محمد بن ابی بکر یہ اولاد ذکر میں سب سے چھوٹے تھے حجۃ الوداع کے سال ماہ ذی قعد کے اواخر میں بمقام ذوالحلیفہ حضرت اسماء کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ان کے ایک بیٹے کا نام قاسم تھا۔ اسی نسبت سے حضرت عائشہ نے انکی کنیت ابو القاسم رکھ دی تھی حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد جب انکی والدہ نے حضرت علی سے شادی کر لی تھی تو اس تقرب سے محمد بن ابی بکر کو اخوش مرتضوی میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان کے خون ناحق کے دھبوں سے محمد بن ابی بکر کا دامن بھی پاک نہیں تھا۔ لیکن حافظ ابن عبد البر نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن عبد البر نے کہا کہ محمد بن ابی بکر دامن عثمان کے خون سے پاک نہیں تھے۔ حضرت عثمان کے خون کا دامن ذرا بھی نہیں ہوا۔ حضرت عثمان نے جب یہ کہا کہ محمد اگر تیرا باپ تھے تو اس حالت میں دیکھتا تو مر گزرتے پسند

۱۰ لہ الاستیعاب برالاصابہ ج ۲ ص ۲۶۳۔ ۱۱ ہ اشعار صبیح بخاری میں بھی ہیں۔ ۱۲ لہ الاستیعاب ج ۲ ص ۲۶۵

۱۳ لہ الاستیعاب ج ۲ ص ۲۶۹

ہیں کرتا، تو محمد بن ابی بکر فوراً باہر نکل گئے۔  
وفات نہایت اندہناک طریقہ پر ہوئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسئلہ میں مہر کا والی بنا کر بھیجا تھا۔ جب یہ مہر پہنچے تو امیر معاویہ سے عمرو بن العاص کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کر دیا دونوں میں جنگ ہوئی۔ محمد بن ابی بکر شکست کھا گئے اور سپرد تیغ کر دیئے گئے۔ حضرت عائشہ کو خبر ہوئی تو بجد طال ہوا اور اس کے بیٹے قاسم کو اپنی تربیت میں لے لیا۔ حضرت عائشہ کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ حضرت قاسم کا شمار اپنے عہد کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔

اسماء بنت ابی بکر حضرت اسماء بنتوں میں سے بڑی تھیں انکی والدہ کا نام قیلہ یا قیلہ تھا حضرت ابو بکر کے ساتھ یہ بھی اسلام لے آئی تھیں، حافظ ابن عبدالبر کی روایت کے مطابق اسلام لائیں اولوں میں ان کا نمبر چھٹا ہوا تھا۔ حضرت زبیر بن عوام سے شادی ہوئی تھی ہجرت کے سلسلہ میں جب یہ مدینہ روانہ ہوئی ہیں تو عبداللہ بن زبیر سے حاملہ تھیں تو باہر نکل کر ان کی ولادت ہوئی۔ آپ کا لقب "ذات النطاقین" کیوں تھا؟ اس کا ذکر ہجرت کے باب میں کرنا چاہئے خلیفہ رسول کی صاحبزادی ہونیکے باوجود بڑی محنت اور جفاکشی کی زندگی بسر کرتی تھیں اپنے شوہر حضرت زبیر کے گھوڑے کیلئے دانہ دلتی تھیں اور اسے سر پر رکھ کر نوز میں پل چلتی تھیں لہ حضرت ابو بکر کو اسکی اطلاع ہوئی تو ایک غلام عطا فرمایا۔

حجاج ثقفی نے حضرت اسماء کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کر کے انکی لاش تختہ دار پر لٹکی رہنے دی تھی۔ جب تین دن گزر گئے تو حضرت اسماء ادھر سے گزریں اور بیٹے کو لاش کو دیکھ کر بولیں کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ ڈرہا تختہ عودی پر سے اتار آئے۔ حجاج نے یہ سن کر اگرچہ گستاخی کی لیکن بہر حال لاش اتروالی، اسکے چند روز بعد ہی حضرت اسماء نے کم و بیش سو برس کی عمر میں ۳۵ھ میں مکہ میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئیں حضرت عائشہ ام المؤمنین حضرت عائشہ حضرت ام رومان کے بطن سے بعثت ہوئی سچا پانچ برس بعد پیدا ہوئیں، حضرت ابو بکر کی سب سے زیادہ چہیتی بیٹی اور آنحضرت کی محبوب لہ الامابہ ج ۳ ص ۲۵۱ لہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۸ لہ الاستیعاب بالاصابہ ج ۳ ص ۲۱۸

ترین بیوی تھیں۔ حضرت عطاء بن ابی رباح کا قول ہے کہ۔  
كانت عائشة افقه الناس واعلم الناس حضرت عائشہ تمام لوگوں سے زیادہ  
واحسن الناس رايًا في العامة لہ فقیہ صاحب علم اور صاحب الرائے تھیں۔  
امام زہری کا قول ہے کہ اگر تمام ازواج مطہرات اور سب عورتوں کے علم کا موازنہ  
حضرت عائشہ کے علم کے ساتھ کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم ان سب سے افضل ثابت  
ہو گا لہ آپ کی کس کس خوبی اور کمال اور کس کس فضیلت و منقبت کو بیان کیا جائے۔  
اردو میں مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے ایک مستقل اور مستند کتاب "سیرت  
عائشہ" کے نام سے موجود ہے۔ اس کی مراجعت کرنا چاہئے۔ فقہی اور جہادی مسائل  
میں مرجع نام تھیں۔ اور علوم کے علاوہ طب اور شعر کا بھی بہت صاف ستھرا مذاق رکھتی  
تھیں اپنے عہد کی بلند پایہ خطیبہ تھیں جب تقریر کرتی تھیں تو سننے والوں پر سحر کی  
سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ کھڑے میں دو شنبہ کے دن، ۱۶ ماہ رمضان کو وفات  
حسرت آیت ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں لہ رضی اللہ عنہا  
ام کلثوم حضرت عبیدہ بنت جراح کے بطن سے حضرت ابو بکر کی پیشین گوئی کے  
مطابق آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ اسکے حضرت ابو بکر صدیق کی اولاد  
انجا دیں صرف یہی ایک ایسی تھیں جو تابعیہ تھیں۔ ان سے متعدد روایات مروی ہیں۔  
جابر بن عبد اللہ بن یحییٰ اور غیرہ ابن حکیم وغیرہم نے ان سب روایات کی ہے۔ لہ

انکو ٹھی حضرت ابو بکر ایک انکو ٹھی بھی رکھتے تھے جس پر یہ عبادت کندہ تھی۔

"لعمرو القادر اللہ" ھ

لہ الامابہ ج ۳ ص ۲۴۹ لہ ایضاً لہ الامابہ ج ۳ ص ۲۵۰ لہ الامابہ ج ۳

ص ۳۶۹ ھ طبری ج ۲ ص ۶۱۰

## تبصرہ

رسول اللہ کے خلیفہ اول کی حیاتِ طیبہ کا پورا مرتع اب تمہارے سامنے ہیں اسکو غور سے دیکھو تو تمکو اس آئینہ میں ایک ایسے انسان کی شکل و صورت نظر آئے گی جو ہمہ جہت سے مکمل ہے جس میں انسانی کمالات و اوصاف بیک وقت سمٹ کر جمع ہو گئے ہیں۔ ایک انسان کی تکمیل کا درو مدار اسکی ان باطنی قوتوں کی اعلیٰ تربیت و تہذیب پر موقوف ہے جو قدرت نے اسکے اندر ودیعت رکھ دی ہیں یہ قوتیں اصولی طور پر دو ہیں ایک قوت نظری اور دوسری قوت عملی پہلی قوت کے اعتدال سے جو کمالات پیدا ہوتے ہیں وہ ذکاوت، حُسن، فہم، احتمال، فکر، شہامت وغیرہ ہیں اور قوت عملی کے استعمال سے جو اوصاف و کمالات پیدا ہوتے ہیں وہ شجاعت، سخاوت، بعثت، عینت و علم خودداری وغیرہ ہیں کسی شخص میں ان تمام اوصاف و کمالات کا بیک وقت جمع ہو جانا انسانی سعادت و خوش نصیبی کی معراج کمال ہے۔ اور قرآن مجید میں اسی کو خیر کہا گیا ہے اور فرمایا گیا "وہن یؤت الحکمۃ فقلوا و خیراً کثیراً" اگرچہ عمومی طور پر اس وصف خاص میں دوسرے صحابہ کرام بھی حضرت ابوبکر کے شریک ہیں لیکن جس طرح نیکی نیکی اور حسن حسن میں فرق مراتب ہوتا ہے اسی طرح حکمت حکمت میں بھی مدارج و منازل کا بڑا فرق و امتیاز ہے اسی فرق کے اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کا مقام سب سے اونچا تھا اور وہ حکمت و سعادت کے اس نقطہ عروج پر فائز تھے جو نبوت سے نیچے اور سب سے اونچا ہوتا ہے۔

خلفائے راشدین میں حضرت عمر فاروق کو وسعتِ فتوحات، تدوینِ دوا دین، نظم و نسق اور حکومت کے داخلی و خارجی انتظامات کی وجہ سے تاریخ اسلام میں جو اہمیت و عظمت حاصل ہے وہ ظاہر ہے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر کی مدتِ خلافت دس سال ہے اور حضرت ابوبکر کی کل سوا دو برس، اور اس سوا دو برس میں اپنے جو خدمات انجام دی ہیں وہ فاروقی کارناموں کیلئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

فتوحات کی وسعت اور حکومت کا نظم و نسق اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ قوم کے اندر وحدت نہ ہو اس میں کسی قسم کا داخلی انتشار اور طوائف الملوک کی نہ ہو، یہ قومی وحدت کس نے پیدا کی؟ پورے عرب کو متحد کس نے کیا؟ اور قومی یک جہتی کا تصور کس نے پھولکا؟ آنحضرت ص کی وفات کے فوراً بعد ارتداد و بغاوت کا سیلاب چاروں طرف سے جس زور شور سے اٹھا تھا اسکے مقابلہ میں مادی اسباب و حالات کے ماتحت ان صحابہ کرام کی جو مدینہ میں محصور ہو کر رہ گئے کیا بساط تھی؟ ان کا برصہا یہاں تک کہ خود حضرت عمر کی جلیں استقلال و پامردی پر اضطراب و تشویش کی شکن پیدا ہو گئی تھی چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا کہ جیش اسلام کو خاتم کے صحن قبائل کی طرف بھیجنا ملتوی کر دیا جائے۔ مانعین زکوٰۃ سے جہاد و قتال نہ کیا جائے۔ لیکن خلیفہ رسول نے جس ہمت و استقلال سے عزم و عالی حوصلگی کیساتھ ان سب حالات و حوادث کا مقابلہ کیا وہ انسانی تدبیر و عزم کی تاریخ کا ایک بلند ترین شاہکار ہے۔ تدبیر کا یہ عالم ہے کہ بڑے بڑے مغربی مصنفین تسلیم کرتے ہیں کہ ان حالات میں جیش اسلام کا روانہ کرنا ایک عظیم الشان سیاسی حربہ تھا جس قبائل عرب کو اور ایران اور روم کی طاقتوں کو نفسیاتی طور پر مہزوب کر دیا۔ عزم و استقلال اور ہمت و پامردی کی یہ کیفیت ہے کہ وہی رقیق القلب اور پیکر تقدس انسان جو آنحضرت ص کا نام آتے ہی رد پڑتا تھا۔ حضرت عمر جیسے انسان کو طعنہ دینا ہے کہ تم مجھ پر جاہلیت میں تو بڑے مصیبت تو تھے مگر اب تم کمزور ہو گئے، عرض کہ صحابہ کرام کی اکثریت کے برخلاف وہ ہمیشہ اپنے کی ہم بھی سر کرتے تھے۔ مانعین زکوٰۃ سے جنگ بھی کرتے تھے اور پھر اس سے تاریخ کو کہ مرتداد اور باغی قبائل کی سرکوبی کیلئے اپنے گیارہ لشکر پورے جزیرہ العرب میں پھیلا دیتا ہے جس کا چند مہینوں کے اندر ہی اندر نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ارتداد و بغاوت کے تمام تیر بار بادل یک قلم چھٹ جاتے ہیں اور پورا جزیرہ العرب ایک دین حق کے نیچے آ کر جمع ہو جاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کیفیت اپنے کہ۔

”عالم تمام مطلع انوار ہو گیا۔“

پھر خود اعتمادی۔ اولوالعزمی اور عالی حوصلگی کی مثال اس سے بڑھ کر اور کہا ہوگی کہ ابھی مرتد قبائل کی ہم سے پورے طور پر فراغت بھی نہیں ہوئی ہے کہ عرب کے خارجی استیقام و عظمت کی مصلحت کے تقاضے سے ایران و روم کو جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں تھیں چیلنج کر رہا ہے

اور پر سب کچھ پورہ ہی دفعہ و بغتہ نہیں ہو جاتا بلکہ جو کچھ کرنا ہے نہایت منظم اور مضبوط طریقہ پر کرتا ہے۔ عموماً خلیفہ از رسول عراق و شام کے محلہ جنگ سے سیکڑوں میل دورد مدینہ میں اپنے ایک چھوٹے سے اور غیر آراستہ مکان میں بیٹھا ہے۔ اور وہیں سے اسلامی فوجوں کی کمانڈ کرتا ہے۔ ان کو راستوں کے نشیب و فراز سمجھا رہا ہے۔ فریق محارب کے مورچوں کی خصوصیات بتا رہا ہے اور ان کے پیش نظر خود عساکر اسلام میں ترتیب و تہذیب قائم کر رہا ہے۔ اٹھا جنگ ایک ایک جزئیہ پر اسکی کڑی نگاہ ہے۔ اور اس کے لئے حسب موقع و مصلحت وہ احکام و ہدایات ڈالتا کرتا رہتا ہے۔ شام کے محاذ پر جب عہود و تعطل پیدا ہوا تو فوراً حضرت خالد کو حکم ہوتا ہے۔ کہ عراق سے شام پہنچیں اور وہاں جو اسلامی فوجیں ہیں انکی کمانڈ اپنے ہاتھوں میں لیں، اس حکم کی فوراً تعمیل ہوتی ہے۔ اور صورت حال ایک بیک بدل جاتی ہے۔ عجز کردہ عرب میں یہ اتحاد نہ پیدا ہوتا اور حیرہ کے میدان جنگ میں ایرانی فوج کو شکست فاش نہ ہوتی تو عہد فاروقی میں جو فتوحات ہوئیں کیا وہ پھر بھی ہو سکتی تھیں؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر کی نسبت فرمایا گیا کہ وہ حَسَنَةٌ مِّنْ حَسَنَاتِ اَبِي بَكْرٍ تھے۔ اور خود حضرت عمر نے اقرار کیا کہ وہ حضرت ابو بکر کے سینہ کے ایک بال ہیں۔“

تاریخ کا ایک طالب علم کہہ سکتا ہے۔ کہ دنیا میں سکندر اعظم۔ ہنری بال جنگیروں خاں اور تیمور اور بھی بڑے بڑے فاتح گذرے ہیں جنہوں نے نہایت عظیم الشان فوجی کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا میں کوئی عظیم الشان فاتح ایسا بھی گذرے جس نے دنیا کی تاریخ کا اور فی الرٹ دیا ہو۔ لیکن اسکے باوجود نہ اس کے سر پر تاج زر و نشان ہو اور نہ اوردی سلطانی معمولی سے معمولی آدمیوں کی طرح رہتا سہتا ہو اس میں اور دوسرے لوگوں میں شان و شوکت اور وجاہت و سطوت کے اعتبار سے کوئی فرق نہ ہو، وہ عملہ کی بکریوں کا دودھ بھی دودھ دیتا ہو۔ رات کے وقت چھپ چھپ کر ناجینا عورت کے گھر کا سارا کام بھی کرتا ہو۔ معمولی کپڑے پہنتا ہو۔ موٹا چھوٹا کھاتا ہو۔ اکھ پاس نہ خدمت ختم ہوں۔ اور نہ محلات و محوور نہ خزانے ہوں۔ اور نہ دوسرے سیم کے انبار نہ جو کھیل نہ دربان نہ مٹھی کا رڈ اور نہ پولیس کا کھانا دستہ۔ ایک معمولی سے معمولی انسان بھی بر ملا اسکو سر راہ ٹوک سکتا ہو۔ ایک۔ ذاتی حیثیت شخص

بھی بھرے مجمع میں اس سے باز پرس کر سکتا ہو اور جب وہ اپنی فوج کو کسی مہم پر روانہ کرنے کے لئے کچھ دور تک مشالحت کے لئے جانے تو اس شان سے کہ وہ خود پایادہ ہوا اور اسکا نوزخ و نوجوان امیر فوج گھوڑے پر سوار ہوا اسکی بیٹی اپنے شوہر کے گھوڑے کا دلیر خود دلہتی ہو اور پھر نوزخ میل سے سر پر رکھ کر پیدل چلتی ہو۔ اور خود اسکا اپنا سال یہ ہو کہ وہ کپڑوں کا گتھڑ اپنے سر پر رکھ کر بازار میں پھرتا ہو، بتاؤ فوجی و حربی کا منگاری کے ساتھ یہ جمہوریت اور یہ مساوات و برابری۔ یہ تو اضع و فروتنی پوری پوری تاریخ عالم میں کہیں اور بھی نظر آتی ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ جمہوریت اور مساوات کی جو مثال حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں قائم کی وہ اپنی جگہ بے نظیر ہے یہی حضرت ابو بکر صدیق کی اس بے نظیری اور انتہائی سادگی کو دیکھ کر حضرت عمر بھی کہہ پڑے کہ ”اے ابو بکر! تم نے اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے بڑی مشکلات پیدا کر دیں“ یعنی تمہارے نقش قدم پر چلنا کس کس کی بات نہیں پھر فاتحین و کشور کشایان عالم میں کتنے ہیں جن کے لشکروں نے شہروں کو تباہ کر دیا اور آبادیوں کو دیرانہ میں تبدیل نہ کر دیا ہو۔ بڑے بڑے بچھل اور عورتوں پر ترس کھایا ہو کھیتوں کو آگ نہ لگائی اور درختوں کو نہ کاٹا ہو۔ لیکن یہاں کیا عالم تھا۔ فوج روانہ ہوتی تھی تو بڑی تاکید سے ان اہل کی نسبت ہدایات دی جاتی تھیں اور کسی کی مجال نہ تھی کہ زمان خلافت سے ذرا مرتبا کی کر سکے۔ ان سب چیز کا اثر یہ تھا کہ جو لوگ میدان جنگ میں شمشیر آ زماں کرتے تھے جب ہوا کا رخ پلٹتا تھا تو انہیں کی زبانیں فاتحین کیلئے دعا میں کرتی تھیں۔ جنگ کے ختم ہونے کے بعد جنگ کی ہونٹا کیوں کا نام و نشان میدان جنگ سے باہر کہیں نظر نہیں آتا تھا اور ملک میں پہلے سے زیادہ خوش حالی اور اور آسودگی پیدا ہو جاتی تھی۔

یہ جو کچھ لکھا گیا حضرت ابو بکر صدیق کے کارناموں کا صرف ظاہر اور مادی پہلو تھا اگر خالص شرعی و دینی اور معنوی و باطنی پہلو کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ان نظر آگیا کہ جو کام آنحضرتؐ کی زندگی میں تمسک کو نہ پہنچا تھا خلیفہ اول کے ہاتھوں اسکی تکمیل ہوئی۔ بعد عرب قوم کو متحد کرنے کے علامہ قرآن مجید کو جمع کرنا اور اسکو فراع سے پائینا یہی ہے

ایک پیغمبر کا نام ہے۔ جس کی وجہ سے خود اللہ تعالیٰ کا وعدہ اِن عَلَيْنَا جَمَعَهُ  
پورا ہوا۔ قرآن جس پر اسلامی شریعت کی اساس قائم ہے اسکو جمع کر کے ہمیشہ کیلئے  
محفوظ کر دینا۔ زکوٰۃ و صدقات کے احکام کی تبلیغ و اشاعت اور اعلیٰ تفصیل و تشریح  
جیش اسلام کی روانگی، مرتداد باغیوں کی سرکوبی، مدعیان نبوت کا استیصال ایران  
اور روم کی ان کے اسلام دشمن منصوبوں کی بنا پر گوشمالی۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت  
قبائل عرب کا باہمی اتحاد و اتفاق پر لگا دینا۔ یہ سارے اہم کام جو کل سواد دہریں کی  
مدت میں حضرت ابوجہود صدیق کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئے اور کن نامساعد ناموافق  
حالات میں ہوئے اور کس طرح ہوئے؟ ان سب کو سامنے رکھو اور بتاؤ کہ کیا ان کے صف  
طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابوجہود پیغمبر نہیں تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ لیکن انکی یہ  
تمام کارنامے پیغمبرانہ تھے۔ چنانچہ حضرت ابوسریحہ نے ایک مرتبہ فرمایا "اگر ابوجہود نہ ہوتے تو  
خدا کی عبادت نہ کی جاتی" گو یا قرآن نے "ثانی اثنين اذ هما فی العار" کہہ کر پیغمبر آخر الزماں  
کے ساتھ جس کی جسمانی معیت و رفاقت پر مہر تصدیق ثبت کی تھی انزل میں اس کے لیئے  
یہ سعادت بھی مفقود کر دی گئی تھی کہ جسمانی رفاقت کے ساتھ معنوی اشتراک عمل اور باطنی  
رفاقت کا بھی اس سے مظاہرہ ہو۔

اسی خصوصیت کی بنا پر شاہ ولی اللہ دہلوی حضرت ابوجہود کے عہد خلافت کو صرف خلافت  
نہیں بلکہ خلافت خاصہ کا عہد کہتے ہیں، یہ مقام جو تکہ بہت نازک ہے اسلئے ہم خود اپنی طرف  
سے اس کی کوئی تفصیل نہیں کریں گے۔ بلکہ شاہ صاحب کی تقریر کے متفرق اقتباسات نقل  
کر کے انہیں پر کتاب بھی ختم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

از میان امت جمع ہستند کہ جو ہر نفس ایشان  
تقریب بجز ہر نفوس انبیا مخلوق شدہ و این  
جماعت دراصل فطرت خلق انبیا اندر است  
بمثال آخر آئینہ آہمی از آفتاب اثرے قبول  
نی کند کہ خاک و چوب و سنگ و نیست، این  
امت میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے نفس کا  
جوہر انبیا کے جوہر نفوس کے قریب ہی مخلوق  
ہوتا ہے۔ یہ لوگ پوری امت میں فطرتاً انبیا کے  
خلیفہ ہوتے ہیں اور ان کی مثال اس آئینہ جیسی  
ہوتی ہے جو آفتاب سے براہ راست اثر قبول کرتا

فریق کہ خلاصہ امت انداز نفس قدسیہ پیغامبر  
بوجہ متاخری شوند کہ دیگران را میر نمی آید  
و آنچه از آنحضرت فرآگرفته اند بشہادت دل  
فرآگرفته اند۔ گو یا دل ایشان آن چیز ہمارا  
اجمالاً ادراک کردہ بود و کلام آنحضرت شرح  
و تفصیل آن معانی اجمالی بود۔۔۔ پس خلافت  
خواجہ آنت کہ میں شخص جتنا کہ در ظاہر حال  
رئیس مسلمین شود بحسب وضع طبعی کہ مراتب  
استعدادات افراد بنی آدم است در ضبط و علو  
فطرت الامثل فالامثل نیز رئیس امت باشد  
تاریاست ظاہر ہمدوش ریاست باطن کہ در  
(از الہ الخفا مقصد اول ص ۹)

بلندی میں بھی رئیس امت ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ  
رہی ریاست ظاہر ہمدوش ریاست باطن ہوتی ہے  
جب ایک خلیفہ اس مرتبہ اعلیٰ پر متمکن ہوتا ہے کہ تو اگر چہ وہ خود پیغمبر نہیں ہوتا  
لیکن پیغمبر کا دست باند ہوتا ہے، اس کے اعضا و جوارح ہوتا ہے اور اس بنا پر اس کے  
تمام کارنامے خود گو یا پیغمبر کے کارنامے ہوتے ہیں۔ یہ خلیفہ تو صرف ایک واسطہ اور ذریعہ  
ہوتا ہے جیسے نغمہ سرائی و زمزمہ آفرینی دراصل نے نواز کا کمال ہے اگر چہ نغمہ نکلانے  
سے ہی۔ چنانچہ اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

آنچہ از تقسیم رحمت الہی نصیب پیغامبر گشتہ  
پیغامبر قبل از مباشرت آن بر شوق اعلیٰ  
پوستہ بوجہ از وجہ سببیت و انانیت  
آن معانی را بدست خلق اتمام ساختہ اند و بحقیقت  
آن ہمدار جماعت ہر پیغامبر و ایشان  
رحمت خداوندی کی تقسیم سے جو کچھ کس کو نصیب  
کے حصہ میں لکھ دیا گیا تھا اور آپ اسکو سرکار کام  
دینے سے پہلے ہی دنیا سے لشریف لے گئے تو اب  
ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اصالتاً نیابتاً  
ان چیزوں کو خلفا کے ہاتھ سے پورا کر لیا ہے۔

بمزلہ جو ارح پیغامِ شہ اندلاعِ پس  
 خلافتِ خاصہ آنت کراذ خلیفہ کارہائے  
 کہ نصیب آنحضرتؐ اور منسوب بالشان است  
 در قرآن عظیم و حدیث قدس بدست دے سر لکایا  
 شود و آنحضرتؐ انابت اور تصریحاً دتلویجاً  
 مرات کثیرہ انہار فرمودہ باشند تا آن ہمہ کارہا  
 در جریدہ اعمال حضرت پیغامِ مرقوم کرود۔  
 و ایشان شرف و مسامت حاصل نموده باشند  
 لا محیر۔ (ص ۱۰)

اور در حقیقت یہ تمام کارنامے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی  
 کارنامے کہلائیں گے اور خلفا پیغمبر کے اضافی طرح ہونگے اور  
 بس پس خلافتِ خاصہ کے معنی یہ ہیں کہ جو کما  
 قرآن مجید یا حدیثِ قدسی میں آنحضرتؐ کے حصہ  
 میں لکھے ہوئے ہیں وہ خلیفہ کے ہاتھوں سر انجام  
 ہوں اور آنحضرتؐ نے مراحتہ و اشارہ اسٹی  
 کی خلافت کا انہار بار بار کرنا بھی دیا ہو اس  
 کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ کے یہ تمام کارنامے  
 حضرت پیغامِ مرقوم کے دفتر اعمال میں درج کر لئے  
 جاتے اور خلیفہ کو بس دسامت کا شرف حاصل ہوتا

# بُرْهَانُ التَّنْزِيلِ

دو سو عقلی دلائل سے قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کا ثبوت  
 اپنے موضوع پر منفرد کتاب، جو ایک عرصہ سے نایاب تھی۔

حضرت مولانا محمد مسلم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ دارالعلوم دیوبند



ادارۃ اسلامیات

۱۹۰۔ انارکلی ○ لاہور

تاریخ اسلام کا گرانقدر ذخیرہ

## سیر الصحابةؓ (کامل)

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) تابعین، تبع تابعین اور نامور ائمہ کرام (رحمہم اللہ) کے مستند حالات زندگی پر اردو میں مرجع الراجحہ سے مزین سب سے اہم جامع اور مفصل سلسلہ کتب جو چودہ جتنوں میں تحریر کیا گیا تھا اب مجلد آٹھ جلدوں میں دستیاب ہے

### جلد ۱

حصہ اول : خلفائے راشدینؓ (چاروں خلفائے راشدین کے حالات و کمالات)

### جلد ۲

حصہ دوم : مہاجرین، حصہ اول (عشر و عشرہ اکابر قریش اور فوجِ مکہ سے پہلے اسلام لانے والے ۳۸ حضرت صحابہ کے حالات)  
حصہ سوم : مہاجرین، حصہ دوم (بقیہ ۱۰۱ مہاجر حضرت صحابہؓ کے حالات جو فوجِ مکہ سے پہلے اسلام لائے)

### جلد ۳

حصہ چہارم : انصار، حصہ اول (۵۱ جلیل القدر انصار کرام صحابہؓ کے حالات)

حصہ پنجم : انصار، حصہ دوم (بقیہ ۶۴ انصار کرام اور خلفائے انصار صحابہؓ کے حالات)

### جلد ۴

حصہ ششم : چار صحابہؓ حضرت امام حسنؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حالات  
حصہ ہفتم : (فوجِ مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے یا صغیر السن ۱۵۰ صحابہؓ کے حالات کا مرقع)

### جلد ۵

حصہ ہشتم : اُسوۃ صحابہؓ اول (صحابہ کرامؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق، عیش، معاشرت اور طرزِ معاشرت)  
حصہ نہم : اُسوۃ صحابہؓ دوم (صحابہ کرامؓ کی سیاسی، مذہبی، علمی خدمات کی تفصیل اور مجاہدانہ کارنامے)

### جلد ۶

حصہ دہم : سیر الصحابیاتؓ (ازواجِ مطہراتؓ بناتِ طاہراتؓ اور اکابر صحابیاتؓ کے سوانحِ زندگی)  
حصہ یازدہم : اُسوۃ صحابیاتؓ (صحابیات کے مذہبی، علمی، اخلاقی، معاشرتی واقعات اور دینی خدمات)  
حصہ دوازدہم : (۹۳) اہل کتاب صحابہؓ صحابیاتؓ اور تابعینؓ و تبعاتؓ کے سوانح اور کارنامے)

### جلد ۷

حصہ سیزدہم : تابعین (۹۶) اکابر تابعینؓ کے سوانحِ زندگی، علمی، اصلاحی خدمات، مجاہدانہ کارنامے)

### جلد ۸

حصہ چہارہم : تبع تابعینؓ (اول) (۱۹) جلیل القدر تبع تابعینؓ مشہور ائمہ کرامؓ کے حالات و کمالات)

### جلد ۹

حصہ پانزدہم : تبع تابعینؓ (دوم) (۴) تبع تابعینؓ کے سوانح و حالات اور ان کی علمی و دینی خدمات کی تفصیل

سائے بڑھانے پر مشتمل سیکرٹریٹ، ڈائری وارنٹوں، جلدوں میں مجلد، گلیسر سفید کاغذ، ڈائری وارنٹوں، جلدوں میں مجلد، جیت - /

نشر: اِن اِدَاةِ اِسْلَامِيَّاتِ ۰ ۱۹۰ - اِنَارِكِي ۱۹۰۵ - لاہور ۱۰